اَللُّؤْلُؤُالْمَكْنُوْن

جلد پنجم

سیرت انسائیکلوپیڈیا



• فخرِ انسانیت سیّدنا محمد ﷺ کی قیادت میں اوّلین اسلامی ریاست کا قیام • پرانے رویوں اور روایتوں کے مطابق یہودیوں کے شرمناک حربے • سیّدِ عالم ﷺ کی محبوب ترین زوجہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی • تحویلِ قبلہ کا حکم اور اس کی عظیم حکمتیں • کفار و مشرکین سے جہاد کا حکم اور غزوۂ بدر

دارالسّلام
DARUSSALAM

دارُالسّلام
ریسرچ سنٹر



وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

جلد 5

اللؤلؤ المکنون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبھا الصلاۃ والسلام



وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

اللؤلؤ المکنون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبہا الصلاۃ والسلام

جلد 5



- فخرِ انسانیت سیّدنا محمد ﷺ کی قیادت میں اوّلین اسلامی ریاست کا قیام
- پرانے رویّوں اور روایتوں کے مطابق یہودیوں کے شرمناک حربے
- سیّد عالم ﷺ کی محبوب ترین زوجہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی
- تحویلِ قبلہ کا حکم اور اس کی عظیم حکمتیں
- کفار و مشرکین سے جہاد کا حکم اور غزوۂ بدر



اللؤلؤ المكنون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبہا الصلاۃ والسلام

سیّدنا محمد ﷺ کی قیادت میں اوّلین اسلامی ریاست کا قیام، یہودیوں کے شرمناک حربے، سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی، تحویل قبلہ، کفار ومشرکین سے جہاد کا حکم اور غزوۂ بدر کا ایمان افروز معرکہ۔

نگرانِ علمی: عبدالمالک مجاہد

تصنیف و تالیف

حافظ محمد ابراہیم طاہر کیلانی

(ایم اے اسلامیات، فاضل مدینہ یونیورسٹی)

مولانا تنویر احمد

(فاضل علوم اسلامیہ)

حافظ عبداللہ ناصر مدنی

(فاضل علوم اسلامیہ)

تصحیح و تنقیح/نظر ثانی

مولانا ارشاد الحق اثری

(فاضل علوم اسلامیہ، معروف مؤلف و محقق)

جناب محسن فارانی

(ایم اے اردو، ماہر تاریخ، جغرافیہ و لسانیات)

مولانا محمد خالد سیف

(ر) ریسرچ سکالر اسلامی نظریاتی کونسل اسلام آباد

معاونت

جناب احمد کامران

(سینئر صحافی و ماہر اردو زبان و ادب)

ڈیزائننگ و کمپوزنگ

محمد صفت الٰہی

(آرٹ ڈائریکٹر)

عبدالواسع

(گرافک ڈیزائنر)

محمد نعیم

(گرافک ڈیزائنر)

عبدالخالق

(کمپوزر)

دارالسلام
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پرنس عبدالعزیز بن جلاوی سٹریٹ پوسٹ بکس:22743 الریاض:11416 سعودی عرب
فون:00966 1 4043432-4033962 فیکس:4021659 www.darussalamksa.com
Email: darussalam@awalnet.net.sa info@darussalamksa.com

الریاض • العلیا فون:00966 1 4614483 فیکس:4644945 • الملز فون:00966 1 4735220 فیکس:4735221
• سویدی فون:00966 1 4286641 • سویلم فون/فیکس:00966 1 2860422

جدہ فون:00966 2 6879254 فیکس:6336270 مدینہ منورہ فون:00966 4 8234446,8230038 فیکس:04 8151121
الخبر فون:00966 3 8692900 فیکس:00966 3 8691551 خمیس مشیط فون/فیکس:00966 7 2207055
ینبع البحر فون:0500887341 فیکس:8691551 قصیم (بریدہ) فون:0503417156 فیکس:00966 6 3696124

امریکہ • نیویارک فون:001 718 625 5925 • ہیوسٹن:001 713 722 0419 کینیڈا • نصیر الدین الخطاب فون:001 416 4186619
لندن • دارالسلام انٹرنیشنل لیمیٹڈ فون:0044 20 77252246-0044 20 85394885 • برمنگھم:0044 0121 7739309
متحدہ عرب امارات • شارجہ فون:00971 6 5632623 فیکس:5632624 فرانس فون:0033 01 480 52928 فیکس:0033 01 480 52997
انڈیا • دارالسلام انڈیا فون:0091 44 45566249 موبائل:0091 98841 12041 • اسلامک بکس انٹرنیشنل فون:0091 22 2373 4180
• ہدیٰ بک ڈسٹری بیوٹرز فون:0091 40 2451 4892 موبائل:0091 98493 30850 • ام القریٰ پبلیکیشنز فون:0091 44 42157847
سری لنکا • دارالکتاب فون:0094 115 358712 • دارالایمان ٹرسٹ فون:0094 114 2669197

پاکستان ہیڈ آفس و مرکزی شوروم

لاہور 36-لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ لاہور فون:0092 42 373 240 34,372 400 24,372 32 4 00 فیکس:042 373 540 72
• غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون:0092 42 371 200 54 فیکس:042 373 207 03
• Y بلاک، گول کمرشل مارکیٹ، دکان:2 (گراؤنڈ فلور) ڈیفنس، لاہور فون:0092 42 356 926 10

کراچی مین طارق روڈ، ڈالمین مال سے (بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی کراچی فون:0092 21 343 939 36 فیکس:0092 21 343 939 37

اسلام آباد F-8 مرکز، اسلام آباد فون/فیکس:0092 51 22 815 13
info@darussalampk.com | www.darussalapk.com

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
مكتبة دارالسلام
موسوعة السيرة النبوية / المجلد ٥ - اردو / مكتبة دارالسلام - الرياض، ١٤٣٣ هـ
ص: ٥٦٨ مقاس: ٢٤×١٧ سم
ردمك: ٥-١٧٥-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨
(النص باللغة الاردية)
١. السيرة النبوية ٢- الشمائل المحمدية أ. العنوان
ديوي ٢٣٩ ١٤٣٣/٩٠٧١
رقم الإيداع: ١٤٣٣/٩٠٧١
ردمك: ٥-١٧٥-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨



شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ

وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ

وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ

اللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ

إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ

صحيح البخاري: 3370 صحيح مسلم: 405-407

رسول ﷺ کی مدحت میں
سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے
خوبصورت اشعار

وَأَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي
وَأَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

اور آپ کی ذاتِ اقدس سے زیادہ حسین میری نگاہ نے کبھی کوئی دیکھا ہی نہیں
اور آپ سے زیادہ حسن و جمال والا کبھی کسی ماں نے جنا ہی نہیں
آپ ہر قسم کے عیب سے پاک صاف پیدا کیے گئے ہیں
گویا آپ کی ذاتِ اقدس کو آپ کے منشا کے عین مطابق بنایا گیا ہے





مضامین



باب: 6

جہاد فی سبیل اللہ

اسلامی ریاست

مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی قائم کردہ پہلی اسلامی ریاست قرآن وسنت کے اس اولین تقاضے کا عملی پیکر تھی کہ اللہ تعالیٰ کے احکام اپنے کامل معنوں میں پوری طرح نافذ کیے جائیں اور ان پر پورے خلوص، خوبی اور خوش دلی سے عمل کیا جائے

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ

كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ

وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا

”جو تم میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں زمین میں ضرور خلافت دے گا، جیسے اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلافت دی تھی اور ان کے لیے ضرور ان کا وہ دین محکم و پائیدار کر دے گا جو اس نے ان کے لیے چنا، اور ان کی حالتِ خوف کو بدل کر وہ ضرور انھیں امن عطا فرمائے گا۔“ (النور 24:55)

اس باب میں

اُس اولین اسلامی ریاست کے حالات درج ہیں جو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں قائم فرمائی۔ اس ریاست کے قیام کا تنہا مقصد معبود حقیقی اللہ وحدہ لاشریک ہی کی عبادت اور رسالت مآب سیدنا محمد ﷺ کے فکر و عمل کی تنفیذ تھا۔ آپ ﷺ نے اس مقصد جلیلہ کے لیے جس تڑپ، لگن، فراست، محنت اور استقامت سے شب و روز کام کیا وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ آپ ﷺ نے مہاجرین و انصار میں مواخات قائم کر کے انتشار و افتراق کے دروازے بند کر دیے اور آپس میں بھائی چارے اور محبت و اخلاص کے جذبوں کو فروغ دے کر عروج تک پہنچایا۔ پھر میثاق مدینہ طے کر کے مدینہ منورہ کے تمام شہریوں کو ایک سیاسی وحدت میں پرو دیا۔ ہر چند یہودیوں نے رہ رہ کر اپنی روایتی بدعہدی، غداری اور مکاری کا مظاہرہ کیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی اور آپ ﷺ اسلام دشمنوں کی تمام سازشوں، مزاحمتوں اور حالات کی ساری دشواریوں پر قابو پا کر پورے عرب میں اسلامی تعلیمات کے نفاذ میں کامیاب ہوگئے۔ اس طرح تاریخ عالم کا ورق اُلٹ گیا اور ساری دنیا یہ دیکھ کر چونک پڑی کہ مدینہ میں باطل کی جگہ حق، ظلم کی جگہ عدل، جھوٹ کی جگہ سچائی اور بدی کی جگہ نیکی کی حکومت قائم ہوگئی ہے۔ یہی اولین اسلامی ریاست تھی جس نے ساری دنیا کو جہاں بانی کے مہذب آداب اور انسانیت کی خدمت کا سلیقہ سکھایا۔ اگلے اوراق میں آپ کو انھی حقائق کی ایمان افروز تفصیلات ملیں گی۔

اسلامی ریاست کا قیام

انسان بہت کمزور ہے۔ بہت سی معذوریوں اور مجبوریوں میں گھرا ہوا ہے۔ اُسے بالکل معلوم نہیں کہ اس کے پس پردہ کیا ہو رہا ہے؟ موجودہ زندگی کی حقیقت کیا ہے؟ یہ کس لیے دی گئی ہے؟ جب آدمی مرجاتا ہے تو قبر میں اس پر کیا گزرتی ہے؟ عالم آخرت میں اُسے کیسے حالات سے سابقہ پیش آتا ہے؟ یہ ساری باتیں اللہ رب العزت نے اپنے پیغمبروں کو بتادی تھیں، چنانچہ ہر دور اور ہر علاقے میں آنے والے جلیل القدر پیغمبروں نے اپنی اپنی قوم کے لوگوں کو اللہ رب العزت ہی کی بندگی کی دعوت دی اور آخرت کے حالات سے آگاہ کرکے بتایا کہ وہاں ہر انسان کے اچھے اور بُرے اعمال کا حساب ہوگا۔ نیک اعمال کی بہت بڑی جزا اور بُرے اعمال کی بہت کڑی سزا دی جائے گی۔



وإذا سمعوا 7 — 192 — الانعام 6

اتينها ابرهيم على قومه نرفع درجت من نشاء
ان ربك حكيم عليم 83 ووهبنا له اسحق ويعقوب
كلا هدينا ونوحا هدينا من قبل ومن ذريته داود
وسليمن وايوب ويوسف وموسى وهرون وكذلك
نجزي المحسنين 84 وزكريا ويحيى وعيسى والياس
كل من الصلحين 85 واسمعيل واليسع ويونس
ولوطا وكلا فضلنا على العلمين 86 ومن ابايهم
وذريتهم واخونهم واجتبينهم وهدينهم الى
صراط مستقيم 87 ذلك هدى الله يهدي به من
يشاء من عباده ولو اشركوا لحبط عنهم ما كانوا
يعملون 88 اولئك الذين اتينهم الكتب والحكم والنبوة
فان يكفر بها هؤلاء فقد وكلنا بها قوما ليسوا
بها بكفرين 89 اولئك الذين هدى الله فبهدىهم

منزل 2

قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ

اب صورتحال یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی زندگی کا کوئی مفصل اور مستند ریکارڈ کہیں نہیں ملتا۔ قرآن کریم نے بعض انبیائے کرام علیہم السلام کے نام بھی بتائے ہیں اور ان کی دعوت کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ لیکن یہ مختصر سے اشارات ہیں، انبیائے کرام کی زندگی کے مفصل حالات نہیں ہیں۔ اس لیے ہمیں پوری طرح یہ پتہ نہیں چلتا کہ ان مقدس ہستیوں نے اپنے زمانے کے لوگوں کو مہذب طور پر انفرادی اور اجتماعی زندگی بسر کرنے کے کون کون سے طریقے بتائے تھے۔ ان حالات میں دنیا کے ہر جویائے حق کی نظر لامحالہ صرف امام الانبیاء خاتم النبیین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذاتِ گرامی پر مرتکز ہو جاتی ہے کیونکہ تمام انبیائے کرام میں صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں جن کی زندگی کا پورا مستند ریکارڈ ایک ایک جز سمیت موجود ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو زندگی کے اندرونی حالات تک تاریخ کی روشنی میں آگئے ہیں

حتی کہ بعض مورخین اور محدثین کرام نے نبی ﷺ کی ایک ایک ادا کو اِس حد تک محفوظ رکھنے کا التزام کیا ہے کہ کبھی گفتگو فرماتے فرماتے آپ ﷺ کو اچانک چھینک آجاتی تھی تو وہ قوسین میں یہ بھی لکھ دیتے تھے کہ یہ ارشاد مبارک فرماتے ہوئے آپ کو چھینک آگئی۔ نبی ﷺ کی سیرت مقدسہ کا اتنا مفصل اور مستند ریکارڈ دیکھ کر ہمیں آسانی سے معلوم ہوجاتا ہے کہ آپ کا مقصد زندگی کیا تھا۔ آپ ﷺ کس کینڈے کے لوگوں میں پیدا ہوئے۔ آپ ﷺ نے انسان کی فلاح کے لیے کس چیز کی دعوت دی اور کس بنیاد پر کن طریقوں سے فرد اور معاشرے کی تربیت فرمائی۔ جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو اِس دنیا کی حالت کیا تھی اور جب آپ نے اپنی وفات کے وقت اِس دنیا پر آخری نظر ڈالی تو یہ کہاں سے کہاں تک پہنچ چکی تھی۔

محمد رسول اللہ ﷺ جب مبعوث ہوئے تو مکہ میں تن تنہا تھے۔ آپ ﷺ کے پاس اللہ تعالیٰ کی نصرت اور بے سر و سامان ارادوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ کوئی فوج نہیں تھی۔ کوئی پولیس نہیں تھی۔ کوئی سیاسی پارٹی نہیں تھی۔ حمایتیوں کا کوئی جتھا نہیں تھا۔ آپ ﷺ کے قبیلے والے بھی آپ کے ہمنوا نہیں تھے حتی کہ آپ ﷺ پر جان چھڑکنے والے شفیق چچا بھی آپ ﷺ کی دعوت پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ایسی سرد و سنسان تنہائی میں آپ صرف اللہ رب العزت پر ناقابلِ تسخیر ایمان اور اپنے عظیم کردار کے بل بوتے پر اُٹھے اور محض 23 برس کی مدت میں آپ ﷺ نے کفر، شرک، بدعت، توہمات اور تعصّبات سمیت سارے جاہلانہ رویوں اور روایتوں کے سفینے ڈبو دیے۔ آپ ﷺ نے اونٹوں کے چرواہوں کا تزکیۂ نفس کیا۔ ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی بدلی اور انھیں ایک ایسی موحد، منظم، مہذب اور انقلابی قوم بنا دیا جو ساری دنیا میں سب سے زیادہ ممتاز اور محترم قوم کی حیثیت اختیار کر گئی۔ پھر آپ ﷺ نے اپنی بے خطا بصیرت سے ایسی ماڈل اسلامی حکومت قائم کردکھائی جس کے غیر مسلم شہری بھی پوری طرح آزاد تھے۔ انھیں باوقار زندگی کے تمام حقوق حاصل تھے اور وہ اسلام کے زیرِ سایہ جان، مال اور آبرو کے تحفظ کے ساتھ نہایت امن اور سکون کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اس حکومت کے مسلمان شہریوں کا یہ حال تھا کہ وہ ہر آن، ہر گھڑی دعوت الی اللہ میں مصروف رہتے تھے اور جونہی اسلام اور انسانیت کا کوئی دشمن سر اُٹھاتا تھا، وہ اس کی سرکوبی کے لیے فوراً میدان جہاد میں نکل آتے تھے۔ مسلمانوں کو روحانی اور مادی ترقی کی معراج کس طرح نصیب ہوئی؟ رسول اللہ ﷺ نے ایک پست قوم کو خاک سے اُٹھا کر افلاک کی بلندیوں تک کس طرح پہنچایا؟ اور ساری دنیا کو آئینِ جہانبانی سکھانے والی اسلامی، شورائی اور فلاحی حکومت کس طرح قائم کر دکھائی؟ آیئے! تاریخی حقائق کی روشنی میں ان سوالات کے جواب کا جائزہ لیں۔

مکہ کی جمہوریت نما قبائلی حکومت

تاریخ بتاتی ہے کہ جزیرہ نمائے عرب کے باشندے بالکل ان پڑھ تھے۔ ان کی تہذیب تلواروں کی جھنکار، دف کی تھاپ اور صحرائی وسعتوں میں مٹرگشت سے زیادہ کچھ نہیں تھی۔ ایران کا پڑوسی ہونے کے باوجود انھوں نے ایرانی تہذیب سے بھی استفادہ نہیں کیا۔ فی الاصل یہ لوگ تمدن کے حسن اور ثقافت کی ہر دلآویزی سے بے خبر تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب ان لوگوں میں محمد بن عبداللہ ﷺ جیسی رفیع الشان صادق القول اور مجسمۂ دیانت و امانت ہستی جلوہ نما ہوئی تو انھیں دیکھ کر سب کی آنکھیں دنگ رہ گئیں۔ اسی فخر انسانیت ہستی ﷺ کی سبق آموزیوں نے عربوں کی ساری کوتاہیوں اور خامیوں کی تلافی اس خوبی سے کر دی کہ تاریخ آج تک حیران ہے۔

تاریخی اعتبار سے تحقیق و جستجو کا قدم بڑھائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ماضی کے دھندلکوں میں سب سے پہلے مکہ میں بسنے والے عمالقہ تھے۔ ان کے بعد یمن سے قبیلہ جرہم تاریخ کی پگڈنڈیوں پر سفر کرتا دکھائی دیتا ہے۔ انھی لوگوں نے مکہ کو اپنا وطن بنایا۔ قبیلہ جرہم کے دور میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام مکہ تشریف لائے اور انھوں نے بیت اللہ تعمیر کیا۔

ان کے بعد یمن میں سیل عرم کے موقع پر بنوخزاعہ نے یمن سے ہجرت کی اور مکہ میں آباد ہوگئے۔ بعدازاں بنواسماعیل اور یہ لوگ باہم مدغم ہوگئے۔ 300 سال کے لیل و نہار کی گردشوں تک یہی لوگ کعبہ کے متولی ٹھہرے اور پھر نبی ﷺ کے عہد مبارک سے اُوپر پانچویں پشت سے قصی بن کلاب نے مکہ میں ولایت حاصل کی۔ اس نے تمام قبائل پر غلبہ پاکر اپنا قبضہ جمالیا۔ یہی وہ مرحلہ ہے جب قصی بن کلاب نے مختلف قبائل کو خدمتِ عامہ کے مختلف امور کا ذمہ دار بنا دیا۔ اور حجابہ، سقایہ، رفادہ، اللواء اور ندوہ کے امور و معاملات بہ نفسِ نفیس خود اپنے ہاتھ میں



سد مأرب (یمن) جسے سیل عرم نے تباہ کر دیا

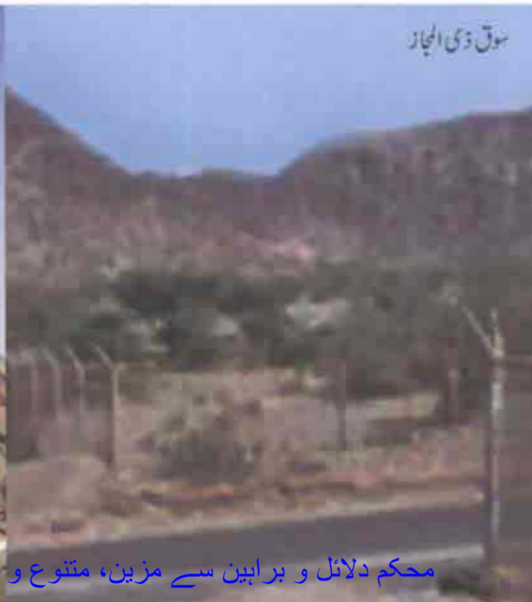
رکھے۔ اس انتظام کی خوبی، بیت اللہ کی نگرانی اور قصی کی حکمت و دانائی کو لوگوں نے نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا۔ یوں قصی بن کلاب کو ایک نادیدہ عظمت حاصل ہوگئی۔

جب قصی فوت ہوگیا تو اس کی اولاد میں حصولِ مناصب کی لڑائی شروع ہوگئی۔ چنانچہ عبد الدار بن قصی اور اس کے بھائی عبد مناف بن قصی میں ٹھن گئی۔ جو افراد بنوعبدالدار کی طرف تھے وہ احلاف اور جو بنوعبدمناف کے حلیف تھے وہ مطیبین کے نام سے موسوم ہوئے۔ یہاں تک کہ اکابر سر جوڑ کر بیٹھے اور باہمی مشورے سے تمام مناصب آپس میں تقسیم کر لیے۔ یوں مکہ میں تمام قبائل کے ممتاز افراد مختلف ذمہ داریاں سنبھال کر اپنے اپنے فرائض انجام دینے لگے۔

مکہ میں ہر قبیلے کے سردار کا انتخاب تا حیات ہوتا تھا۔ جو جنگ اور امن کی صورت میں اپنے اپنے قبیلے کی رہنمائی کرتا تھا۔ بظاہر دیکھنے میں مکہ میں 10 رکنی کونسل تو موجود تھی مگر اس کا کوئی صدر نہیں تھا۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ یہ سرداری نظام پر مبنی ایک گروہی حکومت تھی۔ اسے آج کل کی اصطلاح کے حوالے سے مذہبی اکابر کی حکومت بھی کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس میں کعبہ کی نگرانی کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ اسے جمہوریت بھی قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ اقتدار اعلیٰ قبائل کے نمائندوں کے پاس تھا۔ فی الجملہ یہ اپنے زمانے میں اپنے گرد و پیش کے لحاظ سے سب سے بہتر منظم و مہذب حکومت تھی۔ اس کے مقابلے میں بازنطینی اور ایرانی حکومتیں خوفناک استبداد کا مجسمہ اور بدترین آمریت کا نمونہ تھیں۔

کعبہ کی تولیت کی وجہ سے قریشی قبائل پورے عرب میں نہایت محترم باور کیے جاتے تھے۔ تجارت میں بھی ان کا اہم مقام تھا۔ سوق مجنہ، سوق ذی المجاز، سوق عکاظ وغیرہ ان کی اہم اور معروف منڈیاں تھیں۔ تجارتی لین دین کے


سوق عکاظ


سوق ذی المجاز

دوران ان کے لوگوں سے تجارتی معاہدے بھی ہوئے یوں معاشی سرگرمیوں کو فروغ حاصل ہوا۔ حرمت والے مہینوں میں تو مکہ مکرمہ خاص طور پر امن و سلامتی کا عظیم الشان گہوارہ بن جاتا تھا۔ ہر طرف سے قریب و بعید کے لوگ مکہ مکرمہ کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔

مکہ میں نبی ﷺ کا قائدانہ کردار

بہت سے ایسے دلائل ملتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ کے عہد میں مکہ میں معروف معنوں میں کسی باقاعدہ حکومت کا کوئی وجود نہ تھا۔ اسی لیے قریشی قبائل کا سیاسی کردار محدود تھا۔ اس کے برعکس محمد رسول اللہ ﷺ مکی دور ہی میں ایک دور اندیش اور مثالی لیڈر کی حیثیت سے نمایاں ہونے لگے۔ اس کی چند مثالیں یہ ہیں:

1. حلف الفضول زمانۂ جاہلیت کے اختلال و انتشار کی یادگار ہے۔ یہ معاہدہ مکہ میں سیاست کے فقدان، افراتفری اور معاشرے کی بے راہ رویوں کی وجہ سے ظہور میں آیا تھا۔ حلف الفضول میں آپ ﷺ نے 20 سال کی عمر میں شمولیت اختیار فرمائی۔ یہ معاہدہ عبداللہ بن جدعان کے گھر طے پایا۔ اس میں بنوہاشم و مطلب، بنواسد زہرہ بن کلاب، تیم بن مرہ شامل ہوئے۔ اس معاہدے میں اتنی کم عمر میں آپ ﷺ کی شمولیت بجائے خود بڑی حیرت انگیز بات ہے، پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ آپ ﷺ کو زندگی بھر اس معاہدے میں اپنی شمولیت پر ناز رہا۔ یہ بات آپ ﷺ کی عظمت و جلالت، انسانیت نوازی، مظلوموں کی غمخواری، امن پسندی اور سلامتی طبع کی بہت بڑی پہچان ہے۔

   اگر مکہ میں سیاسی فضا مربوط اور مضبوط ہوتی تو اس عہد و پیمان میں تمام قبائل شریک ہوتے۔ جبکہ اس مہذب معاہدے میں محض پانچ قبائل شامل ہوئے۔

2. حجر اسود کی تنصیب کے موقع پر تمام قبائل میں تنازع اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ اس بات کا بین ثبوت تھا کہ وہاں سرے سے کوئی سیاسی نظام ہی موجود نہیں تھا۔ ہر شخص اور ہر قبیلہ اپنی اپنی ڈفلی بجانا اور خود کو برتر و بالا جتلانا چاہتا تھا۔ لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ بابرکات کی موجودگی میں سب بونے معلوم ہوتے تھے۔ عظمت و فضیلت کی دستار صرف آپ ہی کے سر مبارک پر زیبا نظر آتی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تنصیب حجر اسود کے موقع پر آپ ﷺ کی بڑائی اور برگزیدگی سب پر ثابت کر دی۔ تمام قبائل کے سردار آپ ﷺ کی شخصیت پر بخوشی متفق ہوگئے۔ یوں آپ ﷺ نے تمام سرداروں کی موجودگی میں حجر اسود نصب فرما کر معنوی طور پر اپنی سیادت و قیادت کا لوہا منوا لیا۔

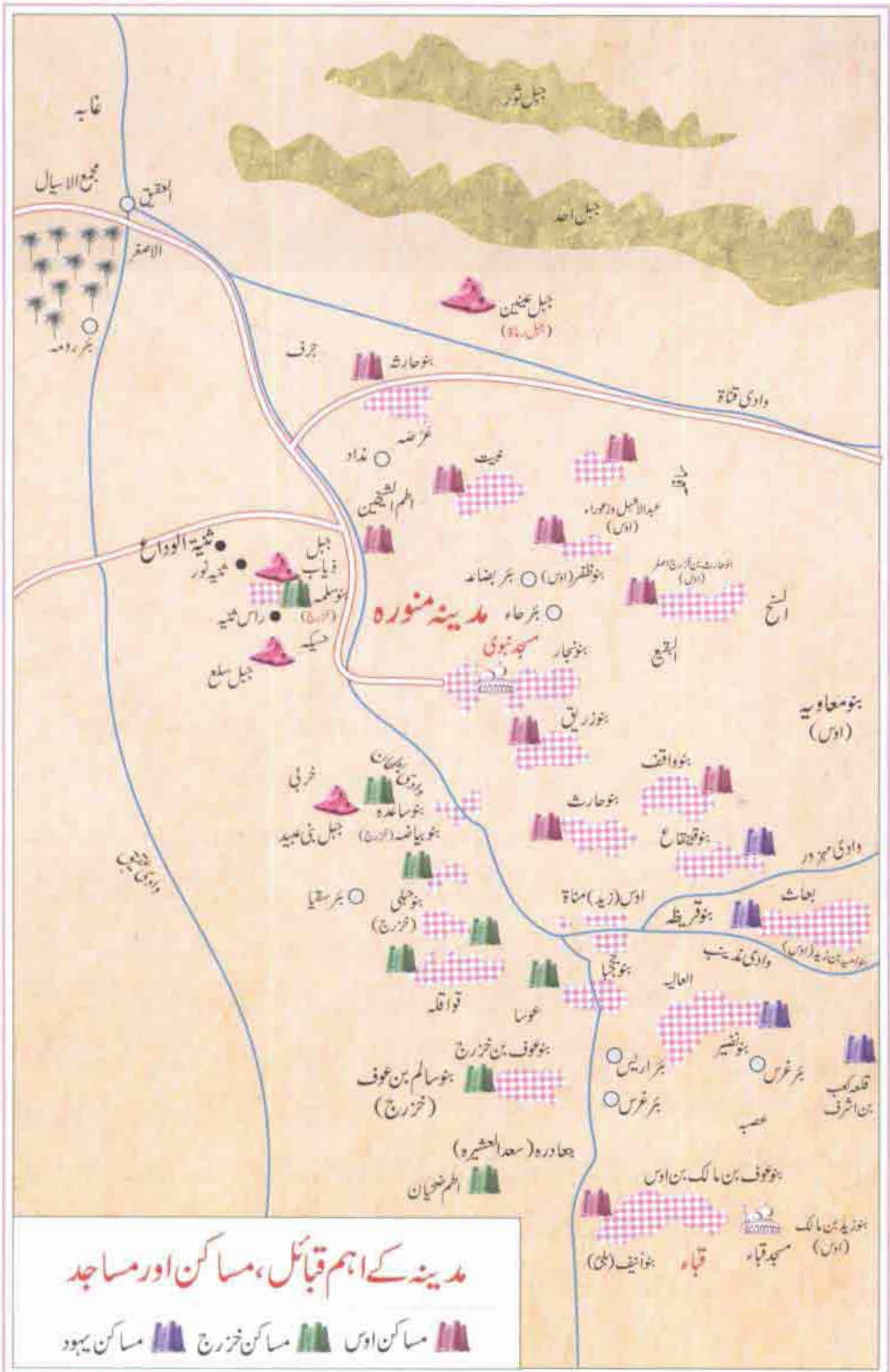

جبشہ کا قدیم شہر اکسوم

3 حرب فجار میں آپ ﷺ نے 14 سال کی عمر میں شرکت فرمائی۔ اپنے قبیلے میں آپ ﷺ نے ہمیشہ اہم کردار نبھایا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی تربیت کا یہی مرحلہ بعدازاں آپ ﷺ کی قیادت کی اساس بن گیا۔

4 یہ بھی آپ ﷺ کی سیادت و قیادت ہی تھی جس سے اجازت پا کر مکہ کے ستم رسیدہ مظلوم اور نادار مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے شاہ حبشہ نجاشی کے نام جو مکاتیب گرامی تحریر کرائے، ان کا ایک ایک حرف یہ گواہی دے رہا ہے کہ ان تحریروں کا محرک ایک جلیل القدر جامع الصفات لیڈر ہے۔

5 بحیثیت داعیِ اسلام رسول اللہ ﷺ انتہائی صبر آزما گھاٹیوں سے گزرے اور مشرکین مکہ نے آپ کی صدائے حق سے مسلسل اعراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد و نصرت کے لیے اہل یثرب کو کھڑا کر دیا۔ یہی وہ مرحلہ تھا جس سے ایک طرف یہ حقیقت روشن ہوگئی کہ اسلام کوئی مکانی یا مقامی دین نہیں بلکہ آفاقی اور ابدی دین ہے اور اس مقدس دین کی دعوت دینے والا بھی ابدی عظمت و قیادت سے مزین ہے۔ اسی لیے اہل مکہ کی سرکشی کے برعکس اہل یثرب نے دین حنیف کو بڑھ چڑھ کر قبول کیا اور اس دین کے ابلاغ و اشاعت کے لیے وہ رسول اللہ ﷺ کے معین و مددگار بن گئے۔ یثرب کی آبادی مختلف عقائد کے لوگوں پر مشتمل تھی۔ وہاں مشرکینِ عرب رہتے تھے۔ یہودی بھی رہتے تھے اور عیسائیوں کی اقلیت بھی مقیم تھی۔ اللہ رب العزت نے مشرکین کے دو بڑے قبیلوں اوس و خزرج کے جوانوں کو اپنے رسول ﷺ کا انصار بنا دیا۔ ان کے ساتھ بیعات عقبہ ہوئیں تو یثرب کے ماحول میں بنیادی تبدیلی کی اساس آپ ہی آپ قائم ہوگئی۔ اس طرح آپ ﷺ کی قیادت کا نور اور زیادہ روشن ہو کر دمکنے لگا۔

یہ احوال وظرف اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو آخری نبی بنا کر بھیجا تو قیامت تک کے لیے آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی کو ہدایت و سعادت کا اسوہ بنایا۔ اور قیامت تک انسانیت کے ہر عہد اور ہر تمدن کی ہر قسم کی رہنمائی کے لیے آپ ﷺ ہی کو مینارۂ نور قرار دیا۔ آپ ﷺ کی یہی فضیلت و منزلت آگے چل کر مدینہ میں اولین اسلامی حکومت کے قیام کی اساس بن گئی۔



مدینہ کے اہم قبائل، مساکن اور مساجد
مساکن اوس
مساکن خزرج
مساکن یہود
جبل ثور
جبل احد
غابہ
مجمع الاسیال
العقیق
الاصفر
بئر رومہ
جبل عینین
جرف
بنو حارثہ
وادی قناۃ
مدینہ منورہ
مسجد نبوی
ثنیۃ الوداع
ثنیۃ ثور
راس ثنیہ
جبل سلع
بنو سلمہ
بنو نجار
بنو زریق
بئر حاء
بئر بضاعہ
بنو ظفر (اوس)
البقیع
بنو معاویہ
(اوس)
بنو واقف
بنو حارث
بنو قینقاع
وادی مہزور
بنو قریظہ
بعاث
خربی
جبل بنی عبید
بنو ساعدہ
بئر سقیا
بنو حبلی
(خزرج)
قواقلہ
عوسا
بنو عوف بن خزرج
بنو سالم بن عوف
(خزرج)
بنو جحجبا
العالیہ
بنو نضیر
بئر اریس
بئر غرس
بئر غرس
عصبہ
قلعہ کعب بن اشرف
بنو عوف بن مالک بن اوس
مسجد قباء
قباء
بنو زید بن مالک
(اوس)

مدینہ میں انارکی اور قبائل اوس وخزرج

دوسری طرف مدینہ میں سیاسی لحاظ سے سناٹا تھا۔ انارکی کا راج تھا۔ سرے سے کوئی حکومت ہی نہیں تھی۔ بس ایک مخصوص ڈھب کا قبائلی نظام کام کر رہا تھا۔ قبیلہ بنوقیلہ دو متحارب ذیلی قبیلوں اوس اور خزرج میں بٹا ہوا تھا۔ متعدد یہودی قبائل بھی آباد تھے جو بڑے خوشحال تھے۔ اوس وخزرج کی نسلیں ایک دوسرے کی حریف تھیں۔ خزرج یہودِ مدینہ کے حلیف تھے اور اوس قریش مکہ کے۔ دونوں قبیلوں کی باہمی مخالفت عروج پر تھی۔ خزرجی عبداللہ بن ابی کو اپنا بادشاہ بنانے کی تیاری کر چکے تھے لیکن انھیں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے نبی ﷺ کی صورت میں ایک الہامی و آفاقی ہدایت سے مزین ومکرم رسول کی بے مثال قیادت و رہنمائی نصیب ہوگئی۔

یہودیوں کے قبیلے

یہودی تین بڑے قبائل میں منقسم تھے: بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ۔ بنوقینقاع خزرج اور بنوقریظہ اوس کے ساتھ تھے۔ یہودی موسیٰ علیہ السلام کی بشارت کے مصداق ایک نبی موعود کے منتظر تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے وعظ میں یہود کو یہ بشارت دی تھی: ''خدا موسیٰ علیہ السلام کے بھائیوں میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا نبی پیدا کرے گا۔'' اس وقت سے یہود مدینہ میں اسی امید پر ٹھہرے ہوئے تھے کہ بنی اسماعیل میں پیدا ہونے والا نبی یہود کے قومی مصائب دور کرنے والا اور ان کی گزشتہ شان وشوکت اور حکومت وسلطنت کو دوبارہ زندہ کرنے والا ہوگا۔ جب سے یہود کو شام سے نکالا گیا اور ذلت وغلامی کے گڑھے میں ڈالا گیا تھا، اُسی وقت سے ان کی آنکھیں نبی موعود کے ظہور پر لگی ہوئی تھیں۔ اب اسماعیلی نبی کی مدینہ میں تشریف آوری کی خوش خبری سن کر یہودی بہت خوش ہو رہے تھے۔ لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ یہ نبی تو مسیح کو راست باز پیغمبر ٹھہراتا ہے، ان کی تعلیم کو سچا بتاتا ہے، ان پر ایمان لانے کو اسلام کا لاینفک جزو قرار دیتا ہے اور ان کی بزرگی کی تصدیق کرکے یہودیوں کو از روئے انصاف ملزم ٹھہراتا ہے تو سارے یہودی آپ کے دشمن ہوگئے۔

عیسائی اقلیت

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے سب سے آخری وعظ میں آئندہ آنے والے نبی کے آنے کی خبر دی تھی: ''جو دنیا میں ہمیشہ رہے گا اور جو دنیا کو سب چیزیں سکھائے گا۔'' سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے عیسائیوں کو آپ ﷺ کے حکم پر چلنے کی تاکید کی تھی۔ اس وجہ سے عیسائی بھی اس نبی کا انتظار کر رہے تھے جو یہود سے ان کے مظالم کا بدلہ لینے والا، عیسائیوں کو

جلا بخشنے والا اور مسیح علیہ السلام کی صداقت ظاہر کرنے والا ہو۔ لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ نبی ﷺ نے عیسائیوں کے خود ساختہ مسائل ابنیت، تثلیث، کفارہ، رہبانیت اور پوپ کے الٰہی اختیارات کا رد کیا ہے، تو یہ لوگ بھی نبی ﷺ کے دشمن ہو گئے۔[1]

مدینہ میں مسیحیوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ قبیلہ اوس کے ایک شخص ابو عامر نے عیسائیت قبول کر لی۔ وہ راہب بن گیا۔ اس کے بیٹے غسیل الملائکہ ابو حنظلہ نے اسلام کے دامنِ رحمت میں پناہ لی۔ ابو عامر نے جنگِ اُحد میں اپنے پچاس ساتھیوں سمیت کفار مکہ کی طرف سے حصہ لیا۔ بعد ازاں وہ دل شکستہ ہو کر رومی علاقے میں پناہ گزیں ہو گیا۔[2] یہودیوں اور عیسائیوں میں سے بعض حق شناس لوگ ایسے بھی تھے جو اسلام کی آغوش میں آ گئے تھے اور انھوں نے پیغمبر آخر الزمان ﷺ کی رسالت کو تسلیم کر لیا تھا۔

سیاسی نظام کا فقدان

سیاسی لحاظ سے مدینہ قبائلی نظام سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ یہ شہری ریاست نہیں تھی۔ تمام قبائل خود مختار تھے۔ وہ اپنے سردار کے علاوہ کسی اور کا حکم ماننے کے روادار نہ تھے۔ ہر قبیلے کی الگ اجتماع گاہ اور الگ الگ سرکاری خزانہ تھا جو ہنگامی حالات میں بروئے کار لایا جاتا تھا۔ اگر کسی شخص سے جرم سرزد ہوتا یا مالی معاوضہ ادا کرنے کی ضرورت پیش آ جاتی، مثلاً دیت وغیرہ تو یہ انفرادی فرض کے بجائے تمام قبیلے کی اجتماعی ذمہ داری تصور کی جاتی تھی۔ مختلف قبائل کو باہم منضبط کرنے والی کوئی مرکزی اتھارٹی نہیں تھی۔ اگر ظالم اور مظلوم کا تعلق مختلف قبائل سے ہوتا تھا تو ہر چند انصاف کا حصول بذریعہ مذاکرات ہی ہوتا تھا مگر اس میں قبیلے کی فوجی قوت مؤثر ثابت ہوتی تھی۔ ان معاملات میں مساوی حقوق کا کوئی تصور ہی نہیں تھا۔ کمزور قبائل کا خون بہا طاقتور قبائل کی نسبت نصف ہوتا تھا۔ یہود کے لیے سرے سے کوئی باقاعدہ قانون ہی نہیں تھا۔ ثالث یا منصف وقتی طور پر منتخب کر لیے جاتے تھے جو اپنی صوابدید پر فیصلے کرتے تھے، یا اپنی فرسودہ روایات کو مثال بنا کر معاملات نمٹاتے تھے۔

شہر کی حدود متعین نہیں تھیں۔ حملہ آوروں کے خلاف دفاع کے لیے ہر قبیلے کے حفاظتی برج اور چھوٹے چھوٹے قلعے اور سنگی


مدینہ منورہ میں یہودی قلعے کے آثار

[1] رحمۃ للعالمین، ص: 103. [2] أسد الغابة: 63/2.

حصار (آطام) ہوتے تھے۔ ان میں جنگ کی صورت میں عورتوں اور بچوں کو اور ان کے ساتھ بعض اوقات بکریوں کے ریوڑ بھی محفوظ رکھے جاتے تھے اور بالغ لڑکے لڑائی کے لیے چلے جاتے تھے۔



حرّہ واقم (مدینہ منورہ)



وادی قباء میں کھجور کے باغات (پس منظر میں مسجد قباء نمایاں ہے)

مدینہ میں خواندگی نہ ہونے کے برابر تھی۔ گنتی کے چند افراد ہی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اہلِ یہود عربی بولتے تھے لیکن ان کی تحریری زبان عبرانی تھی۔ چونکہ وہ اہل کتاب بھی تھے، اس لیے دوسروں پر ان کی فوقیت مسلم ہوگئی تھی۔

مدینہ کا علاقہ وسیع وادی پر مشتمل تھا۔ جنوب (قباء) سے شمال (احد) تک کی مسافت طے کرنے کے لیے اونٹ سوار کو ایک دن لگ جاتا تھا۔ اسی قدر مشرق سے مغرب تک کا فاصلہ تھا۔ یہ علاقہ پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا جو آتش فشاں لاوے سے ڈھکے ہوئے تھے۔ مدینہ کی آب و ہوا معتدل تھی۔ زمین زرخیز تھی۔ اس کے کھجوروں کے درخت اپنے معیار، نوعیت اور پیداوار کے اعتبار سے مثالی حیثیت رکھتے تھے۔ پہلی صدی ہجری میں یہاں سے گندم شام بھیجی جاتی تھی۔ مکہ کی نسبت یہاں بارش زیادہ ہوتی تھی۔ مدینہ منورہ کی ان جغرافیائی خصوصیات میں آج بھی کوئی تبدیلی رُونما نہیں ہوئی۔[1]

نئے معاشرے کا قیام

مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کسی موہوم مفروضے (Abstract Idea) پر قائم نہیں ہوئی۔ اس کا پہلا اور اصلی

[1] پیغمبر اسلام، ص:201.

تاسیسی مرحلہ وہی تھا جو مکہ مکرمہ میں گزرا۔ 13 برس کی مظلومیت کے انتہائی صبر آزما لیل و نہار میں آپ ﷺ نے مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی تربیت فرمائی اور اللہ کی ذات عالی پر ان کے ایمان کو اتنا محکم اور ناقابل تسخیر بنا دیا جس پر زمانے اور زندگی کا کوئی آشوب اثر انداز نہیں ہو سکا...... ایمان و یقین کے جو مقدس بیج مکہ مکرمہ میں بوئے گئے تھے انھیں پورے جوبن پر آنے اور اپنی بہار دکھلانے کا موقع اب مدینہ منورہ میں میسر آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمانے کے بعد مسلمانوں کو بڑی حکمت سے اسلامی معاشرے کی راہ پر ڈالا۔ اب وہ وقت آ گیا کہ اسلامی ریاست کے مؤسس اور اولین سربراہ کی حیثیت سے جناب رسول اللہ ﷺ دین حنیف کی بتائی ہوئی انتظامی، تعلیمی، عدالتی، معاشی، مالی، معاشرتی، جنگی اور بین الاقوامی پالیسیاں عملی طور پر نافذ کر کے دکھائیں۔ اس مقصد کے لیے آپ ﷺ نے زمانے اور زندگی کے ہر شعبے کے لیے قرآنی تعلیمات پر مبنی اصول مرتب کیے اور ان اصولوں کے مطابق اللہ کے پاک نام پر فدا ہونے والے صحابہ کو ٹریننگ دی۔ ہر شعبۂ زندگی کے لیے یوں آپ ﷺ نے اسلام کی حکمرانی کا وہ ماڈل قائم کر دکھایا جس کے اہلکاروں کو دیکھ کر سارا عرب اسلام کی حقانیت کا قائل ہو گیا اور صرف آٹھ سال میں پورا جزیرہ نمائے عرب مسلمان ہو کر اسلامی مملکت کی حیثیت اختیار کر گیا۔

اسلامی ریاست عہدِ نبوی میں
(11ھ/632ء)

اپنی ذات میں ایک ترقی پسند تحریک

رسول اللہ ﷺ کی قائم کردہ اسلامی ریاست جمود کے خلاف تھی۔ وہ اپنی اصل ہی میں حرکی (Kinetic) اور ترقی پسند تھی۔ اس کا ایک احسان اور فیضان یہ ہے کہ اس نے اپنے شہریوں کو ذہنی غلامی سے نجات عطا کی۔ حقیقت شناسی کا شعور بخشا۔ لوگوں کے دماغوں سے ''ہمچو ما دیگرے نیست'' کا خبط اور خناس نکالا۔ حکم دیا کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر مت بیٹھو۔ علم و بصیرت کی راہ پر آگے بڑھو اور حقائق کو سمجھنے کی جستجو جاری رکھو۔ خود آپ ﷺ عالم انسانیت کی سب سے بڑی شخصیت ہونے کے باوجود بارگاہِ ربانی میں نہایت خشوع وخضوع سے دعا کرتے تھے: ﴿رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا﴾ ''اے میرے پروردگار! میرا علم بڑھا دے۔''

اسلام نے اس اندازِ فکر کی نفی کی کہ جو بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی، وہ غلط ہے۔ قرآن کریم میں بار بار فرمایا گیا ہے کہ غور و فکر کی روشنی سے کام لو۔ ستاروں کی تابانی، قوس قزح کی رنگینی، سورج کی روشنی، چاند کی چاندنی، آبشاروں کے نغمے، پہاڑوں کے سکوت اور سمندروں کے تموج پر تدبر کی نگاہ ڈالو۔ تمھیں ہر چیز توحید کا ترانہ سنائے گی اور اپنے صانعِ معظم کی حمد و تسبیح کا سبق دے گی۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانۂ مبارک میں کفر و شرک کی قوتیں یکجا ہو کر محمد رسول اللہ ﷺ کے خلاف محاذ آرا ہو گئی تھیں لیکن آج حالت یہ ہے کہ کفر بھی محمد رسول اللہ ﷺ کا احسان مند ہے کیونکہ اب وہ بھی بت پرستی کا قائل نہیں رہا۔ آج امریکہ، یورپ، چین اور جاپان کے سنجیدہ لوگ بلکہ خود ہندوستان کے بہت سے صاحب ضمیر ہندو بھی ذہنی طور پر اچھی طرح سمجھ گئے ہیں کہ اسلام کی تعلیم توحید ایک صحیح اور زندگی آموز تعلیم ہے جبکہ شرک و بت پرستی سراسر جاہلانہ عمل ہے۔ اسلام نے اپنی تعلیمات غور و تدبر کی روشنی میں منوائی ہیں۔

پاکیزہ معاشرے کی بنیادیں

رسول اللہ ﷺ نے افراد کی تہذیب و تربیت اور فلاحی معاشرے کی تاسیس و تشکیل کے لیے جن اصولوں کو بنیاد بنایا وہ وہی تھے جو خود آپ کی سیرت مطہرہ کا جوہر تھے۔ یہ اصول و آداب درج ذیل ہیں:

1. اللہ ہی الٰہ واحد ہے۔ وہی ملجا و ماویٰ ہے۔ تمام امور و معاملات میں اسی کی طرف رجوع کیا جائے گا۔
2. محمد ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں۔ پوری نوع انسانی کی ہدایت انھی کے اسوۂ حسنہ کی پیروی میں مضمر ہے۔ ان کی سیرت کا ہر پہلو کامیابی اور سرفرازی کی معراج ہے۔

3 قانون کا دائرہ کار قرآن و سنت کے اصول وضوابط تک محدود ہے۔
4 عقل وخرد کی موشگافیوں کے مقابلے میں شریعت محمدی ہی قابل ترجیح ہے جس سے فطرت کے مقاصد کی نگہبانی ہوتی ہے۔
5 سرکشی اور جہالت کے مقابلے میں علم و بصیرت کو رہنما بنایا جائے گا جس کی بدولت اخلاقی اقدار پروان چڑھتی ہیں۔
6 سفاکی اور چالاکی کے مقابلے میں عدل و انصاف کا پرچم بلند رکھا جائے گا جس کی بدولت امن اور آشتی کا معاشرہ قائم ہوتا ہے۔
7 حرص اور ہوس پرستی کے مقابلے میں رزق حلال کے لیے محنت کے دروازے کھولے جائیں گے جن کی بدولت استغنا کا درجہ حاصل ہوتا اور انسانی حقوق کا بول بالا ہوتا ہے۔
8 غربت و افلاس کے خاتمے کے لیے وصولیٔ زکاۃ کا نظام قائم کیا جائے گا۔ زکاۃ اسلامی اقتصادیات کی اساس ہے۔ اس کی بدولت اسلامی اخوت اور انسانی ہمدردی کے اعلیٰ اوصاف پیدا ہوتے ہیں۔
9 افتراق و انتشار کے اسباب ختم کر کے اجتماعیت کو فروغ دیا جائے گا جس کی بدولت فرد اور معاشرے کو استحکام نصیب ہوتا ہے۔

نظام حکومت چلانے کے لیے آئین اور قوانین کا نفاذ، حکمران کا بے لاگ انتخاب، مستعد انتظامیہ، دفاع، عدلیہ، نظام مالیات، تعلیم اور صحتِ عامہ کے لیے ماہر افسر اور اہلکاروں کا انتخاب شرطِ لازم کی حیثیت رکھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان تمام شعبوں کے لیے جامع اصول وضوابط وضع فرمائے۔ اس طرح جو سلطنت معرض وجود میں آئی، تاریخ بتاتی ہے کہ اس کی معنوی آفاقیت کی وجہ سے پوری دنیا اس کی شیدائی بن گئی۔ اسلامی سلطنت یا خلافت کی نمایاں خوبیاں درج ذیل ہیں:

حکم الٰہی کا نفاذ، شعائر اسلام کی حرمت، نظام میں اجتماعیت، نفاذ قانون میں برابری، خواتین کے حقوق کی حفاظت اور ان کی تعظیم وتکریم، غلاموں کے حقوق کی پاسداری، بڑوں کی عزت، بچوں پر شفقت، دوستوں سے مودت، دشمنوں سے مروت، غریبوں سے معاونت، امیروں کی خیر خواہی، اہل خانہ سے حسن سلوک، ایثار میں سبقت، محبت میں خلوص، انکسار میں عزیمت، احسان میں پردہ داری، ارادوں میں پختگی، معاملات میں صدق و وفا اور نرمی، عدل و انصاف کی ترویج، امن واستحکام میں سبقت، شرفِ انسانی کی تعظیم اور حفاظت، افراد کی اسلامی تربیت، حقوق و فرائض

کی ادائیگی میں وفا شعاری، خیالات میں حسن ظن اور رواداری، ناگوار معاملے پر بردباری، جنگ و جدل اور عصبیت کا خاتمہ، ثقافت میں دینی اقدار کا نُور، تعلقات عامہ میں محبت اور خلوص کی آبیاری، سیاست میں سچائی، اقتصاد و معاش میں میانہ روی، معاہدات میں ایفائے عہد کی پاسداری، عبادت و ریاضت میں اعتدال، سیادت میں خدمت و دردمندی، ضیافت میں فیاضی۔

ان خوبیوں کی بنا پر اسلامی ریاست وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی اور دنیا میں عزت و شرف، ایثار و مودّت اور حسنِ معاملت کی اعلیٰ مثالیں قائم ہوئیں۔

یہ ایسی اسلامی ریاست تھی جس کے سربراہِ مکرم ﷺ سے لے کر ایک ادنیٰ کارکن تک سبھی اللہ رب العزت کی زبردست محبت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ایمان اور حسن عمل کا جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ اسلامی ریاست کے کارکنوں کی حیثیت سے یہ سب کے سب اتنے ماہر، مخلص، آزمودہ کار اور ادائے فرض کے لیے اتنے مستعد تھے کہ جس کو جس ڈیوٹی پر جہاں بھی مامور کیا جاتا تھا، وہ وہاں اپنی للّٰہیت اور قابلیت کا نقش بٹھا کر سب کی نگاہوں کو حیران کر دیتا تھا۔

اس کی ایک ادنیٰ سی مثال وہ واقعہ ہے جب حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے تحصیلدار کی حیثیت سے خیبر کے یہودیوں سے حسب معاہدہ آدھی فصل لینے پہنچے۔ یہودیوں نے انھیں بہت سا سونا پیش کیا اور کہا: تحصیل دار صاحب! آپ فصل کی بٹائی میں تھوڑی سی ہیرا پھیری کر لیں۔ ہمیں فصل کی زیادہ مقدار دے دیں اور



خیبر کے علاقہ میں یہودیوں کی بستی کے آثار

اُس کے بدلے یہ سونا قبول فرمالیں۔ یہ بات سن کر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ جلال میں آ گئے۔ انھوں نے یہودیوں سے فرمایا کہ میں تم لوگوں سے سؤروں اور بندروں سے زیادہ نفرت کرتا ہوں۔ میں تو تم لوگوں کے پاس صرف اپنے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کے لیے آیا ہوں۔ میں فصل کے برابر برابر دو حصے کروں گا۔ ایک حصہ تمھیں دوں گا اور حسب معاہدہ دوسرا حصہ لے کر واپس چلا جاؤں گا۔ [1]

انھوں نے ایسا ہی کیا۔ سونے کے ڈھیر کو حقارت سے ٹھکرا دیا۔ یوں اپنی طبیعت کے استغنا، دیانت، عدل اور ادائے فرض کا جلوہ دکھا کر سارے یہودیوں کو ہکا بکا کر دیا۔ یہی خدا خوفی، دیانتداری، فرض شناسی اور احساس ذمہ داری کا جذبہ تھا جو ریاست مدینہ کے چھوٹے بڑے ہر کارکن میں عملاً جلوہ گر نظر آتا تھا اور جب جزیرہ نمائے عرب کے دور افتادہ علاقوں کے قبیلوں کے وفود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچتے تھے تو وہ توحید، امن، انصاف، علم حق اور انسانیت کے احترام کی فضا اور اس کی زبردست برکتیں دیکھ کر دنگ رہ جاتے تھے اور کلمہ پڑھ کر بے اختیار مسلمان ہو جاتے تھے۔

پہلی اسلامی ریاست حُسنِ عمل کی جلوہ گاہ بن گئی

مکہ میں مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کر چکے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر عمل کی پیروی کرتے

[1] دلائل النبوة للبيهقي :4/230.



مکہ مکرمہ کا ایک خوبصورت منظر

تھے، چاہے عمل کا تعلق مذہب سے ہو، یا اخلاقیات اور سماجی رویے سے۔ مکہ میں ریاست در ریاست کی جو صورت نمودار ہوگئی تھی، اس کے سربراہ رسول اللہ ﷺ تھے۔ یہ ہر لحاظ سے ایک ریاست تھی سوائے اس کے کہ اس کے پاس کوئی علاقہ نہ تھا۔ سب کو مکمل آزادی تھی۔ حکمران اور رعایا کے مابین ایک قلبی نوعیت کا رشتہ استوار ہو چکا تھا۔ ریاست کے لیے علیحدہ قوانین بھی زیر تشکیل تھے۔ بیعت عقبہ کے موقع پر ایک نہایت اہم واقعہ ظہور میں آیا۔ آپ ﷺ نے انصار کے لیے بارہ نقیب مقرر فرمائے۔ یہ انتظامی استحکام کے لحاظ سے نہایت ضروری اور مؤثر اقدام تھا۔

مدینہ میں عمرانی معاہدہ

مدینہ تشریف آوری کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ مدینہ میں نہ صرف بدنظمی اور شورش کا دور دورہ ہے بلکہ وہ لوگ متمدن معاشرے کے ادنیٰ آداب سے بھی بے خبر ہیں اور انارکی کی زندگی بسر کر رہے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے جن امور کو فوری توجہ کے قابل سمجھا، ان میں مہاجرین و انصار کے حقوق و فرائض کو اولیت حاصل تھی۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ نے مسلمانوں کو اخوت کی لڑی میں پرو دیا اور افتراق و انتشار کے تمام دروازے بند کر دیے۔ اس طرح مہاجرین کو کفارِ مکہ کے سفاک ستم گروں کے بدلے میں اخوت و مودت سے سرشار نہایت مہذب و مہربان مہمان نواز مل گئے۔

دوسری جانب مدینہ میں مسلمانوں کے علاوہ دیگر مذاہب کے ماننے والے لوگ بھی موجود تھے۔ ان میں یہود مدینہ سرفہرست تھے جو اکثریت میں تھے، نیز بعض غیر یہود باشندے بھی تھے جو مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ نبی ﷺ کی دور رس بالغ نگاہی کو اس بھانت بھانت کے فکر و نظر والے مخلوط معاشرے میں امن و سکون اور حریت فکر و عمل کے ساتھ ساتھ حقوق و فرائض کی بہ سہولت ادائیگی نہایت مشکل نظر آتی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اہل مدینہ کی مختلف قومیتوں اور جداگانہ فکر و مذاہب کے لوگوں کو ایک قابل عمل جامع دستور مہیا فرمایا۔ اس دستور میں ہر مذہب و ملت سے تعلق رکھنے والوں کے لیے کامل عدل و انصاف کے علاوہ ان کے مذہبی و سماجی اور شخصی حقوق و مفادات کی حفاظت کا پورا پورا اہتمام فرمایا گیا۔ یہ نوع انسانی کا پہلا جامع دستور تھا اس کی تفصیلات پیش خدمت ہیں۔

میثاق مدینہ

میثاق مدینہ کس طرح اور کن شرائط پر طے پایا؟ یہ ایک چشم کشا، خرد افروز اور بصیرت آفرین مطالعہ ہے۔ اس کی ہر شق یہ گواہی دیتی ہے کہ اس میثاق کا محرک ایک اعلیٰ درجے کا مدبر اور قانون ساز ہے۔ اس معاہدے کی ابتدا یوں ہوئی کہ مدینہ میں سکونت اختیار فرمانے کے بعد ایک روز رسالت مآب ﷺ اپنے خادم خاص سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے والد کے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں آپ ﷺ نے مسلمانوں اور غیر مسلموں کا ایک مشترکہ اجلاس طلب فرمایا۔ آپ ﷺ نے شرکائے اجلاس سے خطاب فرماتے ہوئے کہا کہ اہلِ مدینہ کو اپنے باہمی اختلافات و تنازعات طے کرنے اور کسی بیرونی حملہ آور کا مل جل کر مقابلہ کرنے کے لیے چند اصولی شرائط پر متفق ہو جانا چاہیے۔

چنانچہ ان شرائط پر مبنی ایک میثاق یا آئین مرتب کرنے کے لیے مدینہ میں آباد تمام قبائل اور تمام مذاہب کے پیروکاروں کو اس میں شریک کیا اور خود اس میثاق کی شقیں ترتیب وار تحریر کرائیں۔ اس کے مندرجات پر نظر ڈالیے اور اندازہ لگائیے کہ رسالت مآب ﷺ نے کتنے کٹھن اور نازک حالات میں کیسے بے لاگ اور دور رس انتظامات کیے۔ بلا لحاظ مذہب و ملت ہر طبقے اور ہر آدمی کی پہلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ سکون اور امن کی فضا میں آسانی سے کسبِ معاش کر سکے اور اپنی مرضی کے مطابق اپنے مذہبی اور سماجی امور انجام دے سکے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان امور کا خصوصی اہتمام فرمایا اور میثاقِ مدینہ میں یہ بات خصوصیت سے درج کرائی کہ تمام مسلمانوں اور یہودیوں کو یکساں طور پر پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور مدینہ کے یہودی اور مسلمان ایک سیاسی وحدت قرار پائیں گے، نیز اسلامی ریاست کی اتھارٹی تسلیم کرانے کے لیے اس میں یہ شق رکھی گئی کہ متنازع معاملات میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے گا اور رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ ہی حتمی ہوگا جسے سب تسلیم کریں گے۔ پیش آمدہ حالات میں نبی ﷺ کی یہ عظیم الشان کامیابی تھی جس کے مستقبل میں نہایت شاندار اثرات مرتب ہوئے۔

میثاق مدینہ میں یہ بھی طے پایا کہ بیرونی حملے کی صورت میں یہودی اپنے مصارف پر مسلمانوں کے ساتھ مل کر بیرونی حملہ آوروں سے لڑیں گے۔ ہر وہ غیر مسلم جو اس معاہدے میں شریک ہے، مشرکین مکہ کو جانی یا مالی پناہ نہیں دے گا اور نہ اِس سلسلے میں کسی مسلمان کے خلاف مزاحمت کرے گا۔

میثاقِ مدینہ کی شکل میں یہ دنیا کا پہلا تحریری ریاستی آئین تھا جو رسول اللہ ﷺ کی رہنمائی میں مرتب ہوا۔ اس طرح امام الانبیاء محمد ﷺ نے پہلی مرتبہ پوری انسانیت کو ایک مہذب ریاست کی تشکیل اور آئین و قانون کے مطابق حکمرانی کا سبق دیا۔ ریاست مدینہ کے لیے آپ کا دیا ہوا آئین ہر لحاظ سے جامع و مانع تھا۔ اس میں ریاست کے تمام شہریوں کے لیے سیاسی و سماجی حقوق کی ضمانت دی گئی۔ خاص طور پر باشندگانِ ریاست کے تحفظ و دفاع کے لیے نہایت اہم اور مؤثر اقدامات تجویز کیے گئے۔ اس میں خود مختاری اور سماجی آزادی، غیر مسلم طبقات کے لیے مذہبی آزادی، نظام انصاف، سفارت کاری اور قانون سازی کی تمام اہم مبادیات شامل تھیں۔[1]

یہ اس لحاظ سے بھی ایک عظیم الشان دستاویز تھی کہ رسالت مآب ﷺ نے نہایت نازک اور صبر آزما حالات میں مدینہ کے تمام باشندوں کا تعاون حاصل کرنے کے لیے بہترین شرائط پر معاہدہ طے کیا۔

میثاقِ مدینہ: دو معاہدے؟

راجح یہ ہے کہ میثاق مدینہ دراصل دو معاہدوں پر مشتمل ہے جنھیں مؤرخین نے یکجا کر کے ایک معاہدے کی شکل دے دی۔ ایک معاہدہ وہ تھا جو مسلمانوں اور یہود کے درمیان ہوا جبکہ دوسرا معاہدہ مہاجرین اور انصار کے حقوق و فرائض کی وضاحت کرتا تھا۔ سیرت نگاروں نے مسلمانوں اور یہود کے مابین معاہدے یا اس کی شقوں کا رسول اللہ ﷺ کی ہجرتِ مدینہ کے متصل بعد ذکر کیا ہے، یعنی یہ معاہدہ ہجرت مدینہ کے فوراً بعد عمل میں آیا تھا۔ معروف سیرت نگار بلاذری لکھتے ہیں: ''جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ نے یہودیوں کے ساتھ ایک معاہدہ کیا اور اس کی دستاویز بھی لکھوائی جس میں یہ شرط رکھی کہ یہود آپ ﷺ کے دشمنوں کے ساتھ تعلقات استوار نہیں کریں گے، آپ پر حملہ کرنے والوں کے خلاف آپ کی مدد کریں گے اور اہل ذمہ سے لڑائی نہیں کی جائے گی۔ یوں اس معاہدے کے بروئے کار آنے کے بعد کسی نے آپ سے لڑائی جھگڑا نہیں کیا، نہ آپ نے کوئی سریّہ ارسال فرمایا حتی کہ اللہ عزّ وجل نے حکم نازل فرمایا:

﴿أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝﴾ (الحج 39:22)

''ان لوگوں کو (جہاد کی) اجازت دے دی گئی جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔''

چنانچہ پہلا سریّہ جو آپ نے ارسال فرمایا، وہ حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا سریّہ تھا۔''[2]

[1] دیکھیے: رسول اللہ ﷺ کی حکمرانی و جانشینی، ڈاکٹر حمید اللہ، ص:45. [2] أنساب الأشراف:341/1.

اس کے برعکس بعض مؤرخین انصار اور مہاجرین کے مابین طے پانے والے معاہدے کا ذکر غزوۂ بدر کے متصل بعد کرتے ہیں، یعنی یہ دستاویز غزوۂ بدر کے بعد لکھی گئی۔ امام طبری ہجرت کے دوسرے سال میں پیش آنے والے واقعات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کہا جاتا ہے کہ اسی سال رسول اللہ ﷺ نے ایک معاہدہ مَعَاقِل قلم بند کرایا تھا جو آپ کی تلوار کے ساتھ باندھ دیا گیا تھا۔[1] یہ تلوار جس کا نام ذوالفقار تھا، آپ کو غزوۂ بدر کے موقع پر غنیمت میں ملی تھی۔[2] مَعَاقِل کا واحد مَعْقُلَة ہے جس کے معنی ہیں: دِیَت (خون بہا)، تاوان۔

یہ دستاویز مہاجرین اور انصار کے درمیان لکھی گئی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مختلف مواقع پر اس کی بابت پوچھا گیا اور آپ نے اس کے متعلق جو جواب دیا، اس میں ان شقوں کا ذکر ہے جو مہاجرین اور انصار کے درمیان طے پائی تھیں، مثلاً: ابو جحیفہ کہتے ہیں: میں نے علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ کے پاس کوئی کتاب (دستاویز) ہے؟ انھوں نے فرمایا: نہیں مگر اللہ کی کتاب ہے یا فہم ہے جو وہ ایک مسلمان کو عطا کرتا ہے، یا پھر جو کچھ اس صحیفے میں ہے۔ میں نے پوچھا: اس صحیفے میں کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: ''دیت اور قیدیوں کی رہائی کا بیان اور یہ کہ مسلمان کافر کے عوض قتل نہ کیا جائے۔''[3] دوسری روایت میں مزید وضاحت ہے کہ اس صحیفے میں یہ بھی لکھا ہوا ہے: ''مدینہ، عائر (جبل عیر) سے



نبی ﷺ سے منسوب ذوالفقار نامی تلوار (توپ کاپی، ترکی)

1 تاریخ الطبري: 177/2. 2 مسند أحمد: 271/1. 3 صحیح البخاري: 111.

جبل عیر پر حدودِ حرم مدنی کے نشانات

فلاں مقام تک حرم ہے۔ جس نے اس میں بدعت ایجاد کی یا کسی بدعتی کو پناہ دی، اس پر اللہ تعالیٰ، تمام فرشتوں اور انسانوں کی لعنت ہے، نہ اس کی کوئی فرض عبادت قبول ہے نہ نفل۔ تمام مسلمانوں کی امان ایک ہے، اس لیے اگر کسی مسلمان کی (دی ہوئی) پناہ میں دوسرے مسلمان نے بدعہدی کی تو اس پر اللہ تعالیٰ اور تمام فرشتوں اور انسانوں کی لعنت ہے، نہ اس کی کوئی فرض عبادت قبول ہے نہ نفل اور جو کوئی اپنے مالک کو چھوڑ کر اس کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے کو مالک بنائے، اس پر اللہ تعالیٰ، تمام فرشتوں اور انسانوں کی لعنت ہے، نہ اس کی کوئی فرض عبادت مقبول ہے اور نہ نفل۔''[1]

مذکورہ روایات سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ دو مختلف قسم کے معاہدے عمل میں آئے تھے۔ پہلا معاہدہ یہودیوں کے ساتھ تعلقات پر مبنی تھا جو غزوۂ بدر سے پہلے حیطۂ تحریر میں آچکا تھا، یعنی رسول اللہ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری کے فوراً بعد یہ معاہدہ عمل میں آیا اور دوسرا معاہدہ انصار اور مہاجرین کے مابین اتحاد کے سلسلے میں تھا۔ اسی بات کو محقق اکرم ضیاء العمری نے ترجیح دی ہے۔[2]

میثاق مدینہ کے مآخذ اور استنادی حیثیت

بعض مؤرخین نے میثاق مدینہ کی مکمل عبارت نقل کی ہے جبکہ بعض نے انتہائی اختصار کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ سب سے قدیم مؤرخ جنھوں نے میثاق مدینہ کا مکمل متن نقل کیا، وہ محمد بن اسحاق ہیں۔[3] انھی سے ابن سید الناس[4] اور ابن کثیر[5] نے پورا متن نقل کیا ہے۔ لیکن یہ دونوں بھی اسے ابن اسحاق کی طرح بغیر سند کے

[1] صحیح البخاري: 1870. [2] المجتمع المدني في عهد النبوة، ص: 137,136. [3] السيرة لابن هشام: 505-502/2.
[4] عيون الأثر، ص: 142,141. [5] البداية والنهاية: 224,223/3.


جبل ثور مدینہ منورہ

نقل کرتے ہیں۔

ابو عبید قاسم بن سلام نے میثاق مدینہ کو مختلف روایات سے بیان کیا ہے۔ [1] امام بیہقی، [2] ابن ابی حاتم رازی [3] اور علامہ ابن حزم [4] نے اس میثاق کے بعض اجزاء کا ذکر کیا ہے۔ دکتور اکرم ضیاء عمری لکھتے ہیں: ''یہ دستاویز مجموعی لحاظ سے شرعی احکام میں تو قابل حجت نہیں، سوائے ان باتوں کے جو صحیح احادیث میں آ گئی ہیں مگر یہ کسی تاریخی تجزیے کی بنیاد ضرور بن سکتی ہے کیونکہ تاریخ اس درجے کی صحت کا تقاضا نہیں کرتی جو احکام شرعیہ میں مطلوب ہے، خصوصاً جبکہ یہ دستاویز کئی سندوں سے روایت کی گئی ہے جو ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں۔ یوں اس دستاویز کو استنادی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔'' [5]

وثائقِ سیاسیہ کا مجموعہ

مؤرخین نے میثاق مدینہ کا مضمون مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے۔ بعض نے اختصار کا طریقہ اختیار کیا ہے جبکہ بعض نے بکھری ہوئی شقوں کو جمع کر کے انھیں مرتب انداز میں پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے ''مجموعة الوثائق السیاسیة'' میں یہی اسلوب اختیار کیا ہے۔ ہم اس کتاب سے یہاں میثاق مدینہ کا متن پیش کرتے ہیں۔

---

[1] الأموال لأبي عبيد، ص: 517-520. [2] السنن الكبرىٰ للبيهقي: 106/8. [3] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 195/1-197. [4] المحلّٰى لابن حزم: 50/11، مسئلة: 2140. [5] المجتمع المدني للدكتور أكرم ضياء العمري، ص: 134،135.

میثاقِ مدینہ کا متن

مہاجرین اور انصار کے درمیان معاہدہ

1 «هٰذَا كِتَابٌ مِّنْ مُّحَمَّدٍ النَّبِيِّ [رَسُولِ اللّٰهِ]ﷺ بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ مِنْ قُرَيْشٍ وَّ [أَهْلِ] يَثْرِبَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ فَلَحِقَ بِهِمْ وَجَاهَدَ مَعَهُمْ»

''یہ ایک دستاویز ہے جو نبی کریم محمد رسول اللہ ﷺ کی جانب سے ہے (یہ ان معاملات کا تعین کرتی ہے) جو قریشی مسلمانوں اور اہل یثرب کے درمیان اور ان لوگوں کے درمیان قائم ہوں گے جو ان کا اتباع کریں، ان کے ساتھ شامل ہوں اور ان کے ساتھ مل کر جہاد کریں۔''

2 «إِنَّهُمْ أُمَّةٌ وَّاحِدَةٌ مِّنْ دُونِ النَّاسِ»

''بلاشبہ یہ تمام لوگوں سے الگ ایک امت ہیں۔''

3 «اَلْمُهَاجِرُونَ مِنْ قُرَيْشٍ عَلٰى رَبْعَتِهِمْ يَتَعَاقَلُونَ بَيْنَهُمْ وَهُمْ يَفْدُونَ عَانِيَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَالْقِسْطِ بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ»

''قریشی مہاجر باہم اپنے رواج کے مطابق خون بہا دیں گے اور اپنے قیدیوں کا فدیہ معروف (آسان) طریقے سے ادا کریں گے جو مومنین کے مابین انصاف پر مبنی ہو۔''

4 «وَبَنُو عَوْفٍ عَلٰى رَبْعَتِهِمْ يَتَعَاقَلُونَ مَعَاقِلَهُمُ الْأُولٰى، وَكُلُّ طَائِفَةٍ تَفْدِي عَانِيَهَا بِالْمَعْرُوفِ وَالْقِسْطِ بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ»

''بنوعوف اپنے رواج کے مطابق خون بہا دیں گے جیسا کہ وہ پہلے دیتے آئے ہیں اور ہر گروہ اپنے قیدیوں کا فدیہ معروف طریقے سے ادا کرے گا جو مومنین کے مابین انصاف پر مبنی ہو۔''

5 «وَبَنُو الْحَارِثِ [بْنِ الْخَزْرَجِ] عَلٰى رَبْعَتِهِمْ يَتَعَاقَلُونَ مَعَاقِلَهُمُ الْأُولٰى، وَكُلُّ طَائِفَةٍ تَفْدِي

عَانِيَهَا بِالْمَعْرُوفِ وَالْقِسْطِ بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ»

''بنو حارث (بن خزرج) اپنے رواج کے مطابق خون بہا دیں گے جیسا کہ وہ پہلے دیتے آئے ہیں اور ہر گروہ اپنے قیدیوں کا فدیہ معروف طریقے سے ادا کرے گا جو مومنین کے مابین انصاف پر مبنی ہو۔''

6 «وَبَنُو سَاعِدَةَ عَلَى رَبْعَتِهِمْ يَتَعَاقَلُونَ مَعَاقِلَهُمُ الْأُولَى، وَكُلُّ طَائِفَةٍ تَفْدِي عَانِيَهَا بِالْمَعْرُوفِ وَالْقِسْطِ بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ»

''بنو ساعدہ اپنے رواج کے مطابق خون بہا دیں گے جیسا کہ وہ پہلے دیتے آئے ہیں اور ہر گروہ اپنے قیدیوں کا فدیہ معروف طریقے سے ادا کرے گا جو مومنین کے مابین انصاف پر مبنی ہو۔''

7 «وَبَنُو جُشَمٍ عَلَى رَبْعَتِهِمْ يَتَعَاقَلُونَ مَعَاقِلَهُمُ الْأُولَى، وَكُلُّ طَائِفَةٍ تَفْدِي عَانِيَهَا بِالْمَعْرُوفِ وَالْقِسْطِ بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ»

''بنو جشم اپنے رواج کے مطابق خون بہا دیں گے جیسا کہ وہ پہلے دیتے آئے ہیں اور ہر گروہ اپنے قیدیوں کا فدیہ معروف طریقے سے ادا کرے گا جو مومنین کے مابین انصاف پر مبنی ہو۔''

8 «وَبَنُو النَّجَّارِ عَلَى رَبْعَتِهِمْ يَتَعَاقَلُونَ مَعَاقِلَهُمُ الْأُولَى، وَكُلُّ طَائِفَةٍ تَفْدِي عَانِيَهَا بِالْمَعْرُوفِ وَالْقِسْطِ بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ»

''بنو نجار اپنے رواج کے مطابق خون بہا دیں گے جیسا کہ وہ پہلے دیتے آئے ہیں اور ہر گروہ اپنے قیدیوں کا فدیہ معروف طریقے سے ادا کرے گا جو مومنین کے مابین انصاف پر مبنی ہو۔''

9 «وَبَنُو عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ عَلَى رَبْعَتِهِمْ يَتَعَاقَلُونَ مَعَاقِلَهُمُ الْأُولَى، وَكُلُّ طَائِفَةٍ تَفْدِي عَانِيَهَا بِالْمَعْرُوفِ وَالْقِسْطِ بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ»

''بنو عمرو بن عوف اپنے رواج کے مطابق خون بہا دیں گے جیسا کہ وہ پہلے دیتے آئے ہیں اور ہر گروہ اپنے قیدیوں کا فدیہ معروف (آسان) طریقے سے ادا کرے گا جو مومنین کے مابین انصاف پر مبنی ہو۔''

10 «وَبَنُو النَّبِيتِ عَلَى رَبْعَتِهِمْ يَتَعَاقَلُونَ مَعَاقِلَهُمُ الْأُولَى، وَكُلُّ طَائِفَةٍ تَفْدِي عَانِيَهَا بِالْمَعْرُوفِ وَالْقِسْطِ بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ»

''بنوعیت اپنے رواج کے مطابق خون بہا دیں گے جیسا کہ وہ پہلے دیتے آئے ہیں اور ہر فریق اپنے قیدیوں کا فدیہ معروف طریقے سے ادا کرے گا جو مومنین کے مابین انصاف پر مبنی ہو۔''

11 «وَبَنُو الْأَوْسِ عَلٰى رَبْعَتِهِمْ يَتَعَاقَلُونَ مَعَاقِلَهُمُ الْأُولٰى، وَكُلُّ طَائِفَةٍ تَفْدِي عَانِيَهَا بِالْمَعْرُوفِ وَالْقِسْطِ بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ»

''بنواوس اپنے رواج کے مطابق خون بہا دیں گے جیسا کہ وہ پہلے دیتے آئے ہیں اور ہر گروہ اپنے قیدیوں کا فدیہ معروف طریقے سے ادا کرے گا جو مومنین کے درمیان انصاف پر مبنی ہو۔''

12 «وَأَنَّ الْمُؤْمِنِينَ لَا يَتْرُكُونَ مُفْرَحًا بَيْنَهُمْ أَنْ يُعْطُوهُ بِالْمَعْرُوفِ فِي فِدَاءٍ أَوْ عَقْلٍ»

''مومنین اپنے مابین کسی مقروض کو بے یارومددگار نہیں چھوڑیں گے۔ یہ نہیں ہوگا کہ وہ معروف طریقے سے اس کا فدیہ یا خون بہا ادا نہ کریں۔''

13 «وَأَنْ لَا يُحَالِفَ مُؤْمِنٌ مَوْلٰى مُؤْمِنٍ دُونَهُ»

''کوئی مومن کسی مومن کے آزاد کردہ غلام کو اس کے خلاف اپنا حلیف نہیں بنائے گا؟''

14 «وَأَنَّ الْمُؤْمِنِينَ الْمُتَّقِينَ [أَيْدِيهِمْ] عَلٰى [كُلِّ] مَنْ بَغٰى مِنْهُمْ، أَوِ ابْتَغٰى دَسِيعَةَ ظُلْمٍ، أَوْ إِثْمًا، أَوْ عُدْوَانًا، أَوْ فَسَادًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ، وَأَنَّ أَيْدِيَهُمْ عَلَيْهِ جَمِيعًا، وَلَوْ كَانَ وَلَدَ أَحَدِهِمْ»

''تمام متقی مسلمان متحد ہو کر ہر اس شخص کی مخالفت کریں گے جو سرکش، ظلم و زیادتی کا مرتکب، گناہ گار، حد سے تجاوز کرنے والا یا مومنوں کے مابین فساد برپا کرنے والا ہو۔ ایسے شخص کی مخالفت میں ان کے ہاتھ ایک ساتھ اٹھیں گے، خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی ہو۔''

15 «وَلَا يَقْتُلُ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنًا فِي كَافِرٍ، وَلَا يَنْصُرُ كَافِرًا عَلٰى مُؤْمِنٍ»

''کوئی مومن کسی مومن کو کافر کے بدلے قتل نہ کرے گا، نہ کافر کی مومن کے خلاف مدد کرے گا۔''

16 «وَأَنَّ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَاحِدَةٌ يُجِيرُ عَلَيْهِمْ أَدْنَاهُمْ، وَأَنَّ الْمُؤْمِنِينَ بَعْضُهُمْ مَوَالِي بَعْضٍ دُونَ النَّاسِ»

''اللہ تعالیٰ کی پناہ (سب کے لیے) ایک ہے۔ ان (مسلمانوں) میں سے جو شخص سب سے کم رتبہ ہے، وہ بھی کسی کو پناہ دے سکتا ہے اور مومنین باہم دوست (اور محافظ) ہیں سوائے کافروں کے۔''

17 «وَأَنَّهُ مَنْ تَبِعَنَا مِنْ يَهُودَ فَإِنَّ لَهُ النَّصْرَ وَالْأُسْوَةَ غَيْرَ مَظْلُومِينَ وَلَا مُتَنَاصَرٍ عَلَيْهِمْ»

"یہود میں سے جو ہماری اتباع کرے گا، اسے ہماری مدد اور مساوات حاصل ہو گی، ان پر ظلم کیا جائے گا اور نہ ان کے خلاف (کسی کی) مدد کی جائے گی۔"

18 «وَأَنَّ سِلْمَ الْمُؤْمِنِينَ وَاحِدَةٌ، لَا يُسَالِمُ مُؤْمِنٌ دُونَ مُؤْمِنٍ فِي قِتَالٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ إِلَّا عَلٰى سَوَاءٍ وَّعَدْلٍ بَيْنَهُمْ»

"مومنین کی صلح ایک ہے، اللہ کے راستے میں قتال کے دوران کوئی مؤمن کسی دوسرے مؤمن کو چھوڑ کر مخالف سے صلح نہیں کرے گا الا یہ کہ صلح سب کے لیے برابر اور عدل پر قائم ہو۔"

19 «وَأَنَّ كُلَّ غَازِيَةٍ غَزَتْ مَعَنَا يُعْقِبُ بَعْضُهَا بَعْضًا»

"ہر وہ گروہ جو ہمارے ساتھ جہاد کے لیے نکلے گا، اس کے افراد باری باری ایک دوسرے کے جانشین ہوں گے۔"

20 «وَأَنَّ الْمُؤْمِنِينَ يُبِيءُ بَعْضُهُمْ عَنْ بَعْضٍ بِمَا نَالَ دِمَاءَهُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ»

"مومنین اللہ کے راستے میں قتل ہونے والوں کا انتقام لیں گے۔"

21 «وَأَنَّ الْمُؤْمِنِينَ الْمُتَّقِينَ عَلٰى أَحْسَنِ هُدًى وَّأَقْوَمِهِ»

"بے شک متقی ایمان دار سب سے زیادہ ہدایت اور سیدھے راستے پر ہیں۔"

22 «وَأَنَّهُ لَا يُجِيرُ مُشْرِكٌ مَالًا لِّقُرَيْشٍ وَلَا نَفْسًا، وَلَا يَحُولُ دُونَهُ عَلٰى مُؤْمِنٍ»

"کوئی مشرک قریش کے مال کی حفاظت کرے گا نہ انھیں پناہ دے گا، نہ اس سلسلے میں کسی مومن کے آڑے آئے گا۔"

23 «وَأَنَّهُ مَنِ اعْتَبَطَ مُؤْمِنًا قَتْلًا عَنْ بَيِّنَةٍ فَإِنَّهُ قَوَدٌ بِهِ، إِلَّا أَنْ يَّرْضٰى وَلِيُّ الْمَقْتُولِ [بِالْعَقْلِ] وَأَنَّ الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِ كَافَّةً وَّلَا يَحِلُّ لَهُمْ إِلَّا قِيَامٌ عَلَيْهِ»

"جس شخص پر کسی مؤمن کا قتل ثابت ہو جائے تو اس سے قصاص لیا جائے گا ماسوا اس کے کہ مقتول کا ولی خون بہا پر راضی ہو جائے اور تمام مومنین اس (قصاص) کی تکمیل کے لیے اٹھیں گے اور ان کے لیے اس کے سوا کوئی بات جائز نہیں۔"

24 «وَأَنَّهُ لَا يَحِلُّ لِمُؤْمِنٍ أَقَرَّ بِمَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ، وَآمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَّنْصُرَ مُحْدِثًا

أَوْ يُؤْوِيَهُ، وَأَنَّ مَنْ نَصَرَهُ، أَوْ آوَاهُ، فَإِنَّ عَلَيْهِ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَغَضَبَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ»

''کسی ایمان والے کے لیے، جو اس صحیفے کے مندرجات کا اقرار کر چکا ہو اور اللہ اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہو، یہ جائز نہیں کہ وہ کسی بدعتی کو مدد یا پناہ دے اور جو اس کی مدد کرے گا یا اسے پناہ دے گا تو قیامت کے دن اس پر اللہ کا غضب اور لعنت ہوگی اور اس سے کوئی نفل یا فرض عبادت قبول نہیں کی جائے گی۔''

25 «وَأَنَّكُمْ مَهْمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ مَرَدَّهُ إِلَى اللّٰهِ وَإِلَى مُحَمَّدٍ ﷺ»

''جب بھی تم اس میں موجود کسی معاملے میں اختلاف کرو گے تو اللہ اور محمد ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔''

مسلمانوں اور یہود کے مابین معاہدہ

26 «وَأَنَّ الْيَهُودَ يُنْفِقُونَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ مَادَامُوا مُحَارِبِينَ»

''یہود مومنین کے ساتھ مال خرچ کرنے میں شریک رہیں گے جب تک وہ لڑائی میں شریک ہیں۔''

27 «وَأَنَّ يَهُودَ بَنِي عَوْفٍ أُمَّةٌ مَّعَ الْمُؤْمِنِينَ، لِلْيَهُودِ دِينُهُمْ وَلِلْمُسْلِمِينَ دِينُهُمْ، مَوَالِيهِمْ وَأَنْفُسُهُمْ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ وَأَثِمَ، فَإِنَّهُ لَا يُوتِغُ إِلَّا نَفْسَهُ وَأَهْلَ بَيْتِهِ»

''بنو عوف کے یہود مومنین کے ساتھ ایک فریق ہیں۔ یہود کے لیے ان کا دین اور مسلمانوں کے لیے ان کا دین ہے، ان کے غلام اور وہ خود امن میں ہوں گے، سوائے اس کے جو ظلم اور گناہ کا مرتکب ہو، چنانچہ وہی خود کو اور اپنے اہل کو مصیبت میں ڈالے گا۔''

28 «وَأَنَّ لِيَهُودِ بَنِي النَّجَّارِ مِثْلَ مَا لِيَهُودِ بَنِي عَوْفٍ»

''یہود بنی نجار کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو یہود بنی عوف کو حاصل ہیں۔''

29 «وَأَنَّ لِيَهُودِ بَنِي الْحَارِثِ مِثْلَ مَا لِيَهُودِ بَنِي عَوْفٍ»

''یہود بنی حارث کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو یہود بنی عوف کو حاصل ہیں۔''

30 «وَأَنَّ لِيَهُودِ بَنِي سَاعِدَةَ مِثْلَ مَا لِيَهُودِ بَنِي عَوْفٍ»

''یہود بنی ساعدہ کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو یہود بنی عوف کو حاصل ہیں۔''

31 «وَأَنَّ لِيَهُودِ بَنِي جُشَمٍ مِثْلَ مَا لِيَهُودِ بَنِي عَوْفٍ»

''یہود بنی جشم کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو یہود بنی عوف کو حاصل ہیں۔''

32 «وَأَنَّ لِيَهُودِ بَنِي الْأَوْسِ مِثْلَ مَا لِيَهُودِ بَنِي عَوْفٍ»

''یہود بنی اوس کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو یہود بنی عوف کو حاصل ہیں۔''

33 «وَأَنَّ لِيَهُودِ بَنِي ثَعْلَبَةَ مِثْلَ مَا لِيَهُودِ بَنِي عَوْفٍ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ وَأَثِمَ، فَإِنَّهُ لَا يُوتِغُ إِلَّا نَفْسَهُ وَأَهْلَ بَيْتِهِ»

''یہود بنی ثعلبہ کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو یہود بنی عوف کو حاصل ہیں سوائے اس شخص کے جو ظلم یا گناہ کا مرتکب ہو، چنانچہ وہی خود کو اور اپنے اہل کو مصیبت میں ڈالے گا۔''

34 «وَأَنَّ جَفْنَةَ بَطْنٌ مِنْ ثَعْلَبَةَ كَأَنْفُسِهِمْ»

''جفنہ جو قبیلہ ثعلبہ کی شاخ ہے، اس کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل (ثعلبہ) کو حاصل ہیں۔''

35 «وَأَنَّ لِبَنِي الشُّطَيْبَةِ مِثْلَ مَا لِيَهُودِ بَنِي عَوْفٍ، وَأَنَّ الْبِرَّ دُونَ الْإِثْمِ»

''یہود بنوشطیبہ کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو یہود بنوعوف کو حاصل ہیں اور نیکی اور برائی ایک جیسی نہیں۔''

36 «وَأَنَّ مَوَالِي ثَعْلَبَةَ كَأَنْفُسِهِمْ»

''ثعلبہ کے موالی (آزاد کردہ غلاموں) کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو خود ان کو حاصل ہیں۔''

37 «وَأَنَّ بِطَانَةَ يَهُودَ كَأَنْفُسِهِمْ»

''یہود کی ذیلی شاخوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو یہود کو حاصل ہیں۔''

38 «وَأَنَّهُ لَا يَخْرُجُ مِنْهُمْ أَحَدٌ إِلَّا بِإِذْنِ مُحَمَّدٍ»

''ان (یہود) میں سے کوئی بھی محمد (ﷺ) کی اجازت کے بغیر (جنگ کے لیے) نہیں نکلے گا۔''

39 «وَأَنَّهُ لَا يَنْحَجِزُ عَلَى ثَأْرِ جُرْحٍ، وَأَنَّهُ مَنْ فَتَكَ فَبِنَفْسِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ وَأَنَّ اللّٰهَ عَلَى أَبَرِّ هٰذَا»

''کسی زخم کا بدلہ لینے سے منع نہیں کیا جائے گا اور جو شخص کسی کو دھوکے سے قتل کرے، وہ اور اس کا گھرانہ ذمہ دار ہوگا، سوائے اس صورت کے کہ اس پر ظلم کیا گیا ہو اور اللہ تعالیٰ ان میں سے نیکی کرنے والے کے ساتھ ہوگا۔''

40 «وَأَنَّ عَلَى الْيَهُودِ نَفَقَتَهُمْ، وَعَلَى الْمُسْلِمِينَ نَفَقَتَهُمْ، وَأَنَّ بَيْنَهُمُ النَّصْرَ عَلَى مَنْ حَارَبَ أَهْلَ هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ، وَأَنَّ بَيْنَهُمُ النُّصْحَ وَالنَّصِيحَةَ وَالْبِرَّ دُونَ الْإِثْمِ»

''یہود کے ذمے ان کے اخراجات ہیں اور مسلمانوں کے ذمے ان کے اخراجات ہیں۔ اس صحیفے والے آپس میں مددگار رہوں گے۔ اس کے خلاف جو ان سے لڑے گا انھیں باہمی مشاورت سے کام لینا ہوگا اور نیکی اور گناہ ایک جیسے نہیں۔''

41 «وَأَنَّهُ لَا يَأْثَمُ امْرُءٌ بِحَلِيفِهِ، وَأَنَّ النَّصْرَ لِلْمَظْلُومِ»

''کوئی شخص اپنے حلیف کی وجہ سے گناہ گار نہیں ٹھہرایا جائے گا اور مظلوم کی مدد کی جائے گی۔''

42 «وَأَنَّ الْيَهُودَ يُنْفِقُونَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ مَادَامُوا مُحَارِبِينَ»

''اور یہود مومنین کے ساتھ اخراجات میں شریک ہوں گے جب تک کہ (دشمن کے خلاف) برسرِ جنگ رہیں گے۔''

43 «وَأَنَّ يَثْرِبَ حَرَامٌ جَوْفُهَا لِأَهْلِ هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ»

''یثرب کا داخلی علاقہ (جوف) اس صحیفے والوں کے لیے حرم کا مقام رکھے گا۔''

44 «وَأَنَّ الْجَارَ كَالنَّفْسِ غَيْرَ مُضَارٍّ وَلَا آثِمٍ»

''پناہ گزیں ایسے ہی ہوگا جیسے پناہ دینے والا، اسے نقصان پہنچایا جائے گا نہ وہ جرم کرے گا۔''

45 «وَ أَنَّهُ لَا تُجَارُ حُرْمَةٌ إِلَّا بِإِذْنِ أَهْلِهَا»

''کسی عورت کو اس کے خاندان کی رضامندی ہی سے پناہ دی جائے گی۔''

46 «وَأَنَّهُ مَا كَانَ بَيْنَ أَهْلِ هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ مِنْ حَدَثٍ، أَوِ اشْتِجَارٍ يُخَافُ فَسَادُهُ فَإِنَّ مَرَدَّهُ إِلَى اللّٰهِ وَ إِلَى مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ (ﷺ) وَأَنَّ اللّٰهَ عَلَى أَتْقَى مَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ وَ أَبَرِّهِ»

''اس صحیفے والوں کے درمیان اگر کوئی اختلاف یا جھگڑا رونما ہو جس سے فساد کا ڈر ہو تو اس معاملے میں اللہ

اور اس کے رسول محمد ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اور اس صحیفے میں جو تقویٰ اور نیکی کی عمدہ بات ہے، اللہ اس کے ساتھ ہے۔''

47 «وَأَنَّهُ لَا تُجَارُ قُرَيْشٌ وَلَا مَنْ نَصَرَهَا»

''کفارِ قریش اور ان کی مدد کرنے والوں کو پناہ نہیں دی جائے گی۔''

48 «وَأَنَّ بَيْنَهُمُ النَّصْرَ عَلٰى مَنْ دَهَمَ يَثْرِبَ»

''اگر کوئی یثرب (مدینہ) پر حملہ کرے تو اس کے خلاف وہ (یہود اور مسلمان) ایک دوسرے کی مدد کرنے کے پابند ہوں گے۔''

49 «وَإِذَا دُعُوا إِلٰى صُلْحٍ يُصَالِحُونَهُ وَيَلْبَسُونَهُ فَإِنَّهُمْ يُصَالِحُونَهُ وَيَلْبَسُونَهُ، وَأَنَّهُمْ إِذَا دَعَوْا إِلٰى مِثْلِ ذٰلِكَ، فَإِنَّهُ لَهُمْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِلَّا مَنْ حَارَبَ فِي الدِّينِ»

''جب انھیں (یہود کو) کسی صلح میں شرکت اور اس پر کاربند رہنے کے لیے بلایا جائے تو وہ صلح کریں گے اور اس پر کاربند رہیں گے اور جب وہ انھیں (مسلمانوں کو) کسی ایسے ہی معاملے کی طرف بلائیں تو مومنین پر لازم ہے کہ وہ اس میں شریک ہوں سوائے اس کے کہ کوئی دین کے لیے جنگ کرے۔''

50 «عَلٰى كُلِّ أُنَاسٍ حِصَّتُهُمْ مِنْ جَانِبِهِمُ الَّذِي قِبَلَهُمْ»

''تمام لوگ شہرِ مدینہ کے اپنی اپنی جانب کے دفاع کے ذمہ دار ہوں گے۔''

51 «وَأَنَّ يَهُودَ الْأَوْسِ وَمَوَالِيهِمْ وَأَنْفُسَهُمْ عَلٰى مِثْلِ مَا لِأَهْلِ هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ مَعَ الْبِرِّ الْمَحْضِ مِنْ أَهْلِ هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ وَأَنَّ الْبِرَّ دُونَ الْإِثْمِ لَا يَكْسِبُ كَاسِبٌ إِلَّا عَلٰى نَفْسِهِ وَأَنَّ اللّٰهَ عَلٰى أَصْدَقِ مَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ وَأَبَرِّهِ»

''(قبیلہ) اوس کے یہود اور ان کے موالی (آزاد کردہ غلاموں) کے وہی حقوق ہوں گے جو اس صحیفے (دستاویز) والوں کے ہیں اور وہ بھی اس صحیفے والوں کے ساتھ خالص نیکی کا برتاؤ کریں گے۔ نیکی گناہ سے بچاتی ہے۔ جو جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔ اس صحیفے میں جو بہترین سچائی اور نیکی ہے، اللہ اس پہ راضی ہے۔''

52 «وَأَنَّهُ لَا يَحُولُ هٰذَا الْكِتَابُ دُونَ ظَالِمٍ أَوْ آثِمٍ، وَأَنَّهُ مَنْ خَرَجَ آمِنٌ وَمَنْ قَعَدَ آمِنٌ بِالْمَدِينَةِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ وَأَثِمَ، وَأَنَّ اللّٰهَ جَارٌ لِمَنْ بَرَّ وَاتَّقٰى، وَمُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ (ﷺ)»

"یہ کتاب (دستاویز) کسی ظالم اور گناہ گار کو تحفظ نہیں دے گی، جو شخص (جنگ کے لیے) نکلے، وہ امن میں ہوگا اور جو شخص مدینہ میں ٹھہرے، وہ بھی امن میں ہوگا سوائے اس کے کہ وہ ظلم اور گناہ کا ارتکاب کرے، اور اللہ تعالیٰ نیک اور متقی کا محافظ ہے اور محمد اللہ کے رسول ہیں (ﷺ)۔"[1]

میثاق مدینہ کے فائدے اور حکمتیں

اس معاہدے کی دفعات کی روشنی میں اس کے درج ذیل مقاصد سامنے آتے ہیں:

- مسلمانوں کے لیے ایک مضبوط ریاست وجود میں آئے جس کی اساس کلمۂ توحید ہو اور جو ہر قسم کے قومی اور علاقائی تعصب سے پاک ہو۔
- ریاست میں عدل و انصاف کا بول بالا ہو، مظلوموں کی داد رسی ہو اور اس کے باشندوں میں مساوات قائم ہو۔
- مشترکہ دفاعی نظام قائم ہو تاکہ اندرونی اور بیرونی دشمنوں کا مقابلہ کیا جاسکے۔
- ریاست کے ہر باشندے کو آزادی حاصل ہو، کوئی دشمن کی قید میں مبتلا نہ رہے۔
- اللہ کے احکام کا نفاذ اور اسلام کی بالادستی قائم ہو۔
- خطے میں مسلمانوں کی شان و شوکت کا ظہور ہو۔
- اغیار کو دعوت دینے کے لیے مناسب خطہ اور ماحول میسر ہو۔
- مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے لیے مناسب وقت اور مواقع فراہم ہوں۔
- مسلمانوں کے باہمی تعلقات مضبوط اور استوار ہوں۔

میثاقِ مدینہ کا عہدِ حاضر سے تقابل

میثاق مدینہ جن اعلیٰ انسانی اور سیاسی اقدار کی دستاویز ہے وہ صرف رہبر قافلہ انسانیت حضرت محمد ﷺ ہی کا یگانہ کارنامہ اور آپ ﷺ کی بے مثل حکمت و بصیرت کا آئینہ دار ہے۔ آپ ﷺ کی بعثتِ مبارک سے پہلے یہ دنیا ایک ایسا ظلمت زار تھی جس میں انسان انسان کا غلام اور جس کی لاٹھی اُس کی بھینس تھا۔ میثاقِ مدینہ نے سیاست و مذہب کے اصول و آداب اُجاگر کر کے عالم انسانیت کو اُس نظام حکومت سے روشناس کرایا جس کی اساس عظمتِ آدم کے احترام پہ ہے۔ زمان و مکان کے تناظر میں دیکھا جائے تو میثاقِ مدینہ ابتدائے اسلام میں لکھی گئی وہ اوّلین،

[1] مجموعة الوثائق السياسية، ص59-62، كتاب الأموال لأبي عبيد، ص202-207، السيرة لابن هشام: 2/502-504، البداية والنهاية (محقق): 3/504-506.

نہایت اہم اور گرانقدر دستاویز ہے جس سے اس وقت کے مسلمانوں کی معاشرتی اور سیاسی اہمیت وحیثیت اور وقار کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس تحریر کا مطالعہ کرکے موجودہ دور کا مسلمان اپنی حیثیت اور مرتبے کا خوب اندازہ کرسکتا ہے۔ آج مسلمانوں کی تعداد اور طاقت کا موازنہ اُس وقت کے مسلمانوں سے کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ وہ تعداد میں کم ہونے کے باوجود بہت بااثر عزت اور وقار والے تھے اور ہم تعداد میں زیادہ ہوکر بھی غیر مؤثر ذلت و رسوائی کا شکار ہیں۔ مسلمانوں کے عام فرد کو وہ حقوق حاصل تھے جس کا تصور بھی ہمارے حکمرانوں کے لیے محال ہے۔ مساوات اور عدل و انصاف جو کسی بھی معاشرے کی بنیاد ہوتے ہیں، ہمارے معاشرے میں ناپید ہے۔ احکام شریعت کے بجائے ہم نے انھی فرسودہ احکام کو واجب الاطاعت سمجھ لیا جو طاغوتی حکمرانوں کی طرف سے صادر ہوں۔ مسلمان قیدیوں کو چھڑانے کے بجائے خود انھیں کافروں کے ہاتھ میں دیا جارہا ہے۔ آپس کے جھگڑے قرآن وسنت کی روشنی میں چکانے کے بجائے خود ساختہ نظریات کے پرچارکوں اور طاغوتی طاقتوں کی طرف لے جائے جاتے ہیں۔ اب حکمرانوں کا چلن یہ ہے کہ ایک کافر کے بدلے میں بہت سے مسلمانوں کو قتل کیا جائے اور اگر کافر بے شمار مسلمانوں کو قتل کردیں تو انتہائی بے حسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کسی قسم کا کوئی ردعمل ظاہر نہ کیا جائے۔ یہ اسلوب عمل کسی سیاسی دستور تو کجا عام انسانی آداب کی بھی آخری توہین ہے۔

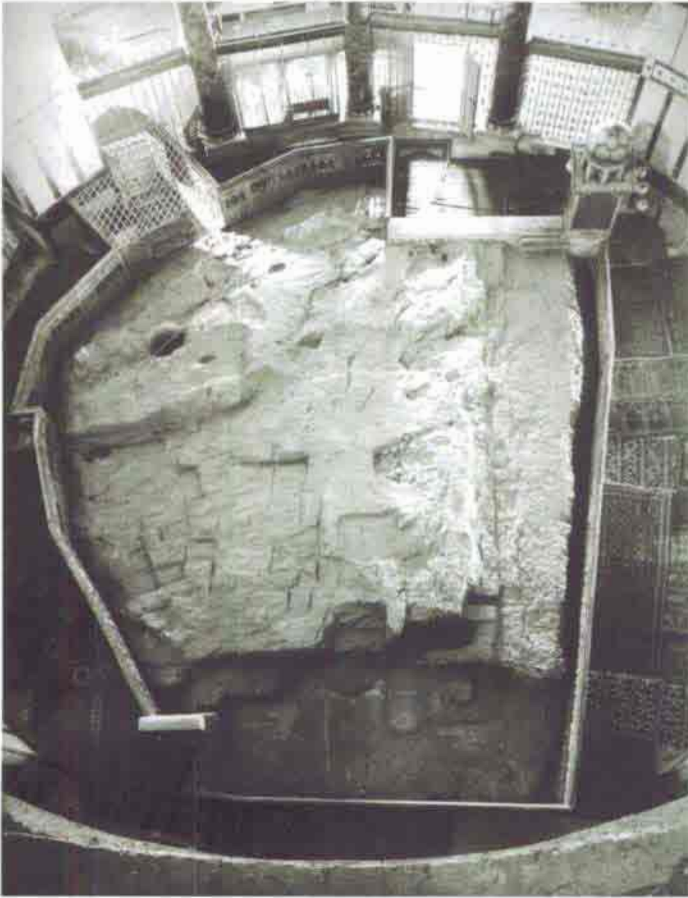
اس مختصر تقابل سے میثاق مدینہ کی اہمیت خوب اُجاگر ہوجاتی ہے۔ اس سے مسلمانوں کو وہ عزت، وقار اور غلبہ ملا جو آج کہیں نظر نہیں آتا۔

میثاق مدینہ: انسانی تاریخ کا ایک معجزہ

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ میثاق مدینہ کی شرائط اور فوائد کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''رحمت للعالمین ﷺ نے اہلِ مدینہ میں موافقت قائم کی اور یہود سے ایک معاہدہ طے پاگیا جس میں ان کے دین اور اموال کو تحفظ دیا گیا۔ صلح یا جنگ کی صورت میں مسلمان اور یہود اپنے اپنے حصے کے اخراجات کے ذمہ دار ٹھہرے۔ معاہدے کے فریقین سے لڑنے والے مشترکہ دشمن کے خلاف ایک دوسرے کی مدد لازم قرار پائی۔ باہمی خیر خواہی، عدم جارحیت اور مظلوم کی مدد پر اتفاق ہوا۔ خاص یثرب (مدینہ) حرمت کا شہر قرار پایا۔ ہمسایوں کے حقوق متعین ہوئے۔ کوئی بھی واقعہ یا جھگڑا جس سے فساد پھیلنے کا اندیشہ ہو، اللہ اور اس کے رسول محمد ﷺ سے اس کا فیصلہ کرانے کا اقرار ہوا، قریش اور ان کے مددگاروں کو پناہ دینے کا سدباب بھی ہوگیا۔'' [1]

[1] السيرة لابن كثير، ص :225-227.



بیت المقدس میں قبۃ الصخرہ کے نیچے مقدس چٹان (صخرہ)، مسلمانوں کا قبلہ اول

نبی اکرم ﷺ کی مساعی بارآور ہوئیں۔ یثاقِ مدینہ کا یہ نتیجہ نکلا کہ کچھ عرصے کے لیے آپ ﷺ کے یہود سے اچھے تعلقات استوار ہونے کی بنا پر آپ کی حاکمیت قائم ہوگئی۔ اس بارے میں محمد حسین ہیکل لکھتا ہے کہ ''یہ اس لیے ممکن ہوا کہ نبی ﷺ کا قبلۂ نماز بیت المقدس تھا جو یہود کی نگاہ میں بھی قبلہ اور مرکزِ دین تھا۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ کی مقدس سیرت، عظیم الشان تواضع، دلکش نرم خوئی، ایفائے عہد، آپ کے ہاتھوں فقراء، مساکین اور تنگ دستوں کی حاجت برآری اور اہلِ یثرب پر آپ کو جو حکمرانی ملی، ان سب باتوں نے یہود کے ساتھ دوستانہ وحلیفانہ معاہدہ طے پانے کی راہ ہموار کی جس میں عقیدے کی آزادی دی گئی۔ ہمارے خیال میں یہ معاہدہ انسانی تاریخ میں ایک معجزے سے کم نہیں۔ [1]

اس معاہدے کے دو پہلو بہت نمایاں ہیں اولاً یہ کہ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کے غیر مسلموں کو بھی مسلمانوں کے برابر حقوق مرحمت فرمائے سب کو مذہبی، سماجی اور سیاسی اعتبار سے یکساں آزادی اور مراعات عالیہ سے نوازا اور دوسری طرف آبادی کے تمام طبقات سے یہ اصل الاصول تسلیم کرالیا کہ وہ ہر متنازعہ مسئلے کے حل کے لیے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف رجوع کریں گے۔ ہر معاملے کو اللہ اور اس کے رسول کی منشائے مبارک کے تحت طے کر لینا ہی فلاح وسعادت کا سرچشمہ ہے۔ اس طرح مدینہ منورہ کے غیر مسلم بھی اسلام کی اِس اساس پر راضی ہوگئے کہ

[1] حیاتِ محمد ﷺ از محمد حسین ہیکل، ص: 349,348.

ہمارے سارے معاملات میں حتمی قولِ فیصل اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی ہیں...... یہ اصول دراصل دعوتِ اسلام کا اپنی منزل کی طرف اولین قدم تھا۔

رسالت مآب ﷺ کا مقصد جلیلہ ہی یہی تھا کہ اللہ رب العزت کے اوامر ونواہی نافذ کیے جائیں۔ میثاق مدینہ کے تحت اس مقصد کے لیے راہ ہموار ہوگئی اور مسلمان پہلے سے زیادہ بڑھ چڑھ کر رجوع الی اللہ کی مقدس راہ پر پوری ثابت قدمی سے گامزن ہوگئے۔ اس کے ساتھ ساتھ غیر مسلم گروہ کی وفاداریاں بھی مدینہ ہی سے وابستہ ہوگئیں۔ یوں مدینہ اندرونی انتشار کے خطرے سے محفوظ ہوگیا اور مسلمانوں کو اسلامی اقدار پروان چڑھانے کا اطمینان بخش موقع نصیب ہوا۔ مسلمانوں نے اس حالتِ امن میں اسلامی قانون کی آبیاری شروع کر دی، اس طرح فضا عقیدۂ توحید و رسالت سے مہکنے لگی اور سرزمین مدینہ احکام الٰہی پر عمل درآمد کے لیے جگمگا اٹھی۔ آیئے ملاحظہ فرمایئے۔


شہرِ نبوی

اسلام کا ریاستی قانون

یہ دنیا ہمارے مقدس رب ذوالجلال نے اپنے حکم سے پیدا فرمائی ہے۔ وہی جانتا ہے کہ یہ کائنات کن طریقوں سے انسان کو فائدہ پہنچائے گی اور کن کرتوتوں کی وجہ سے انسان کو ہلاک کر دے گی۔ اس لیے اللہ رب العزت نے بے حد کرم فرمایا۔ اس کائنات میں اپنے احکام کے نفاذ کا اہتمام فرمایا اور انسان کو اپنا خلیفہ بنا کر اپنے احکام عالی کے اطلاق کی عظیم الشان ذمہ داری سونپی۔

﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾

اسلامی ریاست کے قیام کا اصل مقصود یہی ہے کہ اللہ رب العزت کے اوامر ونواہی نافذ کیے جائیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان تھا کہ اس نے اپنے آخری رسول ﷺ کی نصرت کے لیے اہلِ یثرب کو مستعد و فعال کر دیا۔ اس طرح جہاں رسالت مآب ﷺ کو دینی اقدار پر مبنی معاشرتی انقلاب برپا کرنے کا موقع ملا وہیں آپ کو یہ اعزاز بھی مل گیا کہ آپ ﷺ دین حنیف کے نفاذ کے لیے اولین اسلامی ریاست کے مؤسس بن گئے۔ چنانچہ بعدازاں مواخات اور میثاق مدینہ کی روشنی میں جو اسلامی ریاست قائم ہوئی، اس میں طے پایا کہ ہر شعبۂ زندگی میں ہر حال میں صرف اللہ وحدہ لاشریک ہی کا حکم نافذ ہوگا اور لوگوں کے تمام مسائل و معاملات اللہ رب العزت کے اوامر و نواہی کی روشنی میں محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت مبارک کے مطابق حل کیے جائیں گے۔ اس سلسلے میں قرآن حکیم نے صاف اعلان کر دیا: ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ (الأنعام 57:6) ''فیصلے کا (سارا) اختیار اللہ ہی کو ہے۔'' ایک دوسری جگہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشادِ عالی ہے:

﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۚ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○﴾

''اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں۔ اس نے حکم دیا ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا دین ہے مگر اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔'' [1]

[1] یوسف 40:12.

اسی عنوان پر قرآن کریم کے دیگر مقامات پر اللہ تعالیٰ کے ارشادات یہ ہیں:

﴿يَقُولُونَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۗ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ﴾

''وہ پوچھتے تھے: کیا اس معاملے میں ہمارا بھی کوئی اختیار ہے؟ کہہ دیجیے: سب اختیار اللہ ہی کا ہے۔''[1]

﴿ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ﴾

''یہی اللہ تمھارا رب ہے، اسی کی بادشاہی ہے۔''[2]

﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ﴾

''اور بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔''[3]

﴿فَالْحُكْمُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ ۝﴾

''اب حکم تو اللہ ہی کا ہے جو نہایت برتر اور بہت بڑا ہے۔''[4]

﴿وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا ۝﴾

''اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔''[5]

﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾

''آگاہ رہو! پیدا کرنا اور حکم صادر کرنا اسی کے لیے روا ہے۔''[6]

یہی حقیقت سورت التین میں سوالیہ پیرائے میں اس طرح اُجاگر کی گئی:

﴿أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ ۝﴾

''کیا اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے؟''[7]

سورت الاعراف میں تاکید فرمائی گئی ہے کہ صرف انھی احکام و ہدایات پر عمل کرو جو رب ذوالجلال کی طرف سے نازل فرمائے گئے ہیں:

﴿اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ﴾

''تم اس (ہدایت) کی پیروی کرو جو تمھارے رب کی طرف سے تمھاری طرف نازل کی گئی ہے۔ اور تم اس

[1] آل عمرٰن 3:154. [2] فاطر 35:13. [3] بنی إسرآءیل 17:111. [4] المؤمن 40:12. [5] الکھف 18:26. [6] الأعراف 7:54.
[7] التین 95:8.

کے علاوہ (اور) دوستوں کی پیروی نہ کرو۔" [1]

سورت المائدہ میں خبردار فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ احکام ربانی کے مطابق فیصلے نہ کریں، وہ کافر ہیں:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾

"اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے مطابق فیصلے نہ کریں، وہی کافر ہیں۔" [2]

ان آیات سے پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے لیے یہ امر شرطِ لازم قرار دیا ہے کہ ہمیشہ ہر حال میں اور ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ ہی کو حاکم اعلیٰ تسلیم کیا جائے۔ اسلامی ریاست کے آئین کا اصل الاصول یہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی رُو سے کسی انسان، مجلس یا پارلیمنٹ کو حکم الٰہی کے خلاف قانون سازی کا مطلق کوئی اختیار نہیں کیونکہ انسان کا کام صرف اس قانون کی پیروی کرنا ہے جو مالک الملک نے بنایا ہے، البتہ اس قانون کی حدود کے اندر رہتے ہوئے استنباط و اجتہاد سے کام لینا ایک جداگانہ معاملہ ہے۔ نبی ﷺ نے نہایت صراحت سے اس کی حدود متعین کر دی ہیں۔ آپ ﷺ سے پہلے تمام انبیاء علیہم السلام بھی اللہ ہی کی حاکمیت کا درس دیتے رہے۔

سیاسی اعتبار سے بھی نبی ﷺ ہی رہبر کامل ہیں

زندگی ایک وحدت ہے۔ زندگی کے بہت سے الگ الگ شعبے ہیں جو ایک دوسرے سے نہ صرف جڑے ہوئے ہیں بلکہ ایک دوسرے کو تائید اور تقویت بھی دیتے ہیں۔ سیاست بھی ہمارے دین اور ہماری زندگی کا ایک اہم حصہ ہے۔ پروردگار عالم نے اس شعبۂ حیات میں بھی محمد رسول اللہ ﷺ ہی کو رہنمائے انسانیت بنایا ہے۔ اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو رسالت و نبوت پر فائز کرنے کے بعد سیادت اور سربراہی کا منصب بھی عطا فرمایا۔ مدینہ میں رہنے والے اہل اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب کے پیروکاروں نے بھی آپ ﷺ کو نہایت خوش دلی سے اپنا حاکم اعلیٰ تسلیم کیا۔ یوں نبوت و سیادتِ محمدی اسلامی ریاست کی اہم بنیاد ٹھہری۔ یہ ریاست بتدریج آپ ﷺ کی زندگی ہی میں پورے جزیرہ نمائے عرب تک پھیل گئی۔ فی الجملہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو سیاسی لحاظ سے بھی پوری انسانیت کے لیے اسوہ بنایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

"یقیناً تمھارے لیے رسول اللہ (کی ذات) میں بہترین نمونہ ہے۔" [3]

[1] الأعراف 3:7. [2] المآئدة 44:5. [3] الأحزاب 21:33.

بلاشبہ نبی ﷺ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے اسوۂ حسنہ ہیں۔ مہد سے لحد تک، افعال و اقوال میں، جمال کردار میں، عادات واطوار میں، اخلاق و حسنات میں، معمولات و معاملات میں رہنمائی کا کامل نمونہ ہیں۔ زمانے اور زندگی کے ہر شعبے، ہر گوشے اور ہر جہت پر یوم قیامت تک آپ ﷺ ہی کی تعلیمات و ہدایات مؤثر اور واجب العمل رہیں گی۔ آپ نے مدینہ میں اسلامی ریاست کے قیام کے لیے جس حکمت عملی اور فراست سے کام لیا، وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ آپ ﷺ نے انصار و مہاجرین کو بھائی بھائی بنا دیا اور حفظ خودی اور عزت نفس کا ایسا سبق دیا کہ کوئی مہاجر کسی انصاری بھائی پر بوجھ نہیں بنا۔ یہ دینی، سیاسی، ملّی اور ملکی استحکام کی وہ خشت اول تھی جس کی مثال نہیں ملتی۔ دنیا بھر کے صاحب ضمیر اور بے تعصب دانشور معاملاتِ جہاں بانی میں آپ ﷺ ہی کو رہبر اول مانتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں کہ ساری دنیا کو امن، انسانیت، تہذیب، تحمل، رواداری اور پاکیزہ معاشرت کا سبق آپ ﷺ ہی نے سکھایا۔

اسلامی قانون کے مآخذ

اسلامی ریاست کا قانون کتاب وسنت پر مبنی ہے۔ اس کی پہلی شق ہی ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ سے جڑی ہوئی ہے۔ اسلام نے اپنی معاشرت کی بنا دینِ حنیف پر رکھی اور خون کے رشتے کی جگہ دینی وابستگی نے لے لی۔ اس انقلاب آفریں معاشرتی تصور نے مدینہ کی اسلامی ریاست کو ایک ملّی اور بین الاقوامی ریاست میں تبدیل کر دیا جس سے تمام مسلمانوں کو بڑی گہری جذباتی وابستگی اور روحانی محبت تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات نے دینی اور دنیاوی اُمور کا فرق مٹا کر اسلام اور اسلامی ریاست کو ایک دوسرے کا مترادف بنا دیا۔ اسلامی ریاست کی خدمت دراصل اسلام کی خدمت تھی کیونکہ دین و ریاست دونوں ایک ہی سکے کے دو رخ اور ایک ہی حقیقت کے دو جلوے تھے اور دونوں کے سربراہ رسول اللہ ﷺ تھے۔

قرآن کریم انسانیت کا دستور العمل ہے

چونکہ اسلامی ریاست کا حاکم حقیقی اور مقتدرِ اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اسی کے احکام کے مطابق اسلامی ریاست کا نظم ونسق چلایا جانا چاہیے، اس لیے اسلامی قانون کا اولین سرچشمہ قرآن مجید ہے۔ قرآن کریم فرمان الٰہی کے مطابق تمام انسانوں کے لیے ایک کامل لائحہ عمل ہے:

﴿هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ۝﴾

"یہ (قرآن) لوگوں کے لیے ایک لائحہ عمل اور پرہیز گاروں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔" [1]

ایک اور آیت میں اللہ جل شانہ نے قرآن پر عمل پیرا ہونے کا حکم اس طرح دیا ہے:

﴿اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ﴾

"تم اس (ہدایت) کی پیروی کرو جو تمھارے رب کی طرف سے تمھاری طرف نازل کی گئی ہے۔ اور تم اس کے علاوہ (اور) دوستوں کی پیروی نہ کرو۔" [2]





قرآن حکیم کے جدید اور قدیم نسخے

قرآن مجید ایسی جامع و مانع کتاب ہے جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے قیامت تک محفوظ فرما دیا ہے اور اس میں کسی کو ایک نقطہ بھی بدلنے کی اجازت نہیں۔ ارشادِ باری ہے:

﴿قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝﴾

"(اے نبی!) کہہ دیجیے: مجھے اختیار نہیں کہ میں اسے اپنی طرف سے (کچھ) بدل دوں۔ میں تو اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ بے شک اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے (سخت) دن کے عذاب سے ڈر لگتا ہے۔" [3]

قرآن کے فرامین قیامت تک تمام انسانوں کے لیے مینارۂ نور ہیں۔ اس آخری آسمانی کتاب میں انفرادی اور اجتماعی

[1] آل عمرٰن 138:3۔ [2] الأعراف 3:7۔ [3] یونس 15:10۔

اصلاح وتنظیم کے اٹل احکام نہایت وضاحت سے اُجاگر کر دیے گئے ہیں۔

سنتِ رسول ﷺ کا مرتبہ

اسلامی ریاست کے قانون کا دوسرا اہم ترین ماخذ سنت رسول ﷺ ہے۔ سنت ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے قرآن مجید کی ہدایات اور اس کے عطا کردہ اصولوں کو کس طرح نافذ کیا۔ اسلام کے اغراض و مقاصد اور اصول و ضوابط کو کس طرح عملی جامہ پہنایا۔ ان اصولوں کے مطابق کس طرح معاشرے کی تنظیم کی، حکومتی ڈھانچا کس طرح تشکیل دیا اور ریاست کے مختلف شعبے کس طریقے اور سلیقے سے قائم کیے۔

مولانا ابوالکلام آزاد ؒ نے لکھا ہے کہ قرآن نے یہ حقیقت جابجا واضح کی ہے کہ جس طرح اجسام و اشیاء کی زندگی اپنے اپنے مرکزوں سے وابستہ ہے، اسی طرح نوع انسانی اور اس کی جماعت و افراد کی جسمانی و معنوی بقا بھی قانون مرکزیت پر موقوف ہے۔ جس طرح ستاروں کی زندگی اور حرکت کا مرکز و محور سورج کا وجود ہے، اسی طرح نوع انسانی کا مرکز سعادت انبیائے کرام کا وجود ہے۔ پس ان کی اطاعت و انقیاد بقا و حیات کے لیے ناگزیر ٹھہری۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (النسآء 4:64) ”اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا، مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔“ [1]

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو مرکزی وجود قرار دیا۔ تمام امت کو اسی مرکز کے گرد بطور دائرہ ٹھہرایا۔ اس کی معیت، اس کی رفاقت، اس کی اطاعت، اس کی حرکت پر حرکت، اس کے سکون پر سکون، اس کی طلب پر لبیک، اس کی دعوت پر انفاق جان و مال، ہر مسلمان پر فرض کر دیا گیا۔ ایسا فرض جس کے بغیر وہ جاہلیت کی ظلمت سے نکل کر اسلامی زندگی کی روشنی میں نہیں آ سکتا۔

[1] مسئلہ خلافت، ص: 37.



صحیح بخاری کا قلمی نسخہ



صحیح مسلم کا قلمی نسخہ



سنن ابی داوٗد کا قلمی نسخہ



سنن ترمذی کا مطبوعہ نسخہ



مسند احمد کا قلمی نسخہ



سنن نسائی کا قلمی نسخہ



سنن ابن ماجہ کا قلمی نسخہ

اس کی اطاعت اس طرح فرض ہے، جس طرح اللہ کی اطاعت فرض ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کے علاوہ بھی نبی ﷺ کی وحی کے ذریعے رہنمائی فرمائی جو آپ کے قول اور عمل کے علاوہ ہر اُس کام سے عبارت ہے جو آپ ﷺ کے سامنے کہا گیا یا کیا گیا اور آپ ﷺ نے اس کی خاموشی سے تائید فرمائی، یعنی کوئی اعتراض نہیں فرمایا۔ نبی ﷺ کے شارع ہونے کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے عیاں ہے:

﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ ﴾

"اور (اے نبی!) ہم نے آپ پر یہ ذکر (قرآن) نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے بیان کریں جو کچھ ان کی طرف نازل کیا گیا، اور شاید کہ وہ غور وفکر کریں۔" [1]

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کا بحیثیت معلم و مربی اس طرح تعارف کرایا ہے:

﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾

"بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان کیا جب ان میں انھی میں سے ایک رسول بھیجا۔ وہ انھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔" [2]

بحیثیت جج نبی ﷺ کا مقام اللہ تعالیٰ کے اس قول سے عیاں ہے:

﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ﴾

"(اے نبی!) بے شک ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے، تاکہ آپ کو اللہ نے جو سیدھی راہ دکھائی ہے، اس کے مطابق

[1] النحل 16:44. [2] آل عمرٰن 3:164.

لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں۔‘‘ [1]

رسول ﷺ کی اطاعت ہی اللہ کی اطاعت ہے

نبی ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے مترادف ہے۔ ارشادِ باری ہے:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾

’’جس نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے اللہ کی اطاعت کی۔‘‘ [2]

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہی کا نام ایمان ہے

ایمان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے مشروط ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○﴾

’’بس مومنوں کی تو بات ہی یہ ہے جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں، تاکہ وہ ان کے مابین فیصلہ کرے، تو وہ کہتے ہیں: ہم نے سنا اور اطاعت کی اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور اس کا تقوی اختیار کرے، تو وہی لوگ کامیاب ہیں۔‘‘ [3]

رسول اللہ ﷺ بحیثیت مقتدا اور پیشوا منصوص من اللہ ہیں، یعنی آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے قائدِ انسانیت بنایا ہے:

﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ○﴾

’’آپ کہہ دیجیے: تم اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر وہ منہ موڑیں تو بے شک اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔‘‘ [4]

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلے سے روگردانی کرنے والے گمراہ ہیں

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ○﴾

[1] النسآء 4:105. [2] النسآء 4:80. [3] النور 24:51، 52. [4] آل عمرٰن 3:32.

’’اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو ان کے لیے اپنے معاملے میں ان کا کوئی اختیار (باقی) رہے، اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے، تو وہ یقیناً کھلم کھلا گمراہ ہو گیا۔‘‘ [1]

جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے فیصلے نہ مانیں وہ مومن نہیں، فرمان ربانی ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾

’’چنانچہ (اے نبی!) آپ کے رب کی قسم! وہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔‘‘ [2]

رسول ﷺ کی مخالفت کر کے غیروں کی پیروی کرنے والا جہنم کی غذا ہے

جو شخص رسول اللہ ﷺ کو حَکَم تسلیم نہ کرے اور آپ ﷺ کی رسالت کا انکار کرے، اس کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۖ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝﴾

’’اور جس شخص کے سامنے واضح شکل میں ہدایت آجائے اور اس کے بعد وہ رسول کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے کی پیروی کرے، تو ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ جانا چاہے اور ہم اسے جہنم میں ڈالیں گے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔‘‘ [3]

نبی ﷺ بطور خلیفۃ اللہ

نبی کریم ﷺ مومنین کے لیے نبی اور رسول تھے لیکن آپ کی قیادت و سیادت مدینہ کے یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے لیے بھی تھی۔ قانونی اور شرعی امور میں جہاں ضرورت ہوتی، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو فوراً ہدایت و آگہی سے نوازتے۔ گویا مدینہ کی اسلامی ریاست الہامی اور آفاقی نوعیت کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ اسلامی ریاست کے اول و آخر شارع اور قانون ساز تھے۔

خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے نبی ﷺ کو تمام مذہبی اور سیاسی اختیارات حاصل تھے۔ سیاسی اختیارات میں قانون سازی

[1] الأحزاب 36:33. [2] النسآء 65:4. [3] النسآء 115:4.

کے علاوہ انتظامی، عدالتی اور فوجی اختیارات بھی شامل تھے۔ ریاستی نظم ونسق کو آسان اور موثر بنانے کی غرض سے آپ ضروری اختیارات اپنے صحابہ کو منتقل کر دیتے تھے اور انھیں مختلف عہدوں اور ذمہ داریوں پر مامور فرماتے تھے۔ شہری نظم ونسق میں مرکزی، صوبائی یا علاقائی اور مقامی منتظمین شامل تھے۔ اس سلسلے میں جن منتظمین، عمال اور افسروں کے حوالے ملتے ہیں، ان میں خلفاء و نائبین، مشیر، کاتبین اور سفیر شامل ہیں۔

مدینہ میں نیابت

نبی ﷺ جب مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تھے تو اپنی جگہ کسی نہ کسی کو مدینہ میں نمازوں کی امامت اور نیابت کے لیے مقرر فرما جاتے تھے۔ آپ ﷺ نے سب سے زیادہ مرتبہ جنھیں مدینہ میں امام و نائب مقرر فرمایا، وہ عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ تھے۔ نائب محض نماز پڑھانے کے لیے آپ ﷺ کا جانشین نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ بحیثیت سربراہ مملکت بااختیار جانشین یا خلیفہ ہوتا تھا۔ آپ کی غیر موجودگی میں وہ مسلمانانِ مدینہ کی فلاح و بہبود اور اسلامی ریاست کے مفادات کی پوری نگرانی کرتا تھا۔ امامتِ نماز اور نیابت کی اصطلاح بڑے وسیع مفہوم کی حامل تھی۔ خلافت راشدہ بالخصوص عہد فاروقی میں گورنروں (ولاۃ) کے تقرر کے لیے بھی یہی اصطلاح استعمال ہوتی تھی۔ جو دراصل عہد نبوی کی میراث تھی۔ سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا صحابی تھے اور قریش کے ایک غیر اہم خاندان بنوعامر بن لوئ سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ اپنی تمام تر جسمانی معذوری اور خاندانی کم مائیگی کے باوجود امت اسلامیہ کے نہایت مکرم و ممتاز فرد تھے۔ ان کی عظمت کی گواہی خود قرآن کریم نے دی ہے۔

سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے علاوہ سیدنا سباع بن عرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ کی طرف سے مدینہ میں تین مرتبہ نائب مقرر کیے گئے۔ ان کے علاوہ عمرۃ القضا کے دوران یہ عظیم عہدہ سیدنا ابو رہم کلثوم بن حصین غفاری رضی اللہ عنہ کو ملا۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بھی دو بار تقرر کا شرف حاصل ہوا۔ غزوۂ تبوک کے دوران میں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو صرف خاندان رسالت میں آپ کی جانشینی کا شرف ملا تھا جبکہ ریاست اسلامی کی سربراہی ایک اوسی صحابی سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ



بابِ عثمان رضی اللہ عنہ (مسجد نبوی)

کے نصیب میں آئی۔[1]

امارت کی شرائط

جس طرح اللہ رب العزت اپنی ذات اور صفات میں یگانہ ہے اسی طرح اس کا عطا کردہ دین بھی تمام مذاہب کے مقابلے میں یکتا اور بے مثل ہے اور زندگی کے کسی بھی شعبے میں اپنے دائرۂ تجلیات سے باہر کسی کی رہنمائی کا محتاج نہیں ہے۔ اس مقدس دین نے جو سیاسی اصول عطا فرمائے ہیں وہ بھی دنیا بھر کے قوانین و دساتیر میں سب سے جداگانہ شان کے حامل ہیں۔ دور ملوکیت میں یہ اصول رواج پا گیا تھا کہ بادشاہ مرجائے گا تو اس کی جگہ اس کا بیٹا بادشاہ بنے گا۔ آجکل دور جمہوریت ہے۔ اس میں انتخاب کا جو طریقہ ہے وہ سب کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ سیاسی پارٹیوں کے لیڈر خود ہی امارت و قیادت کے امیدوار بن کر سامنے آتے ہیں اپنے حریف کو برا بتلاتے ہیں۔ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ''میں اس سے بہتر ہوں۔'' کا نعرہ لگاتے ہیں۔ اپنے آپ کو خوبیوں کا مرقع بنا کر پیش کرتے ہیں۔ یوں اپنے منہ میاں مٹھو بن کر اپنے لیے ووٹ بٹورنے کے چکر میں رہتے ہیں۔ جسے سب سے زیادہ ووٹ مل جائیں وہی سربراہِ حکومت بن جاتا ہے۔ لیکن اسلام کا سیاسی نظام بھی چونکہ اللہ تعالیٰ ہی کا عطا کردہ ہے اس لیے اسلامی حکومت کے سربراہ کے چناؤ کا طریقہ بھی ارفع و اعلیٰ ہے۔ اسلامی تعلیمات کی رُو سے کوئی شخص از خود امارت و قیادت کا امیدوار بننے کا مجاز نہیں۔ جسے اکابر امت اہل اور موزوں شخصیت گردانیں اسے نامزد کر دیں اور ملتِ اسلامیہ اس کی بطیب خاطر بیعت کر لے تو ایسا فرد امیر المؤمنین کے منصب پر فائز ہو جاتا ہے۔ ایسے فرد میں چند اساسی خصوصیات کا موجود ہونا ضروری ہے جن کا تذکرہ درج ذیل ہے:

1 **مسلمان ہونا شرط لازم ہے:** اسلامی ریاست کی انتظامیہ اور عدلیہ کے ارکان کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ جو شخص نبی ﷺ پر ایمان نہیں لاتا اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت نہیں کرتا، وہ امارت اور نیابت کے منصب کا اہل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَأَطِيعُوا۟ ٱلرَّسُولَ وَأُو۟لِى ٱلْأَمْرِ مِنكُمْ ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔''[2]

غیر مسلموں کو امیر بنانا تو کجا اللہ تعالیٰ نے ان سے دوستی کی بھی ممانعت فرمائی ہے تاہم ان کے بطور ذمی حقوق کی پوری نگہداشت کا حکم دیا ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

[1] ملخص از نقوش (رسول نمبر): 5/580-582۔ [2] النسآء 4:59۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا﴾

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اپنے لوگوں کے سوا کسی کو دلی دوست نہ بناؤ، دوسرے لوگ تمھیں برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔" [1]

2 **امیر کو صاحب علم و بصیرت ہونا چاہیے:** ایک منتظم اور قائد کے لیے ضروری ہے کہ وہ زیرک اور صاحب علم و بصیرت ہو، تاکہ وہ ہر مسئلے کی تہ تک پہنچ جائے:

﴿وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۗ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ﴾

"اور جب ان کے پاس کوئی امن یا خوف کی خبر آتی ہے تو اسے مشہور کر دیتے ہیں، حالانکہ اگر وہ اسے رسول اور اپنے میں سے کسی ذمہ دار حاکم کو سونپ دیتے تو ایسی باتوں کی تہ تک پہنچنے والے اس کی حقیقت جان لیتے۔" [2]

3 **عادل و امین ہونا بھی ضروری ہے:** قائد میں امانت و دیانت اور عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرنے کی صلاحیت بھی ہونی چاہیے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ○﴾

"بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو واپس کر دو، اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ بے شک اللہ تمھیں بہت ہی اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے، بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔" [3]

4 **حکمران کو اصلاح پسند ہونا چاہیے:** حکمران زمین میں اصلاح کرنے والا ہو، فساد کرنے والا نہ ہو:

﴿تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا﴾

"وہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کو دیں گے جو زمین میں نہ بڑائی چاہتے ہیں اور نہ فساد۔" [4]

5 **صاحب صلاحیت شخص ہی امیر بننے کا اہل ہے:** امارت کے حوالے سے نبی ﷺ نے بہت زیادہ تنبیہ کی ہے۔ ہر شخص مختلف مزاج اور مختلف طبقوں کے لوگوں کے حقوق ادا نہیں کر سکتا۔ اسی وجہ سے نبی ﷺ صرف انھی لوگوں کو امیر بناتے تھے جو اپنی لیاقت اور اعلیٰ صلاحیتوں کے اعتبار سے اس منصب کا حق ادا کرنے کے قابل ہوتے تھے۔ بعض

1 آل عمرٰن 118:3۔ 2 النسآء 83:4۔ 3 النسآء 58:4۔ 4 القصص 83:28۔


مسجد ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ (مدینہ منورہ)

لوگ نبی اکرم ﷺ سے امارت کا منصب طلب کرتے تو آپ انھیں امیر نہیں بناتے تھے۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک دفعہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے امارت کا منصب دینے کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے اپنا دستِ مبارک میرے کندھے پر مارا اور فرمایا:

«يَا أَبَا ذَرٍّ! إِنَّكَ ضَعِيفٌ، وَإِنَّهَا أَمَانَةٌ وَإِنَّهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِزْيٌ وَنَدَامَةٌ إِلَّا مَنْ أَخَذَهَا بِحَقِّهَا وَأَدَّى الَّذِي عَلَيْهِ فِيهَا»

''ابوذر! تم کمزور ہو۔ یہ (امارت) امانت ہے، قیامت کے دن امارت رسوائی اور ندامت کا باعث ہوگی۔ اس رسوائی اور ندامت سے صرف وہی شخص بچ سکے گا جو امیر بننے کا مستحق تھا اور اس نے امارت کا حق ادا کیا۔'' [1]

کمزور اور نا اہل شخص کے لیے امیر کا منصب ہرگز مناسب نہیں۔ اُسے کسی عہدے کی آرزو نہیں ہونی چاہیے۔ ایک روایت میں صراحت موجود ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا أَبَا ذَرٍّ! إِنِّي أَرَاكَ ضَعِيفًا، وَإِنِّي أُحِبُّ لَكَ مَا أُحِبُّ لِنَفْسِي، لَا تَأَمَّرَنَّ عَلَى اثْنَيْنِ وَلَا تَوَلَّيَنَّ مَالَ يَتِيمٍ»

''اے ابوذر! میں تمھیں کمزور سمجھتا ہوں۔ میں تمھارے لیے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں۔ تم کبھی دو آدمیوں کا امیر بننا بھی قبول نہ کرنا، نہ کسی یتیم کے مال کا نگران بننا۔'' [2]

6 **عورت سربراہ نہیں بن سکتی:** نبی ﷺ نے عورت کی سربراہی کو ممنوع قرار دیا ہے، سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرما رہے تھے:

«لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمُ امْرَأَةً»

''وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جس نے اپنے اوپر کسی عورت کو امیر مقرر کیا۔'' [3]

1 صحيح مسلم: 1825. 2 صحيح مسلم: 1826، سنن أبي داود: 2868. 3 صحيح البخاري: 4425.

عوام کو مجاز حکام کے احکام کی تعمیل کرنی چاہیے

نبی ﷺ نے امراء کے مثالی انتخاب کا معیار اور شرائط بیان فرمائی ہیں تو رعایا کو بھی ان کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی ہے:

﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾

''تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔'' [1]

اللہ تعالیٰ کے احکام کے منافی حکم ماننے کی ممانعت

اولوالامر کی اطاعت اس آیت کریمہ کی رُو سے فرض ہے، البتہ اگر امیر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات کے خلاف کوئی حکم جاری کرے تو اسی آیت کا بعد والا حصہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیتا ہے، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾

''پھر اگر تم باہم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو۔'' [2]

امیر کی اطاعت دراصل اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی کی اطاعت ہے۔ مزید برآں امیر امت وحدتِ امت کا بڑا محکم وسیلہ ہے۔ اس طرح اسلامی اقدار کا تحفظ ہوتا ہے اور سوسائٹی اتحاد و اتفاق کے فوائد، ثمرات اور برکات سے فائدہ اٹھاتی ہے۔ اللہ، اس کے رسول ﷺ اور امیر کی اطاعت ہی کی بدولت محبت و مودت اور اخوت و مروت کے اعلیٰ اوصاف پھلتے پھولتے ہیں اور باہمی تعاون وتعامل کے راستے روشن ہوتے ہیں، اسی لیے قرآن مجید نے حکم دیا ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝﴾

''اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہو اور تم اپنے آپ پر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اس نے تمھارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کے احسان سے بھائی (بھائی) بن گئے۔ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے، پھر اس نے تمھیں اس میں گرنے سے بچالیا، اللہ اسی طرح تمھارے لیے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے شاید کہ تم ہدایت پاؤ۔'' [3]

[1] النسآء 59:4. [2] النسآء 59:4. [3] آل عمرٰن 103:3.

امیر کی اطاعت ضروری ہے چاہے وہ نکٹا حبشی غلام ہی ہو

سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«عَلَيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا، وَسَتَرَوْنَ مِنْ بَعْدِي اخْتِلَافًا شَدِيدًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ، عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ»

''تمھارے لیے لازم ہے کہ اللہ سے ڈرو، اپنے امام کا حکم سنو اور مانو، چاہے وہ ایک حبشی غلام ہی ہو۔ تم میرے بعد جلد بڑے سخت اختلافات دیکھو گے۔ پس تمھیں چاہیے کہ میری سنت اور میرے بعد ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو تھام لو (اور) انھیں مضبوطی سے پکڑے رکھو۔'' [1]

ام حصین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«إِنْ أُمِّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ مُجَدَّعٌ أَسْوَدُ يَقُودُكُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ فَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا»

''اگر تم پر کوئی ایسا ناک کٹا ہوا سیاہ غلام بھی امیر مقرر ہو جائے جو تمھاری اللہ کی کتاب کے ذریعے رہنمائی کرے تو تم اس کی بات سنو اور اطاعت کرو۔'' [2]

اطاعتِ امیر کی شرائط

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

بَايَعَنَا عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، فِي مَنْشَطِنَا وَمَكْرَهِنَا، وَعُسْرِنَا، وَيُسْرِنَا، وَأَثَرَةً عَلَيْنَا، وَأَنْ لَّا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ «إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا، عِنْدَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ فِيهِ بُرْهَانٌ».

''ہم سے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے) اس بات پر بیعت لی کہ ہم امیر کی بات سنیں گے اور اطاعت کریں گے، خوشی کی حالت میں بھی اور ناگواری میں بھی، تنگی میں بھی اور آسانی میں بھی، گو ہم پر کسی کو ترجیح ہی کیوں نہ دی جائے۔ ہم حکمرانوں سے حکومت کے بارے میں جھگڑا نہیں کریں گے۔ ہاں، اگر یہ کہ امیر کو کھلا کفر کرتے دیکھو، ایسا کفر کہ جس کے متعلق اللہ کی طرف سے تمھارے پاس دلیل بھی موجود ہو۔'' [3]

جب تک امیر نماز قائم کرتا رہے اس کی اطاعت لازم ہے

ایک دوسری جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

1 جامع الترمذي: 2676، سنن ابن ماجه: 42، واللفظ له. 2 صحيح مسلم: 1298، صحيح ابن حبان: 427/10.
3 صحيح البخاري: 7056,7055، صحيح مسلم: 1709.

«خِيَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ وَيُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ، وَتُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ، وَشِرَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ وَيُبْغِضُونَكُمْ وَتَلْعَنُونَهُمْ وَيَلْعَنُونَكُمْ» قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَفَلَا نُنَابِذُهُمْ بِالسَّيْفِ؟ فَقَالَ: «لَا، مَا أَقَامُوا فِيكُمُ الصَّلَاةَ، وَإِذَا رَأَيْتُمْ مِنْ وُلَاتِكُمْ شَيْئًا تَكْرَهُونَهُ فَاكْرَهُوا عَمَلَهُ وَلَا تَنْزِعُوا يَدًا مِنْ طَاعَتِهِ»

''تمھارے بہترین ائمہ وہ ہیں جن سے تم محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت کرتے ہوں۔ تم ان کے لیے رحمت کی دعا کرتے ہو اور وہ تمھارے لیے رحمت کی دعا کرتے ہوں۔ تمھارے بدترین ائمہ وہ ہیں جن سے تم بغض رکھتے ہو اور وہ تم سے بغض رکھتے ہوں۔ تم ان پر لعن طعن کرتے ہو اور وہ تمھیں لعن طعن کرتے ہوں۔'' ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! کیا ہم ان سے عہد توڑ کر لڑیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، جب تک وہ نماز قائم کریں (تب تک ایسا مت کرو)۔ اور جب تم اپنے والی میں (اللہ کی معصیت کی) کوئی ناپسندیدہ بات دیکھو تو اس کے اس عمل سے کراہت کرو مگر اس کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچو۔''[1]

امیر کی اطاعت رسول ﷺ کی اطاعت ہے

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللَّهَ، وَمَنْ يُطِعِ الْأَمِيرَ فَقَدْ أَطَاعَنِي وَمَنْ يَعْصِ الْأَمِيرَ فَقَدْ عَصَانِي وَإِنَّمَا الْإِمَامُ جُنَّةٌ يُقَاتَلُ مِنْ وَرَائِهِ وَيُتَّقَى بِهِ، فَإِنْ أَمَرَ بِتَقْوَى اللَّهِ وَعَدَلَ فَإِنَّ لَهُ بِذٰلِكَ أَجْرًا، وَإِنْ قَالَ بِغَيْرِهِ فَإِنَّ عَلَيْهِ مِنْهُ»

''جس نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ جس نے میری نافرمانی کی، اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور جس نے امیر کی اطاعت کی، اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی، اس نے میری نافرمانی کی۔ امام ڈھال ہے جس کے پیچھے دشمن سے لڑائی کی جاتی ہے اور اس کی معیت میں دشمن سے بچا جاتا ہے۔ اگر امیر اللہ سے ڈرنے کا حکم دے اور انصاف کرے تو اس بنا پر اس کے لیے اجر ہوگا اور اگر وہ اس کے علاوہ کوئی بات کہے تو اس کا وبال اسی پر ہے۔''[2]

[1] صحیح مسلم: 1855. [2] صحیح البخاري: 2957.

جماعت سے کسی صورت الگ نہیں ہونا چاہیے

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ رَأَى مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيَصْبِرْ، فَإِنَّهُ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَمَاتَ فَمِيتَةٌ جَاهِلِيَّةٌ»

''جو شخص امیر میں کوئی کراہت والا عمل دیکھے تو اس پر صبر کرے کیونکہ جس شخص نے ایک بالشت بھی جماعت سے علیحدگی اختیار کی اور فوت ہوگیا تو جاہلیت کی موت مرا۔'' [1]

امیر کو بھلائی اور خیر خواہی کی باتیں سمجھانی چاہئیں

نبی ﷺ نے امیروں، گورنروں اور دیگر چھوٹے بڑے حکام کو نصیحت کرنے کا حکم دیا ہے، فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ يَرْضٰى لَكُمْ ثَلَاثًا وَّيَسْخَطُ لَكُمْ ثَلَاثًا: يَرْضٰى لَكُمْ أَنْ تَعْبُدُوهُ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَأَنْ تَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا، وَأَنْ تَنَاصِحُوا مَنْ وَّلَّاهُ اللّٰهُ أَمْرَكُمْ»

''اللہ تبارک و تعالیٰ تمھارے تین قسم کے لوگوں سے راضی اور تین قسم کے لوگوں سے ناراض ہوتا ہے: اس بات سے راضی ہوتا ہے کہ تم صرف اُسی کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور یہ کہ اللہ کے دین کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور جدا جدا نہ ہو اور جسے اللہ نے تم پر امیر مقرر کیا ہے، اسے نصیحت کرو۔'' [2]

دین حنیف سراسر نصیحت ہے

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الدِّينَ النَّصِيحَةُ، إِنَّ الدِّينَ النَّصِيحَةُ، إِنَّ الدِّينَ النَّصِيحَةُ»

''دین اسلام عین نصیحت ہے، دین اسلام خالصتاً نصیحت ہی ہے، دین اسلام سراسر نصیحت ہی نصیحت ہے۔''

صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کس کے لیے نصیحت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ»

[1] صحيح مسلم: 1849. [2] مسند أحمد: 367/2.

''اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول کے لیے، مسلمانوں کے امیروں کے لیے اور تمام لوگوں کے لیے۔'' [1]

امیر سے غلطی ہو جائے تو اسے ادب سے سمجھا دیا جائے

یہ روایات شاہد ہیں کہ آپ ﷺ نے جن جن کو امیر مقرر فرمایا، ان کے بارے میں لوگوں کو اطاعت کا حکم دیا اور یہ ہدایت بھی فرما دی کہ اگر کہیں امام سے غلطی سرزد ہو جائے تو اسے مخلصانہ نصیحت کے انداز میں یاد دہانی کرادی جائے تا کہ وہ اپنی اصلاح کرے۔ امیر کی اطاعت سے دستبردار ہونا کسی صورت جائز نہیں۔

حکم ربانی کے خلاف امیر کی اطاعت نہ کی جائے

جس امیر کی قیادت میں اللہ تعالیٰ کے نظام اور احکام میں رخنہ اندازی ہو، اس کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا۝﴾

''اور اس شخص کی اطاعت نہ کریں جس کا دل ہم نے اپنے ذکر سے غافل کردیا، اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا، اور اس کا معاملہ حد سے بڑھا ہوا ہے۔'' [2]

اگر امیر احکامِ الٰہی کے خلاف کوئی حکم دے تو اس کا حکم نہیں ماننا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ»

''ایک مسلمان پر اپنے امیر کی اطاعت فرض ہے، خواہ اس کا حکم اسے پسند ہو یا ناپسند، جب تک کہ وہ اسے معصیت کا حکم نہ دے۔ اور جب معصیت کا حکم دیا جائے تو پھر کوئی سمع و طاعت نہیں۔'' [3]

اللہ کی نافرمانی والی کوئی بات نہ مانی جائے

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ»

[1] مسند أحمد: 103/4، صحيح مسلم: 55. [2] الكهف 28:18. [3] صحيح البخاري: 7144، صحيح مسلم: 1839.

''اللہ کی نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں۔ اطاعت صرف معروف (باتوں) ہی میں ہے۔'' [1]

ایک جگہ فرمایا:

«لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ»

''خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں۔'' [2]

ایک اور جگہ فرمایا:

«لَا طَاعَةَ لِمَنْ عَصَى اللّٰهَ»

''جو اللہ کی نافرمانی کرے، اس کی کوئی اطاعت نہیں۔'' [3]

ان احادیث کی روشنی میں صاف ظاہر ہے کہ امیر کی اطاعت ہر حال میں واجب ہے۔ آپ ﷺ نے جن حضرات کو نیابت سے نوازا یا مختلف علاقوں کی طرف گورنر بنا کر روانہ فرمایا، ان کی اطاعت کو ضروری ٹھہرایا۔ امیر چاہے جسمانی خدوخال اور اخلاقی کردار کے اعتبار سے کیسا ہی ہو، وحدت ملت کی خاطر اس کی اطاعت فرض ہے۔ لیکن جب وہ ایسا حکم دے جو شریعت محمدی کے خلاف ہو تو اس صورت میں اس کا حکم نہیں ماننا چاہیے۔

ظالم حکام کے معاونین حوض کوثر کے قریب پھٹکنے بھی نہیں پائیں گے

ایک دوسری جگہ نبی ﷺ نے ان لوگوں سے براءت کا اظہار فرمایا ہے جو سنی سنائی باتوں کی تائید کریں اور ظالموں کی حمایت کریں، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّهُ سَتَكُونُ بَعْدِي أُمَرَاءُ، مَنْ صَدَّقَهُمْ بِكَذِبِهِمْ وَأَعَانَهُمْ عَلٰى ظُلْمِهِمْ فَلَيْسَ مِنِّي وَلَسْتُ مِنْهُ وَلَيْسَ بِوَارِدٍ عَلَيَّ الْحَوْضَ»

''میرے بعد عنقریب امراء ہوں گے۔ جو ان کے جھوٹ کو سچ کہے گا اور ان کے ظلم میں معاونت کرے گا، ایسا شخص مجھ سے نہیں اور نہ میرا اس سے کوئی تعلق ہے۔ وہ حوض کوثر پر بھی میرے پاس نہیں آئے گا۔'' [4]

[1] صحيح مسلم: 1840. [2] المعجم الكبير للطبراني: 170/18. [3] سنن ابن ماجه: 2865. [4] سنن النسائي: 4212.

اسلامی ریاست کی بنیادی ذمہ داریاں

اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے رسالت مآب ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بے مثال قربانیاں رنگ لائیں جس کے نتیجے میں مدینہ منورہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کی سربراہی میں پہلی اسلامی ریاست وجود میں آئی۔ اس ریاست کے جلوہ نما ہوتے ہی انسانی تاریخ کا ورق اُلٹ گیا۔ اب تک دنیا نے ہولناک شہنشاہت، بدترین آمریت اور انسان پر انسان کی سفاکانہ حکومت کے مناظر دیکھے تھے۔ اسلامی ریاست کے جلوہ گر ہوتے ہی یہ سارا طاغوتی نظام زمین بوس ہوگیا۔ پُرانی سیاست خوار ہوگئی۔ زمین میر و سلطان سے بیزار ہوگئی، ظالمانہ نظامِ حکومت دم توڑنے لگا۔ غلامی کی زنجیریں ٹوٹنے لگیں اور قیصر و کسریٰ کے تخت و تاج گرنے لگے۔

خالق کائنات نے جناب رسالت مآب ﷺ کو جو بنیادی فرض سونپا تھا، وہ ابنائے آدم کو ایک اللہ کی بندگی کا پیغام پہنچانا تھا۔ آپ ﷺ نے یہ فرض جس جانفشانی سے ادا کیا، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ آپ ﷺ نے اسلامی ریاست قائم کرکے اُسے دعوت الی اللہ کا مرکز بنا دیا۔ اس غرض سے آپ ﷺ نے فرد اور معاشرہ دونوں کو یکساں طور پر دعوت حق کا مخاطب بنایا۔ فرد کو معاشرے کی اور معاشرے کو فرد کی فوز و فلاح کی نگرانی سونپی۔ اسلامی ریاست کا نصب العین یہ قرار پایا کہ وہ ہر حال میں رب کائنات کی عظمت و جلالت کا پرچم بلند کرے۔ لوگوں کو اللہ کی بندگی کے آداب سکھائے۔ آیات قرآنی کی مقدس گونج بلند کرے۔ تزکیہ قلوب کا اہتمام کرے۔ نیکی کے دریچے کھولے اور بدی کے راستے بند کردے۔ ریاست کے شہریوں کی روحانی، اخلاقی اور مادی ضروریات پوری کرنے کا نظام وضع کرے۔ بیواؤں، یتیموں اور مفلوک الحال نادار لوگوں کی کفالت کا بند و بست کرے۔ اقلیتوں کی جان، مال، عزت اور ان کے مذہبی و معاشرتی حقوق کی پاسداری کرے اور سرحد پار اسلام کا پیغام پہنچانے کے لیے دعوت و تبلیغ کے راستے روشن کردے۔

آپ ﷺ نے اللہ رب العزت تک رسائی کا براہِ راست راستہ دکھایا۔ اور صراحت سے بتلا دیا کہ ہر وہ شخص جو اللہ رب العزت کی یکتائی پر ایمان رکھتا ہے، وہ براہِ راست اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوکر اپنی معروضات پیش کرکے اپنی حاجت روائی کراسکتا ہے۔ اس طرح عام لوگوں کو جھوٹے پیروں، کاہنوں اور جاہل مذہبی پیشواؤں سے نجات مل گئی۔

دعوت الی اللہ

اسلامی ریاست کی بنیاد دعوت الی اللہ تھی۔ مجاہدین اسلام کو نہ مالِ غنیمت کی طلب تھی۔ نہ کشور کشائی کی۔ وہ تو اللہ رب العزت کی محبت میں گم تھے اور شہادت کی موت ڈھونڈا کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اسلام کے ذریعے ایسا نادر اور فقید المثال انقلاب برپا کر دیا کہ وہ جہاں جہاں پہنچے، وہاں لوگوں کے صدیوں پرانے رویے، روایتیں، رسوم و رواج اور زبان و بیان تک بدل کر رکھ دیے۔ عراق، مصر اور افریقہ کی پرانی علاقائی زبانوں کا آج کہیں نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فیضان سے ان علاقوں کی زبان عربی بن گئی جس کی فصاحت و بلاغت کا قیامت تک کوئی ثانی نہیں ہو گا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

فی زمانہ معاشرے میں اچھی اور بڑی تبدیلیاں لانے کے لیے مذہبی اور سیاسی قیادتیں ہی اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ لیکن اسلام اس عمل کے لیے بھی اپنی حدود سے باہر کسی غیر کی رہبری کا محتاج نہیں۔ اسلام نے امتِ مسلمہ کے ہر فرد کو مہذب معاشرے کی تشکیل کی ذمہ داری سونپ دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جابجا صراحت سے فرما دیا کہ مسلمان صرف اعلائے کلمۃ اللہ، نیکی کے فروغ اور بدی کے خاتمے کے لیے پیدا ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ عالیہ میں بھی یہی تلقین و تاکید بہ تکرار موجود ہے کہ بھلی باتوں کا حکم دو اور برائی کے سدباب کے لیے ہر ممکن طریقہ بروئے کار لاؤ۔

مومنین ایک دوسرے کے معاون ہیں

اسلام نے صالح اور صحت مند معاشرے کی تشکیل اور ترقی کے لیے نہایت حکیمانہ طریقے تجویز فرمائے ہیں اور فرد کو معاشرے اور معاشرے کو فرد کے لیے فیض رساں بننے کا بڑا مؤثر اہتمام فرمایا ہے۔ مسلمانوں کو یہ حقیقت بتادی گئی ہے کہ وہ باہم بھائی بھائی ہیں۔ اور اسلام نے ایک مسلمان بھائی کو دوسرے مسلمان بھائی سے تعاون کا حکم دیا ہے اور تاکید فرمائی ہے کہ ریاست میں جہاں بھی غلط اور ضرر رساں کام ہوتے نظر آئیں، ان کی بیخ کنی کی



دنیائے عرب
وہ ممالک جن کی سرکاری و تعلیمی زبان عربی ہے
بحیرۂ روم
بحیرۂ روم
ترکی
لبنان
شام (سوریا)
فلسطین
عراق
کویت
ایران
بحرین
قطر
متحدہ عرب امارات
اردن
نہر سویز
مصر
تونس
الجزائر
لیبیا
مراکش (المغرب)
بحر اوقیانوس
موریتانیا
مالی
سینیگال
صحرائے اعظم
نائیجر
چاڈ
براعظم افریقہ
سوڈان
جنوبی سوڈان
وسطی افریقہ
کانگو
یوگنڈا
سعودی عرب
عمان
یمن
بحیرۂ عرب
جبوتی
صومالیہ
ایتھوپیا
کینیا
بحر ہند
جزائر القمر (کومورو)

جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾

''اور تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔'' [1]

اللہ جل شانہ نے بھلائی کا حکم دینے اور برائی کو روکنے والوں کو آپس میں محبت کی لڑی میں پرو دیا اور یہ بھی واضح فرما دیا کہ مسلمان بھائی کو نیکی میں مدد دینا اور برائی سے روکنا درحقیقت ایک دوسرے کے لیے اعلیٰ درجے کی پارسائی، بھلائی اور خیرخواہی کی دلیل ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾

''اور مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔'' [2]

بلحاظِ منصب ریاستِ مدینہ کے سربراہ کی حیثیت سے بھی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے مومنوں کو معاشرے میں بُرائیاں روکنے کا حکم دیا ہے۔ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ رَّاٰى مِنْكُمْ مُّنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ، فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ، فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ»

''تم میں سے جو شخص برائی دیکھے، اسے چاہیے کہ وہ ہاتھ (طاقت) سے اسے روکے۔ اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے اسے روکے۔ جو اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو، وہ اپنے دل میں اسے برا خیال کرے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔'' [3]

اس فرمانِ نبوی سے ہمیں یہ رہنما اصول ملتا ہے کہ اسلامی معاشرے میں ہر فرد اپنی اپنی حیثیت کے مطابق ایک ذمہ دار شخص ہے۔ یہ دنیا محنت اور اس کے نتائج کی جگہ ہے۔ اس لیے اسلام کسی کو نکما بننے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا بلکہ ہر شخص کو معاشرے کی بھلائی، خیرخواہی اور پارسائی کے لیے اپنے اپنے حصے کی شمع جلانے کی تاکید فرماتا ہے تاکہ معاشرہ خیر و فلاح کے نور سے جگمگا اُٹھے اور بدی کے اندھیرے نابود ہو جائیں۔

[1] المآئدۃ 5:2. [2] التوبۃ 9:71. [3] صحیح مسلم: 49.

سربراہ کا فرضِ منصبی نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہے

نبی ﷺ نے ہر فرد کو برائی سے روکنے کا حکم اس کی بساط کے مطابق دیا ہے۔ چنانچہ ایک حاکم اور سربراہ مملکت کو اُس کے دائرۂ اثر کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا گیا۔ قرآن مجید کے مطابق مسلمانوں کے اقتدار و اختیار کا اصل مقصد یہ ہے کہ نماز اور ادائے زکاۃ کا نظام قائم ہو، نیکی کا حکم دیا جائے، برائیوں سے روکا جائے تاکہ باطل کی جگہ حق کی، ظلم کی جگہ عدل کی، جھوٹ کی جگہ سچائی کی، اندھیرے کی جگہ اُجالے کی، وحشت کی جگہ انسانیت کی اور بدی کی جگہ نیکی کی حکومت قائم ہو جائے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾

''(یہ) وہ لوگ (ہیں) کہ اگر ہم انھیں زمین میں اقتدار بخشیں (تو) وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں اور نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔'' [1]

نیکی کی تلقین اور برائی کی روک تھام نہ کرنا عذابِ الٰہی کا موجب ہے

قرآن اور حدیث کی رو سے انتباہ کر دیا گیا ہے کہ اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ترک کر دیا جائے گا، تو یہ حالت اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سبب بنے گی۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا الظَّالِمَ فَلَمْ يَأْخُذُوا عَلٰى يَدَيْهِ أَوْشَكَ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ»

''لوگ جب ظالم کو دیکھیں اور اس کے ہاتھ نہ پکڑیں تو بعید نہیں کہ اللہ ان پر عمومی عذاب بھیج دے۔'' [2]

ان تمام آیات و احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو دین اسلام پر خود عمل کرنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی اسلام کی دعوت و تبلیغ اور توسیع و اشاعت کا حکم دیا ہے۔ اسلامی ریاست کا پہلا فریضہ ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات کو عام کرے اور معاشرے میں دینی اقدار اور اسلامی تہذیب و تمدن کے فروغ کے لیے کوشاں رہے۔ مزید برآں یہ ہر مسلمان کا پہلا فرض ہے کہ وہ چاہے کہیں بھی رہتا ہو، اور کسی بھی حال میں ہو اپنے گرد و پیش منکرات کے خاتمے کی بھرپور کوشش کرے اور نیکی کی ترغیب دے۔ دینِ حنیف کا اصل منشا و مقصد یہی ہے۔

[1] الحج 41:22. [2] سنن أبي داود :4338.

شہریوں کی تعلیم و تربیت

ایمان و اعتقاد کی بنیاد نسلی و تقلیدی توہمات و تصورات پر ہونی چاہیے یا علم و بصیرت پر؟ رسول اللہ ﷺ اور مشرکین مکہ کے مابین اصل وجۂ نزاع یہی بات تھی۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ اپنے وجود کو دیکھو اور غور کرو کہ تمھیں کس نے پیدا فرمایا؟ اپنے آس پاس پھیلی ہوئی زندگی کے کارخانے پر نظر ڈالو اور جائزہ لو کہ زمین اور آسمان کا خالق کون ہے؟ وہ کون سی برگزیدہ ہستی ہے جو تمھیں خاکی زمین سے طرح طرح کے خوش ذائقہ میوے اور غذائی اجناس مہیا کر رہی ہے؟

مشرکین مکہ اس دعوت حق کا انکار کرتے تھے۔ وہ بڑی ڈھٹائی سے کہتے تھے کہ ہمارے آباؤ اجداد جو کچھ کہتے اور کرتے آئے ہیں وہی ہمارا دین ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی جہالت اور اندھی تقلید کا بطلان کیا اور تمام انسانوں کو علم و بصیرت کی راہ پر چلنے کی دعوت دی۔ خود اللہ رب العزت کے حضور آپ یہی دعا کرتے تھے ﴿رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا﴾

حق یہ ہے کہ علم ہی وہ چیز ہے جو انسان کو اعزاز اور امتیاز عطا کرتی ہے اور معرفت حق کا ذریعہ بنتی ہے۔ یہ علم ہی تھا جس نے سیدنا آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر فضیلت عطا کی۔ کتاب الٰہی کے علم، حکمت و بصیرت اور ایک معلم انسانیت ہی کی تمنا تھی جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے لب مبارک پر یہ دعا بن کر ظاہر ہوئی:

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○﴾

”اے ہمارے رب !اور ان لوگوں کے لیے انھی میں سے ایک رسول بھیج، وہ ان کے سامنے تیری آیتیں تلاوت کرے اور انھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور انھیں پاک کرے، بے شک تو ہی غالب (اور) خوب حکمت والا ہے۔“ [1]

[1] البقرة 2:129۔

نبی ﷺ معلم انسانیت بن کر مبعوث ہوئے

رسول اللہ ﷺ بجائے خود اپنی ذات بابرکات میں اعلیٰ اوصاف و محاسن کا بے مثل مجموعہ تھے لیکن اللہ تعالیٰ کو آپ ﷺ کے محاسن و فضائل میں جو خوبیاں سب سے زیادہ پسند تھیں ان کا ذکر جمیل اس طرح فرمایا:

﴿كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۝﴾

”جیسے ہم نے تمھارے لیے تمھی میں سے ایک رسول بھیجا، وہ تم کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور تمھیں پاک کرتا ہے اور تمھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمھیں وہ (باتیں) سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔“ [1]

مزید فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۝﴾

[1] البقرة 2:151.



امت مسلمہ کے نزدیک مقبول ترین مجموعہ احادیث ”کتب ستہ“

''وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں انھی میں سے ایک رسول بھیجا، وہ انھیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بلاشبہ اس سے پہلے تو وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔'' [1]

خود نبی ﷺ نے بھی اپنی ذاتِ گرامی کو امت کے سامنے بحیثیت معلم پیش فرمایا ہے:

«إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَمْ يَبْعَثْنِي مُعَنِّتًا وَلَا مُتَعَنِّتًا، وَلٰكِنْ بَعَثَنِي مُعَلِّمًا مُيَسِّرًا»

''بلاشبہ مجھے اللہ تعالیٰ نے (لوگوں پر) سختی کرنے والا اور تکلیف دینے والا بنا کر مبعوث نہیں فرمایا، بلکہ مجھے آسانی کرنے والا معلم بنا کر بھیجا ہے۔'' [2]

محمد رسول اللہ ﷺ نے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد تعلیمی سرگرمیوں کا دائرہ وسیع تر فرما دیا۔ مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کی تعداد تھوڑی تھی اس لیے وہاں آپ ﷺ کی علم آموزی افراد تک محدود رہی۔ بفضلِ ربانی مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تو آپ ﷺ کی سبق آموزیاں بھی اجتماعی رنگ اختیار کر

[1] الجمعة 2:62. [2] صحيح مسلم: 1478.



مسجد نبوی میں مختلف زبانوں کے مترجم قرآن مجید

گئیں۔ آپ ﷺ نے جابجا صحابہ کرام کی جماعتیں بھیجیں اور انھیں تدریس قرآن کی خاص طور پر تاکید فرمائی۔

آپ ﷺ کی حیات مبارک کا ایک ایک لمحہ سبق آموز ہے۔ آپ ﷺ کا ہر قول اور ہر عمل صبح قیامت تک آنے والے ہر انسان کے لیے مینارۂ نور ہے۔ آپ ﷺ نے تعلیم کے لیے کوئی مخصوص جگہ نہیں بنائی جہاں تہاں موقع ملتا، آپ تعلیم دیتے تھے اور حکمت و بصیرت کے دریچے کھول دیتے تھے۔ مسجد میں، سفر میں، حضر میں، گھر میں ہر جگہ اور ہر گھڑی آپ نے علم و بصیرت کا نور عام فرمایا۔ اپنے اہل خانہ، عزیز و اقارب، ساتھیوں، جوانوں، بچوں، بوڑھوں، عورتوں، شہریوں اور دیہی لوگوں سب کو بلا امتیاز تعلیم دی۔

آپ ﷺ نے آداب تعلیم و تعلم بھی سکھائے۔ آپ ﷺ اپنی تعلیمات عالیہ کا خود نہایت درخشاں عملی نمونہ تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جس نیکی اور جس بھلائی کا حکم دیتے، اس پر سب سے پہلے خود عمل کرتے تھے۔ جن برائیوں سے منع کرتے، ان سے خود بہت دُور اور نفُور رہتے تھے۔

مسجد نبوی میں اولین اقامتی درسگاہ کا قیام

نبی ﷺ نے مسجد نبوی کو خاص طور پر علم اور تہذیب آموز سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ تمام مسلمانوں کو مسجد میں نماز ادا کرنے کا حکم دیا۔ مسجد سے ملحق صفہ کے چبوترے کو تعلیمی سرگرمیوں میں نمایاں مقام حاصل تھا۔ یہ اسلامی معاشرے کی اولین اقامتی درسگاہ تھی۔ یہاں آپ ﷺ معلم بھی تھے اور متعلمین کے نگران بھی تھے۔ صفہ کے متعلمین کی تعداد کم یا زیادہ ہوتی رہتی تھی۔ مدینہ کی ریاست جوں جوں وسعت اختیار کرتی جاتی تھی، آپ ﷺ اسلامی تعلیمات کے فروغ کے لیے معلمین، قراء اور مبلغین روانہ فرماتے رہتے تھے۔ واقعہ بئر معونہ اس وقت پیش آیا جب آپ ﷺ نے ستر صحابۂ کرام کو قبائل نجد کی تعلیم و تربیت ہی کے لیے روانہ فرمایا تھا مگر مشرکین کے دھوکے اور شقی القلبی کی وجہ سے سانحۂ بئر معونہ پیش آ گیا۔



صفہ چبوترہ (مسجد نبوی)

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو جو بے مثل اوصاف و کمالات عطا فرمائے تھے ان میں ایک اہم وصف یہ تھا کہ آپ پہلی نظر ہی میں اپنے مخاطب کو بھانپ لیتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتی تھی اور آپ ﷺ ہر صحابی کے ذہنی میلانات اور فطری کمالات سے بہ تمام و کمال آگاہ تھے۔ آپ ﷺ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شفقت، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی صلابت، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی حیا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت، سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے علمِ حرام و حلال، سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرآن شناسی اور سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے میلانِ فقر و زہد کا سرِ عام اعتراف فرمایا۔ آپ جس کام اور جس منصب کے لیے کسی کا تقرر فرماتے تھے اس کام اور منصب کے لیے مامور کیے جانے والے فرد کی فطری صلاحیتوں اور لیاقت کا پہلے ہی جائزہ لے لیتے تھے۔ آپ ﷺ نے قرآن کریم کی تعلیم دینے کے لیے چار ماہرین قرآن کا خود اعلان فرمایا اور عام مسلمانوں کو ترغیب دی کہ قرآن کے علوم عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب، معاذ بن جبل اور سالم رضی اللہ عنہم سے سیکھو۔

نبی ﷺ نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کے علاقے جند کا قاضی بنا کر بھیجا تاکہ وہ قضا کے ساتھ ساتھ لوگوں کو قرآن اور شریعت اسلامی کی تعلیم بھی دیں۔ نجران پر عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو عامل اور معلم بنایا تاکہ وہ لوگوں کو فقہ کی تعلیم دیں اور قرآن سکھائیں۔ ان تمام واقعات سے یہ حقیقت اُجاگر ہوجاتی ہے کہ اسلام میں علم، معلم اور متعلم کا کتنا اونچا درجہ ہے اور خود نبی ﷺ تعلیم کو کتنی زبردست اہمیت دیتے تھے۔ تعلیم و تعلم کی اہمیت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا کہ غزوۂ بدر کے بعض قیدیوں کا فدیہ صرف یہ ٹھہرا کہ وہ مسلمانوں کے بچوں کو تعلیم دیں۔

ان مقدس حوالوں سے ثابت ہو جاتا ہے کہ اسلامی ریاست کے شہریوں کو اچھا، باخبر، چوکس، خود آگاہ اور ذمہ دار شہری بنانے کے لیے ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام بے حد ضروری ہے۔



نجران کا منظر

حقوق الانسانی

مدینہ میں ریاستی مشینری کے تمام کارندے اور رعایا کے تمام افراد اپنے اپنے حقوق و فرائض سے بخوبی آگاہ تھے۔ حقوق و فرائض کی واضح تعلیمات کے باوجود کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی معاملے پر اختلاف کے پہلو اُبھر آنے کا بہر حال امکان رہتا ہے۔ اسلام نے ایسی صورتِ حال کا بڑا روشن حل پیش کیا ہے اور ایک قرآنی دستور مرحمت فرمایا ہے کہ تمام اختلافات کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں ڈھونڈ لیا جائے:

﴿فَإِنْ تَنٰزَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾

”پھر اگر تم باہم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو۔“ [1]

سب انسان برابر ہیں، معیارِ فضیلت محض تقویٰ ہے

اسلام نے انسانی مساوات کو بڑی اہمیت دی ہے حق یہ ہے کہ نورِ توحید کے بعد دینِ حنیف کا سب سے بڑا عطیہ مساوات ہی ہے۔ اسلامی تعلیمات کی رُو سے انسانی برادری کے تمام افراد برابر قرار پائے اور قبائلی تعصبات اور رنگ و نسل کے امتیازات کا خاتمہ کر دیا گیا۔ نبی ﷺ نے اپنے آزاد کردہ غلام سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کے لیے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو پیغامِ نکاح بھیجا۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا قریشی خاتون تھیں اور زید رضی اللہ عنہ غلام تھے۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے نکاح کا پیغام بھیج کر عملاً ثابت کر دیا کہ اسلام میں کامل مساوات کی رُوح کارفرما ہے اور فضیلت کی بنیاد صرف تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔

اسلام میں مسلمان کی جان کی اہمیت

اسلام انسانی جان کی حرمت، عزت اور حفاظت کو زبردست اہمیت دیتا ہے۔ جان کا تحفظ اسلامی مملکت کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ﴾

[1] النسآء 59:4.

''اور تم اس جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے، سوائے حق کے۔'' [1]

اللہ تبارک و تعالیٰ نے مومن کی جان کو بے حد اہم قرار دیا ہے۔ اور مومن کی جان لینے پر بڑی ہولناک وعید و تہدید کے تازیانے برسائے ہیں۔ کسی مسلمان کو ہلاک کرنے والے ظالم کو ملعون ٹھہرایا ہے اور اسے اپنے غضب کا دائمی مورد قرار دیا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا﴾

''اور جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے، اس کی سزا جہنم ہے، وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہوگی اور اللہ نے اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' [2]

نبی ﷺ نے مسلمانوں کے جان و مال کی حرمت اور اہمیت اُجاگر کرتے ہوئے خطبہ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا:

«فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا إِلٰى يَوْمِ تَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ»

''(اے لوگو!) بلاشبہ تمھارے خون اور تمھارے مال ایک دوسرے پر حرام کر دیے گئے ہیں جس طرح تمھارے اس دن کی، اس مہینے اور اس شہر میں حرمت ہے۔ یہ حکم تمھارے اللہ تبارک و تعالیٰ سے ملاقات والے دن تک کے لیے حتمی ہے۔'' [3]

اسلام غیر مسلموں کا بھی محافظ ہے

اسلام جہاں مسلمانوں کی حفاظت کا ذمہ دار ہے، ٹھیک اسی طرح وہ ان غیر مسلموں کی جان کا بھی محافظ ہے جنھیں اسلامی ریاست نے پناہ دی ہو اور جو مسلمانوں کے خلاف کسی سازش اور شرارت میں حصہ نہیں لیتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَتَلَ رَجُلًا مِّنْ أَهْلِ الذِّمَّةِ لَمْ يَجِدْ رِيحَ الْجَنَّةِ وَإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ مَّسِيرَةِ سَبْعِينَ عَامًا»

''جس شخص نے کسی اہل ذمہ کو قتل کیا، وہ جنت کی خوشبو تک نہیں پا سکے گا اور جنت کی خوشبو ستر سال کی

[1] بني إسرآءيل 33:17. [2] النسآء 93:4. [3] صحيح البخاري :1741.

مسافت کی دوری تک پائی جاتی ہے۔“ [1]

تعزیری قوانین مسلم اور غیر مسلم پر یکساں طور پر لاگو ہیں

نبی ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر کفار اور مشرکین کے لیے عام معافی کا اعلان کر کے حرمت جان کا جو ولولہ انگیز اور ایمان افروز مظاہرہ فرمایا وہ ہر دور میں اسلامی حکومت اور مسلمانوں کے لیے نشانِ راہ رہے گا۔ شریعت اسلامی کی رُو سے جرائم کی سزا کے معاملے میں حاکم ومحکوم، مسلم اور غیر مسلم کا کوئی امتیاز نہیں۔ مسلم ہو یا غیر مسلم جو بھی جرم کا مرتکب ہوگا قرار واقعی سزا پائے گا۔ اسلام کا یہ نادر پہلو مغرب کی نام نہاد مہذب قوموں کے اس جھوٹے پروپیگنڈے کی قلعی کھول دیتا ہے کہ اسلام تشدد پسند دین ہے۔ اس کے برعکس اسلام مسلم اور غیر مسلم سب کے لیے ابر بہار اور رحمت پروردگار کی بشارت دیتا ہے، ایسے غیر مسلم جو امن پسند ہیں اور مسلمانوں کے خلاف کسی سازش یا شرارت میں حصہ نہیں لیتے ان کی پوری حفاظت کرنا اسلامی ریاست کی اہم ذمہ داری ہے۔

کسی کا مذاق نہ اُڑاؤ، سب کی عزت کرو

اسلامی نظام میں افراد اور حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کی عزت نفس کا تحفظ کریں۔ شرافت کے آداب اور احترام انسانیت کا تقاضا ہے کہ حکام شائستہ گفتگو کریں، کسی کی تذلیل نہ کریں۔

عزت و آبرو انسان کو جان سے بھی زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ اسلام شرف انسانیت کا علمبردار ہے، لہٰذا مسلمانوں کو حرمت جان کے ساتھ ساتھ حرمت آبرو کا بھی حکم دیا گیا۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ؀﴾

”اے ایمان والو! مردوں کی کوئی جماعت دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائے، ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا (مذاق اڑائیں) ہوسکتا ہے کہ وہ (عورتیں) ان سے بہتر ہوں اور تم آپس میں (ایک دوسرے پر) عیب نہ لگاؤ اور تم ایک دوسرے کو برے القاب سے نہ پکارو، ایمان (لانے) کے بعد فاسقانہ نام (سے پکارنا) برا ہے۔ اور جو لوگ توبہ نہ کریں، وہی ظالم ہیں۔“ [2]

خطبہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے سب کی جان و مال کی حفاظت، آبرو کی حرمت اور احترام انسانیت کا

[1] السنن الكبرٰى للنسائي: 221/4، مسند أحمد: 237/4۔ [2] الحجرٰت 11:49۔

درس دیا ہے۔ معرور بن سوید کہتے ہیں کہ میری ابوذر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے عمدہ پوشاک پہنی ہوئی تھی اور ان کے غلام نے بھی اسی طرح کی پوشاک پہنی ہوئی تھی۔ میں نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے غلام کے ساتھ اس طرح کی موافقت کا سبب پوچھا؟ تو وہ کہنے لگے: میں نے اس شخص کو برا بھلا کہا اور اسے اس کی ماں کے حوالے سے عار دلائی۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

«يَا أَبَا ذَرٍّ! أَعَيَّرْتَهُ بِأُمِّهِ؟ إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ، إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا تُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَأَعِينُوهُمْ»

"اے ابوذر! کیا تم نے اسے اس کی ماں کی عار دلائی ہے؟ تم میں جاہلیت کی رمق باقی ہے۔ تمھارے ماتحت لوگ تمھارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں تمھارا ماتحت بنایا ہے۔ جس کا بھائی اس کے ماتحت ہو، اسے چاہیے کہ اسے وہی کچھ کھلائے اور پہنائے جو خود کھائے اور پہنے۔ ان کی طاقت سے زیادہ ان سے کام نہ لو اور اگر انھیں کوئی بھاری اور دشوار کام سونپو تو ان کے ساتھ خود بھی تعاون کرو۔" [1]

خواتین کی تعظیم و تکریم کا منفرد قانون

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین اور غلاموں کے حقوق کے تحفظ پر خصوصی توجہ دی۔ عورت اور مرد دونوں انسانیت کا حصہ ہیں۔ معاشرے کے اعتدال اور ترقی کے لیے مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کی تعلیم و تربیت بھی بے حد اہمیت رکھتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی معاشرے میں عورت کو اتنی عظمت بخشی کہ دنیا کے کسی اور دین و مذہب میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تعلیم و تربیت کا فیض تھا کہ علم سے بالکل بیگانہ عربوں میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا،



مسجد سیدہ خدیجہ بنت خویلد (رضی اللہ عنہا)، دیر الغصون فلسطین

[1] صحيح البخاري: 30.

سیدہ فاطمہ، سیدہ عائشہ، سیدہ ام سلمہ، سیدہ سمیہ اور سیدہ خنساء رضی اللہ عنہن جیسی بے مثال جلیل القدر خواتین پیدا ہوگئیں۔ اس کے برعکس ترقی یافتہ مغربی دنیا کی آج بھی یہ حالت ہے کہ غالی عیسائی اپنے مذہبی زاویہ نگاہ سے عورت کو خوبصورت بلا اور شیطان کی ایجنٹ سمجھتے ہیں۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب طارق بن زیاد اپنی فتوحات کا پرچم لہراتا ہوا سپین پہنچا تو وہاں اُس وقت کے پادری یہ بحث کر رہے تھے کہ عورت انسان ہے یا جانور؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں پر احسان عظیم فرمایا۔ جزیرہ نمائے عرب میں دختر کشی کی روایت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کے مدارج کے لحاظ سے عزت اور قدر و منزلت کی سب سے اونچی مسند پر بٹھا دیا۔ از روئے قرآن سرمایہ داروں پر پابندی لگا دی گئی کہ وہ چار سے زیادہ شادیاں نہ کریں۔ نکاحِ بیوگان کا حکم دیا۔ خواتین کو خلع کی اجازت دی۔ انھیں پوری آزادی عطا کی کہ وہ اپنا ذاتی تجارتی کاروبار کر سکتی ہیں اور اپنے مال اور جائیداد کی خود مالک ہیں۔ عورتوں کے حقوق کی پاسداری سے اسلامی ریاست میں خوشگوار خانگی زندگی اور پاکیزگی کی دائمی فضا قائم ہوگئی۔

خواتین کی تقدیس

اسلامی ریاست میں عورتوں کی آبرو اور ان کے تقدس کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ ان پر تہمت باندھنا نہایت قبیح فعل ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:



مسجد سیدہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا)، قاہرہ



مسجد سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا)، بن غازی لیبیا



مسجد سیدہ ام سلمہ (رضی اللہ عنہا)، بن غازی لیبیا

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝﴾

''بلاشبہ جو لوگ پاک دامن، بے خبر مومن عورتوں پر (زنا کی) تہمت لگاتے ہیں، ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔''[1]

خانگی زندگی کی حرمت

اسلام اعلیٰ اخلاق کا درس دیتا ہے اور کسی کی نجی زندگی میں مداخلت سے منع کرتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ ؗ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ ۝﴾ .

''اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے بچو، بلاشبہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔ اور تم ایک دوسرے کی جاسوسی نہ کرو اور نہ تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ (ظاہر ہے کہ) تم اسے ناپسند کرتے ہو۔ اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا (اور) نہایت رحم فرمانے والا ہے۔''[2]

گویا دوسروں کے معاملات کا کھوج لگانا، اُن کے گھروں میں جھانکنا اور ان کی غیبت کرنا بڑی گھٹیا حرکت، بہت بڑی بداخلاقی اور گناہ ہے۔ اسلام نے کسی کے گھر میں اجازت لیے اور سلام کیے بغیر داخل ہونے سے منع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝﴾

''اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو حتی کہ تم اجازت لے لو اور ان گھر والوں کو سلام کرو، یہ تمھارے لیے بہت بہتر ہے، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔''[3]

[1] النور 23:24. [2] الحجرات 12:49. [3] النور 27:24.

اسلام کا اقتصادی نظام

نبی ﷺ نے جب اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی تو اہل ریاست کی معاشی حالت دگرگوں پائی۔ ان میں مہاجرین بھی تھے جو اپنا سارا ساز و سامان لٹا کر ایمان کی محبت میں ہجرت کر کے مدینۃ النبی میں آ بسے تھے۔ آپ ﷺ نے انصار اور مہاجرین کی مواخات قائم کر دی، تاہم مہاجرین بڑے غیور اور خوددار تھے۔ انھوں نے جلد ہی اپنی قوتِ بازو سے اپنے لیے معاشی وسائل ڈھونڈ لیے۔

ہر جاندار کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے

معاشی ضروریات کے سلسلے میں قرآن کریم نے یہ حقیقت ہمیشہ کے لیے واضح کر دی ہے کہ رزق کا سرچشمہ آسمانوں میں ہے اور عطائے رزق صرف اللہ رب العزت کے کرم پر موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حصول رزق کے مواقع سب کو یکساں طور پر مرحمت فرمائے ہیں۔ اب یہ اپنی اپنی ہمت اور محنت پر منحصر ہے کہ وسائل رزق ڈھونڈے جائیں اور اللہ تعالیٰ کی بخشش و عطا سے فائدہ اُٹھایا جائے۔ محنت و جستجو ہر فرد کا فرض ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی عطا صرف اُسی کی منشائے مبارک پر موقوف ہے۔ وہ جسے چاہے پوری فراخی سے رزق دے، جسے چاہے تنگی سے دوچار رکھے اور جسے چاہے اوسط درجے کے رزق سے نوازے۔ انسان کا کام حلال روزی کے لیے محنت کرنا اور اللہ رب العزت کی چوکھٹ پر سر جھکا کر بخشش و مرحمت کی التجا کرنا ہے۔ جب صورتحال یہ ہے تو انسان پر لازم ہے کہ اپنی روزی کے لیے حلال اور پاکیزہ طریقے اختیار کرے جو کچھ اللہ کی بارگاہ سے عطا ہو اُسے اپنی گزر بسر، نیکی، بھلائی اور خیرخواہی کے اُمور پر خرچ کرے۔

قرآن کریم نے صاف اعلان کر دیا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی ہر جاندار کے لیے رزق کی فراہمی کا ذمہ دار ہے۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾

”اور زمین پر چلنے والے ہر جاندار کا رزق اللہ کے ذمے ہے۔“ [1]

﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ۝﴾

”بلاشبہ اللہ ہی رزق دینے والا، بڑی قوت والا، نہایت طاقت ور ہے۔“ [2]

رزق کی فراخی اور تنگی اللہ کی منشا پر موقوف ہے

مدینہ کی اسلامی ریاست میں حق معیشت میں تمام شہری مساوی قرار پائے لیکن درجات معیشت میں مساوات نہیں ہے۔ معیشت میں درجات کا تفاوت ایک حد تک فطری ہے، یعنی ضروری نہیں کہ ہر ایک کے پاس ایک ہی طرح کا سامان معیشت ہو۔ قرآن مجید نے اس تفاوتِ درجات کو اس طرح بیان کیا ہے:

﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا ۚ وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَٰتٍ﴾

”ہم نے دنیاوی زندگی میں ان کے درمیان ان کی روزی تقسیم کر دی ہے اور ہم ہی نے درجات میں انھیں ایک دوسرے پر برتری دی ہے۔“ [3]

﴿اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ﴾

”اللہ جسے چاہے کھلا رزق دیتا ہے اور (جسے چاہے اس کا رزق) تنگ کر دیتا ہے۔“ [4]

چونکہ رزق کا ذمہ دار اور معیشت کا کارساز خود اللہ تعالیٰ ہے، لہٰذا جو لوگ تنگ دستی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل کر دیتے تھے، انھیں اس قبیح فعل سے روک دیا گیا۔ فرمایا:

﴿وَلَا تَقْتُلُوٓا أَوْلَٰدَكُم مِّنْ إِمْلَٰقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ﴾

”اور اپنی اولاد کو تنگ دستی کے ڈر سے قتل نہ کرو، تمھیں بھی اور انھیں بھی ہم ہی رزق دیتے ہیں۔“ [5]

ان آیات میں بلا امتیاز ہر فرد کو بتا دیا گیا ہے کہ تمھاری معاش اور اسباب معیشت اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کے خزانوں ہی سے دیے جاتے ہیں۔ وہ جسے جتنا چاہے عطا کر دے۔ ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ محنت کرے اور اللہ کے فضل و کرم سے فائدہ اُٹھائے۔

رزق حلال کمانا اہم فرض ہے

نبی ﷺ نے حلال رزق کمانے کے فضائل بیان فرمائے تاکہ ہر مسلمان جدوجہد کرکے اسلامی ریاست کا ایک

[1] هود 6:11. [2] الذّٰريٰت 58:51. [3] الزخرف 32:43. [4] الرعد 26:13. [5] الأنعام 151:6.

سرگرم، فعال اور مفید شہری بن جائے اور دینِ حنیف کی تبلیغ، ریاست کی ترقی اور غریبوں اور ناداروں کی بھلائی میں اپنا کردار ادا کرے۔ فرمان نبوی ہے:

«طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ»

''حلال معیشت کا طلب کرنا اللہ تعالیٰ کی عبادت کے فریضے کے بعد سب سے بڑا فریضہ ہے۔'' [1]

مومنوں کو ترغیب دلائی گئی کہ وہ ادائے نماز کے بعد میدان عمل میں نکلیں اور محنت کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ عالی ہے:

﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾

''پھر جب نماز پوری ہو جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔'' [2]

ایک اور آیت میں تلاش رزق کی ترغیب یوں دی گئی:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ﴾

''بلاشبہ اللہ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو، وہ تمھارے لیے رزق کا اختیار نہیں رکھتے، لہٰذا تم اللہ ہی کے ہاں رزق تلاش کرو۔'' [3]

﴿وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾

''اور کتنے اور (مومن) زمین میں اللہ کا فضل (رزق) ڈھونڈتے پھریں گے۔'' [4]

سود کا خاتمہ...... عادلانہ معیشت کی اساس

اسلام نے حصولِ دولت کے تمام حرام راستے مسدود کر دیے اور حلال ذرائع سے آگے بڑھنے کے مواقع فراہم کیے، نیز کسبِ معاش اور مصرفِ مال کے سلسلے میں ایک بنیادی اصول طے کر دیا۔ فرمان نبوی ہے:

«لَا تَزُولُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ حَتّٰى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ»

''ابن آدم کے قدم قیامت کے روز اپنے پروردگار کے پاس سے اٹھ نہیں سکیں گے جب تک کہ اس سے پانچ سوال نہ کر لیے جائیں۔''

ان پانچ سوالوں میں دو سوال یہ ہیں:

«وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَا أَنْفَقَهُ»

[1] السنن الكبرٰى للبيهقي: 128/6. [2] الجمعة 10:62. [3] العنكبوت 17:29. [4] المزمل 20:73.

''اور اس کے مال کے بارے میں (پوچھا جائے گا) کہ وہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔'' [1]

نبی ﷺ کا مطمحِ نظر ایک ایسے معاشرے کا قیام تھا جس میں اچھائیاں فروغ پائیں اور برائیوں کا خاتمہ ہو۔ لوگوں کے حقوق محفوظ ہوں، معاشی ظلم و ناانصافی کا خاتمہ ہو۔ اخلاقی فضائل نشو و نما پائیں اور پھلیں پھولیں۔ رسول اللہ ﷺ کی بھرپور کوشش یہی تھی کہ معاشی انصاف کا نظام رضا کارانہ طور پر بغیر کسی جبر کے قائم کیا جائے۔ لوگوں کی معاشی سرگرمیاں حلال اور جائز طریقے سے فروغ پائیں اور معاش و اقتصاد کے معاملات میں کسی طرح کے ظلم، دھوکے اور فریب کا شائبہ تک نہ ہو، چنانچہ اس دور میں سود خوری جیسے ظالمانہ کاروبار کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا گیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں مختلف مقامات پر تجارت کی حلت اور سود کی حرمت کا اعلان فرمایا ہے۔

اسلام نے نہ صرف سود کی حرمت کو عام کر دیا بلکہ پچھلے سارے سودی معاہدے بھی منسوخ کر دیے۔ قرآن مجید اس بارے میں خبردار کرتا ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۭ فَمَنْ جَاۗءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۭ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾

''جو لوگ سود کھاتے ہیں، وہ (قیامت کے دن) اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جسے شیطان نے چھو کر بدحواس کر دیا ہو۔ یہ (سزا) اس لیے (ملے گی) کہ وہ کہتے تھے: تجارت بھی سود ہی کی طرح ہے، حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام، پھر جس شخص کے پاس اس کے رب کی طرف سے نصیحت آ جائے اور وہ (سود کھانے سے) باز رہے تو جو کچھ وہ پہلے کھا چکا سو کھا چکا، اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے اور جو شخص دوبارہ (سودی معاملہ) کرے تو ایسے لوگ دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے گناہ گار کو پسند نہیں کرتا۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے اور نماز قائم کی اور وہ زکاۃ ادا کرتے رہے، ان کے لیے ان کے رب کے پاس

[1] جامع الترمذي: 2416.

اجر ہے، نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی ہے وہ چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔" [1]

ارتکاز دولت کی ممانعت

سونا چاندی جمع کر لینے اور اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے پر قرآن مجید نے سخت وعید سنائی ہے اور ذخیرہ اندوزی اور مال جوڑ جوڑ کر رکھنے کو حرام قرار دیا ہے تاکہ دولت سمٹ کر خاص حلقوں اور محدود طبقات میں محصور نہ ہو جائے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝﴾

"اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، آپ انھیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیں۔ جس دن وہ مال دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کے ماتھوں، ان کے پہلوؤں اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا:) یہ ہے وہ (مال) جو تم نے اپنے لیے جمع کر کے رکھا تھا، لہٰذا (اب اس کا مزہ) چکھو جو تم جمع کرتے رہے۔" [2]

دھوکے دھڑی سے ایک دوسرے کا مال کھانا حرام ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ظلم و جور سے ایک دوسرے کا مال کھانا حرام ٹھہرایا ہے۔ باری تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ، مگر یہ کہ آپس کی رضامندی سے تجارت ہو۔" [3]

ناپ تول میں کمی کو نہایت مہلک فعل بتلایا گیا ہے، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝﴾

"ڈنڈی مارنے والوں کے لیے تباہی ہے۔ جب وہ لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیتے ہیں۔ اور جب وہ

[1] البقرة 2:275-278. [2] التوبة 9:34،35. [3] البقرة 4:29.

خود انھیں ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیتے ہیں۔" [1]

نیز حکم فرمایا:

﴿وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ﴾

"اور سیدھی ترازو سے تولو۔" [2]

شراب نوشی، جوا اور فال نکالنا شیطانی کرتوت ہیں

نبی ﷺ نے ہر حرام چیز کی خرید و فروخت پر پابندی لگا دی تا کہ عوام کو حرام چیزوں سے نفرت ہو جائے اور حلال اور جائز سامان کی فراوانی ہو۔ اسلام میں شراب خوری اور قمار بازی وغیرہ کو شیطانی افعال قرار دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں قرآن مجید کا حکم ہے:

﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ﴾

"بے شک شراب اور جوا اور آستانے اور فال نکالنے کے تیر سب گندے کام ہیں اور شیطان کے عمل سے ہیں، لہٰذا تم ان سے بچو۔" [3]

گردشِ دولت کے عادلانہ اقدامات

رسول اللہ ﷺ نے اسلام کے مالی نظام کی صراحت کرتے ہوئے ایسے احکام بھی بیان فرمائے جن کے ذریعے دولت گردش میں رہتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص کسی زمین کو آباد کرے اور وہ زمین کسی اور کی ملکیت نہ ہو تو اسے آباد کرنے والا ہی اس کا زیادہ حق دار ہے۔"

اس کے علاوہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قانون وراثت نازل فرمایا۔ آپ ﷺ نے گداگری کی شدید مذمت فرمائی اور خود اپنی محنت و مشقت سے حلال روزی کمانے کی ترغیب دی۔

قدرتی وسائل اور بے کار اراضی کو زیر استعمال لانے کے لیے آپ کے اقدامات زمانے اور زندگی کے ہر موڑ پر چراغ راہ کا کام دیں گے۔ آپ ﷺ نے مختلف اشخاص کو جاگیریں عطا فرمائیں تا کہ معاشی حالت میں استحکام پیدا ہو اور یہ استحکام فلاحِ عامہ کا ذریعہ بنے۔

[1] المطففین 83:1-3. [2] بنی إسرآءیل 17:35. [3] المآئدة 5:90.

نظامِ زکاۃ، سرمایہ داری پر کاری ضرب

دولت کی تقسیم اور سرمایہ و محنت کی جنگ بہت پرانی ہے۔ صنعتکار، جاگیردار اور سرمایہ دار آج تک اس مسئلے کا حل نہیں ڈھونڈ سکے۔ رسول اللہ ﷺ نے انفرادی و اجتماعی بہبود کے نقطہ نظر سے اس مسئلے کو زبردست اہمیت دی۔ دولت کی تقسیم کے لیے قرآنی احکام کے مطابق تقسیمِ ترکہ کا قانون نافذ کیا۔ ایسی وصیت پر پابندی لگا دی کہ کوئی شخص اپنی ساری دولت کسی ایک شخص کے نام کر دے۔ صرف ایک تہائی حصے کی وصیت کی اجازت دی۔ سودی لین دین کا مکمل خاتمہ کر دیا۔ جمع شدہ دولت اور جائیداد پر ادائے زکاۃ کو اسلام کے بنیادی رکن کی حیثیت سے لاگو کیا۔ آپ ﷺ نے سرمایہ داروں کے لیے لازم ٹھہرایا کہ وہ مزدوروں کی مزدوری ان کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دیں اور مزدوروں کو تلقین فرمائی کہ وہ اپنے مالکان کے سونپے ہوئے فرائض پورے خلوص، خیر خواہی اور دیانتداری سے ادا کریں۔

فی الجملہ آپ ﷺ نے گردشِ دولت کا نظام نافذ کر کے اسلامی ریاست کو بہت بڑے فتور و فساد سے محفوظ کر دیا۔ آج سرمایہ و محنت کے مسائل حل کرنے کا مدعی اشتراکی نظام خود اپنے وطن ہی میں نابود ہو چکا ہے اور بڑے بڑے ماہرین معاشیات اسلام کے اُسی اقتصادی نظام کی افادیت کے معترف ہیں جو ریاست مدینہ میں نافذ کیا گیا۔

اسلامی ریاست کے وسائل

اسلامی شریعت کی رو سے معاش و اقتصاد اور محصولات کے معاملات کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ دنیا کی کوئی حکومت مضبوط مالی وسائل کے بغیر نظم حکومت نہیں چلا سکتی۔ اسلام نے حکومت اور سیاسی و فلاحی نظم و نسق کے لیے جن مالی وسائل کو بروئے کار لانے کا نظام مرتب کیا ہے وہ بڑے معتدل، متوازن اور مبنی بر انصاف ہیں ان کی رُو سے ایک اسلامی مملکت کے وسائل آمدن یہ ہیں:

پیداوار کا عُشر، زکاۃ اور جزیہ وغیرہ۔ ان کے بغیر کوئی اسلامی حکومت مملکت کا انتظام نہیں چلا سکتی۔ رسول اللہ ﷺ نے ریاست مدینہ کے نظام مالیات کے استحکام پر بہت توجہ دی۔ ایسے قابل لوگوں کو مالیاتی ذمہ داریاں سونپیں جو دیانت داری، فرض شناسی اور فنی لحاظ سے سب سے زیادہ اہل تھے اور حساب کتاب میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ ریاست نبوی ایک فلاحی ریاست تھی۔ حلال روزی، عوام کی معاشی کفالت، قیام انصاف، ادائے حقوق اور غربت و افلاس اور معاشی ناہمواریاں ختم کرنا اس ریاست کے ترجیحی اہداف تھے۔

قرآن مجید نے معاشی ناہمواری اور ذرائع پیداوار پر چند لوگوں کی اجارہ داری کے خاتمے کے لیے عشر، زکاۃ کے جو احکام دیے ان کی غایت یہ بیان فرمائی:

﴿كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ﴾

''تاکہ وہ (مال) تمھارے دولت مندوں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔'' [1]

محصولات کے لیے بیت المال کا قیام



15/10/2011 ء کو یورپ میں احتجاج (Street Occupy) میں احتجاجی کتبے پر لکھے جملے کا مطلب ہے: ''آیئے اسلامی طریقے سے بینک چلائیں۔''

اسلامی ریاست کی بنیادی پالیسی یہ تھی کہ لوگوں پر محصولات تو کم سے کم عائد کیے جائیں لیکن فائدے زیادہ سے زیادہ بہم پہنچائے جائیں۔ شہریوں کی بنیادی ضروریات کا بندوبست اور نادار لوگوں کی مدد اسلامی ریاست کا اہم ترین فریضہ تھا۔ اس کے لیے رسول اللہ ﷺ نے مرکزی بیت المال قائم کیا جس میں درج ذیل محاصل جمع ہوتے تھے: زکاۃ، صدقات و خیرات، مالِ غنیمت، عشور، مالِ فے، خراج ، جزیہ۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مالِ غنیمت سے خمس رسول اللہ ﷺ کے لیے خاص کر دیا تھا۔ مگر آپ ﷺ اپنی ضروریات کے بعد خمس کا مال بھی اسلامی ریاست کی فلاح و بہبود پر خرچ کرتے تھے۔

1 زکاۃ اسلام کا بنیادی رکن ہے

اسلامی ریاست کے محاصل میں سب سے زیادہ اہمیت زکاۃ کی ہے۔ قرآن مجید نے ادائے نماز کے ساتھ ہی ادائے زکاۃ کا بھی حکم دیا ہے:

﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۝﴾

''اور نماز قائم کرو اور زکاۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔'' [2]

نبی ﷺ نے ادائے زکاۃ کو اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں شامل فرمایا:

«بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ»

[1] الحشر 7:59. [2] البقرۃ 43:2.

''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور یہ کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا، زکاۃ ادا کرنا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔'' [1]

نبی ﷺ ریاست مدینہ کے سربراہ تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو بلحاظِ منصب حکم دیا کہ ان کے اموال سے زکاۃ وصول کریں اور ان کے لیے دعا بھی فرمائیں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾

''(اے نبی!) ان کے مالوں میں سے صدقہ (زکاۃ) لیجیے (تاکہ) آپ اس کے ذریعے سے انھیں پاک کریں اور ان کا تزکیہ کریں اور ان کے لیے دعا کریں۔ بے شک آپ کی دعا ان کے لیے سکون (کا باعث) ہے اور اللہ خوب سننے والا (اور) خوب جاننے والا ہے۔'' [2]

رسول اللہ ﷺ جب کسی صحابی کو کسی علاقے کا امیر مقرر فرما کر روانہ فرماتے تو اسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ساتھ وصولی زکاۃ کا حکم دیتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجتے وقت فرمایا:

«فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِي أَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ»

''انھیں بتانا کہ بلاشبہ اللہ نے ان پر ان کے اموال میں صدقہ (زکاۃ وغیرہ) فرض کیا ہے جو ان کے مالداروں سے لے کر ان کے محتاجوں کو دیا جائے گا۔'' [3]

زمین کی پیداوار پر زکاۃ ادا کرنے کا حکم اس آیت میں دیا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم ان پاکیزہ چیزوں میں سے خرچ کرو جو تم کماتے ہو اور ان میں سے بھی جو ہم نے تمھارے لیے زمین میں سے نکالی ہیں۔'' [4]

﴿كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾

''ان کا پھل کھاؤ جب وہ پھل لائیں اور ان کی کٹائی اور چنائی کے دن اس (اللہ) کا حق دے دیا کرو۔'' [5]

[1] صحيح البخاري: 8. [2] التوبة 103:9. [3] صحيح البخاري: 1395، صحيح مسلم: 19. [4] البقرة 267:2. [5] الأنعام 141:6.

سونے چاندی کی زکاۃ ادا کرنے کا حکم درج ذیل آیت مبارکہ سے عیاں ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾

''اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، آپ انھیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیں۔''[1]

ضرورتمندوں میں زکاۃ تقسیم کرنے کا حکم

زکاۃ بیت المال میں جمع ہوتی ہے اور ریاست کے ضرورتمندوں میں تقسیم کی جاتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے زکاۃ کی تقسیم کا طریق کار یہ بیان فرمایا ہے:

«تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ»

''زکاۃ مالداروں سے لی جائے اور ان کے ناداروں میں تقسیم کی جائے۔''[2]

قرآن کریم نے زکاۃ کو فرض قرار دیا تو اس کے مصارف کا بھی تعین کر دیا:

﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾

''زکاۃ تو صرف فقیروں اور مسکینوں اور ان اہلکاروں کے لیے ہے جو اس (کی وصولی) پر مقرر ہیں اور ان کے لیے جن کی دلداری مقصود ہے اور گردنیں چھڑانے اور قرضہ داروں (کے قرض اتارنے) کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں (کی مدد) میں۔ (یہ) اللہ کی طرف سے فرض ہے اور اللہ خوب جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔''[3]

زکاۃ ادا کرنے کی برکتیں

بحیثیت مسلمان ہم صرف احکام الٰہی کے پابند ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام میں ہمارے لیے کون کون سے حکمتیں، برکتیں اور فائدے ہیں؟ یہ باتیں اللہ تعالیٰ اپنے رسول امی ﷺ کی معرفت خود بتا دے تو اس کا لطف و کرم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زکاۃ کو فرض لازم قرار دیا تو اپنی شانِ کریمی سے اس کے فیوض و برکات بھی بتلا دیے۔ زکاۃ کی مد میں جو اصل روح کام کر رہی ہے وہ یہ ہے کہ معاشرہ پاکیزہ بن جائے۔ کوئی کسی کا محتاج نہ رہے۔ اسلامی ریاست

[1] التوبة 9:34. [2] صحيح البخاري: 1395. [3] التوبة 9:60.

کے ہر شہری کو باعزت زندگی بسر کرنے کے وسائل میسر آجائیں۔ اس طرح خوشحالی کی روشنی پھیلے گی، مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی استعداد توانا ہوگی اور بحیثیت جماعت مسلمانوں پر کبھی اضمحلال طاری نہیں ہوگا۔ یہ وہ صورتحال ہوگی جسے اللہ رب العزت نے اپنے رحم اور کرم سے تعبیر کیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ﴾

''مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں اور اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ عنقریب رحم فرمائے گا۔'' [1]

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝﴾

''اور (مومن وہ ہیں) جو زکاۃ ادا کرنے والے ہیں۔'' [2]

اللہ تبارک وتعالیٰ نے زکاۃ ادا کرنے والوں کے لیے اپنی رحمتِ واسعہ کا اعلان فرمایا ہے:

﴿وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝﴾

''اور میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے، چنانچہ جلد ہی میں اس (رحمت) کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو پرہیزگار ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں اور (ان کے لیے بھی) جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔'' [3]

زکاۃ دینے سے مال میں اضافہ ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝﴾

''اور تم اللہ کا چہرہ چاہتے ہوئے جو کچھ بطور زکاۃ دیتے ہو، پس ایسے لوگ ہی (اپنا مال) کئی گنا بڑھانے والے ہیں۔'' [4]

امیر لوگ صدقات وخیرات کو معمول بنائیں

اسلام نے زکاۃ کے علاوہ متمول افراد کو صدقات کی شکل میں بھی غریبوں اور ناداروں کی امداد کرنے کی ترغیب

[1] التوبة 9:71. [2] المؤمنون 23:4. [3] الأعراف 7:156. [4] الروم 30:39.

دی ہے۔قرآن مجید میں حکم الٰہی ہے:

﴿وَاَنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّہۡلُکَۃِ﴾

''اورتم اللہ کی راہ میں خرچ کرواور اپنے ہاتھوں ہلاکت (کے کام) میں نہ پڑو اورتم نیکی کرو۔'' [1]

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی تاکید فرمائی ہے:

﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰکُمۡ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ہم نے تمھیں جو کچھ دیا ہے، اس میں سے خرچ کرو۔'' [2]

امیروں کے مال میں محتاجوں کا بھی حصہ ہے۔ یہ غریبوں، محتاجوں، نادار بیواؤں اور یتیموں کا شرعی حق ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَفِیۡۤ اَمۡوَالِہِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ ○﴾

''اوران کے مالوں میں سوالی اورمحروم (نہ مانگنے والے) شخص کا حق (حصہ) ہوتا تھا۔'' [3]

اسلام نے عزیز واقارب اور مسافروں کی امداد کا حکم دیا ہے۔ تاکہ معاشرے میں محبت اور رواداری کی اجتماعی شکل وصورت سامنے آئے اور من حیث القوم مسلمان ترقی یافتہ ہوں فرمان ربانی ہے:

﴿فَاٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰی حَقَّہٗ وَالۡمِسۡکِیۡنَ وَابۡنَ السَّبِیۡلِ﴾

''لہٰذا آپ قرابت دار کو اس کا حق دیں اور مسکین اور مسافر کو بھی۔'' [4]

انسان کے دل میں جس چیز کی محبت زیادہ ہوتی ہے اسے سینت سینت کر رکھتا ہے اور جو چیز اس کے لیے معمولی ہوتی ہے اسے ردی خیال کرتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے صدقات وخیرات کی مد میں پاکیزہ مال خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، فرمان الٰہی ہے:

﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡفِقُوۡا مِنۡ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبۡتُمۡ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم ان پاکیزہ چیزوں میں سے خرچ کرو جو تم کماتے ہو۔'' [5]

2 عشور

اصطلاح میں عشور دو طرح کا ہے: ایک عشورِ زکاۃ جو غلے، پھل اور اناج جیسی زرعی پیداوار پر عائد ہوتا ہے۔

[1] البقرۃ2:195. [2] البقرۃ2:254. [3] الذّٰریٰت51:19. [4] الروم30:38. [5] البقرۃ2:267.

دوسرا وہ عشور جو بلادِ اسلام میں ایک شہر سے دوسرے شہر نقل و حمل کے دوران میں کفار کے اموال پر عائد کیا جاتا ہے۔ اسے عشور کا نام اس لیے دیا گیا کہ اس کی مقدار عشر، یعنی دس گنا یا نصف عشر، یعنی بیس گنا ہوتی ہے۔ [1]

3 مالِ غنیمت

ریاستِ مدینہ کے بیت المال میں مالِ غنیمت بھی جمع ہوتا تھا۔ یہ ایک ہنگامی اور اتفاقی آمدنی تھی جو میدان جنگ میں بزور قوت حاصل ہوتی تھی۔ عہد نبوی میں غنیمت کی سب سے پہلی آمدنی سریۂ عبداللہ بن جحش میں ہوئی۔ لیکن اسے رسول اللہ ﷺ نے قبول نہیں فرمایا۔ غنیمت کی باضابطہ آمدنی جنگ بدر میں ہوئی۔ کفار کے ساتھ جنگ میں ہر قسم کے مال و زر کے علاوہ قیدی بھی آتے تھے جن میں غلام اور لونڈیاں ہوتی تھیں۔ زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب کی جنگوں میں غنیمت تمام شرکاء میں تقسیم ہوتی تھی لیکن غالب حصہ سردار قبیلہ ہی وصول کرتا تھا۔ نبی ﷺ نے بدر میں اسے تمام شرکاء میں تقسیم کرنے کا حکم دیا۔

خمس: جنگ بدر کے بعد قرآنی تعلیم کے مطابق خمس (پانچواں حصہ) علیحدہ کر کے اسے نبی اکرم ﷺ کے لیے خاص کر دیا گیا۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾

"اور (اے مسلمانو!) جان لو کہ تم جو کچھ بھی مال غنیمت حاصل کرو، اس میں سے پانچواں حصہ یقیناً اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے اور (اس کے) رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔" [2]

اسی خمس میں سے نبی ﷺ کچھ حصہ یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور اپنے رشتے داروں کو مرحمت فرما دیتے تھے۔ یوں آپ ﷺ کے پاس خمس کا تھوڑا سا حصہ ہی بچتا تھا۔

4 مالِ فے

ریاست نبوی کی آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ مال فے بھی تھا۔ فے سے مراد وہ مفتوحہ اموال و جائیداد ہیں جو بغیر جنگ اور فوج کشی کے براہ راست مسلمانوں کی ملکیت میں آجائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے 4 ھ میں یہودِ بنو نضیر کو جلاوطن کیا تو ان لوگوں کے باغات اور کھیت رسول اللہ ﷺ کے قبضے میں آگئے۔ اسی طرح 5 ھ میں یہودِ بنو قریظہ کا مال و اسباب اور علاقہ ہاتھ آیا۔ نیز خیبر کے قریب کئی علاقے بغیر جنگ کے رسول اللہ ﷺ کو مل گئے۔ رسول اللہ ﷺ

[1] المغني: 516/8، الكافي لابن عبد البر: 480/1، الموسوعة الفقهية: 153/15. [2] الأنفال 41:8.

مال فے بیت المال میں جمع کرا دیتے اور اپنی صوابدید کے مطابق جس طرح مناسب خیال فرماتے، خرچ کرتے تھے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴾

''اور اللہ نے ان (یہود) سے اپنے رسول کی طرف جو مال لوٹایا، اس کے لیے تم نے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے، لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے غلبہ دیتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔''[1]

5 خراج

یہ وہ محصول اراضی ہے جو غیر مسلموں سے وصول کیا جاتا تھا۔ یہ سب سے پہلے خیبر سے حاصل ہوا۔ فتح خیبر کے وقت مسلمانوں کے پاس اتنے وسائل نہ تھے کہ وہ مفتوحہ زمینوں کی دیکھ بھال اور کاشت وغیرہ کر سکتے۔ دوسری طرف یہود نے ازخود یہ پیشکش کی تھی کہ وہ ریاست نبوی کے مزارع کی حیثیت سے اس زمین پر کاشت کریں گے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کی پیشکش قبول کرتے ہوئے پیداوار کا نصف بطور خراج مقرر فرما دیا۔ خراج کی رقم بیت المال میں جمع ہوتی اور وہاں سے مجاہدین کی تنخواہوں اور دیگر عمومی ضروریات پر خرچ کی جاتی تھی۔

6 جزیہ

اسلامی سلطنت میں جزیہ وہ محصول تھا جو غیر مسلموں سے ان کی جان، مال اور آبرو کی حفاظت اور عقیدے، رائے اور ضمیر کی آزادی اور فوجی خدمت سے استثنا کے بدلے میں وصول کیا جاتا تھا۔ یہ صرف مردوں پر لاگو تھا۔ عورتیں اور بچے اس سے مستثنیٰ تھے۔ اسی طرح کام کاج سے معذور بوڑھوں اور مفلسوں پر بھی جزیہ عائد نہیں تھا۔ مفلوج اور راہب بھی اس سے مستثنیٰ تھے۔ اس کے بدلے میں وہ عبادت اور معیشت و معاشرت کے تمام حقوق سے بہرہ ور ہوتے تھے۔ خراج زمین پر اور جزیہ افراد و اشخاص پر عائد کیا جاتا ہے۔

[1] الحشر 6:59.

علاقہ خیبر کا ایک منظر

اولین مملکتِ اسلامیہ کے چیف جسٹس

اسلامی ریاست مدینہ میں نبی ﷺ مختلف اقوام و مذاہب کے حکمران اور قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) تھے۔ آپ ﷺ مملکت اسلامیہ کے تمام باشندوں سے یکساں طور پر عدل و انصاف فرماتے تھے۔ تمام ریاستی باشندے آپ ﷺ کے فیصلوں کو بے چون و چرا نہایت خوش دلی سے تسلیم کرتے تھے یہاں تک کہ میثاق مدینہ میں یہ شق بھی شامل تھی: جب بھی تم میں کسی امر کے متعلق اختلاف رونما ہو تو اللہ اور محمد رسول اللہ ﷺ سے رجوع کیا جائے گا۔

رسول ﷺ کے فیصلے کو خوش دلی سے قبول کرنے کا حکم

قرآن مجید نے بھی آپ ﷺ ہی کے فیصلے کو حتمی قول فیصل ٹھہرایا ہے اور اسے دل و جان سے قبول کرنے کا حکم دیا ہے، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾

”چنانچہ (اے نبی!) آپ کے رب کی قسم! وہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر آپ کے کیے ہوئے فیصلے پر ان کے دلوں میں کوئی تنگی نہ آنے پائے اور وہ اسے دل و جان سے مان لیں۔“ [1]

رسول ﷺ کا فیصلہ انصاف کی معراج ہے

سیدنا عروہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کا ایک انصاری سے حرّہ کی ندی کے پانی کے بارے میں جھگڑا ہوا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«اِسْقِ يَا زُبَيْرُ! ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلٰى جَارِكَ»



قلعہ عروہ بن زبیر کے آثار (مدینہ منورہ)

[1] النسآء 4:65.

''زبیر! تم (اپنی کھیتی کو) پانی دے لیا کرو، پھر پانی اپنے پڑوسی کی طرف روانہ کر دیا کرو۔''

انصاری نے کہا: اللہ کے رسول! آپ نے یہ فیصلہ اس لیے فرمایا ہے کہ زبیر آپ کے پھوپھی زاد ہیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ متغیر ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِسْقِ يَا زُبَيْرُ! ثُمَّ احْبِسِ الْمَاءَ حَتّٰى يَرْجِعَ إِلَى الْجَدْرِ، ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلٰى جَارِكَ»

''زبیر! (اپنی کھیتی کو) پانی دو، پھر پانی کو روک لو یہاں تک کہ وہ مُنڈیروں تک آجائے، پھر اپنے پڑوسی کے لیے پانی چھوڑ دو۔''



اس طرح انصاری کی طرف سے نبی ﷺ کو ناراض کرنے کے بعد آپ ﷺ نے اپنے صریح حکم کے مطابق زبیر رضی اللہ عنہ کو اختیار دیا کہ وہ اپنا حق پورا پورا وصول کر لیں، حالانکہ اس سے پہلے آپ نے جو صورت پیش فرمائی تھی اس میں دونوں کے لیے سہولت تھی۔ زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ درج بالا آیت کریمہ اسی موقع پر نازل ہوئی تھی۔[1]

رسول ﷺ کا فیصلہ نہ ماننے والے کا انجام

بیان کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ دو آدمی آپس میں جھگڑ پڑے۔ دونوں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے ایک کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ دوسرا مطمئن نہ ہوا۔ اس نے کہا کہ میں عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جاتا ہوں

[1] صحيح البخاري :4585.

تاکہ وہ میرے معاملے میں فیصلہ کریں۔ وہ دونوں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو واقعے کی خبر دی گئی۔ جس کے حق میں نبی ﷺ نے فیصلہ دیا تھا، وہ کہنے لگا: اے عمر! فیصلہ سنانے سے پہلے یہ بات سن لو کہ نبی ﷺ نے میرے حق میں فیصلہ دے دیا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ٹھہرو! میں ابھی آتا ہوں۔ یہ کہہ کر گھر گئے اور تلوار نکال لائے اور جس شخص نے آپ ﷺ کے فیصلے کو نہیں مانا تھا، اُسے قتل کر دیا۔ یہ معاملہ نبی ﷺ تک پہنچا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت نازل فرما دی۔ [1]

انصاف کے تقاضے پورے کرنے کا حکم

قرآن میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے اقرار اور شرک کی مذمت کے بعد سب سے زیادہ عدل کے تقاضے پورے کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ اس کا مقصد بنی نوع انسان کے حقوق کا تحفظ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝﴾

''اے ایمان والو! اللہ کی خاطر خوب قائم رہنے والے، انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں ہرگز اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کرو، یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔'' [2]

پچھلی تمام امتوں میں بھی عدل و انصاف کو بڑی اہمیت دی گئی۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ﴾

''(ہم نے کہا:) اے داود! بے شک ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے، لہٰذا تو لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر۔'' [3]

بے لاگ فیصلہ کرنے والا جج جنتی ہے

نبی ﷺ کے دور میں اسلامی سلطنت پورے جزیرہ نمائے عرب میں پھیل چکی تھی۔ اس میں مسلمانوں کے علاوہ دیگر مذاہب کے لوگ بھی موجود تھے۔ لیکن آپ ﷺ نے کسی کافر کو کبھی قاضی مقرر نہیں فرمایا بلکہ جتنے بھی قاضی تھے، وہ سب آزاد مسلمان مرد تھے۔ قاضی کو انتہائی منصف ہونا چاہیے کیونکہ یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ بریدہ بن

[1] تفسیر ابن کثیر، تفسیر ابن أبي حاتم، النسآء 65:4، الصارم المسلول، ص: 38. [2] المآئدة 8:5. [3] صٓ 26:38.

حصیب رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ، وَاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ، وَاثْنَانِ فِي النَّارِ، فَأَمَّا الَّذِي فِي الْجَنَّةِ فَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَقَضٰى بِهِ، وَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَجَارَ فِي الْحُكْمِ فَهُوَ فِي النَّارِ، وَرَجُلٌ قَضٰى لِلنَّاسِ عَلٰى جَهْلٍ فَهُوَ فِي النَّارِ»

''تین قسم کے قاضی ہوں گے، ایک جنت میں اور دو جہنم میں جائیں گے۔ جنت میں جانے والا وہ شخص ہے جس نے حق کو پہچان لیا اور اس پر فیصلہ صادر کر دیا، لیکن وہ شخص جس نے حق کو جانا اور فیصلے میں ظلم کیا، وہ دوزخ میں جائے گا، اور تیسرا وہ شخص ہے جو کچھ جانے بوجھے بغیر ہی لوگوں میں فیصلہ کر دے، وہ بھی دوزخ میں جائے گا۔'' [1]

جج کے فضائل و مراتب اور آزمائشیں

ہمارا مقدس دین ہر مسلمان کو ہر حال میں ''قول سدید'' کہنے اور عدل کرنے کی تاکید فرماتا ہے۔ اس اعتبار سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دین متین کے نزدیک ایک جج کے فرائض کتنے کڑے اور فضائل کس قدر رفیع الشان ہوں گے۔ درج ذیل احادیث مبارک میں جج کی نازک ذمہ داریوں اور اس کے اجر و ثواب کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

«يُدْعٰى بِالْقَاضِي الْعَادِلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيَلْقٰى مِنْ شِدَّةِ الْحِسَابِ مَا يَتَمَنّٰى أَنَّهُ لَمْ يَقْضِ بَيْنَ اثْنَيْنِ فِي عُمْرِهِ»

''عادل قاضی کو قیامت کے دن طلب کیا جائے گا۔ اس کا اتنا کڑا حساب ہوگا کہ وہ تمنا کرے گا کاش! اس نے پوری زندگی کسی دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کیا ہوتا۔'' [2]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ وَلِيَ الْقَضَاءَ، أَوْ جُعِلَ قَاضِيًا بَيْنَ النَّاسِ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَيْرِ سِكِّينٍ»

''جسے منصب قضا مل گیا یا اسے لوگوں کے درمیان قاضی بنا دیا گیا، بلاشبہ وہ بغیر چھری کے ذبح ہو گیا۔'' [3]

---

[1] سنن أبي داود: 3573، جامع الترمذي: 1322، سنن ابن ماجه: 2315. [2] مسند أحمد: 75/6، صحيح ابن حبان: 439/11، حديث: 5055. [3] سنن أبي داود: 3571، 3572، جامع الترمذي: 1325.

دوسری جانب عادل جج کی فضیلت اور اس کے منصب کی عظمت بھی بہت بلند پایہ ہے۔ تمام انبیاء ؊ قاضی تھے۔ قیامت کے دن عادل قاضی کا بہت اعلیٰ مرتبہ ہوگا۔ عبداللہ بن مسعود ؄ فرماتے ہیں، نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ، رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسُلِّطَ عَلٰى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ، فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا»

''حسد جائز نہیں مگر دو آدمیوں کے بارے میں، پہلا شخص وہ ہے جسے اللہ نے مال دیا اور وہ اسے راہِ حق میں خرچ کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے اور دوسرا شخص وہ جسے اللہ نے حکمت سے نوازا اور وہ اس کے ذریعے سے فیصلے کرتا ہے اور (لوگوں کو) اس کی تعلیم دیتا ہے۔'' [1]

سیدہ عائشہ ؅ فرماتی ہیں، نبی ﷺ نے فرمایا:

«أَتَدْرُونَ مَنِ السَّابِقُونَ إِلٰى ظِلِّ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟»

''کیا تمھیں معلوم ہے قیامت کے روز اللہ کے سائے میں سبقت لے جانے والے کون ہوں گے؟''

صحابہ کہنے لگے: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلَّذِينَ إِذَا أُعْطُوا الْحَقَّ قَبِلُوهُ، وَإِذَا سُئِلُوهُ بَذَلُوهُ، وَحَكَمُوا لِلنَّاسِ كَحُكْمِهِمْ لِأَنْفُسِهِمْ»

''یہ وہ لوگ ہوں گے کہ جب انھیں حق دیا جائے تو وہ قبول کر لیتے ہیں، جب ان سے سوال کیا جائے تو وہ خرچ کرتے ہیں اور لوگوں میں اسی طرح فیصلے کرتے ہیں جس طرح وہ خود اپنے لیے فیصلے کرتے ہیں۔'' [2]

سیدنا ابو ہریرہ ؄ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

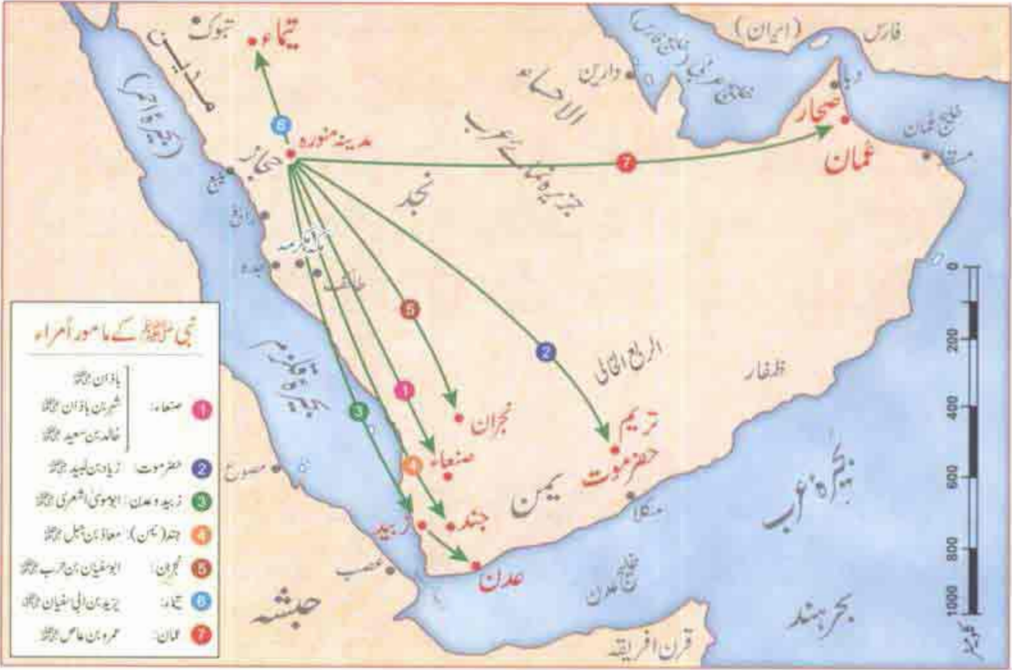
«اَلْعَدْلُ الْعَامِلِ فِي رَعِيَّتِهِ يَوْمًا وَّاحِدًا أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الْعَابِدِ فِي أَهْلِهِ مِائَةَ عَامٍ أَوْ خَمْسِينَ عَامًا»

''عامل کا اپنی رعیت میں ایک دن کا عدل عابد کی اپنے گھر میں سو سال یا پچاس سال کی عبادت سے افضل ہے۔'' [3]

مجاز حکام اور ججوں کا تقرر

جب اسلام اطراف و اکناف میں پھیل گیا اور قبائل کے وفود آنے لگے تو صدقات و زکاۃ کی وصولی بھی شروع

[1] صحيح البخاري: 73. [2] مسند أحمد: 67/6. یہ روایت ضعیف ہے۔ [3] المطالب العالية: 232/2، روایت ضعیف ہے۔



ہوگئی آپ ﷺ نے مختلف علاقوں میں مبلغین، گورنر اور قاضی مقرر فرمائے، یہ سب صحابہ رضی اللہ عنہم بڑے اجل عالم تھے۔ مقدمات کا بے لاگ فیصلہ کرتے تھے۔ سب سے پہلے وہ اسلام کی تبلیغ کرتے تھے، اسلامی تعلیمات سے روشناس کراتے تھے۔ محاصل زکاۃ مدینہ پہنچاتے تھے۔ ذاتی اور معاشرتی جھگڑوں اور جملہ تنازعات میں احکامِ اسلام کے مطابق فیصلے کرتے تھے اور اللہ کی حدود قائم کرتے تھے۔ لوگوں کو ان کے حقوق ادا کراتے تھے تاکہ کوئی غاصب کسی کمزور آدمی کا حق نہ مار سکے۔ شریعت محمدی کے مطابق سادہ زندگی بسر کرتے تھے اور لوگوں کو اطاعت بالمعروف اور نہی عن المنکر کا درس دیتے تھے۔

آپ ﷺ نے جن اصحاب کو مختلف علاقوں میں قاضی اور عامل مقرر فرمایا، غور فرمائیں کہ وہ کتنے اجل عالم اور بلند پایہ لوگ تھے:

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

نبی ﷺ کے گھر میں پرورش پانے والے اور بچوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے آپ کے چچیرے بھائی اور داماد سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے مجھے یمن کی جانب قاضی بنا کر بھیجا، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ مجھے بھیج تو رہے ہیں لیکن میں پختہ عمر ہوں نہ مقدمات کے فیصلے کرنا جانتا ہوں۔ آپ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ سَيَهْدِي قَلْبَكَ وَيُثَبِّتُ لِسَانَكَ فَإِذَا جَلَسَ بَيْنَ يَدَيْكَ الْخَصْمَانِ فَلَا تَقْضِيَنَّ حَتّٰى تَسْمَعَ مِنَ الْآخَرِ كَمَا سَمِعْتَ مِنَ الْأَوَّلِ فَإِنَّهُ أَحْرٰى أَنْ يَتَبَيَّنَ لَكَ الْقَضَاءُ»

''عنقریب اللہ تمھارے دل کی راہنمائی (شرح صدر) فرمائے گا اور تمھاری زبان کو ثابت رکھے گا۔ جب تمھارے سامنے دو جھگڑنے والے پیش ہوں تو اس وقت تک فیصلہ نہ کرنا جب تک دوسرے فریق کی بات بھی اسی طرح نہ سن لو جس طرح پہلے فریق کی بات سنی تھی۔ اس طرح تمھیں فیصلہ کرنے میں واضح رہنمائی میسر آئے گی۔'' [1]

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ حلال و حرام کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے تھے۔ طبقات ابن سعد میں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی میں اور پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں مدینے کے مفتی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یمن کی طرف قاضی بنا کر روانہ فرمایا۔ روانگی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: «كَيْفَ تَقْضِي إِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَاءٌ؟» ''جب تم کسی معاملے کا فیصلہ کرو گے تو کیا طریق کار اختیار کرو گے؟'' انھوں نے عرض کیا: میں اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: «فَإِنْ لَّمْ تَجِدْ فِي كِتَابِ اللّٰهِ؟» ''اگر تم اللہ کی کتاب میں نہ پاسکے تو کیا کرو

[1] سنن أبي داود: 3582، جامع الترمذي: 1331، سنن ابن ماجه: 2310.


سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے عہد کی قدیم مسجد: جامع الجند (یمن)

گے؟'' عرض کیا: میں سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے پھر پوچھا: «فَإِنْ لَّمْ تَجِدْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ وَلَا فِي كِتَابِ اللّٰهِ؟» ''اگر تم نے اللہ کے رسول ﷺ کی سنت میں بھی نہ پایا اور اللہ کی کتاب میں بھی نہ ملا (تب کیا کرو گے؟)'' معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں اس صورت میں اپنی فراست سے بھرپور اجتہاد کروں گا۔ آپ ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللّٰهِ لِمَا يُرْضِي رَسُولَ اللّٰهِ» ''اللہ کا بے حد شکر ہے جس نے اپنے رسول کے نمائندے کو اس چیز کی توفیق دی جس سے اللہ کے رسول راضی ہو گئے۔'' [1]

سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ نے انھیں بحرین کا قاضی مقرر فرمایا اور ان کے لیے اہل بحرین کے نام ایک وثیقہ تحریر کرایا جسے معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے لکھا۔ اس طویل خط میں یہ عبارت بھی درج تھی:

«اِتَّقُوا اللّٰهَ أَيُّهَا الْمُسْلِمُونَ! مَا اسْتَطَعْتُمْ، فَإِنِّي قَدْ بَعَثْتُ عَلَيْكُمُ الْعَلَاءَ بْنَ الْحَضْرَمِيِّ وَأَمَرْتُهُ أَنْ يَّتَّقِيَ اللّٰهَ وَحْدَهُ، لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَنْ يُّلِينَ لَكُمُ الْجَنَاحَ، وَيُحْسِنَ فِيكُمُ السِّيرَةَ بِالْحَقِّ، وَيَحْكُمَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ مَنْ لَّقِيَ مِنَ النَّاسِ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فِي كِتَابِهِ مِنَ الْعَدْلِ، وَأَمَرْتُكُمْ بِطَاعَتِهِ إِذَا فَعَلَ ذَالِكَ .....»

''اے مسلمانو! حسب استطاعت اللہ سے ڈرو۔ میں تمھاری طرف علاء بن حضرمی کو بھیج رہا ہوں۔ میں نے انھیں حکم دیا ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک سے ڈریں اور تمھارے لیے نرم گوشہ رکھیں۔ تمھارے ساتھ حق اور بھلائی سے چلیں، لوگوں کے اور تمھارے درمیان جس طرح اللہ نے اپنی کتاب میں نازل فرمایا ہے، اس کے مطابق عدل وانصاف



مسجد علاء بن حضرمی (رضی اللہ عنہ)، بحرین

[1] سنن أبي داود: 3592، جامع الترمذي: 1327، السلسلة الضعيفة: 881.

کریں۔ جب یہ اس طرح کریں تو میں تمھیں ان کی اطاعت کا حکم دیتا ہوں......۔‘‘ [1]

سیدنا معقل بن یسار مزنی رضی اللہ عنہ

یہ بھی رسول اللہ ﷺ کے مقرر کردہ جج تھے۔ یہ بھی بتاتے ہیں: مجھے نبی ﷺ نے حکم دیا کہ میں اپنی قوم کے مابین فیصلے کروں۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں کوئی بہت اچھا جج نہیں ہوں۔ آپ نے فرمایا:

«اَللّٰهُ مَعَ الْقَاضِي مَالَمْ يَحِفْ عَمْدًا»

’’اللہ قاضی کے ساتھ ہوتا ہے جب تک وہ جان بوجھ کر ظلم و ستم نہ کرے۔‘‘ [2]

سیدنا عمرو بن العاص قرشی رضی اللہ عنہ

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے پاس باہم جھگڑنے والے دو افراد آئے۔ آپ ﷺ نے (میرے والد) عمرو رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «اِقْضِ بَيْنَهُمَا يَا عَمْرُو!» ’’اے عمرو! ان کے درمیان فیصلہ کرو۔‘‘ عمرو کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! آپ مجھ سے بہت بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: «وَإِنْ كَانَ» ’’بے شک میں کر سکتا ہوں (لیکن پھر بھی تمھی فیصلہ کرو۔)‘‘ عمرو کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! مجھے ان کے درمیان فیصلہ کر کے کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا:



مسجد عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ)، مصر

«إِنْ أَنْتَ قَضَيْتَ بَيْنَهُمَا فَأَصَبْتَ الْقَضَاءَ فَلَكَ عَشْرُ حَسَنَاتٍ، وَإِنْ أَنْتَ اجْتَهَدْتَ فَأَخْطَأْتَ فَلَكَ حَسَنَةٌ»

’’اگر تم نے ان کے درمیان فیصلہ کیا اور وہ فیصلہ صحیح ہوا تو تمھارے لیے دس نیکیاں ہیں اور اگر تم نے اجتہاد کیا اور اس میں غلطی کر گئے، تب بھی تمھیں ایک نیکی ملے گی۔‘‘ [3]

[1] المطالب العالية :2/237-244. [2] مسند أحمد :5/26، یہ روایت ضعیف ہے تاہم اس کا معنی صحیح ہے۔ دیکھیے: سنن ابن ماجه :2312. [3] مسند أحمد :4/205. یہ روایت ضعیف ہے۔

سیدنا عقبہ بن عامر ؓ

عقبہ بن عامر ؓ کے بارے میں بھی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے انھیں بھی دو آدمیوں کے مابین فیصلہ کرنے کا حکم دیا۔ [1]

سیدنا عمر بن خطاب ؓ بحیثیت قاضی

خلیفہ ثالث سیدنا عثمان بن عفان ؓ نے عبداللہ بن عمر ؓ سے فرمایا: جاؤ لوگوں کے مابین فیصلے کرو۔ وہ کہنے لگے: اے امیرالمؤمنین! کیا آپ مجھے اس سلسلے میں معاف نہیں کر سکتے؟ عثمان ؓ نے فرمایا: تمھیں کیا ہے جبکہ تمھارے والد فیصلے کرتے تھے۔ [2]

ابن عمر ؓ بیان کرتے ہیں کہ عثمان ؓ نے مجھ سے کہا: تمھیں منصبِ قضا قبول کرنے میں کون سا امر مانع ہے، حالانکہ تمھارے باپ (عمر ؓ) رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں فیصلے کرتے تھے تو میں نے جواب دیا: نہ میں اپنے باپ کی طرح ہوں اور نہ آپ رسول اللہ ﷺ جیسے ہیں۔ میرے والدِ محترم کو جب فیصلے میں کوئی پیچیدگی پیش آتی تھی تو وہ آپ ﷺ سے پوچھ لیتے تھے اور جب آپ ﷺ کو کسی مسئلے میں الجھن ہوتی تو جبریل ؑ سے دریافت کر لیتے تھے۔ (اور وہ وحی کے ذریعے سے بتا دیتے تھے۔) [3]

---

[1] مسند أحمد: 205/4، یہ روایت ضعیف ہے۔ [2] جامع الترمذي: 1322. [3] الرياض النضرة في مناقب العشرة: 159/1.



مسجد عمر بن خطاب (ؓ)، دومۃ الجندل

مدینہ منورہ کے مفتیانِ کرام

محمد بن سہل بن ابی حثمہ اپنے والد (سہل رضی اللہ عنہ) سے بیان کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تین مہاجر اور تین انصاری فتوے دیتے تھے۔ مہاجرین میں سے عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم اور انصار میں سے ابی بن کعب، معاذ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم مفتی تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو یمامہ کے ایک باغ کے جھگڑے میں فیصلہ کرنے کا حکم دیا۔ عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ میں والی اور قاضی مقرر کیا۔ دِحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو یمن کے نواح میں قاضی بنا کر بھیجا اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ساتھ یمن کا قاضی بنا کر روانہ فرمایا۔[1]

[1] أقضية رسول الله :26/1-37.


مسجد ابوموسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہ)، زبید، یمن

اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی

کسی ریاست یا مملکت کی خارجہ پالیسی بالعموم ریاستی آئین، داخلی احوال، معاشرتی رویوں اور رسوم و رواج کی عکاسی کرتی ہے۔ مملکت کی معاشی پالیسیاں، دوطرفہ قوانین اور فروغ امن کے معاہدے، ثقافتی اور سماجی تعلقات، سیاسی روابط، علوم وفنون کی منتقلی، افرادی قوت، ہنرمندوں اور اہل علم کے تبادلے، اقلیتی حقوق، دفاعی اور حربی مفادات، یہ سب کچھ خارجہ پالیسی کے دائرہ کار میں ہوتا ہے۔ گویا خارجہ پالیسی ریاست اور اس کے شہریوں کے مفادات کا تحفظ کرتی ہے، اس کی سالمیت اور دفاع کو مستحکم بناتی ہے۔ معیشت و معاشرت، تہذیب وتمدن اور باہم لین دین کے امکانات کو فروغ دیتی ہے اور ضرورت پڑنے پر جنگ کے لیے تیار رہنے کی راہ بھی دکھاتی ہے۔

دور نبوی میں جزیرہ نمائے عرب کے مشرق اور مغرب میں روم و فارس کی دو بڑی سلطنتیں آپس میں برسر پیکار تھیں۔ جنوب مغرب میں سلطنتِ حبشہ موجود تھی۔ عُمان، بحرین اور حیرہ سلطنت فارس کے باجگزار تھے اور غسان سلطنت روم (Byzantine Empire) کی باجگزار ریاست تھی جو موجودہ اردن اور جنوبی شام پر محیط تھی۔ یمن پر براہِ راست ایرانی گورنر حکمران تھا جبکہ شاہ مصر مقوقس قیصرِ روم کا نامزد کردہ تھا۔



نجاشی کا سکہ

جزیرہ نمائے عرب میں جنگجو قبائل کے معاشرے نے بے شمار مذہبی اور معاشرتی امراض پیدا کر دیے تھے۔ اپنی اپنی خواہشات کی تکمیل کی خاطر مختلف قبائل نے الگ الگ بت بنا رکھے تھے۔ معاشرتی برائیوں میں زنا، شراب نوشی اور قمار بازی عام تھی۔ ظلم وستم کے قصے فخر وغرور سے بیان کیے جاتے تھے اور بات بے بات قتل و غارت گری کا بازار گرم ہوجاتا تھا۔ اسی وجہ سے بازنطینیوں اور ایرانیوں کی نظر میں عرب ایک وحشی قوم تھی۔ رومی مؤرخین انھیں "ہلاکت خیز قوم" (Natio perniciosa) کہتے تھے۔[1]



خسرو پرویز کا سکہ

[1] دیکھیے: رسول اکرم ﷺ کی سیاست خارجہ، ص: 15۔



ہرقل کا سکہ

رومی سلطنت نبی ﷺ کے دور میں عروج سے زوال کی طرف لڑھک رہی تھی۔ کسریٰ کی حکومت ایشیا کے کم و بیش نصف علاقوں پر قائم تھی اور فخر و تکبر کا لبادہ اوڑھے بازنطینی ریاست سے برسرِ پیکار تھی۔ دنیا میں اسلام سے قبل جو مذاہب آئے، ان میں یہودیت، عیسائیت اور مجوسیت بہت نمایاں تھی لیکن یہ تینوں مذہب جزیرہ نمائے عرب میں اپنی جڑیں نہ پکڑ سکے۔ یہودیت نہایت تنگ نظر مذہب ہے جو اخلاقیات، امید و رجا اور نجات کا درس دینے کے بجائے مجموعۂ آلام بن کے رہ گیا ہے۔



مجوسیوں کی آتش گاہ (باکو، آذربائیجان)

مجوسی بتوں کے پجاری نہیں تھے۔ وہ صرف دو دیوتاؤں اہورا مزدا اور اہرمن کی پوجا کرتے تھے۔ آگ کو پوجنے والے مجوسی اپنے کاہنوں کے زیردست تھے۔ ان کے آتش کدوں میں انسانی عظمت جل کر راکھ ہو رہی تھی۔ سفید فام ایرانی اپنے آپ پر اتنا اتراتے تھے کہ حبشیوں اور ہندوستانیوں کو کوّے کہا کرتے تھے۔ ادھر عربوں کو اپنی فصاحت پر اتنا ناز تھا کہ وہ ایرانیوں کو عجمی، یعنی گونگا کہتے تھے۔

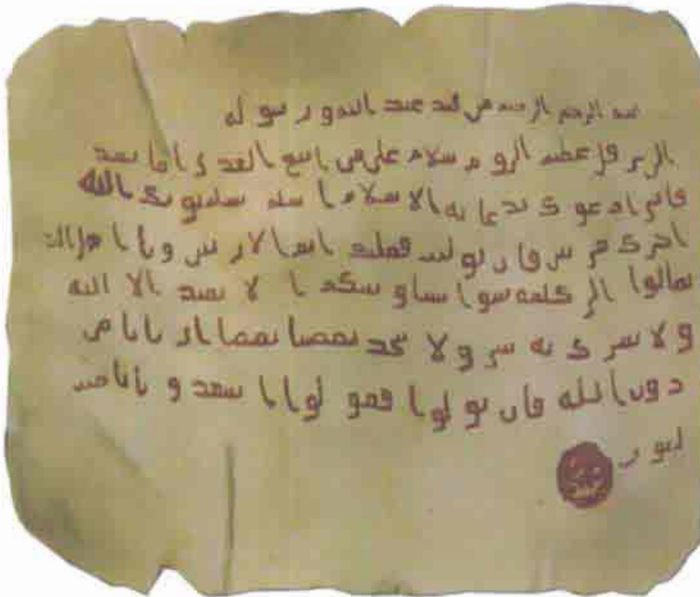


عیسائیوں کے باطل عقیدۂ تثلیث کی علامت

تیسرا بڑا مذہب عیسائیت تھا جس نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو خدا بنا لیا اور عیسائیت کو تثلیث کے گورکھ دھندے میں الجھا دیا۔ یوں ایک الہامی نظام حیات تحریف و تبدل کا شکار ہو کر معدوم ہو گیا اور عیسائیت مختلف فرقوں میں بٹ گئی۔ اس وقت اہل عرب ہندوستانیوں کی طرح بتوں کے پجاری اور کاہنوں، جادوگروں، فال گیروں کے زیربار تھے۔ اگر ہندوستانی بتوں کے استھانوں پر انسانی قربانی دیتے تھے تو اہل عرب غیرت کے نام پر یا بھوک و افلاس کے اندیشے سے اپنی بچیوں کو زندہ درگور کرتے تھے۔

کفر اور شرک کی ان ظلمتوں اور سلطنتوں کے احوال سے رسول اللہ ﷺ بہ تمام و کمال آگاہ تھے۔ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ نے جو حکمتِ عملی اختیار فرمائی وہ حسنِ تبلیغ ہی نہیں بلکہ اعلیٰ درجے کی سفارت کاری کی بھی درخشاں مثال ہے۔ آپ ﷺ نے دین حنیف کی دعوت دینے کے لیے مختلف سلطنتوں کے فرمانرواؤں سے رابطہ قائم کرنا شروع کیا اور انھیں اسلام کی صداقت وحقانیت سے روشناس کرانے کے لیے خطوط ارسال فرمائے۔ اس ضمن میں آپ ﷺ نے ایک تعارفی خط شاہ حبشہ نجاشی اصحمہ کو بھیجا۔ اور مکہ کے مظلوم مسلمانوں کو ہجرت حبشہ کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ ایک بھلا مانس بادشاہ ہے اس کے ملک میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔

شاہِ حبشہ سے خط کتابت کے ذریعے ہی سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے نکاح کا معاملہ طے پایا۔ اللہ کے دین کا پیغام پہنچانے کے لیے آپ ﷺ نے سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ذریعے ایک مکتوب گرامی بازنطینی سلطنت کے فرمانروا ہرقل کو بھی روانہ فرمایا۔ ہرقل کا دل آپ کے خط کی تاثیر سے متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا لیکن وہ بودا آدمی تھا علی الاعلان قبولِ اسلام کی ہمت نہ کرسکا۔ بحالتِ جہالت ہی مرگیا آپ ﷺ نے بازنطینی سلطنت کی باجگزار ریاستوں کے سربراہوں کو بھی مکاتیب گرامی بھیجے۔



عظیم الروم (ہرقل) کے نام رسول اللہ ﷺ کے خط کا عکس



نجاشی کے نام رسول اللہ ﷺ کے خط کا عکس



مقوقس کے نام رسول اللہ ﷺ کے خط کا عکس



حارث بن ابی شمر غسانی کے نام رسول اللہ ﷺ کے خط کا عکس



منذر بن ساویٰ کے نام رسول اللہ ﷺ کے خط کا عکس

ایک مکتوب گرامی فرمانروائے مصر مقوقس کو بھی ارسال فرمایا۔ یہ مکتوب گرامی حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ لے کر گئے تھے۔ آپ ﷺ نے والی دمشق حارث بن ابی شمر غسانی کو حضرت شجاع بن وہب الاسدی رضی اللہ عنہ کے ذریعے اور والیِ یمامہ ہوذہ بن علی کو ایک مکتوب سلیط بن عمرو بن عبد شمس عامری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ روانہ فرمایا اور ان امرائے کبار کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ ایک نامۂ مبارک سیدنا عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کے ذریعے ساسانی حاکم کے نام بھی بھیجا۔

سلطنت فارس کے فرمانروا خسرو پرویز کو بھی آپ نے ایک مکتوب ارسال فرمایا اور اُسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ اس بدبخت نے آپ ﷺ کا نامہ گرامی پھاڑ دیا۔ اس گستاخی کی سزا اُسے یہ ملی کہ اس کے بیٹے شیرویہ نے اُسے قتل کر ڈالا۔

نبی اکرم ﷺ نے والی بحرین منذر بن ساویٰ کو سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کے ذریعے اور والیانِ عمان ابنائے جلندیٰ جیفر اور عبد کی طرف سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی معرفت مکاتیب ارسال فرمائے۔ جیفر اور عبد نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ رسالت مآب ﷺ نے دینِ اسلام کے فروغ کے لیے مکاتیب کے ساتھ ساتھ متعدد بادشاہوں کو گرانقدر تحائف بھی مرحمت فرمائے۔ جواباً اُن کی طرف سے بھی آپ ﷺ کی خدمت میں تحائف بھیجے گئے۔ آپ ﷺ کی بالغ نظری اور اسلام کے ابلاغ و نفاذ کے لیے آپ ﷺ کی تڑپ اور طلب کو اللہ تعالیٰ نے قبولیت سے نوازا۔ یوں نہ صرف پورے جزیرہ عرب میں اسلام کا اُجالا پھیلا بلکہ آفتاب اسلام کی شعاعیں عرب کے باہر دور دراز کے

خطوں پر بھی پڑنے لگیں۔

نبی ﷺ مدینہ پہنچے تو سب سے پہلے امور داخلہ پر توجہ دی۔ انصار و مہاجرین میں مؤاخات قائم کی۔ پھر مدینہ کے باشندوں سے جن میں انصار و مہاجرین کے علاوہ مشرکینِ عرب اور یہود ونصاریٰ بھی شامل تھے، ''میثاق مدینہ'' طے پایا۔

امن و امان اور ایفائے عہد

اسلامی ریاست جس نازک اور مشکل دور سے گزر رہی تھی، اس کے لیے ضروری تھا کہ سب سے پہلے عدل و انصاف کے قیام اور امن و امان کے استحکام کا اہتمام کیا جائے۔ امن و امان کی پہلی شرط ہی صلح اور دوستی ہے، چنانچہ نبی ﷺ نے سب سے پہلا معاہدہ اہلِ مدینہ سے کیا۔ اس کے بعد قریبی قبائل سے معاہدے کیے۔ آپ ﷺ جب کسی سے معاہدہ کرتے تو اس کی پوری پابندی فرماتے تھے۔ آپ کے بدترین دشمنوں کو بھی آپ ﷺ سے کبھی بدعہدی اور بے وفائی کی شکایت نہیں ہوئی۔

دورِ نبوی میں معاہدوں کی مختلف نوعیتیں تھیں جن کے شواہد و شرائط مختلف ادوار میں طے پانے والے معاہدوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

مدینہ کے داخلی استحکام کا بندوبست کر کے نبی ﷺ نے اردگرد کے قبائل کی سازشوں اور شرارتوں کا سدِّ باب کیا اور ان کی عصبیتوں کو نہایت حکیمانہ سیاسی تدبر سے رفع کیا۔ امن و استحکام کی خاطر ودان تک کا سفر فرمایا۔ آپ نے اس سفر میں قبیلہ بنوضمرہ بن بکر بن عبد مناف سے معاہدہ کیا۔ اس معاہدے پر مخشی بن عمرو الضمری نے دستخط کیے۔ اس وقت یہ قبیلہ بنوضمرہ کے سردار تھے۔[1]

قبیلہ بنوضمرہ سے معاہدہ کرنے کے بعد نبی ﷺ نے ربیع الاول 2 ھ میں رضویٰ (نواحِ ینبع) کی جانب سفر فرمایا

1 السيرة لابن هشام: 591/2.

جبل رضوی

اور کوہ بواط کے لوگوں سے معاہدہ کرلیا۔ اسی سال جمادی الآخرہ میں ذی العُشَیر ہ گئے اور بنو مدلج سے معاہدہ فرمایا۔[1]

معاہدوں کا اسلوب

رسول اللہ ﷺ امن اور آشتی کے پیغامبر تھے۔ آپ تلوار چلانے نہیں آئے تھے بلکہ دنیا میں حق وصداقت کا نور پھیلائے اور صلح و امن قائم کرنے کے لیے تشریف لائے تھے۔ جن قبائل کے ساتھ معاہدے ہوئے، ان کا تذکرہ اپنی اپنی جگہ پر آئے گا۔ اس ضمن میں معاہدہ جہینہ، معاہدہ حدیبیہ، معاہدہ ثقیف، معاہدہ دومۃ الجندل، معاہدہ مقنا اور معاہدہ نجران کی مثالیں کافی ہیں۔


وادی بواط

دور نبوت میں رسول اللہ ﷺ نے جو معاہدے فرمائے، ان کا اسلوب مبارک یہ تھا کہ ہر معاہدے کا آغاز بسم اللہ سے ہوتا تھا، پھر سب سے پہلے فریقین کے نمائندوں کے نام مع خطابات درج ہوتے تھے۔ معاہدۂ حدیبیہ کے سوانبی اکرم ﷺ نے جتنے معاہدے کیے، ان سب کے متن میں آپ کے اسم گرامی ''محمد'' کے معاً بعد رسول اللہ(ﷺ) بھی درج ہوتا تھا۔ معاہدے کے آخر میں گواہوں کا اندراج کیا جاتا تھا۔

معاہدے کے مندرجات مقاصد کی بنا پر ہوتے تھے، مثلاً: مذہبی، سیاسی یا اقتصادی اغراض کا تذکرہ کیا جاتا تھا۔ معاہدے کی شقیں سادہ اور متوازن ہوتیں۔ تفصیلات لکھنے پر زیادہ توجہ دی جاتی اور طے شدہ شرائط کی پابندی کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔


قدیم وجدید ذی العشیرہ

رسول اللہ ﷺ نے جتنے بھی بیرونی ملکوں کے فرمانرواؤں سے خط کتابت کی، سفارتی تبادلوں کا اہتمام کیا اور مختلف نوعیت کے جو معاہدے کیے وہ سب اُمور خارجہ کے زمرے میں آتے ہیں۔ امور خارجہ کے لیے آپ ﷺ

[1] السيرة لابن هشام :598/2.

نے خاص لیاقت و قابلیت کے اُن افراد کا تقرر فرمایا جو غیر ملکی زبانوں کے ماہر اور بہترین ترجمان تھے۔ ان کا کام غیر ملکی دستاویزات و خطوط کا مطالعہ، ترجمہ، گفتگو کی صورت میں ترجمانی اور امراء و رؤساء کے نامہ و پیام کا جواب دینا تھا۔

معاہدوں کے تین ادوار

معاہدات کا پہلا دور غزوہ بدر سے پہلے کا ہے۔ اس دور کے معاہدات کے پس منظر میں قریش مکہ کا اعلان جنگ کارفرما تھا، اس لیے جن قبائل کے ساتھ دوستی، حلف یا ان کی غیر جانب داری سے مدینہ کی نوزائیدہ مملکت کو فائدہ پہنچ سکتا تھا، ان کے ساتھ معاہدے طے پائے۔ قریش مکہ کی سیاسی اور اقتصادی برتری کی وجہ سے اس طرح کے معاہدے زیادہ تعداد میں نہ ہو سکے، البتہ جو تین معاہدے اس دور میں طے پائے، وہ اس عہد میں مملکت مدینہ کی کمزور عسکری حالت کے پیش نظر بہت سودمند ثابت ہوئے۔

دوسرے دور کا واحد، مگر اہم معاہدہ صلح حدیبیہ ہے۔ اس معاہدے کے اثرات بڑے دور رس تھے۔ سیرت نبوی کا یہ واقعہ زبردست اہمیت کا حامل ہے۔ فقہاء نے اس معاہدے کی شقوں سے امور خارجہ سے متعلقہ نہات اہم اصول بھی وضع کیے ہیں۔

معاہدات عہد نبوی کا تیسرا دور صلح حدیبیہ سے لے کر فتح مکہ تک کا ہے۔ اب وہ زمانہ شروع ہوتا ہے جب یہ معاہدے، معاہدوں سے کہیں زیادہ ''امان ناموں'' کا درجہ اختیار کر گئے۔ یہ معاہدے ان مختلف مراعات پر مبنی تھے جو رسول اللہ ﷺ مفتوح قبائل کو از خود عطا فرماتے تھے جیسا کہ وادی خیبر کی شکست خوردہ یہودی آبادی کے معاہدے سے عیاں ہے۔ اگر آپ ﷺ ان مفتوح یہودیوں کو غلام بنا لیتے یا قتل کر دیتے یا ملک بدر کر دیتے تو آپ ﷺ کا یہ عمل مبنی بر انصاف اس دور کے رواج اور خود شریعت موسوی کے عین مطابق ہوتا۔ لیکن رحمت عالم ﷺ نے ایسا نہیں کیا۔ معاہدہ کرنے ہی کو ترجیح دی۔

فتح مکہ کے بعد تقریباً پورا عرب اسلامی مملکت میں شامل ہو چکا تھا۔ جو قبائل اسلام قبول کرتے تھے، ان کے ساتھ کسی طرح کے معاہدے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ البتہ قبائل کے وہ افراد جو اپنے مذہب پر قائم اور خارج از اسلام رہنا چاہتے تھے، انھیں جزیے کے عوض امان عطا کی جاتی تھی۔ اس دور کے عہد ناموں کو معاہدات کی فہرست میں اس لیے شامل کیا جاتا ہے کہ ان ''امان ناموں'' میں ان مراعات کا ذکر ہے جو حضور ﷺ نے ذمیوں کو عطا فرمائی تھیں۔[1]

[1] سیرۃ خیر الأنام، ص:348.

معاہدوں کی پابندی کا حکم

شریعت اسلامی نے معاہدوں کی پاسداری کا حکم دیا ہے اور اس پر اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا۝﴾

''اور جس نے (وہ) عہد پورا کیا جو اس نے اللہ سے باندھا تھا تو عنقریب وہ اسے بہت بڑا اجر دے گا۔'' [1]

دوسری جانب اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو معاہدوں کی خلاف ورزی کرنے والوں سے جنگ کا حکم دیا، ارشاد فرمایا:

﴿اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ۝ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ۝﴾

''وہ لوگ جن سے آپ نے معاہدہ کیا، پھر وہ ہر بار اپنا عہد توڑ ڈالتے ہیں اور وہ (اللہ سے ذرا) نہیں ڈرتے۔ پھر اگر آپ ان کو لڑائی میں پائیں تو ان کے ساتھ ان لوگوں کو بھی بھگا دیں جو ان کے پیچھے ہوں، شاید وہ نصیحت پکڑیں۔'' [2]

[1] الفتح 48:10۔ [2] الأنفال 8:56، 57۔

ریاست کا دفاع

اسلام کے عائد کردہ واجبات و فرائض میں انتہائی اہم بلکہ اکثر حالتوں میں ایمان و کفر تک کا فیصلہ کر دینے والا فرض دفاع ہے۔ اگر کسی مسلمان حکومت یا مسلمان آبادی پر کوئی غیر مسلم گروہ حملہ کرے تو دنیا بھر کے مسلمانوں پر شرعاً فرض ہوجاتا ہے کہ وہ مظلوم مسلمانوں کے دفاع کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور اس حکومت اور آبادی کو غیر مسلم قوت کے قبضے سے بچائیں۔ اگر قبضہ ہوگیا ہو تو اس سے نجات دلائیں اور اس کام کے لیے اپنی ساری قوتیں اور کوششیں وقف کریں، چنانچہ جب کفار مکہ اور مشرک قبائل کے حملے کے خطرات بڑھے تو نبی ﷺ نے ایک مضبوط عسکری تنظیم کی تیاری پر بھرپور توجہ دی۔

نبی ﷺ نے مدینہ کے تحفظ کے لیے تحریری عہد و پیمان ہی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ حرب و ضرب کے وہ تمام طریقے اختیار فرمائے جو اُس زمانے میں مروج تھے، چنانچہ آپ نے ایک نہایت مضبوط دفاعی نظام قائم کیا۔ مسلمانوں کو جنگ لڑنے کے جو طریقے آتے تھے، آپ ﷺ نے انھیں زیادہ کارگر، مؤثر اور ترقی یافتہ بناتے رہنے کی ضرورت کو ایک مستقل اصول بنا دیا۔ رسول اللہ ﷺ اہل باطل کے ارادوں اور اُن کی نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھتے تھے اور ان کی حربی سرگرمیوں اور اسلحہ سازی کے جدید تر رجحانات سے باخبر رہتے تھے۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ خفیہ سراغ رسانی کے طریقے بھی بروئے کار لاتے رہے اور دشمنان اسلام کے ناپاک عزائم سے آگہی کے لیے مختلف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو مطلوبہ معلومات کی غرض سے مختلف مقامات پر روانہ فرماتے رہے۔ مجاہدین اسلام کو تیراندازی، تیغ زنی اور نیزوں کی لڑائی میں تو خوب مہارت تھی مگر وہ قلعہ شکن آلات سے ناآشنا تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ علاقہ جرش میں منجنیق، دبابہ (قلعہ شکن مشین، ٹینک) اور دوسرے حربی آلات


منجنیق کا خاکہ


جرش کے کھنڈر

تیار کیے جاتے ہیں تو آپ ﷺ نے عروہ بن مسعود ثقفی، غیلان بن مسلمہ ثقفی اور چند دیگر تجربہ کار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جدید اسلحہ سازی سیکھنے کے لیے فوراً جرش روانہ کر دیا۔ اس طرح آپ نے مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے خبردار کر دیا کہ وہ قیامت تک باطل کے نشانے پر ہیں۔ اس لیے انھیں ہر آن ہر گھڑی چوکس اور باطل کے جدید ترین حربی آلات و اسلحہ اور تکنیک سے نہ صرف آگاہ رہنا چاہیے بلکہ اس میں مہارت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ مسلسل ترقی کرتے رہنا چاہیے۔

نبی ﷺ کی عسکری تیاریوں کا طریق کار

اگرچہ مسلمان ثابت قدم تھے اور ان کا ایمان غیر متزلزل تھا، پھر بھی نبی ﷺ نے تمام دستیاب اسباب و وسائل سے کام لیا اور کفار کی شرانگیزیوں کے سدباب کے لیے منصوبہ بندی فرمانے لگے، چنانچہ اسلامی ریاست کے استحکام کے لیے آپ نے مضبوط عسکری تنظیم اور جری فوج منظم کرنے کی تیاری شروع فرما دی۔ ریاست میں ذوقِ حرب و ضرب، فوجی صلاحیتوں، قائدانہ خوبیوں، عسکری تجربے، جسمانی قوت، روحانی بلندی اور مادی وسائل کی کوئی کمی نہیں تھی۔ آپ نے بتدریج اس پورے اثاثے کو مرتب اور منظم کر دیا، تاہم اسلامی سلطنت کی عسکری تنظیم میں خاصا وقت لگا۔ بعدازاں اسی قوت و صلاحیت کی بدولت مجاہدین اسلام تیزی سے ارتقائی مراحل طے کرتے اور جزیرہ نمائے عرب کے طول و عرض میں اسلام کی اشاعت کے جھنڈے گاڑتے چلے گئے۔

جہاد کا اصل مقصد

اسلام میں جنگ کا مقصد انتقام لینا، دوسرے ملکوں پر قبضہ کرنا یا مال و منال حاصل کرنا نہیں، نہ مجاہدینِ اسلام کو حکمرانی کی ہوس ہوتی ہے، اس کے برعکس اسلام نے جنگ میں اخلاقی حدود کا پاس کرنے اور ظلم و ستم کے تمام ہتھکنڈوں کو ختم کرنے کے لیے جہاد فی سبیل اللہ کا درس دیا ہے۔ جب ظلم و ستم حد سے تجاوز کر جائے اور معاشرتی، اخلاقی اور سفارتی چارہ جوئیاں ناکام ہوجائیں تو پھر جہاد ہی وہ سبیل ہے جس کے ذریعے سے ظلم و ستم کی بیخ کنی اور اللہ کی بڑائی کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ جہاد فی سبیل اللہ کے اصل معنی ہی دین اسلام کے دفاع اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے انتہائی کوشش کرنا ہے۔ اس مقدس راستے کا انتہائی قدم اللہ کے لیے اپنے نفس کو قربان کرنا ہے۔

صلح جوئی

نبی ﷺ کی بعثت کا اصل مقصد صرف اللہ کے دین کا نفاذ تھا۔ جنگ انتہائی ناگزیر مجبوری کی حالت میں ہوتی تھی اور معرکہ آرائی کا انتہائی قدم اس وقت اٹھایا جاتا تھا جب کفار اپنے مکروہ اور معاندانہ عزائم سے باز نہ آتے۔ آپ ﷺ ہر طرح کوشش فرماتے کہ کسی طرح جنگ ٹل جائے۔ اسی لیے آپ ﷺ اور آپ کے جاں نثار صحابہ عین میدان جنگ میں بھی صلح کی شرائط پیش فرما دیتے تھے تاکہ جنگ بند کر دی جائے۔ عین لڑائی کے دوران بھی اگر کوئی صلح کی درخواست کرتا تو آپ ﷺ اسے قبول فرما لیتے تھے۔ اسی معمولِ مبارک کی بنا پر آپ ﷺ نے بعض لوگوں سے جنگ سے پہلے ہی صلح کر لی اور بعض قبائل سے معاہدے بھی کیے۔

مشروع اور غیر مشروع جنگ

جہاد کے اصلی منشا کے برعکس جہاں کہیں بھی جنگ ہوگی، وہ فساد پر منتج ہوگی۔ ابن خلدون کہتے ہیں: جنگ کی مشروعیت دو طرح کی ہے اور غیر مشروع جنگ بھی دو قسموں پر مشتمل ہے۔ جنگ ابتدا ہی سے وقوع پذیر رہی ہے چونکہ یہ ایک فطری اور بشری معاملہ ہے، اس لیے کوئی امت کسی بھی مرحلے میں جنگ سے الگ نہیں رہ سکتی۔ جنگ کی چار قسمیں ہیں:

1. ایک جنگ غیرت اور حمیت کی بنا پر ہوتی ہے۔ یہ عموماً قبائل اور خاندانوں کی رقابت کی بنا پر چھڑتی ہے۔
2. دشمنی کی بنا پر وحشی قوموں کے مابین جنگ برپا ہوتی ہے، جیسے جاہلیت میں عرب، ترکمان، کرد اور تاتاری وغیرہ باہم لڑتے رہتے تھے۔ ان کی معیشت کا انحصار ہی جنگ و جدل پر تھا۔

3 صرف اللہ کے لیے اور دینی اغراض و مقاصد کے لیے لڑائی کو جہاد فی سبیل اللہ کہا جاتا ہے۔

4 بادشاہ غضب میں آ کر دوسری مملکتوں کے خلاف جنگ کرتے ہیں یا جو باغی ہوتے ہیں، ان کے خلاف لڑتے ہیں۔

اسلام نے غیرت، مقابلہ آرائی اور دشمنی کے سبب سے ہونے والی تمام لڑائیوں کو جرم قرار دیا ہے۔ اس کے برعکس اللہ کے لیے اور دینی حمیت کے لیے جنگ کو مشروع ٹھہرایا ہے۔ وہ جنگ جو سرکشوں کے خلاف ہو اور عدل قائم کرنے کے لیے کی جائے، اسے بھی جائز قرار دیا ہے۔[1]

نبی ﷺ کی جنگی حکمت عملی ابلاغ اسلام، دفاع اسلام اور دفاع مسلمین کے لیے تھی۔ آپ کو کسی پر اقتصادی تفوق اور معاشی برتری حاصل کرنے کی کوئی تمنا نہیں تھی۔

جنگ کے مہذب قواعد وضوابط

رسول اللہ ﷺ سے پہلے جنگ وحشت، بہیمیت، غارتگری اور ہوس ملک گیری کا نام تھا جس کا اصل محرک انتقام، تفاخر یا مال و متاع کا حصول ہوتا تھا۔ جب جنگ کا طبل بجتا تو مقاتلین اور غیر مقاتلین کا امتیاز اٹھ جاتا تھا۔ دشمن قوم کا ہر فرد دشمن بن جاتا تھا۔ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں غرضیکہ مخالف قوم کے ہر فرد کے ساتھ یکساں وحشیانہ برتاؤ کیا جاتا تھا۔

نبی ﷺ نے جنگ کے مہذب ضابطے اور قوانین بنائے۔ اس کے آداب اور اخلاقی حدود متعین کیے۔ مقاتلین اور غیر مقاتلین میں اور معاہدین اور مسافروں میں فرق قائم کیا۔ سفراء، مفتوح قوموں اور اسیران جنگ کے لیے نہایت کریمانہ حقوق متعین کیے۔ غفلت میں حملہ، آگ لگانے، لوٹ مار، مثلہ، عورتوں، بچوں، بے ضرر بوڑھوں، غلاموں اور قیدیوں کے قتل، بدعہدی اور دیگر وحشیانہ افعال کو ممنوع قرار دیا۔ حق یہ ہے کہ اسلام کا عسکری نظام بھی رحمت و رافت کے جذبوں سے لبریز ہے۔

فساد انگیزی سے بچنے کا حکم

کفار مکہ مرکزِ اسلام پر یلغار کے لیے تیاریوں میں مصروف تھے، لہٰذا نبی ﷺ کے لیے دفاعی تدابیر اختیار کرنا اور مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کرنا ضروری ہو گیا، جہاد اسلام کا وہ عظیم الشان جوہرِ عمل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی حفاظت اور مسلمانوں کے تحفظ کے لیے فرض قرار دیا ہے۔ اسلام نے امن و سلامتی کا درس دیا ہے اور لڑائی جھگڑوں

1 مقدمہ ابن خلدون، ص: 226.

اور فساد سے پرہیز کی تلقین فرمائی ہے بلکہ فساد کو گناہ سے تعبیر کیا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾

''وہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کو دیں گے جو زمین میں نہ بڑائی چاہتے ہیں اور نہ فساد اور (اچھا) انجام تو پرہیزگاروں ہی کے لیے ہے۔''[1]

اس سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ اللہ نے محض توسیعِ ریاست کے لیے جنگ کو حرام قرار دیا ہے، اس لیے کہ کسی دوسرے کی زمین ہڑپ کرنا گناہ ہے جسے اللہ نے فساد سے تعبیر کیا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ﴾

''اور جب وہ (جھگڑالو شخص) پلٹتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ زمین میں فساد پھیلائے، کھیتوں اور نسل کو تباہ کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔''[2]

اسلام جنگ اور جبر کا نہیں، امن و سلامتی کا دین ہے

اسلام میں تلوار کے ذریعے کسی کو مسلمان ہونے کے لیے مجبور نہیں کیا گیا۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ڐ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾

''دین میں کوئی زبردستی نہیں۔ ہدایت، گمراہی سے واضح ہو چکی ہے۔''[3]

﴿وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّھُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾

''اور اگر آپ کا رب چاہتا تو جو لوگ زمین میں ہیں، سب کے سب ایمان لے آتے، پھر کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے حتی کہ وہ مومن ہو جائیں؟''[4]

﴿مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا﴾

''جسے اللہ ہدایت دے، وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کردے، اس کے لیے آپ ہرگز کوئی رہنما دوست نہیں پائیں گے۔''[5]

دفاع کا حق

اسلام نظری، معنوی اور عملی لحاظ سے سب کے لیے سلامتی کا ضامن ہے۔ لیکن ظلم و جبر اور تعصب و زیادتی کی

[1] القصص 83:28. [2] البقرۃ 205:2. [3] البقرۃ 256:2. [4] یونس 99:10. [5] الکھف 17:18.

صورت میں دفاع کا حق بھی مرحمت فرماتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝ وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقٰتِلُوْكُمْ فِیْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِیْنَ ۝ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ یَكُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ۝﴾

’’اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو (جہاد کرو) جو تم سے لڑتے ہیں اور تم زیادتی نہ کرو، بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور تم انھیں جہاں بھی پاؤ، ان کو قتل کر دو اور تم انھیں نکال دو جہاں سے انھوں نے تمھیں نکالا اور فتنہ قتل سے زیادہ سخت (گناہ) ہے اور تم ان سے مسجد حرام کے پاس نہ لڑو یہاں تک کہ وہ اس میں تم سے لڑیں، پھر اگر وہ تم سے لڑیں تو تم انھیں قتل کرو، ایسے کافروں کی یہی سزا ہے۔ پھر اگر وہ باز آ جائیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا (اور) بہت رحم کرنے والا ہے۔ اور ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین صرف اللہ کے لیے ہو جائے، پھر اگر وہ باز آ جائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی جائز نہیں۔‘‘ [1]

جہاد کے وسائل اور اسلحہ

نبی ﷺ نے اسلامی ریاست کے دفاع میں اپنے عہد مبارک کے تمام مروجہ جدید ترین ہتھیار اور دستیاب وسائل استعمال فرمائے، مثلاً: آپ دفاعی معرکوں میں زرہوں اور ڈھالوں سے کام لینے کے علاوہ خندقوں اور دیواروں کی اوٹ بھی بروئے کار لاتے رہے۔ آپ ﷺ نے میدانِ جنگ میں مطلوب مقامات پر بچھائے جانے والے مخصوص نوکیلے آلات بھی نصب کرائے۔

قتال کے لیے یہ اسلحہ استعمال فرمایا: تلوار، تیر، نیزہ، سنگباری کے لیے منجنیق اور دبابہ (ٹینک نما مشین جس میں قلعہ شکن ماہرین موجود ہوتے تھے)۔ نقل و حمل کے لیے آپ ﷺ کی سواریوں میں گھوڑے اور اونٹ زیر استعمال رہے۔

[1] البقرۃ 2:190-193.

جہاد میں شرکت کی شرائط

اسلام میں جہاد فرض ہے لیکن اس میں بشری تقاضوں کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے اور مجاہدین کے لیے چند شرائط عائد کی گئی ہیں: 1 لشکر میں شامل ہونے والا مسلمان ہو۔ غزوہ بدر کے موقع پر ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: میں آپ کے ساتھ معرکے میں شریک ہونا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: «تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ؟» ''کیا تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے؟'' اس نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «فَارْجِعْ فَلَنْ أَسْتَعِينَ بِمُشْرِكٍ» ''لوٹ جا! میں مشرک سے مدد نہیں لیتا۔'' 2 وہ بالغ ہو، مثلاً: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بدر کے موقع پر بالغ نہیں تھے، اس لیے انھیں شامل نہیں کیا گیا۔ احد کے سال وہ بالغ ہو گئے تھے، اس لیے احد میں شامل کر لیے گئے۔ 3 وہ تندرست و توانا ہو، یعنی نابینا یا لاغر نہ ہو، جسمانی نقائص سے مبرا ہو۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهِ﴾

''ضعیفوں اور بیماروں پر اور جو لوگ کوئی چیز نہیں پاتے کہ وہ خرچ کریں، ان پر (پیچھے رہنے میں) کوئی گناہ نہیں جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے خیر خواہی کرتے ہوں۔'' [1]

اللہ کی راہ میں نہ نکلنے پر سماجی بائیکاٹ کا حکم

نبی ﷺ نے جب غزوہ تبوک کے موقع پر جہاد کے لیے نکلنے کا حکم دیا تو تین مسلمان کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم اپنے سازگار حالات کے باوجود نہیں نکلے، محض سستی کی وجہ سے پیچھے رہ گئے۔ اللہ کی راہ میں نہ نکلنے پر آپ ﷺ ان حضرات سے اس قدر ناراض ہوئے کہ آپ ﷺ نے ان کا بائیکاٹ کر دیا۔ تمام مسلمانوں حتی کہ ان کی بیویوں کو بھی ان سے قطع تعلق کا حکم دے دیا۔ یہ ایسی عبرتناک صورتحال تھی جس سے دوچار ہو کر یہ تینوں صحابی اپنے ہی معاشرے میں اجنبی بن کر رہ گئے۔ ان کے سگے رشتہ داروں نے بھی ان سے سلام دعا ترک کر دی، زمین ان پر تنگ ہو گئی۔ یہ حضرات شدید غم اور اضطراب کی حالت میں بھی نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں جاتے تھے اور رحمت عالم ﷺ کی طرف دز دیدہ نگاہوں سے دیکھتے رہتے تھے کہ شاید اب آپ ﷺ ان کی غفلت کا قصور معاف کر دیں لیکن اس حالت پر پورے 50 دن بیت گئے۔ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے حضور شام و سحر

[1] التوبۃ 91:9۔

روتے رہے، بخشش کی دعائیں مانگتے رہے۔ اپنی لمحاتی غفلت پر توبہ کرتے رہے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تب جا کر ان کا سماجی بائیکاٹ ختم ہوا۔

اللہ اللہ! یہ تینوں صحابی رضی اللہ عنہم بڑے بلند پایہ حضرات تھے۔ ہمیشہ اللہ کی راہ میں نکلتے رہے۔ بس ایک دفعہ غفلت ہوگئی تو زمین ان پر تنگ کر دی گئی! آہ! اندازہ کیجیے کہ اگر اللہ پاک نے ہمیں اپنی کرم گستری سے معاف نہ فرمایا تو ہمارا کیا بنے گا۔ آج دنیا بھر میں مظلوم مسلمانوں کا خون بہایا جا رہا ہے۔ ان کی لاشیں گرائی جا رہی ہیں۔ بستیاں پھونکی جا رہی ہیں مگر ہم بدستور غفلت کی انگڑائیاں لے رہے ہیں۔ اپنے مظلوم مسلمان بھائیوں کے دفاع کے لیے نکلنا تو کجا، ہماری آنکھوں میں ان کے لیے ہمدردی کا ایک آنسو بھی نہیں ہے۔

اسلامی لشکر کی صف بندی

اسلامی فوج پانچ حصوں، یعنی 1 قلب یا مرکز 2 میمنہ 3 میسرہ 4 مقدمہ اور 5 عقب یا ساقہ پر مشتمل ہوتی تھی۔ ہر چند لشکر کی یہ تقسیم دور جاہلیت میں بھی موجود تھی لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس میں جدید نظم و ترتیب پیدا کی، نئی روح پھونکی اور انھیں پہلے سے کہیں زیادہ مؤثر اور منظم کر کے ایک ناقابل تسخیر اکائی یا قرآن کے الفاظ میں

مسجد سیدنا کعب بن مالک (رضی اللہ عنہ)، دوحہ، قطر

"بُنیان مرصوص" بنا دیا۔[1] میدان جنگ میں رسول اللہ ﷺ خود ہاتھ میں چھڑی لے کر صفیں درست فرماتے تھے۔[2] بلکہ بقول طبری فتح مکہ کے وقت تو صف آرائی کا خصوصی اہتمام ایک مخصوص افسر کے سپرد کر دیا گیا تھا جو بلحاظِ عہدہ وازع کہلاتا تھا۔[3] مہم پر روانگی سے پہلے ہر فوج کا شہر کے باہر معائنہ (عرض) ہوتا تھا۔ کم عمر رضا کار اور سواری یا اسلحہ سے محروم یا غیر موزوں افراد واپس بھیج دیے جاتے تھے۔[4] جنگ بدر میں صف آرائی کے بعد جو جامع ہدایات دی گئی تھیں، وہ یہ تھیں کہ جب تک میں حکم نہ دوں، اپنی جگہ سے کوئی حرکت نہ کرے۔ تیر اندازوں کو ہدایت دی گئی کہ دشمن دُور ہو تو تیر نہ چلائے جائیں تاکہ وہ ہدف تک نہ پہنچنے کی وجہ سے ضائع نہ ہونے پائیں بلکہ جب حریف نزدیک آجائے تو اس وقت تیر مارے جائیں۔ دشمن بالکل قریب آئے تو پتھر مار کر حملہ کیا جائے، اس سے بھی قریب تر آجائے تو نیزہ اور تلوار چلائی جائے۔[5] ان ہدایات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اسلحہ اور دیگر سامانِ حرب کے محتاط استعمال کے لیے کس قدر جُزرَسی سے کام لیتے تھے۔

مورال کی بلندی اور ترغیبِ جہاد

جنگ سپہ سالار فوج یا امیر لشکر کے حکم سے شروع ہوتی تھی۔ اجرائے حکم کے بعد تکبیر یا دعا کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے امداد طلب کی جاتی تھی۔[6] محاذ جنگ پر مجاہدین کا مورال (Morale) بلند کرنے کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ قرآن میں رسول اللہ ﷺ کو ترغیبِ جہاد کا یوں حکم دیا گیا:

﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ﴾

"اے نبی! مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو۔"[7]

لشکرِ اسلام کی تنظیم

لشکر میں دو قسم کے دستے ہوتے تھے۔ ایک پیادہ اور دوسرے سوار۔ جنگ بدر میں لشکر مجاہدین کے ساتھ صرف دو سوار تھے۔ معرکہ اُحد میں مستقل سوار فوج قائم ہوئی جس کے کمانڈر حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ تھے۔ تبوک کے محاذ پر سوار فوج کی تعداد دس ہزار تک جا پہنچی تھی۔ ان دو قسم کے دستوں کے علاوہ بعد میں زرہ پوش پلٹن کا بھی اضافہ ہوگیا۔ اُحد میں پہلی مرتبہ 100 سپاہیوں کی زرہ پوش پلٹن شامل ہوئی تھی جبکہ فتح مکہ کے موقع پر اسلامی فوج کا ہر

---

[1] الصف 4:61. [2] عہد نبوی میں ریاست کا نشو و ارتقاء، ڈاکٹر نثار احمد، ص:435. [3] عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ڈاکٹر حمید اللہ، ص:266. [4] الطبقات لابن سعد: 12/2. [5] عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ڈاکٹر حمید اللہ، ص:266. [6] عہد نبوی میں ریاست کا نشو و ارتقاء، ڈاکٹر نثار احمد، ص:435. [7] الأنفال 65:8.

سپاہی آہن پوش تھا۔ [1] میدانِ جنگ میں سپہ سالارِ فوج کا ہیڈ کوارٹر محفوظ اور اونچی جگہ پر الگ بنایا جاتا تھا تاکہ وہ فوجوں کی نقل وحرکت اور محاذِ جنگ کے احوال پر نظر رکھتے ہوئے ہدایات جاری کر سکے۔ غزوۂ بدر میں رسول اللہ ﷺ کے لیے اسی نوعیت کا ''عریش'' تیار کیا گیا تھا۔ [2]

صاحب لواء اور صاحب رایہ

سالارِ فوج کی حفاظت اور پہرہ داری کے خصوصی افسر الگ الگ مقرر کیے جاتے تھے۔ دو قسم کے افسر ہوتے تھے، ایک صاحب اللواء کہلاتا تھا اور دوسرا صاحب الرایہ۔ کتانی کی وضاحت کے مطابق لواء، رایہ کے علاوہ ہوتا تھا۔ لواء بڑا جھنڈا تھا اور امیر فوج کے ہیڈ کوارٹر پر بطور علامت لہراتا تھا، جبکہ رایہ اس سے الگ جھنڈا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کا جھنڈا ''عقاب'' سے موسوم تھا۔ فوج میں جوشِ جہاد اور حمیت و غیرت کی روح بیدار رکھنے اور اپنے آدمیوں کو دور سے پہچان لینے کے لیے لشکر میں شامل قبائل کے الگ الگ جھنڈے بھی ہوتے تھے۔ ان کا رنگ بھی جداگانہ ہوتا تھا، مثلاً: ایک موقع پر انصار کے جھنڈے کا رنگ پیلا تھا۔ [3] محاذ پر دوست دشمن کی تمیز، جنگی ضرورتوں اور خفیہ نقل وحرکت کے پیشِ نظر مسلمان فوجیوں کے لیے شعار (یا علامتی نعرہ Code Word) بھی مقرر کیا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ

[1] اسلام کا نظام حکومت، غازی حامد الانصاری، ص: 510,509. [2] السیرۃ لابن ھشام: 626/2. [3] عہد نبوی میں ریاست کا نشو وارتقاء، ڈاکٹر نثار احمد، ص: 436.



میدان بدر میں رسول اللہ ﷺ کے لیے بنائے گئے عریش (سائبان) کی جگہ مسجد العریش

معرکہ کارزار میں رازداری، فوجی حکمت عملی اور عسکری تدبر کا اس حد تک اہتمام فرماتے تھے کہ آپ ﷺ نے ہر جنگ میں شعار کے رمزیہ خفیہ الفاظ (Code Word) تبدیل فرما دیے۔ [1]

جنگی قیدیوں کی رہائی کے کریمانہ طریقے

رسول اللہ ﷺ نے جنگی قیدیوں کے بارے میں دو طرح کے طریقے اختیار کرنے کا حکم دیا: فدیہ لے کر چھوڑ دو یا پھر احسان کرتے ہوئے رہا کر دو۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا﴾

''چنانچہ جب تم (جہاد میں) ان لوگوں سے ملو جنھوں نے کفر کیا تو (ان کی) گردنیں مارو، حتی کہ جب تم انھیں خوب قتل کر چکو تو (قیدیوں کو) بیڑیوں میں مضبوطی سے باندھ دو، پھر یا تو اس کے بعد ان پر احسان کرنا ہے یا فدیہ (تاوان) لینا ہے، حتی کہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے۔'' [2]

اس آیت کریمہ کے نزول سے پہلے ہی آپ ﷺ نے غزوۂ بدر میں مشورے کے دوران سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ رائے پسند فرمائی تھی کہ قیدیوں سے فدیہ قبول کر کے انھیں رہا کر دیا جائے اور جس پڑھے لکھے قیدی کے پاس زرفدیہ نہیں، وہ مسلمانوں کے دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے اور پروانۂ آزادی حاصل کر لے۔ جنگی قیدیوں پر احسان کرنے کے لیے قرآن نے ایک اور مقام پر یہ حکم دیا ہے:

﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا﴾

''اور وہ کھانا، اس کی محبت کے باوجود، مسکینوں اور یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں۔'' [3]

نبی ﷺ نے فرمایا:

«اِسْتَوْصُوا بِالْأَسَارٰی خَيْرًا»

''قیدیوں کے سلسلے میں خیر خواہی کی وصیت قبول کرو۔'' [4]

امان طلبی کا معاملہ

اسلامی ریاست میں کسی شخص نے کسی مسلمان سے امان طلب کی اور اس نے اسے امان دے دی تو آپ ﷺ

[1] السیرۃ لابن ہشام :2/634. [2] محمد47:4. [3] الدہر8:76. [4] المعجم الکبیر للطبرانی:22/393 و977. یہ روایت ضعیف ہے۔

نے یہ معاملہ قبول فرمایا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾

''اور (اے نبی!) اگر مشرکوں میں سے کوئی آپ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دیں یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے، پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دیں، اس لیے کہ بے شک وہ ایسے لوگ ہیں جو علم نہیں رکھتے۔''[1]

نبی ﷺ نے بھی یہی حکم دیا ہے:

«اَلْمُؤْمِنُونَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ وَيَسْعٰى بِذِمَّتِهِمْ أَدْنَاهُمْ وَهُمْ يَدٌ عَلٰى مَنْ سِوَاهُمْ»

''سب مومنوں کے خون آپس میں برابر ہیں۔ ان کا ادنیٰ آدمی بھی کسی کو پناہ دے تو اس کا پورا کرنا سب پر ضروری ہے اور مسلمان دوسروں کے مقابلے میں ایک جماعت ہیں۔''[2]

اسی طرح فرمایا:

« يَا أُمَّ هَانِئٍ! قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ وَأَمَّنَّا مَنْ أَمَّنْتِ»

''اے ام ہانی! جسے تو نے پناہ دی، اسے ہم نے پناہ دی، جسے تو نے امان دی، اسے ہم نے امان دی۔''[3]

ریاست مدینہ کے قیام کے باوجود ام ہانی رضی اللہ عنہا نے دو قیدیوں کو امان دی تو آپ ﷺ نے یہ امان برقرار رکھی۔

بیرونی مسلمانوں سے تعلقات

بعض ایسے مسلمان بھی تھے جن کے اہل کفر سے تعلقات تھے۔ انھوں نے مدینہ کی جانب ہجرت نہیں کی تھی اور فتح مکہ سے پہلے وہ ریاستِ مدینہ کے باشندے نہیں تھے۔ ان کے ساتھ تعلق کی نوعیت مدینہ کے مسلمان باشندوں سے مختلف تھی۔ ان کے ساتھ مذہبی اخوت ضرور تھی لیکن انھیں اسلامی ریاست کے قومی حقوق حاصل نہیں تھے۔ کیونکہ اسلامی ریاست کے نزدیک وہ اس کے دائرۂ ذمہ داری میں شامل نہیں تھے۔ قرآن مجید نے اس بارے میں رہنمائی فرمائی ہے:

[1] التوبة 6:9. [2] مسند أحمد: 119/1، سنن أبي داود: 2751. [3] مسند أحمد: 343/6، سنن أبي داود: 2763، السلسلة الصحيحة: 77/5، واللفظ له.

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۚ وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾

”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جنھوں نے (مہاجروں کو اپنے ہاں) جگہ دی اور (ان کی) مدد کی، وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور جو لوگ ایمان تو لے آئے مگر انھوں نے ہجرت نہیں کی، ان کی دوستی سے تمھیں کوئی غرض نہیں حتی کہ وہ ہجرت کریں۔ اور اگر وہ تم سے دین (کے معاملے) میں مدد مانگیں تو تم پر مدد لازم ہے مگر اس قوم کے خلاف مدد نہیں جن کا تمھارے ساتھ کوئی معاہدہ ہو۔ اور تم جو کام کرتے ہو، اللہ (اُسے خوب) دیکھ رہا ہے۔“ [1]

اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ نے بھی صراحت فرما دی ہے:

«أَنَا بَرِيءٌ مِّنْ كُلِّ مُسْلِمٍ يُقِيمُ بَيْنَ أَظْهُرِ الْمُشْرِكِينَ»

”میں کسی ایسے مسلمان کی حمایت و حفاظت کا ذمہ دار نہیں جو مشرکین کے درمیان رہتا ہو۔“ [2]

اس طرح اسلامی قانون نے اس جھگڑے کی جڑ ہی کاٹ دی جو بالعموم اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کوئی حکومت اقلیتوں کا ذمہ اپنے سر لیتی ہے تو اس کی وجہ سے ایسی الجھنیں پڑ جاتی ہیں جنھیں بار بار کی لڑائیاں بھی سلجھا نہیں سکتیں۔ فی الجملہ ایک طرف تو اسلامی ریاست نے کسی مسلمان کی طرف سے کسی کافر کو دی جانے والی امان برقرار رکھی ہے اور دوسری طرف اسلامی ریاست نے اپنی حدود کے باہر بسنے والے مسلمانوں کی ذمہ داری لینے سے احتراز کیا ہے تاکہ جنگ اور فتنہ کا کوئی امکان پیدا نہ ہو۔

مظلوم مسلم اقلیت کی مدد

اسلام نے دینی اخوت کو ایک ناقابل شکست اور دائمی رشتہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ اگر کسی جگہ مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہو اور وہ اسلامی ریاست سے مدد مانگیں تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ بین الاقوامی قوانین اور اخلاقی حدود کے دائرۂ کار میں رہ کر اپنے بھائیوں کی مدد کریں۔ اس سلسلے میں متعلقہ حکومتوں کے قوانین اسی وقت ترجیحی طور پر پاسداری

[1] الأنفال 8:72. [2] سنن أبي داود :2645، جامع الترمذي :1604.

کے مستحق ٹھہریں گے جب اسلامی ریاست کے ان ملکوں کے ساتھ امن کے معاہدے ہوں جہاں مسلمان اقلیتی شہریوں کی حیثیت سے رہتے ہوں۔ مندرجہ بالا آیت میں ﴿بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ﴾ کے الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست کے دوسری ریاست سے تعلقات صرف حکمرانوں تک محدود نہیں بلکہ یہ وسیع تر معنوں میں واضح طور پر دو قوموں کے باہمی تعلقات ہیں، چنانچہ اس دائرے میں رہ کر اسلامی حکومت اقلیتی مسلمانوں کے تحفظ کے اقدامات کر سکتی ہے۔ ایسے اقدامات حتی المقدور ہوتے رہنے چاہییں۔ اگر انفرادی اور اجتماعی سطح پر ایسے اقدامات نہیں کیے جائیں گے تو تمام مسلمان اللہ کے نزدیک غفلت اور بے حسی کے مجرم ٹھہریں گے۔

باب
2

سیرت انسائیکلوپیڈیا

یہود مدینہ کا کردار

یہود مدینہ نے خاتم الانبیاء کی ذات بابرکات سے فیضیاب ہونے اور راہ حق پانے کا نادر موقع گنوا دیا اور اپنی پست فطرت کے چہرے سے سارے نقاب الٹ دیے۔ قرآن کریم کی روشنی میں ان لوگوں کے خدوخال ملاحظہ فرمایئے

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ
وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ
إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا

''اور تم پر جو اللہ کی نعمت ہوئی اسے یاد رکھو، اور وہ عہد بھی یاد رکھو جو تم نے اس
کے ساتھ باندھا، جب تم نے کہا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔'' (المائدة 7:5)

اس باب میں

آپ کو یہودیوں کے کرتوتوں کی حیرت انگیز تفصیلات ملیں گی۔ ''یہودا'' عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ اس کا مطلب ہے ''جس کی تعریف کی گئی۔'' لیکن یہودی اس نسبت کے باوجود اپنی پوری تاریخ میں کبھی اس تعریف کے مستحق نہیں ٹھہرے۔ مدینہ منورہ میں ان کے تین قبیلے بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ آباد تھے۔ یہ لوگ دولت مند تھے۔ زرگری کے ماہر تھے۔ تجارت پر چھائے ہوئے تھے۔ زراعت بھی خوب کرتے تھے۔ لیکن شکر و سپاس کی بجائے اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخیاں کرتے تھے۔ احکام ربانی میں تحریف کرتے تھے۔ سود کھاتے تھے، جھوٹ بولتے تھے، ہیرا پھیری میں طاق تھے۔ شرک کی گندگی میں مبتلا تھے۔

ماضی میں یہودیوں نے انبیائے کرام کی توہین کی اور بعض نبیوں کو قتل کر ڈالا۔ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو انھوں نے آپ ﷺ سے سخت معاندانہ رویہ اختیار کیا۔ آپ ﷺ نے انھیں اپنے لطف و کرم سے نوازا۔ انھیں مسلمانوں کے برابر حقوق مرحمت فرمائے۔ ان کی سماجی اور مذہبی آزادی کا تحفظ فرمایا۔ لیکن ان بدخصلت لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے احسانات کا جواب بدعہدی، غداری اور سفاکی سے دیا۔ انھوں نے محسنِ انسانیت ﷺ کو متعدد بار شہید کرنے کی سازش کی۔ اگلے اوراق میں قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں یہودیوں کے یہی خد و خال اُجاگر کیے گئے ہیں۔

یہودِ مدینہ کی سازشیں اور جسارتیں

جب اللہ تعالیٰ نے اہلِ عرب کو یہ اعزاز بخشا کہ آخری نبی ان میں سے چنا اور انھیں محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے عزت عطا فرمائی، ان کی آنکھوں سے جاہلیت کے پردے ہٹا دیے اور ان کو قوت اور غلبہ عطا فرمایا تو یہودی حسد اور بغض کی آگ میں جلنے لگے۔ وہ سمجھے بیٹھے تھے کہ آخری نبی یا ان کا میسّیا (Messiah) انھی میں سے مبعوث ہوگا مگر جب یہ اعزاز بنو اسماعیل کو مل گیا تو حسد کے مارے انھوں نے خاتم الانبیاء ﷺ کے بارے میں ہٹ دھرمی اور کفر و انکار کی روش اختیار کی۔ نبی ﷺ کی مدینہ آمد پر بنونضیر کے سردار حُیَی بن اخطب اور اس کے بھائی ابو یاسر کی طرف سے شدید معاندانہ رویے کا اظہار ہوا۔ یہود نے اپنے حسد، بغض اور دشمنی کا اظہار ہر طریقے سے کیا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کو ناقص صفات سے متصف کیا، اللہ کے رسول ﷺ سے مشکل سوالات کیے اور تمسخر اڑایا، آپ کے قتل کی سازشیں کیں، جھوٹی افواہیں پھیلائیں، دشمنوں کی مدد کی، غرض انھوں نے ہر وہ طریقہ اختیار کیا جو وہ بزعم خویش اسلام کو مٹانے کے لیے کر سکتے تھے۔ اس کے باوجود انھوں نے حق کو غالب اور اپنے مکر و فریب اور سازشوں کو ناکام ہوتے دیکھا تو ان میں سے بعض نے اسلام کی عداوت کو دل میں رکھتے ہوئے ظاہراً اسلام قبول کیا تاکہ قتل اور رسوا ہونے سے بچ جائیں۔ ان کی دوستیاں اور ہمدردیاں یہود ہی کے ساتھ تھیں لیکن بظاہر وہ مسلمان تھے۔

پراسرار یہودی گروپ کی مخصوص علامت

قبائل یہود کے معروف دشمنانِ اسلام

مدینہ منورہ کے یہودی اسلام دشمنی میں سب سے آگے تھے۔ ان کے ساتھ وہ لوگ بھی شامل تھے جو ہر چند بلحاظ عقیدہ یہودی ہی تھے لیکن ان کا تعلق یہودی قبائل سے نہ تھا۔ ان کے علاوہ ایسے افراد بھی دعوتِ اسلام

کی مزاحمت کر رہے تھے جو بعدازاں خود مشرف بہ اسلام ہوگئے ان لوگوں کی فہرست درج ذیل ہے۔

بنونضیر: حیی بن اخطب، ابو یاسر بن اخطب، جدی بن اخطب، سلام بن مشکم، کنانہ بن الربیع بن ابی الحُقَیق، سلاّم بن ابی الحقیق جس کی کنیت ابورافع الاعور تھی (اسے رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں نے خیبر کے موقع پر قتل کیا)۔

ربیع بن الربیع بن ابی الحُقَیق، عمرو بن جحّاش، کعب بن اشرف (یہ قبیلہ طے کی شاخ بنی نبہان میں سے تھا اور اس کی ماں بنونضیر سے تھی) اور اس کے دونوں حلیف حجاج بن عمرو اور کردم بن قیس۔

بنوثعلبہ بن الفِطیَون: عبداللہ بن صوریا الاعور (اس زمانے میں حجاز میں اس سے زیادہ تورات کا جاننے والا کوئی نہ تھا)، ابن صَلوبا، مُخَیرِیق (یہ یہود کے بہت بڑے عالم تھے، انھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔)

بنوقینقاع: زید بن اللّصیت، سعد بن حُنیف، محمود بن سَیحان، عُزیز بن ابی عُزیز، عبداللہ بن صیف، سوید بن حارث، رفاعہ بن قیس، فنحاص، اشیَع، نعمان بن اضا، بحری بن عمرو، شأس بن عدیؔ، شأس بن قیس، زید بن حارث، نعمان بن عمرو، سُکین بن ابی سُکین، عدی بن زید، ابوانس نعمان بن ابی اوفی، محمود بن دِحیہ، مالک بن صیف، کعب بن راشد، عازر، رافع بن ابی رافع، خالد، ازار بن ابی ازار، رافع بن حارثہ، رافع بن حُریملہ، رافع بن خارجہ، مالک بن عوف، رفاعہ بن زید بن التابوت، عبداللہ بن سلام بن حارث (یہ یہود کے سب سے بڑے عالم تھے۔ ہجرتِ نبوی کے بعد مسلمان ہوگئے۔ ان کا نام الحُصَین تھا، رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام عبداللہ رکھا۔)


اوران (الجزائر) کا قدیم یہودی معبد جو اب مسجد عبداللہ بن سلام ہے

بنوقریظہ: زبیر بن باطا بن وہب، عزّال بن شَمْوِیل، کعب بن اسد (اسی نے بنوقریظہ والا عہد کیا تھا جو غزوۂ احزاب کے موقع پر توڑ دیا گیا)، شمویل بن زید، جَبَل بن عمرو بن سُکَینہ، نُحّام بن زید، قَردم بن زید، قَردم بن کعب، وہب بن زید، نافع بن ابی نافع، ابونافع، عدی بن زید، حارث بن عوف، کَردَم بن زید، اسامہ بن حبیب، رافع بن رُمَیلہ، جبل بن ابی قُشَیر، وہب بن یہوذا۔

بنوزُرَیق: ان میں سے لبید بن اعصم یہودی تھا جس نے رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا تھا۔

بنوحارثہ: کنانہ بن صُوریا یہودی انھی میں سے تھا۔

بنوعمرو: یہود بنوعمرو میں سے قردم بن عمرو تھا۔

بنونجار: ان میں سے سلسلہ بن برہام یہودی تھا۔

یہ وہ یہودی تھے جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ سے دشمنی اور شر پھیلانے اور اسلام کے خلاف سازشیں کرنے میں آگے آگے تھے، ان لوگوں سے عبداللہ بن سلام اور مُخَیْرِیق مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان دونوں حضرات نے اسلام قبول کر لیا تھا۔[1]


کرسمس کے دنوں ہی میں منائے جانے والے یہودی تہوار "ضیافت انوار" (مینورا) کی شمعیں

یہودِ مدینہ میں وہ تمام عیوب پائے جاتے تھے جن کے لیے وہ دنیا بھر میں شروع ہی سے بدنام چلے آتے ہیں یہ لوگ شرک کی گندگی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اللہ رب العزت کی شان میں بے ادبی کرتے تھے۔ احکام الٰہی میں تحریف کرتے تھے۔ سُود کھاتے تھے۔ جھوٹ بولتے تھے۔ غداری اور معاہدہ شکنی میں ثانی نہ رکھتے تھے۔ ان کی کارگزاریوں کا ذکر قرآن حکیم کی کئی سورتوں میں کیا گیا ہے، ان کے فکر وعمل کی گمراہیوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

[1] السيرة لابن هشام: 2/514-516، البداية والنهاية: 3/235,236.

1 شرک

برے اعمال میں سب سے زیادہ قبیح اور گھناؤنا عمل اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا ہے۔ یہ عادتِ بد یہود میں بدرجۂ اتم موجود تھی۔ وہ عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے تھے۔ اُن کی اس روش کا تذکرہ قرآن میں اس طرح کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ۖ ذَٰلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَاهِهِمْ ۖ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ ۚ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۚ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ۝ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا وَاحِدًا ۖ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝﴾

”اور یہودیوں نے کہا: عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے کہا: عیسیٰ اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ ان کے مُنہ کی بات ہے۔ یہ اس سے پہلے کے کافروں کی بات کی ریس کرتے ہیں۔ اللہ انھیں ہلاک کرے، یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں۔ انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور درویشوں کو (اپنا) رب بنا لیا اور مسیح ابن مریم کو (بھی) حالانکہ انھیں یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ صرف ایک معبود (اللہ) کی عبادت کریں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اس شرک سے پاک ہے جو وہ کرتے ہیں۔“ [1]

اندھیر در اندھیر کے مصداق یہودی محض مشرک ہی نہیں تھے بلکہ ان کے دماغ میں اپنی برتری اور فوقیت کا نشہ بھی بھرا ہوا تھا۔ اسی تکبر اور رعونت کی وجہ سے وہ اپنے من گھڑت افکار و عقائد سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں تھے۔ وہ اپنے باطل افکار و اعمال کی وجہ سے محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع کو محال سمجھتے تھے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: سلّام بن مشکم، ابوانس نعمان بن اوفیٰ، محمود بن دِحیہ، شاس بن قیس اور مالک بن صیف، رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے کہا: ہم آپ کی پیروی کس طرح کریں جبکہ آپ نے تو ہمارا قبلہ ہی چھوڑ دیا ہے اور آپ کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ عزیر اللہ کے بیٹے نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں درج بالا آیت نازل فرمائی۔ [2]

یہودیوں کی گمراہی کا یہ عالم تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی دعوتِ توحید پر تعجب کا اظہار کرتے تھے۔ ابن اسحاق کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ (یہود میں سے) نحام بن زید، قردم بن کعب اور بحری بن عمرو رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اے محمد! واقعی کیا آپ اللہ کے سوا کسی اور الٰہ کو نہیں جانتے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے سوا

[1] التوبة 9:30، 31 [2] السيرة لابن هشام 2/570.

کوئی معبود برحق نہیں۔ مجھے اس کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے اور اسی کی طرف میں دعوت دیتا ہوں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهٰدَةً ۖ قُلِ اللّٰهُ ۖ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ۚ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰی ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ○﴾ (الأنعام 6:19، 20)

’’(اے نبی! ان سے) کہیے: گواہی کے طور پر کون سی چیز سب سے بڑھ کر ہے؟ فرما دیجیے: اللہ میرے اور تمھارے درمیان گواہ ہے اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعے سے میں تمھیں اور جس جس کو یہ پہنچے سب کو ڈراؤں۔ کیا تم اس کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ دوسرے معبود بھی ہیں؟ کہہ دیجیے: میں یہ گواہی نہیں دیتا۔ کہہ دیجیے: صرف وہی ایک معبود ہے اور بے شک میں اس شرک سے بری ہوں جو تم کرتے ہو۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی، وہ اسے اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ جن لوگوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا تو وہ ایمان نہیں لاتے۔‘‘ [1]

2 ذاتِ باری تعالیٰ کی شان میں بے ادبی

یہودیوں کا ایک جتھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا۔ انھوں نے کہا: اے محمد! جب سب کچھ اللہ ہی نے پیدا کیا ہے تو آخر اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ یہ سُن کر آپ ﷺ کو شدید غصہ آیا اور آپ ﷺ ان لوگوں پر اس قدر ناراض ہوئے کہ آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں کی سخت گرفت فرمائی۔ اسی دوران حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لے آئے۔ انھوں نے آپ ﷺ کو تسلی دی اور درخواست کی کہ آپ خاطر جمع رکھیں۔ بعدازاں انھوں نے متذکرہ گستاخ یہودی کے سوال کے جواب میں خود اللہ رب العزت کی طرف سے عطا کردہ یہ جواب مرحمت فرمایا:

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ○ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ○ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ○﴾

(الإخلاص 112:1-4)

’’آپ کہہ دیجیے: وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ اس نے (کسی کو) نہیں جنا اور نہ وہ (خود) جنا گیا۔

[1] السیرۃ لابن ہشام: 568/2.

اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔''

جب آپ ﷺ نے یہ سورت ان یہود کے سامنے تلاوت فرمائی تو انھوں نے کہا: اے محمد! ہمیں تو اپنے رب کے خلقی اوصاف بتائیے؟ اس کا ہاتھ کیسا ہے؟ اس کا بازو کیسا ہے؟ یہ لغو سوالات سُن کر رسول اللہ ﷺ پہلے سے بھی زیادہ غیظ و غضب میں آ گئے اور ان کے اقوال کا رد کرنے لگے۔ جبریل علیہ السلام پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ کو تسلی دی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے لایا ہوا یہ جواب بیان کر دیا:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۚ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ (الزمر 67:39)

''اور انھوں نے اللہ کی قدر نہیں جانی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے اور قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوں گے۔ وہ پاک ہے اور اس شرک سے بالکل بالاتر ہے جو وہ کرتے ہیں۔''[1]

فنحاص یہودی کی اشتعال انگیز جسارت

ایک دفعہ ابوبکر رضی اللہ عنہ یہود کے معبد بیت المدراس میں گئے۔ وہاں انھوں نے بہت سے لوگوں کو فنحاص نامی ایک آدمی کے گرد جمع دیکھا۔ یہ شخص یہود کا ایک عالم تھا۔ اس کے ساتھ ایک اور عالم اشیع بھی موجود تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فنحاص سے کہا: دیکھو! اللہ سے ڈرو اور مسلمان ہو جاؤ۔ اللہ کی قسم! تم جانتے ہو کہ محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ وہ اللہ کی طرف سے حق لے کر آئے ہیں یہی حقیقت تمھاری تورات اور انجیل میں بھی لکھی ہوئی ہے۔ فنحاص نے کہا: ابوبکر! اللہ کی قسم! ہمیں تو اللہ کی کوئی محتاجی نہیں بلکہ اللہ ہمارا محتاج ہے۔ جس طرح وہ ہمارے آگے گڑگڑاتا ہے، ہم نہیں گڑگڑاتے۔ ہم اس سے بے نیاز ہیں۔ وہ ہم سے بے نیاز نہیں اور اگر وہ بے نیاز ہوتا تو ہم سے ہمارے اموال قرض کیوں مانگتا، جیسا کہ تمھارے ساتھی کا دعویٰ ہے۔ وہ تمھیں سود سے منع کرتا ہے اور خود ہمیں سود دیتا ہے۔ اگر وہ ہم سے بے نیاز ہوتا تو ہمیں سود نہ دیتا۔ (معاذ اللہ) ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہودی کی یہ بات سن کر اتنا غصہ آیا کہ آپ نے اس کے چہرے پر بڑے زور سے طمانچہ رسید کیا اور کہا: اے اللہ کے دشمن! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر ہمارے اور تمھارے مابین معاہدہ نہ ہوتا تو میں ابھی تیرا سر تن سے جدا کر دیتا۔ فنحاص رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا اور کہا: اے محمد! دیکھیے آپ کے ساتھی نے میرا کیا حشر کیا ہے؟

[1] السيرة لابن هشام 572,571/2.

رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: ''تمھیں ایسا کرنے پر کس چیز نے اُکسایا؟'' ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! اس اللہ کے دشمن نے انتہائی سنگین بات کہی: اس نے کہا کہ اللہ محتاج ہے اور ہم بے نیاز ہیں۔ جب اس نے یہ کہا تو میں اللہ کی ذاتِ عالی کے لیے غصے میں آ گیا اور اسے تھپڑ دے مارا۔ فنحاص نے اس کا انکار کیا اور کہا: میں نے یہ بات نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے فنحاص کے رد اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تصدیق و تائید میں یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ﴾ (آل عمرٰن 181:3)

''بلاشبہ اللہ نے ان لوگوں کی بات سن لی جنھوں نے کہا: اللہ فقیر ہے اور ہم مال دار ہیں۔ یقیناً ان کی یہ بات ہم لکھ لیں گے اور (وہ بھی) جو وہ نبیوں کو ناحق قتل کرتے رہے اور (قیامت کے دن) ہم ان سے کہیں گے: اب جلانے والے عذاب کا مزہ چکھو۔''

اور جو بات ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غصے کا سبب بنی، اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ ﴾ (آل عمرٰن 186:3)

''البتہ تمھیں تمھارے مالوں اور تمھاری جانوں کے بارے میں ضرور آزمایا جائے گا اور تم ان لوگوں سے جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور ان لوگوں سے جنھوں نے شرک کیا، ضرور تکلیف دینے والی باتیں سنو گے اور اگر تم صبر اور پرہیزگاری اختیار کرو تو بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔''[1]

یہود کا اللہ تعالیٰ سے بخل منسوب کرنا

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نباش بن قیس ایک یہودی تھا۔ ایک دن اس نے بڑی دریدہ دہنی کی، کہنے لگا: (نعوذ باللہ) رب بخیل ہے، خرچ نہیں کرتا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۭ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۭ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰي يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ ﴾ (المآئدۃ 64:5)

[1] السيرة لابن هشام: 559,558/2.

''اور یہودیوں نے کہا: اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ بندھ گئے انھی کے ہاتھ اور لعنت پڑی ان پر ان کے اس قول کی وجہ سے۔ بلکہ اللہ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔ وہ جیسے چاہے خرچ کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ (قرآن) جو آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے، ان میں سے اکثر لوگوں کی سرکشی اور کفر میں اضافے کا باعث بنے گا اور ہم نے قیامت کے دن تک ان کے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دیا ہے۔ جب کبھی وہ لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں تو اللہ اسے بجھا دیتا ہے اور وہ زمین میں فساد کرنے کو دوڑتے ہیں اور اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' [1]

یہود کی خوفناک جسارت اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کو محض انسان کے مشابہ ہی قرار نہیں دیا بلکہ انسان میں موجود ناقص صفات سے بھی اللہ تعالیٰ کو متصف کیا۔ ان میں سے کچھ صفات کا تذکرہ درج ذیل ہے:

(نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ تھک جاتا ہے اور آرام فرماتا ہے

چونکہ یہود کی نگاہ میں اللہ تعالیٰ انسان کے مشابہ قرار پایا، لہٰذا اس کا کوئی کام کر کے تھک جانا اور پھر آرام کا طلب گار ہونا بھی ضروری ٹھہرا۔

امام قتادہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ یہودیوں پر لعنت کرے۔ یہودیوں کا کہنا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر ساتویں دن، یعنی ہفتے کے دن آرام کیا اور اسے وہ یَوْمُ الرَّاحَة یعنی آرام کا دن کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ۝﴾ (قٓ 38:50)

''اور ہمیں کسی قسم کی تھکاوٹ نے نہیں چھوا۔''

یعنی درماندگی، تھکاوٹ اور کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہوئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری آیت میں فرمایا:

﴿اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْىَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْـِۧىَ الْمَوْتٰى﴾ (الأحقاف 46:33)

''کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے سے تھکا

[1] الاستيعاب في بيان الأسباب: 71/2۔ یہ روایت ضعیف ہے۔

نہیں، وہ اس بات پر قادر ہے کہ مُردوں کو زندہ کر دے۔"[1]

(نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ سوتا اور جاگتا ہے

یہود نے جب اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کی طرف تھکاوٹ اور آرام طلبی منسوب کی تو لازم آیا کہ آرام کا ایک اہم ذریعہ تو نیند ہے، چنانچہ ذاتِ باری کو اس صفت کا مستحق ٹھہرانا، ان کے لیے ناگزیر ہوگیا۔ پس ان کی جہالت نے اس ذاتِ پاک کو ان صفات سے متصف بھی کر دیا۔

"تب خداوند گویا نیند سے جاگ اٹھا اس زبردست آدمی کی طرح جو مے کے سبب سے للکارتا ہو۔"[2]

اللہ تعالیٰ کی طرف شرمندگی اور پشیمانی کی نسبت

اللہ تعالیٰ کی طرف شرمندگی اور پشیمانی کی نسبت یہود نے کئی مقامات پر کی ہے۔ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ اپنے کیے ہوئے فیصلوں پر جو گزر چکے ہوں یا پیش آنے والے ہوں، (نعوذ باللہ) پشیمان ہوتا ہے جیسا کہ ذیل کی عبارت سے ظاہر ہے:

"اور خداوند نے دیکھا کہ زمین پر انسان کی بدی بہت بڑھ گئی ہے اور اس کے دل کے تصور اور خیال سدا بُرے ہی ہوتے ہیں۔ تب خداوند زمین پر انسان کو پیدا کرنے سے ملول ہوا اور دل میں غم کیا۔ اور خداوند نے کہا کہ میں انسان کو جسے میں نے پیدا کیا رُوئے زمین پر سے مٹا ڈالوں گا۔ انسان سے لے کر حیوان اور رینگنے والے جاندار اور ہوا کے پرندوں تک کیونکہ میں ان کے بنانے سے ملول ہوں۔"[3]

اللہ تعالیٰ بادلوں پر سوار ہوتا ہے

کتاب مقدس (یسعیاہ) میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ کی نسبت یہ جملہ درج ہے:

"دیکھو خداوند ایک تیز رو بادل پر سوار ہو کر مصر میں آتا ہے۔"[4]

(نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ نے کشتی لڑی اور ہار گیا

"اور پو پھٹنے کے وقت تک ایک شخص وہاں اُس سے کشتی لڑتا رہا۔ جب اُس نے دیکھا کہ وہ اُس پر

[1] تفسیر ابن کثیر، تفسیر القرطبي، ق 38:50. [2] کتاب مقدس (زبور) 65:78. [3] کتاب مقدس (پیدائش) 6:5-8. [4] کتاب مقدس (یسعیاہ) 1:19.

غالب نہیں ہوتا تو اُس کی ران کو اندر کی طرف سے چھوا اور یعقوب کی ران کی نس اُس کے ساتھ کُشتی کرنے میں چڑھ گئی۔ اور اُس نے کہا مجھے جانے دے کیونکہ پَو پھٹ چلی۔ یعقوب نے کہا کہ جب تک تُو مجھے برکت نہ دے میں تجھے جانے نہیں دُوں گا۔ تب اُس نے اُس سے پُوچھا کہ تیرا کیا نام ہے؟ اُس نے جواب دیا یعقوب۔ اُس نے کہا کہ تیرا نام آگے کو یعقوب نہیں بلکہ اسرائیل ہوگا کیونکہ تُو نے خُدا اور آدمیوں کے ساتھ زور آزمائی کی اور غالِب ہُوا۔" [1]

اللہ تعالیٰ کی پشت

"اور جب تک میں نکل نہ جاؤں تجھے اپنے ہاتھ سے ڈھانکے رہوں گا۔ اس کے بعد میں اپنا ہاتھ اٹھالوں گا اور تو میرا پیچھا دیکھے گا لیکن میرا چہرہ دکھائی نہیں دے گا۔" [2]

یہ وہ چند صفات ہیں جن سے یہود نے اللہ تعالیٰ کو متصف کیا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾

"کائنات کی کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں اور وہ خوب سننے اور خوب دیکھنے والا ہے۔" [3]

﴿لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ﴾

"نہ اسے اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔" [4]

اللہ تعالیٰ ان صفات سے بری ہے جو وہ اپنی کتابوں میں بیان کرتے ہیں۔

﴿سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يَصِفُونَ﴾

"وہ ان باتوں سے پاک اور بالاتر ہے جو یہ لوگ کہتے ہیں۔" [5]

3 بعض انبیاء اور کتبِ سماوی کا انکار

جو قوم اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ شرک کرے اور اس کی شان عالی کے منافی رویے اور بے ادبیوں میں بے باک ہو اس سے یہ ہرگز بعید نہیں کہ وہ بعض انبیاء کی نبوت سے انکار کر دے اور اپنے عناد کی بناء پر ان کی شریعت ہی سے منکر ہو جائے۔

1 کتاب مقدس (پیدائش)32:24-28۔ 2 کتاب مقدس (خروج)33:22,23۔ 3 الشورٰی 42:11۔ 4 البقرۃ 2:255۔
5 الأنعام 6:100۔

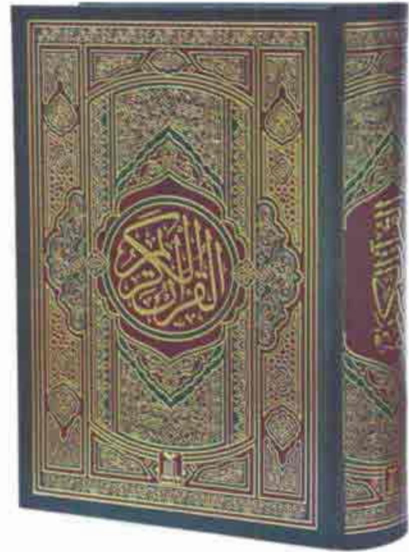
یہود نے نبی ﷺ کی نبوت سے انکار بھی اسی وجہ سے کیا کہ اس طرح انھیں اپنے عقاید باطلہ، اعمال رذیلہ اور افکار شیطنہ سے ہاتھ دھونے پڑ جاتے۔

یہود کا محمد ﷺ کی نبوت اور قرآن سے انکار

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے یہودی اوس اور خزرج کے خلاف رسول اللہ ﷺ کے ذریعے فتح طلب کیا کرتے تھے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے انھیں عربوں میں سے مبعوث فرمایا تو یہود نے ان کا انکار کیا اور اپنی کی ہوئی باتوں سے بھی مکر گئے۔ معاذ بن جبل اور بشر بن البراء بن معرور نے یہود سے کہا: اے یہود کی جماعت! اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کرلو۔ تم اس سے پہلے ہم پر محمد ﷺ کے ذریعے سے فتح طلب کیا کرتے تھے جبکہ ہم مشرک تھے اور تم ہمیں ان کی بعثت کی خبر دیتے تھے اور ہم سے ان کی صفات بیان کرتے تھے۔

بنو نضیر کے سلّام بن مِشکم نے کہا: وہ ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں لائے جسے ہم جانتے ہوں اور نہ یہ وہ شخص





ہیں جن کا ہم تم سے تذکرہ کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ○﴾

''اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب آ گئی جو اس (کتاب) کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس ہے اور اس سے پہلے وہ ان لوگوں کے خلاف فتح مانگتے تھے جنھوں نے کفر کیا، پھر جب ان کے پاس وہ (حق) آ گیا جسے انھوں نے پہچان لیا تو انھوں نے اس کا انکار کر دیا لہٰذا کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔'' [1]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود کے علماء سے بات کی جن میں عبداللہ بن صوریا اعور اور کعب بن اسد تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا مَعْشَرَ يَهُودَ! اتَّقُوا اللّٰهَ وَأَسْلِمُوا، فَوَاللّٰهِ! إِنَّكُمْ لَتَعْلَمُونَ أَنَّ الَّذِي جِئْتُكُمْ بِهِ لَحَقٌّ»

''اے جماعتِ یہود! اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کر لو۔ اللہ کی قسم! تم جانتے ہو جو میں لے کر آیا ہوں، وہ حق ہے۔''

انھوں نے کہا: اے محمد! ہم اس بات کو نہیں جانتے۔ انھوں نے جانے بُوجھے انکار کر دیا اور اپنے کفر پر ڈٹے رہے۔ اللہ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴾ (النسآء 4:47)

''اے لوگو جنھیں کتاب دی گئی! اس (قرآن) پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا، وہ اس کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمھارے پاس ہے، (تم ایمان لاؤ) اس سے پہلے کہ ہم چہرے بگاڑ دیں اور انھیں پیچھے کی طرف پھیر دیں یا ان پر اسی طرح لعنت بھیجیں جس طرح ہم نے سبت والوں پر لعنت بھیجی تھی اور (یاد رکھو) اللہ کا حکم اٹل ہے۔'' [2]

اسی طرح سُکَین اور عدی بن زید نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اے محمد! ہم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کے بعد کسی انسان پر کوئی چیز نازل کی ہو۔ اس پر اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۭ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۝ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ

[1] البقرة 2:89. [2] السيرة لابن هشام: 2/561.

وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ○﴾

(النسآء 4:163-165)

''(اے نبی!) بے شک ہم نے آپ کی طرف وحی کی جس طرح ہم نے نوح اور ان کے بعد دوسرے نبیوں کی طرف وحی کی اور ہم نے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد اور عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان کی طرف وحی کی اور ہم نے داود کو زبور عطا کی۔ اور ہم نے کئی رسول بھیجے، اس سے پہلے ہم ان کا حال آپ کے سامنے بیان کر چکے ہیں۔ اور کئی رسول ایسے ہیں کہ ان کا حال ہم نے آپ کے سامنے بیان نہیں کیا اور اللہ نے موسیٰ سے (خاص طور پر) کلام کیا۔ اور خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے رسول بھیجے تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے اللہ کو الزام دینے کی گنجائش نہ رہے اور اللہ بڑا زبردست، بڑی حکمت والا ہے۔''[1]

عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار

یہود کے چند لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے جن میں ابویاسر بن اخطب، نافع بن ابونافع، عازر بن ابوعازر، خالد، زید، ازار بن ابوازار اور اشیع شامل تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ کن رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ ﴿وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○﴾»

(البقرۃ 2:136)

''ہم اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔ اور اس پر جو اس نے ہماری طرف نازل فرمایا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور جو نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا۔ ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان تفریق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔''

جب آپ ﷺ نے عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کا ذکر کیا تو یہود نے ان کی نبوت کا انکار کیا اور کہا: ہم عیسیٰ ابن مریم پر ایمان نہیں لاتے اور نہ اس پر جو عیسیٰ پر ایمان رکھتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی:

[1] تفسیر ابن کثیر، النسآء 4:163-165۔

﴿قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ۝﴾ (المآئدۃ 5:59)

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! کیا تم صرف اس وجہ سے ضد رکھتے ہو کہ ہم اللہ پر، اپنی طرف نازل کی گئی کتاب پر اور (ہم سے) پہلے نازل کی گئی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور بے شک تم میں سے اکثر نافرمان ہیں۔''[1]

یہود و نصاریٰ کا باہمی جھگڑا، تورات اور انجیل کا انکار

جب نجران کے عیسائی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو کچھ یہودی علماء بھی آ گئے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں جھگڑا کیا۔ رافع بن حریملہ نے عیسائیوں سے کہا: تم اصل دین پر نہیں ہو، پھر اس نے عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کا انکار کیا۔ نجران کے نصاریٰ میں سے ایک نے یہود سے کہا: تم اصل دین پر نہیں ہو۔ پھر اس نے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور تورات کا انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ۝﴾ (البقرۃ 2:113)

[1] السيرة لابن هشام: 567/2.


نجران کا علاقہ

"اور یہودیوں نے کہا: عیسائی کسی چیز پر نہیں۔ اور عیسائیوں نے کہا: یہودی کسی چیز پر نہیں، حالانکہ وہ دونوں کتاب پڑھتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ علم نہیں رکھتے، انھوں نے بھی ان کے قول سے ملتی جلتی بات کہی، پھر قیامت کے دن اللہ ان کے درمیان اس چیز کا فیصلہ فرمائے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔"

یہود و نصاریٰ کا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اختلاف

اسی ملاقات کے دوران ان یہود و نصاریٰ نے ایک اور اختلاف ظاہر کیا جو ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں تھا۔ یہودی علماء نے کہا: ابراہیم تو یہودی تھے۔ نجرانی عیسائیوں نے کہا: ابراہیم عیسائی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَھٰذَا النَّبِىُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ ﴾ (آل عمران 3:65-68)

"اے اہلِ کتاب! تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو؟ حالانکہ تورات اور انجیل تو اس کے بعد ہی

1 السيرة لابن هشام: 549/2.




تورات اور انجیل کے قدیم نسخے

نازل کی گئی ہیں۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ آگاہ رہو! تم وہ لوگ ہو کہ تم نے اس بات میں جھگڑا کیا جس کا تمھیں کچھ علم تھا تو اب تم اس چیز کی بابت کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمھیں کوئی علم نہیں؟ اور اللہ ہی جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔ ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی، بلکہ وہ صرف حق پرست فرماں بردار تھے اور وہ مشرک نہیں تھے۔ بے شک ابراہیم کے قریب تر وہی لوگ ہیں جنھوں نے ان کی پیروی کی اور یہ نبی اور مومن لوگ۔ اور اللہ مومنوں کا دوست ہے۔''[1]

سلیمان علیہ السلام کی نبوت کا انکار

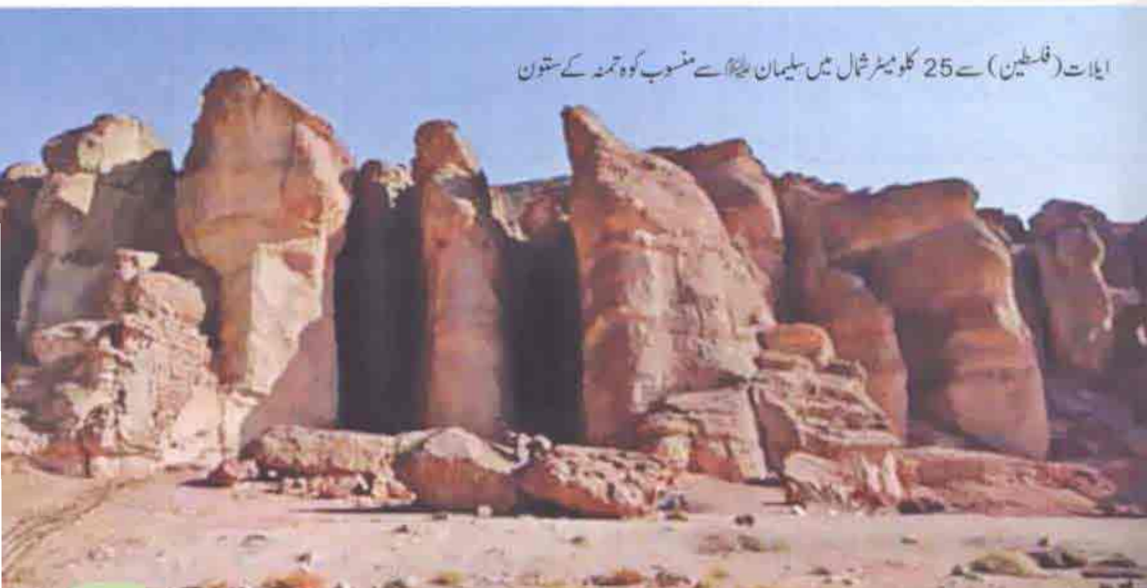
جب رسول اللہ ﷺ نے سلیمان بن داود علیہما السلام کا انبیاء کے ضمن میں ذکر کیا تو بعض یہودی علماء نے کہا: کیا تمھیں محمد (ﷺ) پر تعجب نہیں ہوتا۔ ان کا گمان ہے کہ سلیمان بن داود نبی تھا۔ اللہ کی قسم! وہ تو صرف جادوگر تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا﴾ (البقرة 2:102)

''اور سلیمان نے کفر نہیں کیا بلکہ شیطانوں نے کفر کیا تھا۔''[2]

اس آیت کی تفسیر میں امام سدی بیان کرتے ہیں کہ شیاطین آسمان پر چلے جاتے تھے اور وہاں سننے کے لیے گھات لگا کر بیٹھتے اور فرشتوں کی باتیں سن کر یہ معلوم کر لیتے تھے کہ زمین میں کس کی موت واقع ہونے والی ہے،

[1] السيرة لابن هشام 553/2. [2] السيرة لابن هشام 544/2.



ایلات (فلسطین) سے 25 کلومیٹر شمال میں سلیمان علیہ السلام سے منسوب کوہ تمنہ کے ستون

وہ بارش برسنے یا دیگر معاملات کے بارے میں بھی خبر حاصل کر لیتے تھے۔ فرشتوں سے سنی ہوئی باتیں وہ کاہنوں کو سُناتے اور کاہن لوگوں کو بتا دیتے تھے۔ بعدازاں لوگ دیکھتے کہ وہ باتیں اسی طرح پوری ہوتی ہیں جس طرح کاہنوں نے انھیں بتائی تھیں۔ اس طرح جب کاہنوں نے لوگوں کو اپنے اعتماد میں لے لیا تو پھر ان سے جھوٹ بولنا شروع کر دیا۔ وہ شیطانوں سے سنی ہوئی ایک بات میں ستر ستر باتیں خود اپنی طرف سے ملانے لگے۔

لوگوں نے ان باتوں کو اپنی کتابوں میں لکھنا شروع کر دیا اور بنی اسرائیل میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ جن علم غیب جانتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے لوگوں کے پاس اپنے آدمی بھیج کر ان تمام کتابوں کو جمع کر کے ایک صندوق میں ڈالا اور اُسے اپنی کرسی کے نیچے دفن کر دیا۔ جو شیطان بھی آپ کی کرسی کے قریب آتا، وہ جل کر راکھ ہو جاتا۔ آپ نے فرمایا: ''اگر میں نے کسی کو یہ کہتے سنا کہ شیاطین علم غیب جانتے ہیں تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔''

جب حضرت سلیمان علیہ السلام فوت ہوگئے اور وہ علماء بھی چل بسے جو سلیمان علیہ السلام کے اس فیصلے سے آگاہ تھے اور ان کے ناخلف پیدا ہوگئے تو شیطان انسانی صورت میں بنی اسرائیل کی ایک جماعت کے پاس آیا اور کہنے لگا: کیا میں تمھیں ایک ایسا خزانہ نہ بتاؤں جسے تم کبھی ختم نہ کر سکو؟ انھوں نے کہا: ہاں ضرور بتاؤ۔ شیطان نے کہا: کرسی کے نیچے جگہ کھودو۔ شیطان ان کے ساتھ گیا۔ انھیں وہ جگہ دکھائی اور خود الگ ہو کر دور جا کھڑا ہوا۔ ان لوگوں نے کہا: قریب آئیے۔ اس نے کہا: نہیں، بس میں اسی جگہ ٹھیک ہوں اور تمھارے پاس موجود ہوں۔ اگر یہاں خزانہ ہاتھ نہ آئے تو بے شک مجھے قتل کر دینا۔

انھوں نے جگہ کھودی تو واقعی ان کتابوں کو وہاں موجود پایا۔ کتابیں باہر نکالیں تو شیطان نے کہا: سلیمان انسانوں، شیطانوں اور پرندوں پر اس جادو کی وجہ سے حکومت کرتے تھے۔ یہ کہہ کر شیطان چلا گیا اور بنی اسرائیل میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ سلیمان جادوگر تھے۔ بنی اسرائیل نے ان کتابوں کو محفوظ کر لیا اور جب حضرت محمد ﷺ تشریف لائے تو انھوں نے اپنی کتابوں کی بنیاد پر آپ سے لڑائی جھگڑا شروع کر دیا۔ اس صورتحال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا﴾ [1]

4 یہود کا انبیاء اور رسولوں کو بری صفات سے متصف کرنا

تورات میں بہت سے جرائم رسولوں اور انبیاء کی طرف منسوب کیے گئے ہیں جبکہ انبیاء اور رسول اپنے اپنے

[1] تفسير الطبري، تفسير المنار، البقرة 2:102.

وقت کی بہترین اور افضل ہستیاں تھیں۔ ان پاکیزہ ہستیوں پر کیچڑ اچھالنے کا مقصد یہ ہے کہ انسانوں میں ان کی ممتاز حیثیت اور افضلیت ختم کردی جائے بلکہ یہ باور کرایا جائے کہ ان کا چناؤ اللہ تعالیٰ نے افضلیت کی بنا پر نہیں بلکہ عمومی طور پر کیا ہے، لہٰذا ان انبیاء سے غیر اخلاقی حرکتوں کا سرزد ہوجانا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں گستاخی

(۲۰) اور نوحؔ کاشت کاری کرنے لگا اور اُس نے ایک انگور کا باغ لگایا۝ (۲۱) اور اُس نے اُس کی مے پی اور اُسے نشہ آیا اور وہ اپنے ڈیرے میں برہنہ ہوگیا۝ (۲۲) اور کنعانؔ کے باپ حامؔ نے اپنے باپ کو برہنہ دیکھا اور اپنے دونوں بھائیوں کو باہر آ کر خبر دی۝ (۲۳) تب سمؔ اور یافتؔ نے ایک کپڑا لیا اور اُسے اپنے کندھوں پر دھرا اور پیچھے کو اُلٹے چل کر گئے اور اپنے باپ کی برہنگی ڈھانکی۔ سو اُن کے مُنہ اُلٹی طرف تھے اور اُنہوں نے اپنے باپ کی برہنگی نہ دیکھی۝ (۲۴) جب نوحؔ اپنی مے کے نشہ سے ہوش میں آیا تو جو اُس کے چھوٹے بیٹے نے اُس کے ساتھ کیا تھا اُسے معلوم ہوا۝ (۲۵) اور اُس نے کہا کہ
کنعانؔ ملعون ہو۔
وہ اپنے بھائیوں کے غلاموں کا غلام ہوگا۝

"اور نوح کاشتکاری کرنے لگا اور اس نے ایک انگور کا باغ لگایا۔ اور اس نے اس کی مے پی اور اسے نشہ آیا اور وہ اپنے ڈیرے میں برہنہ ہوگیا اور کنعان کے باپ حام نے اپنے باپ کو برہنہ دیکھا اور اپنے دونوں بھائیوں کو باہر آکر خبر دی، تب سم اور یافت نے ایک کپڑا لیا اور اسے اپنے کندھوں پر رکھا اور پیچھے کو الٹے چل کر گئے اور اپنے باپ کی برہنگی ڈھانکی۔ سو ان کے منہ الٹی طرف تھے اور انھوں نے اپنے باپ کی برہنگی نہ دیکھی۔ جب نوح اپنی مے کے نشہ سے ہوش میں آیا تو جو اس کے چھوٹے بیٹے نے اس کے ساتھ کیا تھا اسے معلوم ہوا۔ اور اس نے کہا کہ کنعان ملعون ہو۔ وہ اپنے بھائیوں کے غلاموں کا غلام ہوگا۔" [1]

حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں فحش بیانی

"اور یوں ہوا کہ جب خدا نے اس ترائی کے شہروں کو نیست کیا تو خدا نے ابرہام کو یاد کیا اور ان شہروں کو جہاں لوط رہتا تھا غارت کرتے وقت لوط کو اس بلا سے بچا لیا۔ اور لوط ضُغر سے نکل کر پہاڑ پر جا بسا اور اس کی دونوں بیٹیاں اس کے ساتھ تھیں کیونکہ اسے ضُغر میں بستے ڈر لگا اور وہ اور اس کی دونوں بیٹیاں ایک غار میں رہنے لگے۔ تب پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بڈھا ہے اور زمین پر کوئی مرد نہیں جو دنیا کے دستور کے مطابق ہمارے پاس آئے۔ آؤ ہم اپنے باپ کو مے پلائیں اور اس سے ہم آغوش ہوں تاکہ اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں۔ سو انھوں نے اسی رات اپنے باپ کو مے

[1] کتاب مقدس (پیدائش) 9:20-25.


لوط علیہ السلام سے منسوب غار ''کہف لوط''

پلائی اور پہلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھ گئی۔ اور دوسرے روز یوں ہوا کہ پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ دیکھ کل رات کو میں اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی۔ آؤ آج رات بھی اس کو مے پلائیں اور تو بھی جا کر اس سے ہم آغوش ہو تاکہ ہم اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں۔ سو اس رات بھی انھوں نے اپنے باپ کو مے پلائی اور چھوٹی گئی اور اس سے ہم آغوش ہوئی پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھ گئی۔ سو لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں۔ اور بڑی کے ایک بیٹا ہوا اور اس نے اس کا نام موآب رکھا۔ وہی موآبیوں کا باپ ہے جو اب تک موجود ہیں۔ اور چھوٹی کے بھی ایک بیٹا ہوا اور اس نے اس کا نام بن عمی رکھا۔ وہی بنی عمون کا باپ ہے جو اب تک موجود ہیں۔'' [1]

حضرت داؤد علیہ السلام پر تہمت

''اور شام کے وقت داؤد اپنے پلنگ پر سے اٹھ کر بادشاہی محل کی چھت پر ٹہلنے لگا اور چھت پر سے اس نے ایک عورت کو دیکھا جو نہا رہی تھی اور وہ عورت نہایت خوبصورت تھی۔ تب داؤد نے لوگ بھیج کر اس عورت کا حال دریافت کیا اور کسی نے کہا کیا وہ اِلعام کی بیٹی بت سبع نہیں جو حتی اوریاہ کی بیوی ہے؟۔ اور داؤد نے لوگ بھیج کر اسے بلالیا۔ وہ اس کے پاس آئی اور اس نے اس سے صحبت کی

[1] کتاب مقدس (پیدائش) 19:29-38.

(کیونکہ وہ اپنی ناپاکی سے پاک ہوچکی تھی)۔ پھر وہ اپنے گھر کو چلی گئی۔ اور وہ عورت حاملہ ہوگئی۔ سو اس نے داؤد کے پاس خبر بھیجی کہ میں حاملہ ہوں۔“ [1]

یہ بائبل کے اوراق سے چند ایک مثالیں ہیں۔ ان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہود نے انبیاء علیہم السلام کی شان میں کس قدر گستاخیاں کی ہیں، حالانکہ انبیاء علیہم السلام ایسی غیر اخلاقی حرکتوں سے یکسر پاک اور معصوم ہیں۔

فی الجملہ یہ یہودیوں کی پرانی عادت تھی کہ وہ کلام ربانی میں تحریف کرتے تھے۔ من بھاتے احکام مان لیتے تھے اور جن حکموں میں اپنا فائدہ نہ پاتے ان میں رد و بدل کر دیتے تھے۔ انھیں انتہائی جلیل القدر پیغمبروں کے پاک دامن پر دھبے لگانے میں بھی کوئی پاس نہ تھا۔ جیسا کہ کتاب مقدس کے متذکرہ بالا اقتباسات سے صاف ظاہر ہے......۔

یہ آسمانی ادب کی آخری کتاب قرآن کریم کا احسانِ عظیم ہے کہ اس نے تمام انبیائے سابقین کے حُسنِ فکر اور حسنِ عمل کی گواہی دی ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے بھی تمام گزشتہ انبیائے کرام کے فکر و عمل کو اللہ تعالیٰ کی منشائے مبارک کا آئینہ دار قرار دیا۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی نہایت ادب کے ساتھ تعریف و توصیف فرمائی ہے اور انھیں ملتِ اسلامیہ کا جلیل القدر باپ قرار دیا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے سیدنا موسیٰ اور سیدنا عیسیٰ علیہما السلام کو اپنا بھائی کہا ہے۔ یہ عظیم المرتبت پیغمبر اللہ رب العزت کی وحدانیت کی تعلیم دیتے تھے اور نیک عمل کی تلقین فرماتے تھے۔ امتِ محمدیہ کا اعتقاد بھی یہی ہے کہ تمام انبیائے صادقین آسمانی سچائیوں کا پیغام لائے تھے۔ انھوں نے توحید کی تعلیم دی تھی اور نیک چلنی پر بڑا زور دیا تھا۔ افسوس یہودیوں نے انبیائے کرام کے اس فکری اور عملی سرمائے پر پانی پھیر دیا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ملکوں ملکوں رُسوا ہوتے رہے۔ آج بھی نہ صرف مسلمان بلکہ دنیا کے تمام صاحب ضمیر بے تعصب انسان یہودیوں کو ان کے کرتوتوں کی وجہ سے حقارت بھری نظر سے دیکھتے ہیں۔

5 محمد رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی

اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ پر بڑا احسان فرمایا۔ انھیں تورات و انجیل کی شکل میں ہدایت کا آسمانی پیغام مرحمت فرمایا، لیکن ان لوگوں نے من مانی کی۔ خود نہیں بدلے۔ احکام ربانی کو بدل ڈالا۔ اپنا گھناؤنا کردار چھپانے کی کوشش کی۔ ہدایاتِ ربانی کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ نبی آخرالزماں حضرت محمد ﷺ کے ظہور مبارک کے سلسلے میں تورات و انجیل میں جو واضح بشارات دی گئیں اُسے من گھڑت معنی پہنائے اور بزعم خویش اس خوش فہمی میں مبتلا ہوگئے کہ نبی آخرالزماں ہماری ہی موہوم اور بے اصل فکر و عمل کا موید ہوگا۔ لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے اللہ رب العزت کی

[1] کتاب مقدس (سموئیل) 11:2-5.

وحدانیت کا اعلان کیا اور اعمالِ صالحہ کا راستہ روشن کیا تو یہود و نصاریٰ بھڑک اٹھے۔ یہی وہ موڑ ہے جہاں اختلافات نے سر اُٹھایا۔ یہودی یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ جس طرح ہم تورات و انجیل میں من مانی کرتے ہوئے کمی بیشی کر دیتے ہیں اسی طرح ہمیں شریعت محمدی ﷺ میں بھی بلا مواخذہ نقب لگانے کا موقع ملے گا۔ لیکن انھیں نے یہ موقع نصیب نہ ہوسکا۔ چنانچہ انھوں نے جھنجلا کر محسن انسانیت ﷺ سے گستاخانہ برتاؤ شروع کر دیا۔ آئندہ سطروں میں آپ کو یہودیوں کی ایسی ہی کارستانیاں نظر آئیں گی۔

یہود رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بے ادبی سے پیش آتے تھے۔ انھوں نے آپ ﷺ کو سلام کرنے کا نہایت توہین آمیز اور اذیت ناک طریقہ اختیار کرلیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: چند یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اَلسَّامُ عَلَيْكَ يَا أَبَا الْقَاسِمِ! ''اے ابوالقاسم! تمھیں موت آئے۔'' میں نے جواب میں کہا: تمھی کو موت آئے اور اللہ تمھارا بُرا کرے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: «مَهْ يَا عَائِشَةُ! فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفُحْشَ وَلَا التَّفَحُّشَ» ''عائشہ! اس طرح مت کہو۔ اللہ بیہودگی اور بیہودہ گو بننے کو پسند نہیں فرماتا۔'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! جو کچھ انھوں نے کہا ہے، وہ بھی تو آپ دیکھ رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «أَلَسْتِ تَرَيْنِي أَرُدُّ عَلَيْهِمْ مَا يَقُولُونَ؟ وَ أَقُولُ: وَعَلَيْكُمْ» ''کیا تم نے مجھے نہیں دیکھا کہ میں نے ان کا کہا انھی پر لوٹا دیا ہے؟ اور کہہ دیا ہے: وَعَلَيْكُمْ (اور تمھیں بھی)۔'' پھر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نُهُوا عَنِ النَّجْوَىٰ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَيَتَنَاجَوْنَ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ ۖ وَإِذَا جَاءُوكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللَّهُ وَيَقُولُونَ فِي أَنفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ ۚ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا ۖ فَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴾ (المجادلة 8:58)

''کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنھیں سرگوشیاں کرنے سے روکا گیا تھا، پھر وہ اس چیز کی طرف لوٹتے ہیں جس سے انھیں روکا گیا تھا اور وہ گناہ، زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں۔ اور جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ کو اس کلمے کے ساتھ سلام کہتے ہیں کہ اللہ نے اس کے ساتھ آپ کو کبھی سلام نہیں کیا۔ اور وہ اپنے دل میں کہتے ہیں: اللہ ہمیں اس کی وجہ سے کیوں عذاب نہیں دے دیتا جو ہم کہتے ہیں؟ ان کے لیے جہنم کافی ہے، وہ اس میں داخل ہوں گے، پس وہ (کس قدر) بُرا ٹھکانہ ہے۔'' [1]

یہود مدینہ کی نبی ﷺ سے دشمنی اور اسلام کے ساتھ گھناؤنا کردار اس واقعے سے بھی نمایاں ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو کوئی ایک قرآنی آیت یا متعدد آیات تلاوت کر کے سناتے جن میں اسلام کے نئے

[1] صحيح البخاري: 2935، صحيح مسلم: 2166,2165، زاد المسير لابن الجوزي، المجادلة 8:58.

امور و احکام ہوتے تو مسلمان رسول اللہ ﷺ سے عرض کرتے تھے: ﴿رٰعِنَا﴾ ہم سے رعایت (نرمی) کیجیے، یعنی ہمارا انتظار کیجیے حتی کہ ہم آپ کی بات سمجھ لیں اور یاد کرلیں۔ اسی سے ملتا جلتا عبرانی یا سریانی زبان کا ایک لفظ رَاعِینَا ہے جسے یہود اپنی زبان میں گالی دینے کے لیے استعمال کرتے تھے، اس کے معنی ہیں: "سن کر بھی نہ سمجھنے والا۔" جب یہود نے مسلمانوں کو نبی ﷺ کے لیے لفظ ﴿رٰعِنَا﴾ استعمال کرتے دیکھا تو انھیں اپنی بدنیتی پوری کرنے کا موقع مل گیا اور وہ آپ ﷺ کو رَاعِینَا کہہ کر پکارنے لگے۔ اس سے ان کا مقصد گالی دینا تھا۔



عبرانی رسم الخط کا عکس

ایک روایت میں ہے کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے جب ان لوگوں سے یہ الفاظ سنے تو کہا: او اللہ کے دشمنو! تم پر اللہ کی لعنت۔ اگر اب تم میں سے کسی شخص کو میں نے سنا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو ان الفاظ سے مخاطب کر رہا ہے تو میں یقیناً اس کی گردن تن سے جدا کر دوں گا۔ انھوں نے کہا: کیا خود تم یہ لفظ نہیں کہتے؟ پھر اس بارے میں آیت نازل ہوئی جس میں مومنین کو اس لفظ کے استعمال کی ممانعت کر دی گئی۔[1]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رٰعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۗ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○﴾

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم (نبی سے) یہ نہ کہو ﴿رٰعِنَا﴾ (ہماری رعایت کر) بلکہ تم کہو ﴿انْظُرْنَا﴾ (ہماری طرف دیکھ) اور تم (غور سے) سنو۔ اور کافروں کے لیے بہت دردناک عذاب ہے۔"[2]

6 انبیاء و صالحین کا قتل

یہود نے ایک طرف تو اپنے انبیاء اور علماء کو عبودیت اور تقدس کا درجہ دیا اور دوسری طرف ان کے خلاف سخت محاذ آرائی بھی کی۔ یہ صرف یہود ہی ہیں جنھوں نے اپنے انبیاء یا رسولوں کو قتل کیا۔ ان کے سوا یہ جسارت کسی اور

1 تفسير أبي السعود، البقرة 2:104. 2 البقرة 2:104.

قوم نے نہیں کی۔ انھوں نے اپنی طرف بھیجے گئے نبیوں کو قتل کیا۔ نبی زکریا اور یحیٰ علیہما السلام ان کے ظلم و ستم کا شکار ہوئے۔ اسی ظلم و ستم کی وجہ سے یہ غضبِ الٰہی اور ذلت کے مستحق ٹھہرے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس ظلم کا تذکرہ قرآن میں اس طرح کیا ہے:

﴿وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ؈﴾

"اور ان پر ذلت اور محتاجی مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹے۔ یہ اس لیے ہوا کہ بے شک وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ یہ اس لیے ہوا کہ انھوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے بڑھ جانے والے تھے۔"[1]

جب بھی انبیاء اللہ کی طرف سے ایسے احکام لاتے جو ان کی نفسانی خواہشات کے خلاف ہوتے تو وہ اسے جھٹلا دیتے اور احکام لانے والے پیغمبر کو ظلم و ستم کا نشانہ بناتے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ۗ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ؈﴾

"یقیناً ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا تھا اور ہم نے ان کی طرف کئی رسول بھیجے۔ جب ان کے پاس کوئی رسول ایسی چیز لے کر آیا جسے ان کے نفس پسند نہیں کرتے تھے تو بعض نبیوں کو انھوں نے جھٹلایا اور بعض کو وہ قتل ہی کر دیتے تھے۔"[2]

[1] البقرۃ 61:2۔ [2] المآئدۃ 70:5۔

رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کی یہودی سازشیں

یہود رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بے ادبی اور گستاخی سے پیش آنے تک محدود نہیں رہے بلکہ جیسا کہ انھوں نے بعض دوسرے انبیاء کو قتل کیا، اسی طرح رسول اللہ ﷺ کو بھی قتل کرنے کی مذموم کوششیں کیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان کی سازشوں سے محفوظ رکھا۔

جادو کے ذریعے قتل کرنے کی کوشش

یہود بنی زُرَیق میں سے ایک شخص لبید بن اعصم نے رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک شخص لبید بن اعصم نے رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا جس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کسی چیز کے متعلق خیال کرتے کہ آپ نے فلاں کام کر لیا ہے، حالانکہ وہ کام آپ نے نہ کیا ہوتا، حتی کہ ایک دن یا ایک رات رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے۔ آپ مسلسل دعا کر رہے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عائشہ! کیا تمھیں معلوم ہے کہ اللہ سے جو بات میں پوچھ رہا تھا، اس نے مجھے اس کا جواب دے دیا ہے؟ میرے پاس دو شخص (فرشتے) آئے۔ ایک میرے سر کی طرف کھڑا ہو گیا اور دوسرا میرے پاؤں کی طرف۔ ایک فرشتے نے اپنے دوسرے ساتھی سے پوچھا: ان صاحب کی بیماری کیا ہے؟ دوسرے نے کہا: ان پر جادو کیا گیا ہے۔ انھوں نے پوچھا: کس نے جادو کیا ہے؟ جواب دیا: لبید بن اعصم نے۔ پوچھا: کس چیز کے ذریعے؟ جواب دیا: کنگھے اور سر کے بال کے ذریعے جو نر کھجور کے خوشے میں رکھے ہوئے ہیں۔ اس نے سوال کیا: یہ جادو ہے کہاں؟ جواب دیا: ذروان کے کنویں میں!''

رسول اللہ ﷺ چند صحابہ کے ساتھ اس کنویں پر تشریف لے گئے۔ واپس آئے تو فرمایا:

«يَا عَائِشَةُ! كَأَنَّ مَاءَ هَا نُقَاعَةُ الْحِنَّاءِ وَكَأَنَّ رُؤُسَ نَخْلِهَا رُؤُسُ الشَّيَاطِينِ»

''اے عائشہ! اس کنویں کا پانی ایسا تھا جیسے مہندی کا نچوڑ ہوتا ہے اور اس کے کھجور کے درختوں کے سر شیطان کے سروں کی طرح تھے۔''

میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ نے اسے کھولا کیوں نہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«قَدْ عَافَانِي اللّٰهُ فَكَرِهْتُ أَنْ أُثِيرَ عَلَى النَّاسِ فِيهِ شَرًّا»

''اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے عافیت دے دی، اس لیے میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ کسی دوسرے پر اس کی برائی ڈالوں۔''

پھر آپ نے اس کی تدفین کا حکم دیا اور اسے دفن کر دیا گیا۔[1]

زہریلا گوشت کھلا کر شہید کرنے کی مذموم کوشش

جب مسلمانوں نے خیبر فتح کر لیا تو سلام بن مشکم یہودی کی بیوی اور مرحب یہودی کی بہن زینب بنت حارث نے رسول اللہ ﷺ کو زہر دے کر ہلاک کرنے کی کوشش کی۔ اسے یہ معلومات مل گئی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ صدقہ قبول نہیں فرماتے، ہدیہ قبول کر لیتے ہیں اور آپ کو بکری کے بازو (دستی) کا گوشت زیادہ پسند ہے، لہٰذا اس نے دستی کو خوب زہر آلود کرنے کے بعد بھنی ہوئی بکری رسول اللہ ﷺ کو بطور ہدیہ پیش کی۔ اس وقت آپ کے ساتھ ایک

[1] صحیح البخاري: 5763، صحیح مسلم: 2189.


قلعہ مرحب یہودی (خیبر)

صحابی بشر بن البراء رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے دستی کا ٹکڑا لے کر چبایا، بشر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کیا اور گوشت کا ٹکڑا نگل لیا لیکن رسول اللہ ﷺ نے نہیں نگلا بلکہ پھینک دیا، پھر آپ نے اس یہودیہ زینب بنت حارث کو بلاکر تحقیق فرمائی تو اس نے اعترافِ جرم کرلیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''تمھیں اس کام پر کس چیز نے اُکسایا؟'' اس نے کہا: جو کچھ آپ نے میری قوم کے ساتھ کیا ہے، وہ آپ پر مخفی نہیں۔ میں نے چاہا کہ اگر آپ بادشاہ ہیں تو ہم آپ سے خلاصی پائیں اور اگر آپ نبی ہیں تو عنقریب آپ کو خبر کر دی جائے گی۔ آپ ﷺ نے بدلہ نہیں لیا بلکہ اسے معاف کر دیا۔

بشر بن البراء رضی اللہ عنہ ایک سال تک اس زہر کے عواقب کی وجہ سے شدید تکلیف میں مبتلا رہے اور اسی زہر کے نتیجے میں وفات پا گئے تو زینب بنت حارث کو قصاص میں قتل کر دیا گیا۔ اسی تکلیف کا ذکر رسول اللہ ﷺ نے اپنی موت کے وقت اس موقع پر کیا جب ام بشر رضی اللہ عنہا آپ کی عیادت کے لیے تشریف لائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا زِلْتُ أَجِدُ مِنَ الْأُكْلَةِ الَّتِي أَكَلْتُ بِخَيْبَرَ فَهٰذَا أَوَانُ قَطَعَتْ أَبْهَرِيَّ»

''جو لقمے میں نے خیبر میں کھائے تھے، میں ہمیشہ ان کی تکلیف محسوس کرتا رہا ہوں، اب یہ وقت آ گیا ہے کہ انھوں نے میری شہ رگ کاٹ دی ہے۔''

اسی لیے مسلمان سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی موت شہادت کی موت تھی جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوازا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کو پتھر مار کر قتل کرنے کا حربہ

بنو عامر اور بنونضیر (یہودی قبیلے) کے مابین ایک معاہدہ تھا جو رسول اللہ ﷺ نے طے کرایا تھا۔ بنونضیر میں سے ایک شخص عمرو بن امیہ ضمری نے بنو عامر کے دو اشخاص کو قتل کر دیا تو رسول اللہ ﷺ بنونضیر کی طرف ان مقتولین کی دیت میں مدد طلب کرنے تشریف لے گئے۔ جب آپ یہود بنونضیر کے پاس پہنچے تو انھوں نے کہا: اے ابوالقاسم! آپ جس طرح پسند کریں، ہم آپ کی مدد کریں گے، پھر وہ باہم کُھسر پُھسر کرنے لگے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ ان کی حویلی کی دیوار کے کونے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے کہا: یہ موقع خوب ہے، تم انھیں ایسی (الگ تھلگ) حالت میں کبھی نہیں پاؤ گے۔ کون ہے جو اس گھر کی چھت پر جائے اور ان پر پتھر (چٹان) گرا کر ہمیں ان سے راحت بخشے؟ ان میں سے ایک آدمی عمرو بن جحاش بن کعب اس سفاکی کے لیے تیار ہوگیا۔ اس نے کہا: یہ کام میں

[1] صحيح البخاري: 3169، سنن أبي داود: 4508-4514، السيرة لابن هشام: 353,352/3، الروض الأنف: 83/4.

بنونضیر کے سردار کعب بن اشرف کا قلعہ



انجام دوں گا، چنانچہ وہ پتھر پھینکنے کے لیے چھت پر چڑھ گیا۔

رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے تھے جن میں ابوبکر، عمر اور علی رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ عین اس وقت آپ پر آسمان سے قومِ یہود کے ناپاک ارادے کی خبر نازل ہوئی، چنانچہ آپ اُٹھ کھڑے ہوئے اور مدینہ کی طرف چل دیے۔ جب رسول اللہ ﷺ دیر تک واپس تشریف نہ لائے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کو تلاش کرنے نکلے۔ انھوں نے ایک آدمی کو مدینہ سے آتے دیکھا تو اس سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا: میں نے آپ ﷺ کو مدینہ میں داخل ہوتے دیکھا ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھی آپ کے پاس پہنچے تو آپ نے انھیں یہود کی سازش سے مطلع فرمایا اور جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا۔[1]

[1] السیرۃ لابن ھشام :3/200,199، الروض الأنف :3/388,387.

یہود کی بدعہدیاں اور مجرمانہ خیانتیں

یہودی وعدہ شکن لوگ تھے۔ بے تکلف جھوٹ بولتے تھے۔ غداری اور مکاری ان کی سرشت میں شامل تھی۔

رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے ساتھ یہود نے بہت بدعہدیاں کیں۔ یہود کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا معاہدہ تھا کہ وہ بیرونی حملے یا جنگ کی صورت میں مسلمانوں کی مدد کریں گے لیکن جب بدر کے میدان میں مسلمانوں کو مشرکین مکہ پر فتح نصیب ہوئی تو بنوقَینُقاع نے معاہدہ توڑ دیا۔ ان لوگوں نے سوق بنی قینقاع میں ایک مسلمان عورت کی بے حرمتی کی جس پر طرفین کا ایک ایک شخص مارا گیا۔

یوں غزوۂ بنوقینقاع پیش آیا جس کے نتیجے میں بنوقینقاع کو شام کی طرف جلا وطن ہونا پڑا۔ اس کے بعد 4ھ 625ء میں یہود بنونضیر نے بدعہدی اور خیانت کا مظاہرہ کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کی تو انھیں بھی جلا وطن کر دیا گیا اور وہ خیبر میں جا بسے۔ اسی طرح یہود بنوقریظہ نے غزوۂ احزاب کے موقع پر عہد شکنی کی۔ ان کی سنگین بدعہدی کی وجہ سے انھیں قتل کیا گیا۔

عہد شکنی پر یہود کے خلاف قرآن کی گواہی

سورۂ بقرہ میں ارشاد باری ہے:

﴿ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ﴾

مساجد سبعہ (مقام غزوہ خندق)

''کیا ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا رہا ہے کہ جب انھوں نے کوئی عہد کیا، تو ان میں سے ایک نہ ایک گروہ نے اسے ضرور بالائے طاق رکھ دیا۔'' [1]

اسی طرح اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿ الَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ○﴾

''(اے نبی!) وہ جن سے آپ نے معاہدہ کیا، پھر وہ ہر بار اپنا عہد توڑتے ہیں اور ذرا بھی (اللہ کا) خوف نہیں کرتے۔'' [2]

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ ﴾

''ان کے عہد توڑ ڈالنے کی وجہ سے ہم نے ان پر اپنی لعنت کی۔'' [3]

یہود کی خیانت کا ذکر قرآن میں

یہودیوں میں خیانت کا عیب کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ ان کی خیانت کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ﴾

''اور آئے دن تمھیں ان کی کسی نہ کسی خیانت کا پتہ چلتا رہتا ہے۔ ان میں سے بہت کم لوگ اس عیب سے بچے ہوئے ہیں۔'' [4]

یہودی مال و دولت کے اس قدر پرستار تھے کہ ایک دینار کے معاملے میں بھی خیانت پر تل جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ﴾

''اور کسی کا حال یہ ہے کہ اگر تم ایک دینار بھی امانت رکھو تو وہ ادا نہ کرے گا، اِلَّا یہ کہ آپ ہمیشہ ان کے سر پر کھڑے رہیں۔'' [5]

یہود کی بدعہدیوں اور خیانتوں پر ان کی سوا تین ہزار سال کی تاریخ بھی گواہ ہے۔

مسلمانوں سے دشمنی

محمد ﷺ کے سچے نبی ہونے پر واضح اور دوٹوک دلائل میسر آ جانے کے باوجود یہود اپنے بغض و عناد کے باعث

[1] البقرة 2:100. [2] الأنفال 8:56. [3] المآئدة 5:13. [4] المآئدة 5:13. [5] آل عمرٰن 3:75.

ایمان نہیں لائے اور کفر و تکذیب کی دلدل میں دھنستے چلے گئے۔ دراصل بغض و عناد اور سرکشی نے ان کی عقل پر خواہشات نفس کے تالے لگا دیے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ﴾

''اور (اے نبی!) اگر آپ ان لوگوں کے پاس جنھیں کتاب دی گئی، ہر قسم کی نشانی لے آئیں تو بھی وہ آپ کے قبلے کی پیروی نہیں کریں گے اور نہ آپ ان کے قبلے کی پیروی کرنے والے ہیں۔'' [1]

اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر اہل ایمان سے یہود کی عداوت کا ذکر اس طرح فرمایا ہے:

﴿لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا﴾

''تم اہل ایمان کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہود اور مشرکین کو پاؤ گے۔'' [2]

اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں بغض اور عداوت کی روش اختیار کرتے ہوئے یہود کی یہ کوشش رہی کہ وہ ایمان والوں کو ان کے دین سے پھیر دیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا﴾

''اور وہ تو ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے حتی کہ اگر ان کا بس چلے تو تمھیں تمھارے دین سے پھیر دیں۔'' [3]

چونکہ یہود اپنے دین میں رد و بدل کر کے کفر و شرک میں مبتلا ہو گئے تھے، لہٰذا اسلام قبول کرنے والوں کا موحد رہنا انھیں بہت گراں گزرتا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان بھی انھی کی طرح کفر و شرک میں مبتلا ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:



The Great Seal
پر فرعونی ہرم اور دجالی آنکھ نمایاں ہیں

﴿وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً﴾

''وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح وہ خود کافر ہیں، اسی طرح تم بھی کافر ہو جاؤ تاکہ تم اور وہ سب یکساں ہو جائیں۔'' [4]

اللہ تعالیٰ نے مومنین کے لیے ان کے دوستوں اور دشمنوں کی بھی وضاحت کر دی تاکہ مومن اپنے دشمن کے معاملے میں احتیاط برتیں اور نقصان نہ اٹھائیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

[1] البقرة 145:2. [2] المآئدة 82:5. [3] البقرة 217:2. [4] النسآء 89:4.

﴿ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ﴾

''یہودی اور عیسائی تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کے طریقے پر نہ چلنے لگو۔''[1]

اللہ تعالیٰ کے کلام میں تحریف

ہم دوسری جلد کے آخری باب ''بشارات نبوت و رسالت'' میں واضح کر چکے ہیں کہ کس طرح اہل کتاب کلام الٰہی میں تحریف کے مرتکب ہوئے۔ یہودیوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے تورات میں تحریف کی حتی کہ قرآن میں بھی تحریف کی کوششیں کی گئیں لیکن یہ آخری آسمانی کتاب تو اللہ کی حفاظت میں ہے۔ باری تعالیٰ نے یہود کی یہ عادت قرآن مجید میں بیان فرما دی ہے:

﴿ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ﴾

''جن لوگوں نے یہودیت اختیار کی، ان میں کچھ لوگ ہیں جو الفاظ کو ان کے محل سے پھیر دیتے ہیں۔''[2]

وہ ہر قسم کی تحریف کے مرتکب ہوئے، خواہ وہ تحریف کلام میں ہو یا کتابت یا قراءت میں۔ تحریف کا مقصد اللہ کے دین سے لوگوں کو روکنا اور حق چھپانا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

''انھوں نے اللہ کا کلام سنا، پھر خوب سمجھ بوجھ کر دانستہ اس میں تحریف کی۔''[3]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ۝ ﴾

''چنانچہ ہلاکت و تباہی ہے ان (یہود) کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے (تحریف کر کے) کتاب لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں: یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت حاصل کر لیں۔ ان کے ہاتھوں کا یہ لکھا ان کے لیے تباہی کا سامان ہے اور ان کی یہ کمائی ان کے لیے موجب ہلاکت ہے۔''[4]

یہود کی سُود خوری

یہودی سود خوری کو اپنی زندگی کا لازمہ سمجھتے ہیں۔ ان کی معیشت کی بنیاد میں یہی پالیسی ہے کہ ضرورت مندوں

[1] البقرة 2:120. [2] النسآء 4:46. [3] البقرة 2:75. [4] البقرة 2:79.

اور مجبوریوں کے ماروں کو پھنساؤ۔ انھیں سود پر روپیہ دو اور پھر زندگی بھر ان کا خون چوسو۔ اسلام سود کے سخت خلاف ہے۔ اور سودی لین دین کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ قرار دیا ہے۔ تمام سودی معاملات اسلام میں مکمل طور پر حرام ہیں، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾

''اور اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔'' [1]

سود ناجائز طریقے سے لوگوں کا مال کھانے کا ایک ذریعہ ہے، سود کا مال کھانے والوں کے لیے قرآن و سنت میں بڑی سخت وعیدیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ﴾

''جو لوگ سود کھاتے ہیں، ان کا حال اس شخص جیسا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر بدحواس کر دیا ہو۔'' [2]

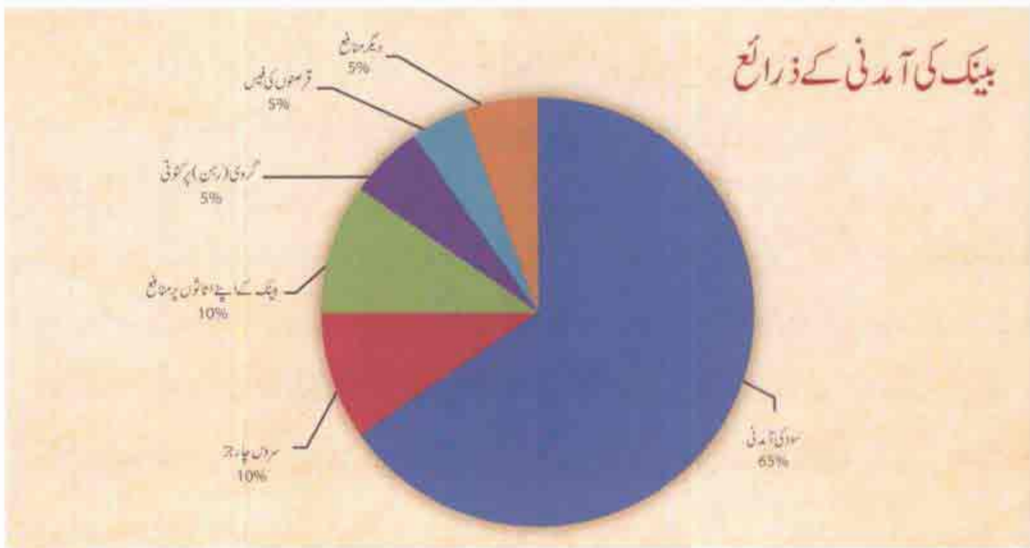
یہ صورتِ حال دنیا میں ہے اور آخرت میں سود خور کے لیے ہمیشہ کا عذاب ہے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾

''اور جو اس حکم کے بعد بھی اسی حرکت کا اعادہ کریں، وہ جہنم والے ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔'' [3]

آج سود خوری کی بدولت انھوں نے پوری دنیا کو اپنے شکنجے میں کس رکھا ہے۔ بغیر کسی محنت، بغیر کسی کام اور بغیر

[1] البقرة 2:275۔ [2] البقرة 2:275۔ [3] البقرة 2:275۔



خسارے کے، مختلف حیلوں بہانوں سے لوگوں کا مال حاصل کرنا ان کا وتیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس گھناؤنی عادت کی وجہ سے ان پر بہت سی حلال چیزیں حرام فرما دیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۝ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوٰلَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ ﴾

''پھر جو لوگ یہودی ہوئے، ان کے ظلم کی وجہ سے اور ان کے، اکثر لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کی وجہ سے ہم نے ان پر کچھ پاک چیزیں حرام کر دیں جو پہلے ان کے لیے حلال تھیں۔ اور اس وجہ سے بھی کہ وہ سود لیتے تھے، حالانکہ انھیں اس سے منع کیا گیا تھا اور اس وجہ سے بھی کہ وہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے۔'' [1]

یہود کا بخل

بخل زمانۂ قدیم سے یہود کے طور اطوار میں شامل ہے۔ وہ نیکی اور رفاہِ عامہ کے کاموں میں مال خرچ کرنے سے کتراتے تھے۔ کسی اچھے کام کے لیے کچھ رقم دینی ہی پڑ جاتی تو وہ بڑی کنجوسی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ وہ انصار سے بھی کہتے تھے کہ تم بھی اپنے اموال خرچ نہ کیا کرو۔ ہمیں ڈر ہے مبادا تم کنگلے ہو جاؤ، لہٰذا اخراجات میں احتیاط سے کام لو، معلوم نہیں آیندہ کیسے حالات ہوں۔ ان کے اس گھٹیا رویے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ ﴾

''ایسے لوگ (بھی اللہ کو پسند نہیں) جو کنجوسی کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی کنجوسی کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اللہ نے اپنے فضل سے جو کچھ انھیں دیا ہے، اسے چھپاتے ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے رسوا کر دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' [2]

آیت کریمہ میں چھپانے سے مراد یہ ہے کہ وہ محمد ﷺ اور آپ کے دین کے متعلق تورات کے تصدیقی و تائیدی بیانات پوشیدہ رکھتے ہیں۔ ان بیانات کو لوگوں کے سامنے نہیں لاتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ ﴾

''مگر جب اللہ نے اپنے فضل سے ان کو دولت مند کر دیا تو وہ بخل پر اتر آئے اور انھوں نے (حق سے)

[1] النسآء 4:160، 161. [2] النسآء 4:37.

منہ موڑ لیا اور وہ (اپنے عہد سے) منحرف ہو گئے۔'' [1]

ایک اور جگہ یہود کی اس صفت کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے:

﴿اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا﴾

''کیا حکومت میں ان کا کوئی حصہ ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو یہ دوسروں کو ایک پھوٹی کوڑی تک نہ دیتے۔'' [2]

دنیا کے مال و متاع کی محبت ان کے رگ و ریشے میں بس چکی تھی۔ دولت ہی کے نشے میں چور ہو کر انھوں نے کہا: اللہ تو فقیر ہے اور ہم مال دار ہیں جیسا کہ قرآن میں اس کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ﴾

''اللہ نے ان لوگوں کی بات سن لی جنھوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مال دار ہیں۔'' [3]

یہود کی بزدلی

یہودیوں کا ایک خاصہ ان کا بزدل ہونا ہے۔ انھیں اپنی جان ہر چیز سے زیادہ پیاری ہے۔ چاہے کتنی ہی لمبی عمر ملے، وہ ان کی نظر میں تھوڑی سی ہوتی ہے، مگر یہ لوگ چاہے جتنی عمر پا لیں، آخر کار انھیں جہنم ہی کا ایندھن بننا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ﴾

''تم انھیں سب سے بڑھ کر جینے کا حریص پاؤ گے حتی کہ یہ اس معاملے میں مشرکوں سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ہر کوئی یہ چاہتا ہے کاش! اسے ایک ہزار سال کی عمر مل جائے، حالانکہ لمبی عمر اسے عذاب سے بچانے والی نہیں اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں۔'' [4]

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جب انھیں حکم دیا گیا کہ ارض مقدس میں داخل ہو جاؤ تو انھوں نے لڑائی کے ڈر سے بستی میں داخل ہونے سے انکار کر دیا اور کہا کہ وہاں تو بہت زبردست لوگ رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بزدلی کا ذکر قرآن کریم میں یوں بیان فرمایا ہے:

﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾

''انھوں نے کہا: اے موسیٰ! ہم تو وہاں کبھی نہیں جائیں گے جب تک وہ (عمالقہ) وہاں موجود ہیں۔ بس تم

[1] التوبة 9:76. [2] النسآء 4:53. [3] اٰل عمرٰن 3:181. [4] البقرة 2:96.

اور تمھارا رب دونوں جاؤ اور لڑو، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔" [1]

یہود کی بزدلی اس طرح بھی عیاں ہے جس طرح قرآن مجید نے واضح کیا ہے کہ وہ سامنے میدان میں آ کر نہیں لڑیں گے بلکہ اوٹ میں رہ کر، دیواروں کے پیچھے، مورچہ بند اور قلعہ بند ہو کر لڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ۭ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ۭ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ﴾

"یہ کبھی اکٹھے ہو کر (کھلے میدان میں) تمھارا مقابلہ نہیں کریں گے، لڑیں گے بھی تو قلعہ بند بستیوں میں بیٹھ کر یا دیواروں کے پیچھے چھپ کر۔ یہ آپس کی مخالفت میں بڑے سخت ہیں۔ تم انھیں اکٹھا سمجھتے ہو مگر ان کے دل جدا جدا ہیں۔" [2]

نہی عن المنکر سے اعراض

یہود بڑے ڈھیٹ تھے۔ برائی دیکھ کر اسے روکتے نہیں تھے، نہ برائی دیکھ کر ان کے ماتھے پر کوئی شکن آتی تھی جبکہ ہر امت کے لوگوں کا یہ اہم فریضہ رہا ہے کہ وہ اچھائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔ جب گناہوں کا ارتکاب اور اللہ کی نافرمانیاں علی الاعلان کھلے بندوں ہونے لگیں اور کوئی روکنے ٹوکنے والا نہ ہو تو قوموں کی بربادی کا وقت آن پہنچتا ہے اور ایسے غافل اور بے حس لوگ اللہ کی لعنت کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ○ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ○ ﴾

"بنی اسرائیل میں سے جو لوگ کافر ہوئے، ان پر داود اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ انھوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے گزر جاتے تھے، وہ ایک دوسرے کو برے کام سے منع نہیں کرتے تھے کہ انھوں نے وہ خود کیا ہوتا تھا۔ بہت برا تھا جو وہ کرتے تھے۔" [3]

یہود کی سنگدلی

قوم بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ نے بے شمار انعامات فرمائے اور انھیں وقت کی تمام قوموں پر فضیلت دی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان سے ظاہر ہے:

﴿ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ○ ﴾

[1] المآئدة 5:24. [2] الحشر 59:14. [3] المآئدة 5:78,79.

''اے بنی اسرائیل! یاد کرو میری اس نعمت کو جس سے میں نے تمھیں نوازا تھا اور اس بات کو کہ میں نے تمھیں دنیا کی ساری قوموں پر فضیلت عطا کی تھی۔'' [1]

لیکن انھوں نے اللہ کے احکام پس پشت ڈال دیے۔ اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے ان کے دل سخت ہو گئے۔ وہ کوئی نصیحت قبول کرتے تھے، نہ اللہ کی طرف رجوع کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً﴾

''(اے بنی اسرائیل!) ایسی نشانیاں دیکھنے کے بعد بھی آخر کار تمھارے دل سخت ہو گئے، پتھروں کی طرح سخت بلکہ سختی میں کچھ ان سے بھی بڑھے ہوئے۔'' [2]

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً﴾

''پھر یہ ان کا اپنے عہد کو توڑ ڈالنا تھا جس کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دُور پھینک دیا اور ان کے دل سخت کر دیے۔'' [3]

اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسولوں کے معجزات دیکھ کر بھی وہ کوئی اثر قبول نہیں کرتے تھے بلکہ الٹا یہ دعویٰ کرتے کہ ہمارے دل محفوظ ہیں، ان پر ان باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ﴾

''وہ کہتے ہیں: ہمارے دل محفوظ ہیں۔ نہیں، اصل بات یہ ہے کہ ان کے کفر کی وجہ سے ان پر اللہ کی پھٹکار پڑی ہے، اس لیے وہ کم ہی ایمان لاتے ہیں۔'' [4]

یہ لوگ اللہ کی نشانیاں اور رسولوں کے پیغامات جھٹلا کر اور نبیوں کو تکالیف پہنچا کر لعنت کے مستحق ٹھہرے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل سخت کر دیے تاکہ وہ حق بات قبول ہی نہ کر سکیں۔

سخت جھگڑالو قوم کے حیلے بہانے

یہود کی ایک خاصیت یہ ہے کہ وہ سخت جھگڑالو ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے احکام سن کر انھیں فوراً قبول نہیں کرتے بلکہ طرح طرح کے بہانے بناتے ہیں اور جھگڑا کرتے ہیں۔ یہ ان کا پُرانا وتیرہ ہے۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو جب

[1] البقرة 2:47. [2] البقرة 2:74. [3] المآئدة 5:13. [4] البقرة 2:88.

ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تو انھوں نے اس چھوٹے سے سیدھے سادے معاملے میں کتنا جھگڑا کیا اور کیسی کیسی مین میخ نکالی۔ اس طرح خود ہی اپنے لیے معاملات کو مشکل سے مشکل تر بناتے رہے۔ انھوں نے اپنے نبی کو مذاق کا نشانہ بنایا اور ان سے نشانیاں طلب کیں، ایک مطالبے کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا مطالبہ کرتے رہے، یہ سارا رویہ ان کے جھگڑالو ہونے کی دلیل ہے۔ [1]

اسی طرح طالوت علیہ السلام کو جب بادشاہ مقرر کیا گیا تو بنی اسرائیل نے اس پر بھی جھگڑا کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْۤا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَ لَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَ زَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَ الْجِسْمِ ؕ وَ اللّٰهُ يُؤْتِیْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۝﴾

''ان کے نبی نے ان سے کہا: اللہ نے طالوت کو تمھارے لیے بادشاہ مقرر کیا ہے۔ یہ سن کر وہ بولے: ہم پر بادشاہ بننے کا وہ کیسے حق دار ہوگیا؟ اس کے مقابلے میں بادشاہی کے ہم زیادہ مستحق ہیں۔ وہ تو کوئی بڑا مالدار آدمی نہیں۔ نبی نے جواب دیا: اللہ نے تمھارے مقابلے میں اسی کو منتخب کیا ہے اور اسے علم اور جسم دونوں میں فراوانی عطا فرمائی ہے اور اللہ کو اختیار ہے کہ اپنا ملک جسے چاہے دے۔ اور اللہ بڑی وسعت رکھتا ہے اور سب کچھ اس کے علم میں ہے۔'' [2]

[1] ملاحظہ فرمایئے: البقرۃ 2:67-73. [2] البقرۃ 2:247.

تل بیت شیان (بیسان) کے قریب ''سکاتھوپولس'' کے کھنڈر جہاں اسرائیلی روایت کے مطابق طالوت علیہ السلام کا سر قلم کیا گیا تھا



یہود کے باطل دعوے

یہود کی اکثریت نے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ اسلام کی دعوت کی راہ میں طرح طرح سے روڑے اٹکاتے رہے اور دوسروں کو بھی اس آسمانی ہدایت سے محروم کرنے کے لیے پورا زور لگا کر اپنا مذموم کردار ادا کرتے رہے۔ اس دوران میں وہ خود کو حق پر ثابت کرنے کی کوشش بھی کرتے رہے اور اپنے غلط موقف کے اثبات کے لیے انھوں نے بہت سے جھوٹے دعوے بھی کیے۔ جن کا یہاں مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

1 یہود کا حق پر ہونے کا دعویٰ

رسول اللہ ﷺ کے پاس رافع بن حارثہ، سلاّم بن مشکم، مالک بن صیف اور رافع بن حریملہ آئے۔ انھوں نے کہا: اے محمد! کیا آپ یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ آپ ابراہیم (علیہ السلام) کے دین پر ہیں اور جو تورات ہمارے پاس ہے، آپ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں، لیکن تم نے اس میں تبدیلیاں کیں اور اللہ نے تم سے جو عہد لیا تھا، تم نے اس کا انکار کر دیا اور جن چیزوں کے بیان کرنے کا تمھیں حکم دیا تھا، انھیں چھپا لیا۔ میں تمھارے ان اعمال سے بری ہوں۔ یہودیوں نے کہا: ہم ہدایت اور حق پر ہیں۔ ہم اسی چیز کو تھامے رکھیں گے جو ہمارے پاس موجود ہے۔ ہم تم پر ایمان لائیں گے نہ تمھاری پیروی کریں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَىْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا۟ ٱلتَّوْرَىٰةَ وَٱلْإِنجِيلَ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ ۗ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم مَّآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَٰنًا وَكُفْرًا ۖ فَلَا تَأْسَ عَلَى ٱلْقَوْمِ ٱلْكَٰفِرِينَ ۝﴾ (المآئدة 68:5)

”(اے نبی!) کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب! تم ہرگز اصل دین پر نہیں ہو جب تک کہ تم تورات اور انجیل اور ان دوسری کتابوں پر ٹھیک ٹھیک عمل نہ کرو جو تمھاری طرف تمھارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ (قرآن) جو آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے، ان میں سے اکثر کی سرکشی اور انکار کو اور زیادہ بڑھا دے گا۔ آپ کافروں کی قوم کا غم نہ کھائیں۔“ [1]

2 اللہ کا محبوب ہونے کا دعویٰ

نعمان بن اضاء، بحری بن عمرو اور شاس بن عدی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے انھیں اللہ کی

1 السيرة لابن هشام: 567/2.

بندگی کی دعوت دی اور اللہ کی پکڑ سے ڈرایا۔

انھوں نے کہا: اے محمد! تم ہمیں کس لیے ڈراتے ہو؟ اللہ کی قسم! ہم تو اللہ کے محبوب اور اس کے بیٹے ہیں، جیسا کہ نصاریٰ نے کہا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ۚ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ۚ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝﴾ (المآئدة 18:5)

''اور یہود اور نصاریٰ نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں۔ ان سے پوچھو، پھر وہ تمھارے گناہوں پر تمھیں سزا کیوں دیتا ہے؟ درحقیقت تم بھی ویسے ہی انسان ہو جیسے اور انسان اللہ نے پیدا کیے ہیں۔ وہ جسے چاہتا ہے معاف کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے۔ زمین اور آسمان اور ان کی ساری موجودات اس کی ملکیت ہیں اور اسی کی طرف سب کو جانا ہے۔''[1]

3 آخرت میں معمولی عذاب ملنے کا دعویٰ

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہود کہا کرتے تھے کہ دنیا کی مدت سات ہزار سال ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو آگ کا عذاب دے گا۔ دنیا کے ہر ہزار سال کے بدلے میں آخرت کے دنوں کے ایک دن کا عذاب ہوگا اور یہ عذاب صرف سات دن جاری رہے گا، پھر عذاب منقطع ہو جائے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۚ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـــَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝﴾
(البقرة 2:80-82)

''اور انھوں نے کہا: آگ ہمیں گنتی کے چند دنوں کے سوا ہرگز نہیں چھوئے گی۔ کہہ دیجیے: کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لیا ہے؟ پھر تو اللہ اپنے عہد کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا، کیا تم وہ بات کہتے ہو اللہ کے بارے میں جو تم نہیں جانتے؟ کیوں نہیں! جس نے کوئی برائی کمائی اور اسے اس کی برائی نے گھیر لیا، تو وہی لوگ دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، وہی

[1] السيرة لابن هشام: 563/2.

جنتی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"[1]

یہود کے مطالبات اور سوالات

رسول اللہ ﷺ نے جب یہود کو اسلام کی دعوت دی تو انھوں نے اپنی عادت کے مطابق رسول اللہ ﷺ کو ستانے اور حق کو ٹھکرانے کے حیلے بہانے تلاش کرنے شروع کر دیے۔ انھوں نے آپ ﷺ سے مختلف مطالبات کیے، مختلف سوالات کیے۔ ان سوالات کا تسلی بخش جواب ملنے پر چند یہودی حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے جبکہ ان کے اکثر ساتھیوں کا مقصد ان سوالات و مطالبات کے ذریعے آپ ﷺ کو اذیت پہنچانا تھا۔

1 قیامت کے بارے میں سوال

جبل بن ابوقشیر اور شمویل بن زید نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اے محمد! اگر تم نبی ہو جیسا کہ تمھارا دعویٰ ہے تو ہمیں بتاؤ قیامت کب قائم ہوگی؟ ان کے اس سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۘ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۭ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (الأعراف 187:7)

"(اے نبی!) وہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ اس کے واقع ہونے کا وقت کون سا ہے؟ کہہ دیجیے: اس کا علم تو میرے رب ہی کے پاس ہے۔ وہی اسے اس کے وقت پر ظاہر کرے گا۔ وہ آسمانوں اور زمین میں بھاری (حادثہ) ہوگی۔ وہ (قیامت) تمھارے پاس بس اچانک ہی آئے گی۔ وہ (لوگ) آپ سے سوال کرتے ہیں جیسے آپ اس (کے وقت) سے بخوبی واقف ہیں۔ کہہ دیجیے: اس کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔"[2]

2 آسمان سے کتاب کے نزول کا مطالبہ

ابن اسحاق سے روایت ہے وہ کہتے ہیں: یہودیوں کے کچھ افراد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ ان میں فنحاص، عبداللہ بن صوریا، ابن صلوبا، کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق، اشیع، کعب بن اسد، شمویل بن زید اور جبل بن عمرو بن سکینہ شامل تھے۔ انھوں نے سوال کیا: اے محمد! کیا تمھیں کوئی انسان یا جن تو اس (قرآن) کی تعلیم نہیں دیتا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کی قسم! تم بہت اچھی طرح جانتے ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور میں

[1] السيرة لابن هشام: 539,538/2. [2] السيرة لابن هشام: 569/2.

اللہ کا رسول ہوں اور تم یہی بات تورات میں بھی پاتے ہو جو تمھارے پاس موجود ہے۔ انھوں نے کہا: اے محمد! بے شک اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو جب مبعوث کرتا ہے تو جو وہ چاہتا ہے اس کے لیے کرتا ہے، پس تم آسمان سے ہم پر کتاب نازل کرادو جسے ہم پڑھ اور جان سکیں ورنہ ہم بھی تمھارے پاس ویسا ہی کلام لائیں گے جیسا تم لے کر آئے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات پر یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۝﴾ (بني إسرآءيل 88:17)

''کہہ دو اگر انسان اور جن سب کے سب مل کر بھی اس قرآن جیسی کوئی چیز لانے کی کوشش کریں تو نہ لاسکیں گے، چاہے وہ سب مل کر ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔''[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ آیت مکی ہے اور اس کا سارا سیاق قریش کے متعلق ہے جبکہ یہود آپ کے پاس مدینہ میں آتے رہے، اس لیے یہود کے بارے میں اس آیت کا نزول محل نظر (معلوم ہوتا) ہے۔[2] واللہ اعلم

3 ذوالقرنین سے متعلق سوال

جب عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اسلام قبول کر چکے تو حیی بن اخطب، کعب بن اسد، ابورافع، اشیع اور شمویل بن زید نے ان سے کہا: تمھارا یہ ساتھی بادشاہ ہے کیونکہ عرب میں نبوت ہے ہی نہیں۔ پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے ان کے سامنے وہی مضمون بیان کیا جو آپ پر اللہ تعالیٰ

[1] السيرة لابن هشام :2/570-571. [2] تفسير ابن كثير، بني إسرآءيل 88:17.



فتح بابل کے بعد ذوالقرنین (سائرس) کا چکنی مٹی کے سلنڈر پر کندہ فرمان
(برٹش میوزیم، لندن)

کی طرف سے اس کے بارے میں نازل ہوا تھا اور جسے آپ پہلے ہی قریش کے روبرو بیان کر چکے تھے۔ یہ یہود انھی لوگوں میں سے تھے جنھوں نے مکہ سے آئے ہوئے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو یہ سوال دے کر رسول اللہ ﷺ کی طرف بھیجا تھا۔[1]

4 رسول اللہ ﷺ سے تحکیم کا مطالبہ

کعب بن اسد، ابن صلوبا، عبداللہ بن صوریا اور شاس بن قیس نے آپس میں کہا: چلو ہم محمد (ﷺ) کے پاس جاتے ہیں اور انھیں ان کے دین کے بارے میں شک و شبہ میں ڈالتے ہیں، آخر وہ بھی تو انسان ہی ہیں۔ ان یہودیوں کا مقصد یہ تھا کہ نبی ﷺ کو فتنے میں مبتلا کریں، چنانچہ وہ سب رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے۔ انھوں نے کہا: اے محمد! بے شک تم جانتے ہو کہ ہم یہود کے علماء، ان کے معزز اور سردار ہیں۔ اگر ہم نے تمھاری پیروی کر لی تو سب یہود تمھاری پیروی کریں گے، وہ ہماری مخالفت نہیں کریں گے۔ بات یہ ہے کہ ہمارے اور ہماری قوم کے کچھ لوگوں کے مابین ایک جھگڑا ہے۔ کیا ہم یہ معاملہ تمھارے پاس لائیں تاکہ تم ہمارے حق میں ان کے خلاف فیصلہ دے دو، پھر ہم تم پر ایمان لے آئیں گے اور تصدیق بھی کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۗ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ۗ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ○ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۗ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ○﴾

(المائدة 5:49، 50)

''اور (اے نبی!) آپ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق ان لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کریں، ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں اور ہوشیار رہیں کہ یہ لوگ آپ کو فتنہ میں ڈال کر اس ہدایت سے ذرہ برابر منحرف نہ کرنے پائیں جو اللہ نے آپ کی طرف نازل کی ہے۔ پھر اگر یہ اس سے منہ موڑیں تو جان لیں کہ اللہ نے ان کے بعض گناہوں کی پاداش میں ان کو مبتلائے مصیبت کرنے کا ارادہ کر لیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ان لوگوں میں سے اکثر فاسق ہیں۔ کیا پھر یہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ حالانکہ جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں، ان کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا اور کون ہوسکتا ہے؟''[2]

---

1 السيرة لابن هشام: 571/2، اس واقعے کی تفصیل جلد: 3، باب ''تبلیغ اسلام سے روکنے کے ناکام حربے'' میں ملاحظہ کیجیے۔

2 السيرة لابن هشام: 567/2.

5 نبی ﷺ سے یہودیت قبول کرنے کا مطالبہ

عبداللہ بن صوریا نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اے محمد! جس کی ہم پیروی کرتے ہیں وہی ہدایت ہے، پس اگر تم ہدایت چاہتے ہو تو ہماری پیروی کرو، یوں ہدایت پا جاؤ گے۔ اور عیسائیوں نے بھی ایسے ہی مطالبہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس مکروہ خواہش کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿ وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۭ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ڮ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَھُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۡ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ○ قُلْ اَتُحَاۗجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَھُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ○ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا ھُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْــَٔـلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ ﴾

(البقرۃ 2:135-141)

''اور انھوں نے کہا: تم یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو تم ہدایت پا جاؤ گے۔ (اے نبی!) کہہ دیجیے: (نہیں) بلکہ ہم تو ملت ابراہیم کی پیروی کرتے ہیں جو سب کو چھوڑ کر ایک اللہ کا ہو گیا اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا۔ آپ کہیں: ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر (ایمان لائے) جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب اور ان کی اولاد کی طرف نازل کیا گیا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور جو نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا، ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان تفریق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔ پھر اگر وہ (اہل کتاب) اس چیز پر ایمان لے آئیں جس پر تم ایمان لائے ہو تو بے شک وہ ہدایت پا جائیں گے اور اگر وہ منہ موڑیں تو پھر وہی ہیں مخالفت میں، سو ان کے مقابلے میں تمھارے لیے اللہ کافی ہے اور وہی خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔ اللہ کا رنگ (اختیار کرو) اور رنگ کے لحاظ سے اللہ سے زیادہ اچھا کون ہے؟ اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔ کہہ دیجیے: کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو؟ حالانکہ وہ ہمارا بھی رب ہے اور تمھارا بھی رب ہے اور ہمارے لیے ہمارے عمل

ہیں اور تمھارے لیے تمھارے عمل اور ہم خالص اسی کے لیے عمل کرنے والے ہیں۔ کیا تم کہتے ہو کہ بے شک ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب اور (ان کی) اولاد یہودی یا عیسائی تھے؟ کہہ دیجیے: کیا تم زیادہ جاننے والے ہو یا اللہ؟ اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے وہ گواہی چھپائی جو اللہ کی طرف سے اس کے پاس ہے؟ اور اللہ اس سے غافل نہیں جو تم عمل کرتے ہو۔ یہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی، اسی کے لیے ہے جو اس نے کمایا اور تمھارے لیے ہے جو تم نے کمایا اور تم سے ان کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا جو وہ عمل کرتے تھے۔"[1]

6 اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا مطالبہ

رافع بن حریملہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اے محمد (ﷺ)! اگر آپ اللہ کی طرف سے رسول ہیں جیسا کہ آپ کہتے ہیں تو آپ اللہ سے کہیے کہ وہ ہم سے ہم کلام ہوتا کہ ہم اس کی بات سنیں۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

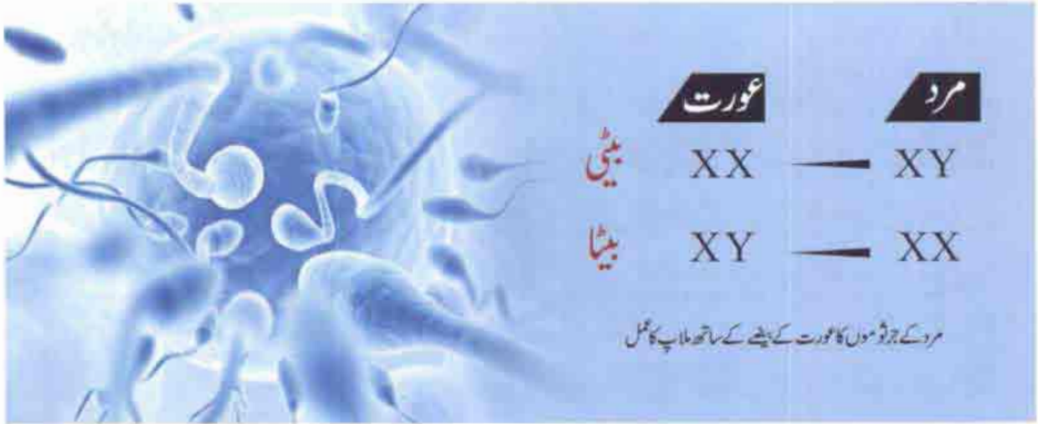
﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۭ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ○ ﴾ (البقرۃ 2:118)

"اور نادان کہتے ہیں کہ اللہ خود ہم سے بات کیوں نہیں کرتا یا کوئی نشانی ہمارے پاس کیوں نہیں آتی؟ ایسی ہی باتیں ان سے پہلے لوگ بھی کیا کرتے تھے، ان (سب اگلے پچھلے گمراہوں) کے دلوں کا حال ایک جیسا ہے۔ یقین لانے والوں کے لیے تو ہم صاف صاف نشانیاں نمایاں کر چکے ہیں۔"[2]

7 یہود کے مزید چار سوالات

چند یہود رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ انھوں نے کہا: اے محمد (ﷺ)! ہم چار چیزوں کا تم سے سوال کریں گے، اگر تم نے جواب دے دیا تو ہم تمھاری تصدیق اور اتباع کریں گے اور تم پر ایمان لے آئیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: "اگر میں نے تمھیں ان کا جواب دے دیا تو تم پر اللہ کا عہد اور میثاق ہے کہ تم میری تصدیق کرو گے۔" انھوں نے کہا: ضرور۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "(اب) تم جو چاہو سوال کرو۔" انھوں نے کہا: ہمیں بتائیے کہ بچہ اپنی ماں کے مشابہ کیسے ہوتا ہے جبکہ نطفہ تو آدمی کا ہوتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: "میں تمھیں اللہ کی اور ان نعمتوں کی جو بنی اسرائیل پر کی گئیں، قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا تم جانتے ہو کہ آدمی کا نطفہ

[1] السیرۃ لابن ہشام: 549/2. [2] السیرۃ لابن ہشام: 549/2.



سفید اور گاڑھا ہوتا ہے جبکہ عورت کا نطفہ پتلا اور زرد ہوتا ہے۔ جونسا بھی دوسرے پر غالب آئے گا، اُسی کی شباہت ہوگی؟'' انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! یہ بات ٹھیک اسی طرح ہے جیسا کہ آپ نے کہی ہے۔

پھر انھوں نے کہا: آپ ہمیں اپنی نیند کے بارے میں بتایئے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمھیں اللہ کا واسطہ اور جو نعمتیں بنی اسرائیل پر کی گئیں، ان کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، کیا تمھیں علم ہے کہ وہ نیند جس کا تمھیں گمان ہے، میری وہ نیند نہیں بلکہ آنکھیں سوتی اور دل جاگتا ہے؟'' انھوں نے کہا: اللہ کی قسم ایسا ہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری نیند اسی طرح کی ہے، میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل جاگتا ہے۔''

انھوں نے کہا: آپ ہمیں بتایئے کہ اسرائیل نے اپنے اوپر کیا حرام کیا تھا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمھیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں اور ان نعمتوں کا جو بنی اسرائیل پر کی گئیں، کیا تم جانتے ہو کہ ان کے نزدیک سب سے محبوب کھانا اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ تھا، پھر انھیں کوئی عارضہ لاحق ہوا۔ اللہ نے ان کو اس سے شفا دی، انھوں نے اللہ کے شکر کے لیے اپنے اوپر اپنا سب سے محبوب کھانا حرام کر لیا۔ انھوں نے اونٹ کا گوشت اور دودھ


اونٹ کے دودھ کی بوتلیں


اونٹ کا گوشت

اپنے اوپر حرام کر لیا۔'' انھوں نے کہا: اللہ کی قسم ایسا ہی ہے۔

انھوں نے کہا: آپ ہمیں روح کے بارے میں بتائیے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمھیں اللہ کا اور ان نعمتوں کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جو بنی اسرائیل پر کی گئیں، کیا تم جانتے ہو وہ جبریل ہے اور وہی میرے پاس آتا ہے؟'' انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہاں، لیکن اے محمد! وہ ہمارا دشمن ہے اور وہ فرشتہ ہے۔ وہ خون بہانے اور سختیوں کے معاملے کے ساتھ ہی آتا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو ہم تمھاری پیروی کرتے۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ۝ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَمَّا جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ڎ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۤ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ڜ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (البقرۃ 2:97-102)

''ان سے کہو جو جبریل سے عداوت رکھتا ہو، (اسے معلوم ہونا چاہیے کہ) جبریل ہی نے اللہ کے حکم سے یہ قرآن تمھارے دل پر نازل کیا ہے جو پہلے آئی ہوئی کتابوں کی تصدیق و تائید کرتا ہے اور ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور بشارت ہے۔ جو کوئی اللہ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کے رسولوں کا اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہے تو بے شک اللہ بھی کافروں کا دشمن ہے۔ اور یقیناً ہم نے آپ کی طرف واضح آیتیں نازل کیں اور نافرمانوں کے سوا کوئی ان کا انکار نہیں کرتا۔ کیا ہمیشہ ایسا ہی نہیں ہوتا رہا کہ جب انھوں نے کوئی عہد کیا، تو ان میں سے ایک نہ ایک گروہ نے اسے ضرور بالائے طاق رکھ دیا؟ بلکہ ان میں سے اکثر ایسے ہی ہیں جو سچے دل سے ایمان نہیں لاتے۔ اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے کوئی رسول اس کتاب کی تصدیق و تائید کرتا ہوا آیا جو ان کے ہاں پہلے سے موجود تھی تو ان اہل کتاب میں سے

ایک گروہ نے کتاب اللہ کو اس طرح پس پشت ڈالا گویا وہ جانتے ہی نہیں۔ اور انھوں نے اس کی پیروی کی جسے شیطان، سلیمان کی بادشاہت میں پڑھتے تھے، حالانکہ سلیمان نے کبھی کفر نہیں کیا۔ کفر کے مرتکب تو وہ شیاطین تھے جو لوگوں کو جادوگری کی تعلیم دیتے تھے۔''[1]

یہود کے عزائم

صہیونی یہودی دنیا پر قبضہ کرنے اور تمام اقوام کو غلام بنانے کے منصوبے پر عمل پیرا ہیں۔ وہ صنم پرست رومیوں کے ہاتھوں عیسائیت کو ختم کروانے میں پیش پیش رہے اور اب اسلام کے خلاف مختلف محاذوں پر مختلف حیلوں سے نبردآزما ہیں۔ کہیں مسلمانوں کا قتلِ عام کیا جا رہا ہے، کہیں ان کے خلاف ذرائع ابلاغ سے جنگ جاری ہے اور مسلمانوں میں بے شرمی اور بے حیائی پیدا کرنے کے نت نئے طریقے بروئے کار لائے جا رہے ہیں۔ مسلمانوں کے وسائل ہڑپ کیے جا رہے ہیں اور ان کی اقتصادیات کو آئے دن تباہ کیا جا رہا ہے، اپنے ایجنٹوں کے ذریعے سے زندگی کے ہر شعبے میں خواتین کو اُوپر لایا جا رہا ہے اور مسلمانوں کو اسلام کے پاکیزہ ضابطوں سے متنفر کرنے کی مذموم کوشش کی جا رہی ہے۔ عالمِ اسلام کے خلاف ہونے والی ہر سازش کے پیچھے یہود ہی کا ہاتھ ہوتا ہے۔ انھوں

[1] السيرة لابن هشام 544,543/2، مسند أحمد: 278/1.


غزہ پر اسرائیلی میزائل حملہ (جنوری 2009)


جب اسرائیلی یہودی فلسطین پر قابض ہوئے (1948ء)

نے ہر سطح پر مسلمانوں کے خلاف اپنے مکروفریب کے جال بچھا رکھے ہیں اور دنیا میں جہاں بھی فساد کی آگ بھڑک رہی ہے، وہ یہود ہی کی کارستانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝﴾

"جب کبھی وہ جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں تو اللہ اسے بجھا دیتا ہے اور وہ زمین میں فساد کرنے کو دوڑتے ہیں اور اللہ فساد کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔" [1]

یہود کے عزائم اور مقاصد ان کے پروٹوکولز سے بھی عیاں ہیں کہ یہ کن ہتھیاروں کے ذریعے مختلف قوموں پر تسلّط جمائے بیٹھے ہیں اور انھیں اپنی غلامی پر مجبور کر رہے ہیں۔ ان کی ان دستاویزات کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح یہ دوسری قوموں کو زیر کرتے ہیں اور کس طرح ان کی طاقت اور وسائل ہڑپ کر کے اپنے استعمال میں لاتے ہیں۔ آج فلسطین، عراق، صومالیہ، افغانستان، ہندوستان اور پاکستان میں مسلمانوں کا جو خون بہہ رہا ہے، ان کے مقدس مقامات کو جس طرح پامال کیا جا رہا ہے اور اسلامی شعائر اور پیغمبر اسلام اور قرآن کی جو آئے دن توہین کی جا رہی ہے، اس کے پس پردہ یہود ہی کارفرما ہیں اور یہ سارے کرتوت اُنھی کے کیے دھرے ہیں۔

[1] المآئدۃ 64:5.

نفاق اور منافقین

نفاق ایک عالم گیر بُرائی ہے۔ منافق ہر زمانے میں اور ہر قوم میں جنم لیتے رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جو منافق موجود تھے، اُن کی عادت یہ تھی کہ مالی فائدہ اُٹھانے اور صدقات و خیرات لینے کے لیے تو سب سے آگے نظر آتے تھے مگر جہاد فی سبیل اللہ کے نام سے جی چُراتے تھے جیسا کہ عبداللہ بن ابی غزوہ احد سے پہلے تین سو منافقین کو ساتھ لے کر لشکر اسلام سے الگ ہو گیا اور لوٹ گیا۔ ان کے لیے نماز پڑھنا دوبھر تھا۔ یہ نماز



جبل احد اور اس کے دامن میں مسجد سید الشہداء

کے لیے مسجد میں آتے تھے تو یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ان پر کوئی بہت بڑا بوجھ آپڑا ہے۔ ایسے ہی لوگوں نے نماز گول کر جانے اور مسلمانوں کی صفوں میں پھوٹ ڈالنے کے لیے مسجد ضرار بنائی تھی۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر ان لوگوں کی منافقت بڑی وضاحت سے سامنے آئی۔ یہ لوگ خود بھی جہاد کے لیے نہیں گئے اور دوسروں کو بھی یہ کہہ کر جہاد پر جانے سے روکتے رہے کہ اتنی شدید گرمی میں اتنی دور جانا موجب ہلاکت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان منافقوں کے فاسد ارادوں کے پیش نظر مسجد ضرار کو ڈھانے کا حکم دیا تھا۔

قرآن کریم نے سورۂ آلِ عمران، نساء، انفال، احزاب، محمد، فتح، حدید، مجادلہ اور سورۂ حشر کے علاوہ ایک پوری سورت المنافقون میں منافقوں کے احوال صراحت سے بیان فرمائے ہیں۔ ان کی ذہنی گمراہیوں اور عملی فتور کے

بھید کھولے ہیں۔ ایمان پر استقامت سے قائم رہنے اور کفر و نفاق سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ ہم یہاں نفاق کی بیماری کا تفصیل سے جائزہ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نفاق سے محفوظ فرمائے۔

نفاق کے لغوی معنی

نفاق نَفَقٌ سے ماخوذ ہے۔ نَفَقٌ زمین کے اندر سرنگ کو کہتے ہیں جس میں کچھ چھپا جا سکتا ہو۔ اسی نسبت سے جو شخص اپنے کفر کو چھپاتا ہے، اسے منافق کہا جاتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ نَافِقَاءُ الْيَرْبُوع سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں: جنگلی چوہے کا ایک سوراخ۔ چونکہ وہ ایک کو چھپاتا ہے اور دوسرے کو ظاہر کرتا ہے، اس لیے اس شخص کو منافق کہا گیا جو کفر کو چھپاتا اور اسلام کو ظاہر کرتا ہے۔ [1]

نفاق کے اصطلاحی معنی

بطور اصطلاح نفاق کے معنی ہیں: اسلام اور خیر کو ظاہر کرنا اور اپنے کفر اور شر کو چھپانا، باطن کا ظاہر سے مختلف ہونا، زبان اور فعل سے وہ بات ظاہر کرنا جو دل کے اعتقاد کے برعکس ہو۔

عرب کے ہاں نفاق ان معنوں میں نہیں لیا جاتا تھا اگرچہ اس لفظ کی اصل لغت عرب میں معروف تھی۔ [2]

نفاق کی ابتدا

جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو آپ نے وہاں دوسری قوموں سے معاہدے کیے جن کی وجہ سے مدینہ میں ایک مدت تک کسی قسم کی محاذ آرائی یا ناروا واقعہ پیش نہیں آیا۔

کچھ مدت بعد جب جنگِ بدر (2 ھ) میں مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوا اور مشرکین مغلوب ہو گئے تو یہود کے دلوں

[1] تاج العروس، مادة: نفق. [2] تاج العروس، مادة: نفق.

میدان بدر، اور مسجد عریش کا ایک منظر

پر مسلمانوں کا رعب اور دبدبہ چھا گیا۔ یہیں سے نفاق کی ابتدا ہوئی۔

سب سے پہلا منافق

غزوۂ بدر میں اللہ تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کو عزت سے نوازا۔ اس وقت عبداللہ بن ابی ابن سلول مدینہ کا سردار تھا۔ اس کا تعلق خزرج قبیلے سے تھا۔ وہ زمانۂ جاہلیت میں اوس اور خزرج دونوں قبیلوں کا سربراہ تھا۔ مدینہ منورہ کے لوگوں نے اسے بادشاہ بنانے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن جب وہ مشرف بہ اسلام ہو گئے تو عبداللہ بن ابی سے بے نیاز ہو گئے۔ اسی وجہ سے یہ شخص اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں اپنے دل میں کینہ رکھتا تھا۔ جنگِ بدر کے نتائج دیکھ کر یہ بھی پکار اٹھا کہ اللہ تعالیٰ کا دین غالب آ گیا ہے۔ اس نے بظاہر اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا مگر اس کے دل میں بدستور کفر جاگزیں تھا۔ یہی وہ پہلا منافق تھا جس نے بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھا مگر دل میں اسلام کے خلاف کینہ اور بغض رکھا۔ اور لوگ بھی اس کے منافقانہ طریقے پر کاربند تھے۔ انھی کی طرح بعض اہل کتاب نے بھی اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ یہیں سے اہل مدینہ اور گردوپیش کے اعراب میں نفاق کی بیماری نے سر اٹھایا۔[1]

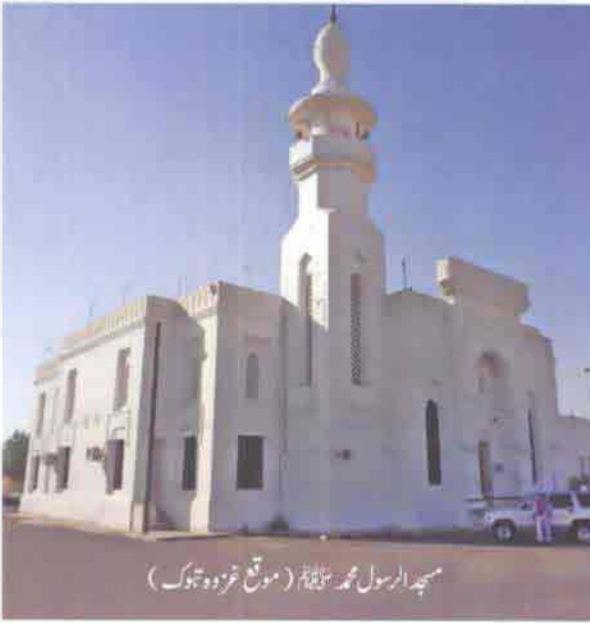
منافق یہودی علماء

وہ یہودی علماء جنھوں نے بظاہر اسلام قبول کیا لیکن حقیقتاً وہ یہودی ہی رہے، ان کے نام درج ذیل ہیں:

1 سعد بن حُنَیف 2 زید بن اللُّصَیت۔ یہی وہ شخص تھا جس نے رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی گم ہونے پر کہا تھا: محمد (ﷺ) کا دعویٰ ہے کہ اسے آسمان سے خبر آتی ہے مگر اسے یہ بھی پتہ نہیں کہ اس کی اونٹنی کہاں ہے! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں کچھ نہیں جانتا سوائے اس چیز کے جس کا علم مجھے اللہ دے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ اونٹنی اس گھاٹی میں ہے، اس کی نکیل درخت میں پھنس گئی ہے جس نے اسے روک رکھا ہے۔'' مسلمانوں میں سے چند لوگ گئے تو انھوں نے اونٹنی کو اُسی حالت میں پایا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا تھا۔

3 نعمان بن اوفیٰ 4 عثمان بن اوفیٰ 5 رافع بن حریملہ۔ یہ وہ شخص ہے جس کے مرنے پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''آج منافقین کے سرداروں میں سے ایک سردار مر گیا ہے۔''

1 تفسیر ابن کثیر، البقرۃ 2:8، 9.


مسجد الرسول محمد ﷺ (موقع غزوہ تبوک)

6 رفاعہ بن زید بن التابوت۔ یہ شخص جس دن مرا، اس دن سخت ہوا چلی اس وقت رسول اللہ ﷺ تبوک سے واپس آرہے تھے۔ ابن ہشام کے مطابق آپ غزوۂ بنی مصطلق سے واپس تشریف لارہے تھے۔ مسلمان اس آندھی سے خوفزدہ ہوگئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ڈرنے کی ضرورت نہیں، یہ ہوا کسی بڑے کافر کے مرنے پر چلی ہے۔'' جب آپ ﷺ مدینہ پہنچے تو پتہ چلا اس دن رفاعہ مرا تھا۔

7 سلسلہ بن برہام 8 کنانہ بن صوریا۔

منافقین کا مسجد سے اخراج

مدینہ کے منافقین مسجد میں حاضر ہوتے، مسلمانوں کی باتیں سنتے اور ان کے دین کے ساتھ ٹھٹھا مذاق کرتے۔ ایک دن منافقین مسجد میں جمع ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ وہ آپس میں سر جوڑے سرگوشیوں میں مصروف ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں مسجد سے نکالنے کا حکم دیا، چنانچہ ان کو سختی کے ساتھ مسجد سے باہر نکال دیا گیا۔ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ عمرو بن قیس نجاری کی طرف لپکے جو جاہلیت میں ان کے بتوں کا رکھوالا تھا۔ ابوایوب اُسے


مسجد نبوی کی تعمیر نو سے پہلے ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے منسوب گھر

ٹانگوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے لے گئے اور مسجد سے باہر نکال آئے۔ اُس وقت وہ ملعون کہہ رہا تھا: اے ابوایوب! کیا تو مجھے بنوثعلبہ کی مجلس سے نکالے گا؟

پھر ابوایوب رضی اللہ عنہ رافع بن ودیعہ نجاری کی طرف بڑھے۔ اسے اپنی چادر میں لپیٹ کر اپنی گرفت میں لے لیا، اس کے چہرے پر تھپڑ مارا اور مسجد سے باہر دھکیل دیا۔ ابوایوب کہہ رہے تھے: اے خبیث منافق! تجھ پر افسوس ہے۔ اللہ کے رسول کی مسجد سے دفع ہوجا، جہاں سے آیا ہے وہیں چلا جا۔

عمارہ بن حزم رضی اللہ عنہ زید بن عمرو کی طرف لپکے۔ اس کی بہت لمبی ڈاڑھی تھی۔ انھوں نے اس کو ڈاڑھی سے پکڑ کر کھینچا اور مسجد سے باہر نکال دیا، پھر اس کے سینے پر دوہتڑ مارا اسی وجہ سے وہ گر پڑا اور کہنے لگا: اے عمارہ! تو نے مجھے زخمی کر دیا ہے۔ عمارہ نے کہا: اے منافق! اللہ تجھے دور کرے۔ اللہ نے تیرے لیے جو عذاب تیار کیا ہے، وہ اس سے بہت سخت ہے۔ اب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے قریب ہرگز نہ پھٹکنا۔

ابومحمد مسعود بن اوس رضی اللہ عنہ قیس بن عمرو بن سہل کی طرف گئے۔ قیس ان منافقین میں نوجوان تھا۔ ابومحمد رضی اللہ عنہ نے اسے دھکے دے دے کر الٹے پاؤں مسجد سے نکال دیا۔

بنوخدرہ میں سے ایک آدمی تھا جسے عبداللہ بن حارث کہا جاتا تھا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سن کر اٹھا اور اس نے حارث بن عمرو کو دبوچ لیا۔ حارث کے بال لمبے تھے، عبداللہ نے اسے بالوں سے پکڑا اور زمین پر بری طرح گھسیٹتے ہوئے مسجد سے نکال باہر کیا۔ یہ منافق کہہ رہا تھا: اے ابن حارث! تو نے میرے ساتھ بہت سختی کی۔ عبداللہ نے کہا: اے اللہ کے دشمن! تو اسی قابل ہے جو اللہ نے تیرے بارے میں قرآن میں اتارا ہے۔ اب اللہ کے رسول کی مسجد کے قریب بھی نہ پھٹک! تو پلید ہے۔ اسی طرح بنوعمرو بن عوف کا ایک آدمی اپنے بھائی زوی بن حارث کی طرف لپکا۔ اُس نے اسے گھسیٹ کر مسجد سے باہر نکال دیا اور کہا: (افسوس) تجھ پر شیطان اور اس کا حکم غالب آگیا ہے۔[1]

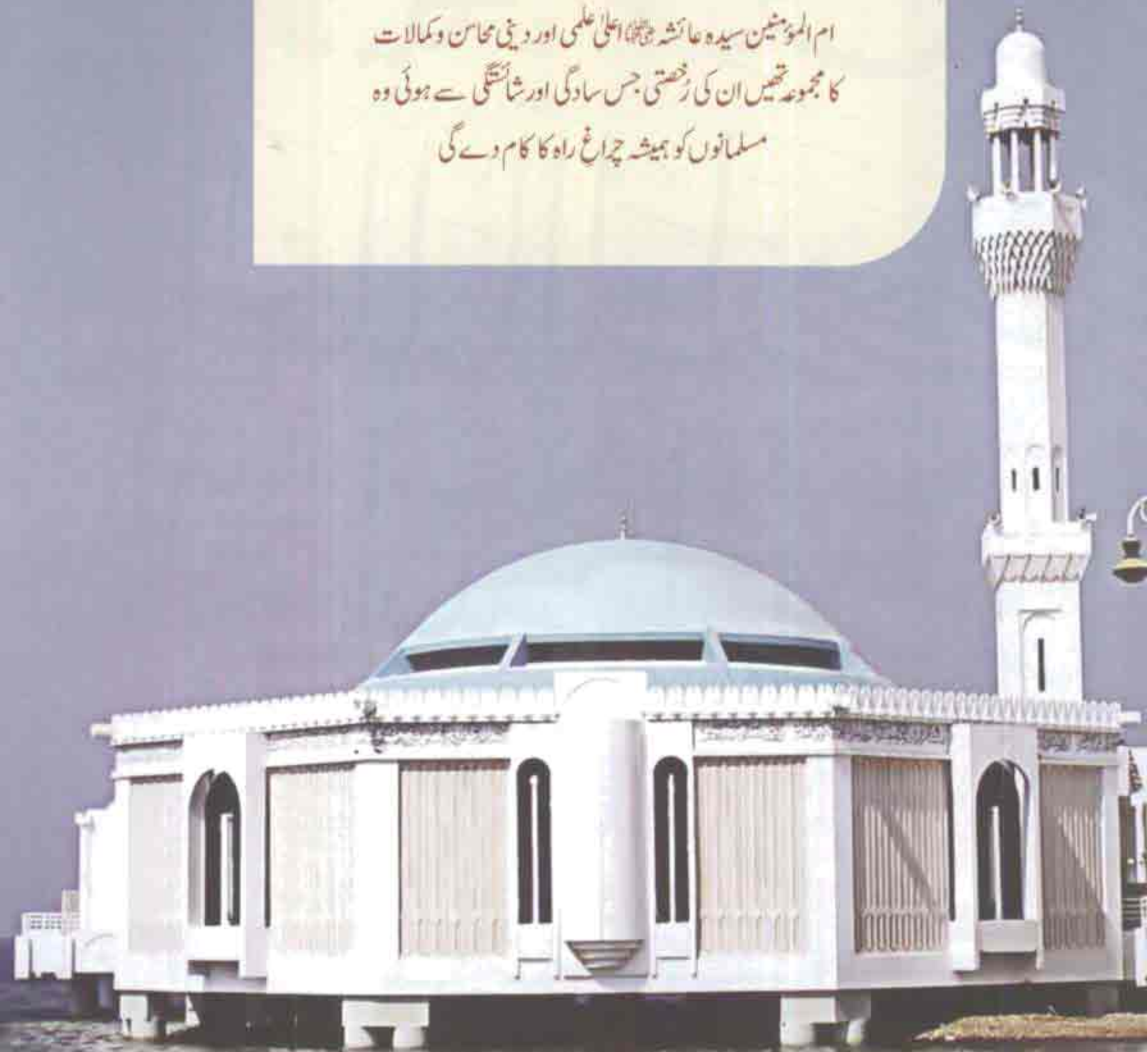
[1] البداية والنهاية:3/240,239، السيرة لابن هشام :2/527-529.

باب 3

سیرت انسائیکلوپیڈیا

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اعلیٰ علمی اور دینی محاسن و کمالات کا مجموعہ تھیں ان کی رُخصتی جس سادگی اور شائستگی سے ہوئی وہ مسلمانوں کو ہمیشہ چراغِ راہ کا کام دے گی



يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ

إِنَّآ أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَٰجَكَ

ٱلَّٰتِىٓ ءَاتَيْتَ أُجُورَهُنَّ

”اے نبی! بے شک ہم نے آپ کے لیے آپ کی وہ بیویاں حلال کردی ہیں جن کے مہر آپ نے ادا کردیے۔“ (الأحزاب 33:50)

اس باب میں

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اعلیٰ اوصاف و کمالات کا پیکر تھیں۔ بے حد ذہین و فطین تھیں۔ آپ کی عظمت و فضیلت اس وقت اپنی معراج کو پہنچ گئی جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے دو سال پہلے مکہ مکرمہ میں آپ سے نکاح فرمایا۔ اس وقت آپ بالغ نہیں تھیں، اس لیے آپ کی رخصتی بلوغت کو پہنچنے کے بعد مدینہ منورہ میں عمل میں آئی۔ کاشانۂ نبوت میں آنے کے بعد آپ نے اپنے عالی قدر شوہر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست دینی علوم سیکھے اور اسلام کی درخشاں تہذیبی اقدار سے آگہی حاصل کی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا قرآنی آیات کی شانِ نزول، احادیث اور اسلامی قوانین کی بے مثل عالم تھیں۔ عربی شاعری، تاریخِ عرب، ریاضی اور علم الادویات میں خصوصی مہارت رکھتی تھیں۔ اس طرح آپ کی ذاتِ والا صفات امتِ مسلمہ، بالخصوص خواتین کو اسلامی احکام و آداب سکھانے کا سرچشمہ بن گئی۔ اس باب میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اوصاف و مکارم کے علاوہ یہ سبق بھی چمک رہا ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی لاڈلی صاحبزادی کی رخصتی کتنی بے تکلفی، سادگی اور شائستگی سے عمل میں آئی۔

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی آمد

رسول اللہ ﷺ کو جہاں یہ یگانہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ امام الانبیاء اور ختم الرسل کے منصب عالیہ پر فائز ہیں وہیں آپ کو یہ امتیاز بھی عطا کیا گیا کہ آپ سید البشر ہیں۔ اِس لحاظ سے آپ ان تمام لطیف جذبات واحساسات سے متصف تھے جن سے شاہراہ زندگی پر گزرنے والے عام انسان بہرہ مند ہوتے ہیں۔ جب آپ کی اہلیہ مکرمہ ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا وفات پا گئیں تو قدرتی طور پر آپ کے لیے یہ دل گداز سانحہ بے حد الم انگیز اور صبر آزما ثابت ہوا۔ ہرچند آپ کی ذاتِ بابرکات صبر و وقار کا مجسمہ تھی، پھر بھی آپ کے گداز دل میں سیدہ خدیجہ کی جدائی کا شدید رنج کروٹیں لیتا رہا اور آپ غمگین رہنے لگے۔ بلاشبہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی غمخواری اور دل آسائی آپ ﷺ کے لیے بہت بڑا سہارا تھی لیکن رب ذوالجلال نے شفیق چچا ابوطالب کی وفات کے بعد سیدہ ممدوحہ کو اُٹھا کر یہ حقیقت پوری طرح اظہر من الشمس کر دی کہ فی الحقیقت اللہ کی ذاتِ عالی ہی آپ کی اصل معاون و مددگار ہے۔ اس لیے ہر سہارے سے بے نیاز ہوکر صرف اللہ تعالیٰ ہی کی نصرت وحمایت پر کامل توکل اور اعتماد کرنا چاہیے۔

رفیقۂ حیات کی ضرورت

مکی زندگی کے آخری دنوں میں تبلیغ دین کے عظیم کام میں معاونت کے لیے نبی ﷺ کو فی الواقع ایک سچی غمگسار اور خدمت گزار بیوی کی اشد ضرورت تھی۔ اب معرکہ ہائے حق و باطل کا آغاز ہونے والا تھا جن کی قیادت و سیادت کی ذمہ داری تنہا آپ ﷺ ہی کو نبھانی تھی۔ ان احوال میں رب ذوالجلال کی رحمت نے آپ ﷺ کی دلجوئی اور ہمت افزائی کا نہایت خوبصورت اہتمام فرما دیا، یعنی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ کا نکاح ہوگیا۔



اسطوانہ عائشہ، مسجد نبوی

اللہ تعالیٰ کی طرف سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی بشارت

امام حاکم اور ابن سعد رحمہ اللہ نے محمد بن عمر واقدی کے حوالے سے لکھا ہے: جب سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا فوت ہوگئیں تو قدرتی طور پر نبی ﷺ غمگین رہنے لگے۔ اسی دوران جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کی خدمت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو جھولے میں لے کر حاضر ہوئے اور عرض کی: اللہ کے رسول! یہ آپ کے غم کا کچھ نہ کچھ مداوا کر سکتی ہیں۔ ان میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کی جانشینی کے اچھے اوصاف موجود ہیں، پھر جبریل علیہ السلام انھیں واپس لے گئے۔[1]

مزید برآں رسول اللہ ﷺ کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خواب میں بھی بشارت دی گئی تھی جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا:

«أُرِيتُكِ فِي الْمَنَامِ مَرَّتَيْنِ، أَرٰى أَنَّكِ فِي سَرَقَةٍ مِّنْ حَرِيرٍ وَيَقُولُ: هٰذِهِ امْرَأَتُكَ، فَأَكْشِفُ، فَإِذَا هِيَ أَنْتِ، فَأَقُولُ: إِنْ يَّكُ هٰذَا مِنْ عِنْدِاللّٰهِ يُمْضِهِ»

”میں نے تجھے دو مرتبہ خواب میں اس عالم میں دیکھا کہ تو ایک ریشمی پارچے میں ملبوس ہے اور وہ (فرشتہ) مجھ سے کہہ رہا ہے کہ یہ آپ ﷺ کی زوجہ ہے۔ میں پردہ اٹھا کر دیکھتا تو بالکل تیرا ہی سراپا نظر آتا تھا۔ یہ دیکھ کر میں نے کہہ دیا: اگر یہ اطلاع اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو وہ اسے پورا کرے گا۔“[2]

یہ بات معروف اور ثابت شدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے خواب سچے اور بجائے خود وحی ہوتے ہیں۔

---

[1] المستدرك للحاكم: 4/4-6، حديث: 6716، الطبقات لابن سعد: 8/79,78. [2] صحيح البخاري: 3895، صحيح مسلم: 2438. صحیح مسلم میں تین راتیں خواب دیکھنے کا ذکر ہے۔



خوخہ ابوبکر صدیق، مسجد نبوی

سیدہ خولہ ﷞ کی طرف سے نکاح کی تجویز

امام احمد ﷫ ابوسلمہ محمد بن عمرو اور یحییٰ سے نقل کرتے ہیں: جب سیدہ خدیجہ ﷞ فوت ہوگئیں تو سیدنا عثمان بن مظعون ﷜ کی اہلیہ خولہ بنت حکیم ﷞ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: اللہ کے رسول! کیا آپ شادی نہیں کریں گے؟ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''کس سے؟'' انھوں نے عرض کیا: آپ پسند فرمائیں تو کنواری لڑکی سے بھی شادی ہوسکتی ہے اور چاہیں تو بیوہ سے بھی ہوسکتی ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''کنواری کون ہے؟'' خولہ ﷞ نے کہا: اللہ عزوجل کی مخلوق میں سے آپ کے محبوب ترین دوست (ابوبکر ﷜) کی بیٹی عائشہ ﷞۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا: ''بیوہ کون ہے؟'' وہ کہنے لگیں: سودہ بنت زمعہ ﷞۔ وہ آپ پر ایمان لائی ہیں اور آپ کی پیروی کرتی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ٹھیک ہے، دونوں کے پاس جاؤ اور ان سے میرا ذکر کرو۔''

سیدہ خولہ ﷞ نبی ﷺ کے ارشاد کے مطابق ابوبکر ﷜ کے گھر گئیں۔ ان کی اہلیہ محترمہ سے ملاقات کی اور عرض کی: اے ام رومان! اللہ اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کے گھر میں کیسی زبردست خیر و برکت نازل فرمائی ہے! ام رومان نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ سیدہ خولہ ﷞ نے کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے عائشہ سے نکاح کا پیغام دے کر بھیجا ہے۔ وہ کہنے لگیں: تھوڑی دیر انتظار کرو۔ ابوبکر آتے ہوں گے۔ سیدہ خولہ فرماتی ہیں: تھوڑی دیر بعد حضرت ابوبکر ﷜ تشریف لے آئے تو میں نے کہا: ابوبکر! اللہ تعالیٰ نے آپ کے گھر کس قدر خیر و برکت نازل فرمائی ہے! انھوں نے پوچھا: وہ کیا؟ خولہ کہنے لگیں: مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا ہے، میں رسالت مآب ﷺ کی طرف سے عائشہ ﷞ سے نکاح کا پیغام دیتی ہوں۔ ابوبکر ﷜ نے پوچھا: کیا عائشہ سے آپ ﷺ کا نکاح ہوسکتا ہے؟ یہ تو آپ ﷺ کی بھتیجی لگتی ہے۔ خولہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں واپس آئیں اور آپ ﷺ کے سامنے ابوبکر ﷜ کا اشکال پیش کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«ارْجِعِي إِلَيْهِ فَقُولِي لَهُ: أَنَا أَخُوكَ وَأَنْتَ أَخِي فِي الْإِسْلَامِ، وَابْنَتُكَ تَصْلُحُ لِي»

''واپس جاؤ اور ابوبکر سے کہو: میں تمھارا بھائی اور تم میرے اسلامی بھائی ہو۔ اور تمھاری بیٹی سے میرا نکاح صحیح ہے۔''

وہ واپس آئیں اور ابوبکر ﷜ کو نبی ﷺ کے فرمان سے آگاہ کیا۔ ابوبکر ﷜ نے کہا: تھوڑی دیر انتظار کرو، پھر وہ باہر نکل گئے۔ ام رومان نے سیدہ خولہ ﷞ سے کہا: مطعم بن عدی نے اپنے بیٹے کے لیے عائشہ کا تذکرہ کیا تھا۔ اللہ کی قسم! ابوبکر نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی۔ ابوبکر ﷜ جلدی جلدی مطعم بن عدی کے ہاں پہنچے۔ اس وقت اس کی

گھر والی، یعنی لڑکے کی ماں بھی اس کے پاس موجود تھی۔ مطعم کہنے لگا: ابوقحافہ کے بیٹے! اگر ہمارے بیٹے نے تمھارے ہاں شادی کر لی تو عجب نہیں کہ تم اسے بھی اپنے دین کی طرف مائل کرلو گے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مطعم سے پوچھا: کیا تمھاری گھر والی کا بھی یہی خیال ہے؟ مطعم بولا: ہاں! وہ بھی یہی کہہ رہی ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ وہاں سے نکل کھڑے ہوئے اور مطعم سے وعدے کے سلسلے میں ان کے دل پر جو بوجھ تھا، اُس سے اللہ نے انھیں سبکدوش کر دیا۔ وہ واپس گھر آئے اور خولہ سے کہا: آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جائیں اور انھیں میرے پاس بلا لائیں۔ [1]

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پیغامِ نکاح

اس حدیث مبارک سے چند حقائق بہت نمایاں ہو کر سامنے آتے ہیں، اولاً یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدہ خدیجہ کی رحلت کی وجہ سے اپنے فرائضِ واجبہ ادا کرنے کے لیے فی الواقع ایک غم خوار رفیقۂ حیات کی اشد ضرورت تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ اہم ضرورت سیدہ خولہ رضی اللہ عنہا نے واضح طور پر محسوس فرمالی۔ اسی لیے انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس خلا کے بارے میں صاف صاف معروضات پیش کیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی گفتگو نہایت توجہ سے سُنی اور اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں جو سوالات اُبھرے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری صراحت سے دریافت فرمائے۔ سیدہ خولہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو اسمائے گرامی پیش کیے: پہلا نام سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا اور دوسرا نام سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا۔ انھوں نے ان دونوں جلیل القدر ہستیوں کی شخصی صفات پر بھی روشنی ڈالی۔


باب حجرۂ سیدہ عائشہ

اب صورتحال کی جو تصویر سامنے تھی وہ یہ تھی کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی منگنی مطعم بن عدی کے بیٹے سے ہو چکی تھی۔ سیدہ خولہ پر یہ بات اُس وقت منکشف ہوئی جب وہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سیدہ عائشہ کے لیے پیغام نکاح لے کر گئیں۔ بعد کو معلوم ہوا کہ خود مطعم بن عدی ہی نے یہ منگنی فسخ کر دی۔

[1] مسند أحمد: 211,210/6.

ادھر جب جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رسالت مآب ﷺ کی طرف سے اپنی صاحبزادی کے لیے پیامِ نکاح ملا تو انھوں نے معاً جو بات پوچھی وہ اپنی صاحبزادی کی صغرسنی کے حوالے سے نہیں تھی بلکہ اس توضیح حال کے لیے تھی کہ جناب رسول اللہ ﷺ تو میرے برادر معظم کا درجہ رکھتے ہیں، اس نسبت سے عائشہ آپ ﷺ کی بھتیجی ٹھہریں تو کیا یہ کوئی غلط بات تو نہیں ہوگی۔ رسالت مآب ﷺ نے اسلامی بھائی ہونے کی مناسبت سے صراحت فرمادی کہ اس حوالے سے عائشہ سے نکاح صحیح ہوگا۔ اس میں کوئی قباحت نہیں۔

پس آپ ﷺ کی منگنی سیدہ عائشہ سے بطیب خاطر ہوگئی۔ لیکن رخصتی نہیں ہوئی۔ سیدہ عائشہ کی رخصتی اُسی وقت عمل میں آئی جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خود رسالت مآب ﷺ سے یہ التجا کی کہ اب آپ عائشہ رضی اللہ عنہا کو کاشانۂ نبوت میں بسنے کا شرف عطا فرمائیں۔ اس وقت سیدہ کی عمر بلوغ کی منزل تک پہنچ گئی تھی۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا گھر

رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی تعمیر کی تو ساتھ ہی آپ نے اپنے لیے دو گھر بنوائے۔ ایک سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کے لیے تھا اور دوسرا سیدہ عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے لیے۔

سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ سیدنا حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کا گھر مسجد نبوی کے ساتھ تھا۔ جب بھی نبی ﷺ نئی شادی کرتے تھے تو حارثہ رضی اللہ عنہ ایک گھر آپ ﷺ کو ہبہ کر دیتے تھے۔ اس طرح ان کی پوری جائے سکونت رسول اللہ ﷺ ہی کی ہوگئی۔[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح اور رخصتی کا مہینہ

ابن حجر رحمہ اللہ نے معجم کبیر طبرانی کے حوالے سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول رسول اللہ ﷺ کے اہل و عیال اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ کی ہجرت کا قصہ بیان کرنے کے بعد لکھا ہے: ایک دن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: (اللہ کے رسول!) آپ اپنے اہل کے ساتھ اپنا گھر کیوں نہیں بساتے؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر آپ ﷺ نے مجھے اپنے گھر بسالیا۔[2]

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہجرت کے بعد بیاہ کر لائے تھے۔ صحیح مسلم کی روایت کے مطابق یہ رخصتی شوال کے مہینے میں ہوئی۔ خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے:

[1] سبل الهدٰى والرشاد: 348/3. [2] فتح الباري 281/7، نیز دیکھیے: المعجم الكبير للطبراني: 25،24/23، وفاء الوفا: 264،263/1.

تَزَوَّجَنِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي شَوَّالٍ، وَبَنٰى بِي فِي شَوَّالٍ، فَأَيُّ نِسَاءِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ كَانَ أَحْظٰى عِنْدَهُ مِنِّي؟

''رسول اللہ ﷺ نے شوال میں مجھ سے نکاح کیا اور شوال ہی کے مہینے میں مجھے دلہن بنا کر لائے۔ رسول اکرم ﷺ کی دیگر ازواج میں بھلا مجھ سے بڑھ کر خوش نصیب زوجہ اور کون تھیں؟'' [1]

اس کلام سے سیدہ عائشہ ﷞ کا مقصود اس باطل خیال کی تردید تھا جس پر اہل جاہلیت اُلجھے بیٹھے تھے اور آج کل بھی بعض لوگ شوال کے مہینے میں شادی اور رخصتی کو ناپسندیدہ سمجھتے ہیں۔ یہ بات بالکل بے اصل اور باطل ہے اور زمانۂ جاہلیت کے آثار میں سے ہے۔ دراصل اہل جاہلیت لفظ شوال میں پراگندگی اور انتشار کے معنی پائے جانے کی وجہ سے بدشگونی لیتے تھے۔ [2] اسی بنا پر شوال میں شادی کرنا عربوں کے ہاں ناپسندیدہ تصور کیا جاتا تھا جیسا کہ آج کل برصغیر پاک و ہند کے مسلمان ماہ محرم اور صفر میں شادی بیاہ کرنا معیوب سمجھتے ہیں۔

سیدہ عائشہ ﷞ کی رخصتی کی تیاری

رسول اللہ ﷺ کی سیدہ عائشہ ﷞ سے نکاح کی تفصیل خود سیدہ عائشہ ﷞ نے بیان کی ہے، وہ فرماتی ہیں: جب رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے نکاح کیا تو میں چھ برس کی تھی، پھر ہم مدینہ طیبہ آگئے۔ بنی حارث بن خزرج کے محلے میں آباد ہوئے۔ یہاں آنے کے بعد مجھے (مدینہ کے زرد) بخار نے آلیا جس سے مجھے سخت تکلیف جھیلنی پڑی۔ میرے سر کے بال گر گئے۔ پھر کچھ مدت بعد جب میرے بال کانوں کی لو تک بڑھے تو میری والدہ ام رومان میرے پاس آئیں۔ اس وقت میں اپنی ہم جولیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھی۔ میری والدہ نے مجھے آواز دی۔ میں ان کے پاس پہنچ گئی۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ ان کا میرے بارے میں کیا ارادہ ہے اور وہ مجھ سے کیا فرمانا چاہتی ہیں۔ بس انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے گھر کے دروازے پر لا کھڑا کیا۔ میرا سانس پھول گیا، اس لیے میں دروازے ہی کے پاس رک گئی۔ جب میرا سانس بحال ہوا تو انھوں نے تھوڑے سے پانی سے میرا منہ اور سر دھویا، پھر گھر کے اندر لے گئیں۔ وہاں کمرے میں چند انصاری عورتیں جمع تھیں۔ انھوں نے مبارکباد دی اور کہا: ''خیر و برکت کے ساتھ اور اچھے نصیبے کے ساتھ!'' پھر میری والدہ نے مجھے انصاری عورتوں کے سپرد کر دیا۔ انھوں نے میرا بناؤ سنگار کیا۔ بعد ازاں دوپہر کے وقت رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ میں کچھ خوف زدہ سی ہوگئی۔ اس کے بعد میری والدہ نے مجھے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رخصت کر دیا۔ اس وقت میری عمر نو برس تھی۔ [3]

[1] صحيح مسلم: 1423. [2] شرح صحيح مسلم للنووي: 299,298/9. [3] صحيح البخاري: 3894، صحيح مسلم: 1422.

نکاحِ عائشہ ؓ کے حسنات و برکات

سیدہ صدیقہ بنت صدیق ؓ کے رسول اکرم ﷺ سے نکاح میں پوشیدہ بڑی بڑی حکمتیں ہر بالغ نظر پر عیاں ہوسکتی ہیں۔ مدنی زندگی کے آغاز، یعنی شرعی قوانین و احکام کی ابتدا میں یہ نکاح پایہ تکمیل کو پہنچ گیا تھا جبکہ مکی زندگی عقیدے کی بنیاد اور تاسیس و تربیت کا مرحلہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ زندگی کے تمام پہلوؤں میں ہمارے لیے اُسوہ اور قُدوہ ہیں۔ یہ بڑی پکی اور یقینی بات ہے کہ انسان اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ گھر میں اپنے افراد خانہ کے ساتھ بسر کرتا ہے۔ اس اعتبار سے رسول اللہ ﷺ کے تمام حالات زندگی لوگوں تک پہنچنے ضروری تھے تاکہ وہ آپ ﷺ کے طریقوں پر چل سکیں۔ یہ اہم معاملہ انجام دینے میں پیش پیش ہستی سیدہ عائشہ ؓ ہی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں ذہانت و فطانت سے خوب نوازا تھا، اسی لیے انھوں نے امت مسلمہ کی رہنمائی کے لیے اپنا بہترین کردار نہایت خوبی سے ادا کیا۔

ہمارے اس دعوے کی تصدیق کے لیے کتب احادیث میں سے کوئی سی کتاب پڑھ لیجیے، آپ ہمیں سچا پائیں گے۔ ابلاغ دین کے اہم ترین فریضے کی ادائیگی کے لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد تقریباً نصف صدی کی زندگی مرحمت فرمائی۔ اس مدتِ حیات میں انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سیکھا تھا، اسے من وعن نہایت خوش اسلوبی سے امتِ مسلمہ تک پہنچا دیا۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا وَأَرْضَاهَا.

دین کی تاسیس وتشریع کے مرحلے میں سیدہ عائشہ ؓ کی ضرورت

رسول اللہ ﷺ نے دینِ حنیف کی تبلیغ کا آغاز کیا تو ہر طرف سے مخالفت کے طوفان اٹھ کھڑے ہوئے۔ سرِآغاز صرف ان افراد نے آپ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا جو رسول اللہ ﷺ کے قریب تر تھے جیسے ابوبکر ؓ یا وہ افراد جو سیدہ خدیجہ ؓ کے زیر تربیت رہ چکے تھے، چاہے وہ ان کی اولاد تھی یا غلام، جیسے ''زید'' یا گھر میں پلنے والے بچے، جیسے ''علی''۔ گویا حضرت خدیجہ ؓ نے اپنے مال، جان اور اولاد و خدام سمیت رسول اللہ ﷺ سے بھرپور تعاون کیا اور دین حنیف کی تبلیغ و دعوت کے اہم ترین فریضے کی ادائیگی میں آپ ﷺ کو پوری مدد بہم پہنچائی۔ ان کی موجودگی میں رسول اللہ ﷺ نے کسی دوسری عورت سے شادی نہیں کی۔ یہ دین کی تاسیس کا مرحلہ تھا، تشریع کا نہیں تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی پاکباز، باعظمت، باہمت، زیرک، بالغ نظر، دور اندیش اور مالدار خاتون آپ ﷺ کے عقد میں دی۔ دین کی تاسیس میں انھوں نے بے مثال تعاون کیا اور آپ ﷺ کی ڈھارس بندھائی۔

جب سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا فوت ہوگئیں تو اللہ تعالیٰ نے تشریع دین کی ضرورت کے پیش نظر آپ کو ایسی بیویاں عطا فرمائیں جو اس مرحلے کے لیے شرطِ لازم کی حیثیت رکھتی تھیں، یعنی وہ خود کچھ سیکھ کر دوسروں کو بھی سکھا سکتی تھیں۔ اس باب میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک خاص امتیازی شان ہے۔ انھوں نے خاص طور پر بچپن ہی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دین سیکھا اور امت تک پہنچایا۔ کچھ سیکھنے کی مثالی عمر یہی بچپن کی عمر ہے۔ پھر جب عائشہ رضی اللہ عنہا کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت طے پا گئی تو ان کا ذہن پوری طرح یکسو ہوگیا۔ یہی وہ یکسوئی ہے جو حصولِ علم کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اسی یکسوئی کی بدولت جاننے اور سیکھنے میں خوب مدد ملتی ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا علمی درجہ

سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب ہم صحابہ کی جماعت کو حدیث کے معاملے میں کوئی مشکل پیش آتی تھی تو ہم سیدھے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ان سے ہمیں درپیش اشکال و معاملات میں پوری رہنمائی میسر آتی تھی اور صحیح معلومات ملتی تھیں۔ [1]

موسیٰ بن طلحہ فرماتے ہیں: میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو فصیح البیان نہیں پایا۔ [2]

عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ علمی وسعتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت کا نتیجہ تھیں۔ ان کی اسلامی ماحول میں پیدائش ہوئی، اسلامی ماحول ہی میں پرورش پائی، پھر بچپن ہی میں شادی ہوگئی۔ یوں ان کی زندگی کے نو سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت صحبت میں بسر ہوئے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب متواتر شرعی احکام اتر رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ان کے ساتھ لحاف بھی اوڑھے ہوتے تھے تو اس دوران بھی جبریل علیہ السلام وحی لے کر آجاتے تھے۔ یہ بات جہاں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہت بڑی فضیلت ہے، وہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ سیدہ کی علمی وسعتوں کا اصل سرچشمہ کیا تھا۔

امام زہری رحمہ اللہ نے کہا ہے: اگر عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر ازواج مطہرات سمیت دیگر تمام علماء کا علم اکٹھا کیا جائے تو اُس کے مقابلے میں عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم زیادہ ہوگا۔ انھیں یہ فضیلت کم عمری ہی سے دین سیکھنے اور خوب سمجھنے کی برکت سے نصیب ہوئی۔

امام مسروق رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا: کیا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرائض (احکامِ وراثت) کا بخوبی علم تھا؟ مسروق کہنے لگے: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں نے بڑے بڑے مشائخ صحابہ کو دیکھا ہے، وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں فرائض (وراثت) کے مسائل پوچھنے کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ [3]

عورتوں کے بہت سے مخصوص علمی و عملی مسائل ایسے ہیں جن کے بارے میں وہ مردوں سے بالمشافہ اور صریح الفاظ

1 جامع الترمذي :3883. 2 جامع الترمذي :3884. 3 المستدرك للحاكم :11،10/4.

میں رہنمائی حاصل نہیں کرسکتیں۔ اس کی ایک مثال سیدہ عائشہ ؓ کی صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ ایک انصاری عورت نبی ﷺ کے پاس آئی اور غسل حیض کا مسئلہ دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے اسے غسل کا طریقہ بتایا اور فرمایا: «خُذِي فِرْصَةً مِّنْ مِّسْكٍ فَتَطَهَّرِي بِهَا» ”کستوری لگی روئی یا اون کا پھاہا لے کر اس سے طہارت حاصل کرو۔“ وہ کہتی ہے: میں اس سے کیسے طہارت حاصل کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «سُبْحَانَ اللّٰهِ تَطَهَّرِي» ”تعجب کی بات ہے! اس سے طہارت حاصل کرو۔“ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں: پھر میں نے اس خاتون کو اپنی طرف کھینچ لیا اور اسے سمجھایا کہ خون نکلنے کی جگہ پر خوشبو کا پھاہا رکھو۔“ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ باوجود معلم انسانیت ہونے کے فرطِ حیا کی وجہ سے ایک عورت کو کھل کر بات نہیں بتا سکتے تھے، لہٰذا ضروری تھا کہ عورتوں کے مخصوص مسائل کوئی معلمہ ہی عورتوں کو سمجھاتی۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے علی الاطلاق أفقه النساء سیدہ عائشہ ؓ کا انتخاب فرمایا۔[1]

پس پیغمبر کی وہ تعلیم آپ کی بیوی کے واسطے سے امت تک پہنچانا نہایت پر حکمت طریقہ ہے۔ سیدہ عائشہ ؓ کی علمی قابلیت آنحضرت ﷺ کے وقت سے، جو ان کے علم حاصل کرنے کا زمانہ ہے، آنحضرت ﷺ کے بعد آدھی صدی تک، جو سیدہ عائشہ ؓ کی اشاعت علم کا زمانہ ہے، ان کے شاگردوں کی فہرست، ان کے فتاویٰ کی اشاعت اور علمی مسائل میں بڑے بڑے مجتہدین صحابہ ؓ کے ان سے رجوع کرنے پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوسکتی ہے۔[2]

رسول اللہ ﷺ کی متعدد شادیوں کی حکمت

رسول اللہ ﷺ نے متعدد عورتوں سے نکاح کیے۔ یہ تمام نکاح حکمت اور خیر کثیر کے حامل تھے۔ رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو دشمنی کا دائرہ قریش سے آگے بڑھ کر دوسرے قبائل عرب تک پھیل گیا۔ لازم تھا کہ یہ آگ بجھے۔ رسول اللہ ﷺ نے مختلف قبائل میں شادیاں کیں تو دشمنی کی آگ بجھنے لگی کیونکہ عربوں میں یہ روایت تھی کہ وہ اپنے داماد کی حفاظت کرتے تھے، چنانچہ ہر نکاح کے پیچھے یہ عظیم حکمت کارفرما تھی کہ اس بیوی کا خاندان اور قبیلہ حلقہ بگوش اسلام ہوتا چلا جائے۔ بعض امہات المؤمنین سے نکاح کی غرض و غایت ان سے اظہار ہمدردی اور تالیف قلب بھی تھی۔

سیدہ عائشہ ؓ سے رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں یہ عظیم حکمت پنہاں ہے کہ جو خاتون اللہ کی نگاہ میں بلند رتبے پر پہنچنے والی ہو، ضروری ہے کہ اس کی شادی بھی کسی بلند مرتبہ شخصیت سے ہوتا کہ وہ اکتساب فضائل سے قدرت کے مقرر کردہ رتبے تک پہنچ سکے۔ آنحضرت ﷺ جس طرح مردوں کے لیے اسوۂ حسنہ ہیں، اسی طرح عورتوں کے لیے بھی شمع ہدایت ہیں۔

[1] صحيح البخاري: 315,314، صحيح مسلم: 332. [2] سیرت المصطفیٰ ﷺ کامل: 2/426-429.

پس سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح میں قدرت کا یہی راز پنہاں تھا کہ یہ جلیل القدر خاتون اپنی صغر سنی ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تربیت رہیں اور اعلیٰ دینی محاسن، علمی کمالات اور زندگی بسر کرنے کے مہذب ترین سلیقے سیکھ کر اس قدر مجلیٰ آئینہ بن جائیں جسے دیکھ کر قیامت تک پیدا ہونے والی ہر خاتون اپنے فکر و عمل کے خدوخال سنوار سکے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد زندہ رہنے والی ازواج مطہرات امت مسلمہ کے مردوں اور عورتوں کے لیے معلم و مفتی کی حیثیت رکھتی تھیں۔ عورتوں کے متعلق مسائل اور آدابِ زوجیت کے بارے میں تو سبھی ان کی تعلیمات اور اسوۂ جمیل کے محتاج تھے کیونکہ شرعی احکام اور نبوی ارشادات و مقالات کا معتد بہ ذخیرہ بھی انھی سے منقول ہے، پھر نیکی، صلہ رحمی اور حسن سلوک میں وہ پوری امت کے لیے اسوۂ حسنہ تھیں، بالکل اُسی طرح جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسن خلق اور مثالی شوہر کی حیثیت سے ازواج مطہرات کے ساتھ حسن سلوک کا اعلیٰ اور بے مثل نمونہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا متعدد شادیاں کرنا دراصل اس وقت کے حالات کا سیاسی تقاضا تھا۔ دعوت اسلامیہ کے وسیع پروگرام میں ایک بیوی کفایت نہیں کر سکتی تھی کیونکہ ایسی صورت میں بہت سے خانگی مسائل کا امت سے اوجھل رہ جانے کا امکان تھا۔

کم عمری میں نکاح پر بے معنی اعتراض

بعض حلقے جن میں مستشرقین بہت نمایاں ہیں، اس مبارک نکاح پر انگشت نمائی کرتے ہیں اور زوجین کی عمر کے فرق کو بہت اُچھالتے ہیں، حالانکہ عمر میں تفاوت کا وسوسہ بالکل لغو اور بے معنی ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نکاح کے وقت یقیناً کم عمر تھیں لیکن جب وہ اپنے گھر سے رخصت ہو کر کاشانۂ نبوت میں آئیں تو پوری طرح بالغ ہو چکی تھیں۔ اس وقت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جوانی اس قدر قابل رشک تھی کہ سفر ہجرت کرتے ہوئے جب لوگوں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے عمر میں بڑے ہونے کے باوجود جوانِ رعنا نظر آ رہے تھے جبکہ عام ناظرین سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بڑھاپا دیکھ کر یہ سمجھ رہے تھے کہ آپ ہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان کی یہ غلط فہمی اس وقت دور ہوئی جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوپ سے بچانے کے لیے اٹھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر چادر تان کر کھڑے ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسن و شباب کا انتہائی پاکیزہ نمونہ تھے

یہاں اگر عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کا معاملہ زیر غور ہے تو اس سے کہیں زیادہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک اہمیت

رکھتی ہے اور یہ بہت غور طلب بات ہے۔ یقیناً سیدہ عائشہ ؓ کی رخصتی کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک چوّن (54) سال تھی۔ اتنی عمر سُن کر ذہن میں فوراً بڑھاپے کا خیال آتا ہے جس کے ساتھ کمزوری و ناتوانی کا پیوند لگا ہوا ہوتا ہے۔لیکن اس باب میں رسول اللہ ﷺ کا معاملہ یکسر مختلف تھا۔

نبیِ کریم ﷺ کی ذات اور آپ کے اطوار مبارک میں ہم آپ کی توانائی کے نمونے بکثرت دیکھتے ہیں۔ اس کی ایک مثال وہ موقع ہے جب آپ ﷺ سیدہ عائشہ ؓ سے دوڑ لگانے کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اس میں سیدہ آگے نکل جاتی ہیں جبکہ دوسرے موقع پر آپ ﷺ نے سیدہ سے دوڑ کا مقابلہ کیا تو سیدہ پیچھے رہ گئیں اور آپ آگے نکل گئے۔ آپ ﷺ نے سابقہ دوڑ کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا: «هٰذِهِ بِتِلْكَ السَّبْقَةِ» ''یہ پہلی جیت کی جگہ ہے۔''[1] ......اس اعتبار سے پورے یقین و اطمینان سے کہا جاسکتا ہے کہ سیدہ عائشہ ؓ اور نبی کریم ﷺ کی عمر میں فرق کے باوجود عملی زندگی میں ہرگز کوئی ایسی بات نہیں تھی کہ ان کی شادی کو بے جوڑ ٹھہرایا جائے۔ آپ ﷺ سیدہ عائشہ ؓ کی عمر کے لحاظ سے سیدہ عائشہ ؓ کی ذہنی رغبت کا بھرپور خیال رکھتے تھے اور سیدہ کے تفریحی تقاضے بخوبی پورے فرماتے تھے۔

اس موقع پر ایک ممتاز انگریز مؤرخ و محقق سر ولیم میور کی تحریری گواہی کا مطالعہ بھی بے محل نہ ہوگا۔ سر ولیم میور نے آپ ﷺ کے ظاہری حسن و جمال اور باطنی خوبی و کمال کا ذکر بالتفصیل کیا ہے۔[2] اُس نے صاف لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے نیک اور عفیف ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ پچیس سال کی عمر میں آپ نے پہلی شادی کی۔ اتنی عمر نہایت پاکیزگی سے گزار دی۔ ولیم میور غالی عیسائی ہونے کے باوجود اعتراف کرتے ہیں کہ جوانی کی عمر میں محمد (ﷺ) کی عادات کی پاکیزگی اور برتاؤ کی خوبی کے بارے میں، جو اہل مکہ میں کمیاب تھی، تمام مصنفین متفق ہیں۔ آپ ﷺ کی شرم و حیا کی تعریف معجزانہ طور پر کی گئی ہے۔''[3]

سیدہ عائشہ ؓ کے رسول اللہ ﷺ سے نکاح اور رخصتی کے وقت عمر کے مسئلے پر معترضین کا موقف کئی وجوہ سے یکسر غلط اور بے بنیاد ہے، مثلاً:

1. کسی بچی کے بلوغت تک پہنچنے کی عمر مختلف علاقوں کے لحاظ سے مختلف ہوسکتی ہے۔ سیدہ عائشہ ؓ کی عرب کے گرم ماحول میں پرورش ہوئی۔ وہاں بچے جلد ہی بلوغت کو پہنچ جاتے ہیں۔
2. میڈیکل سائنس کی رُو سے اور فقہائے امت کے نزدیک 9 سال کی بچی کو ماہواری ہوسکتی ہے۔ شرعاً عورت کی

[1] سنن أبي داود: 2578، مسند أحمد: 264/6.

[2] The Life of Mahomet, vol:2, P:28-32. [3] The Life of Mahomet, vol:2, P:14.

بلوغت کی ایک نشانی ماہواری جاری ہونا بھی ہے۔ اخبارات و جرائد میں تو آج کل بھی یورپی ملکوں سے دس دس اور گیارہ گیارہ سالہ ماؤں کی خبریں تواتر سے آتی رہتی ہیں۔

3 نبی کریم ﷺ سے پہلے عائشہ رضی اللہ عنہا کی نسبت مطعم بن عدی کے بیٹے سے ہوئی تھی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ پانچ چھ سال کی بچی کی نسبت طے کرنا اس معاشرے کا عام رواج تھا اور اسی رواج کے تحت مطعم بن عدی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اپنے بیٹے کے رشتے کی درخواست کرنے گیا تھا۔

4 یہاں یہ معاملہ خاص طور پر قابل غور ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسالت مآب ﷺ سے از خود درخواست کی تھی کہ اب آپ ﷺ اپنی اہلیہ عائشہ کو اپنے کاشانۂ مبارک میں لے آئیں۔ انھوں نے یہ درخواست اسی لیے کی تھی کہ وہ اور ان کی اہلیہ محترمہ دونوں خوب سمجھتے تھے کہ اب اُن کی صاحبزادی بالغ ہوگئی ہے۔

5 بچی کب بالغ ہو جاتی ہے؟ اس باب میں خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد عالی قول فیصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ سیدہ فرماتی ہیں: إِذَا بَلَغَتِ الْجَارِيَةُ تِسْعَ سِنِينَ فَهِيَ امْرَأَةٌ. ”جب بچی نو سال کی عمر کو پہنچ جائے تو وہ کامل عورت ہے۔“[1]

پھر صحیح بخاری و صحیح مسلم کے مطابق سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود اپنی عمر کی وضاحت یوں فرمائی ہے: ”نکاح کے وقت میری عمر چھ یا سات سال تھی، رخصتی کے وقت نو سال کی تھی اور جب رحمت عالم ﷺ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو اٹھارہ سال کی تھی۔ جب خود ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فوت ہوئیں تو اس وقت ان کی عمر 63 سال کے قریب تھی۔[2]

6 رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کا معلم اور ہادی و رہنما بنا کر مبعوث فرمایا، اس لیے اس ہادیِ برحق کی زندگی کا کوئی گوشہ عام انسانوں سے اوجھل نہیں رہنا چاہیے تھا۔ اس عظیم مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو شاگردوں کی ایک ایسی پاکباز جماعت عطا فرمائی جس نے آپ کے اقوال و اعمال کمال امانت داری سے من وعن امت تک پہنچا دیے۔ گھر سے باہر یہ فرض مردوں نے انجام دیا جبکہ آپ ﷺ کی گھریلو زندگی کے حالات و معاملات امت تک ازواج مطہرات امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن نے جزئیات سمیت پوری صراحت سے نہایت احسن انداز میں پہنچائے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات امت تک پہنچانے کے کام میں کس ام المؤمنین کا کتنا حصہ ہے۔

[1] جامع الترمذي: 1109. نیز دیکھیے: صحیح سنن الترمذي للألباني، حدیث: 1109، إرواء الغلیل: 229/6. [2] صحیح البخاري: 3894 و 5134,5133، عمدة القاري: 87/14.

رسول اللہ ﷺ پر سیدہ عائشہ ؓ کی فدویت

وہ قابلِ رحم لوگ جو فہم حقیقت سے خالی ہیں اور سیدہ عائشہ اور رسالت مآب ﷺ کی شادی پر ان کی عمر میں فرق کے حوالے سے انگشتِ اعتراض اُٹھاتے ہیں۔ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ سیدہ عائشہ ؓ بے حد ذہین وفطین خاتون تھیں۔ وہ اپنی ہر مصلحت و مفاد سے خوب واقف تھیں اور نبی ﷺ کے گھر نہایت عزت اور مسرت سے رہ رہی تھیں۔ وہ اپنے رفیع المنزلت شوہر ﷺ پر اس قدر فریفتہ تھیں کہ انھیں آپ ﷺ سے جدائی کا تصور بھی بے حد شاق گزرتا تھا۔ اس بارے میں خود سیدہ عائشہ ؓ کا بیان سُن لیجیے۔ وہ فرماتی ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر یہ آیات نازل فرمائیں کہ آپ اپنی بیویوں کو دو باتوں میں سے ایک بات کا اختیار دیں تو اس آیت کے نزول کے معاً بعد رسول اللہ ﷺ نے امہات المؤمنین کی رائے جاننی چاہی اور اس سلسلے میں سب سے پہلے میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

«إِنِّي ذَاكِرٌ لَكِ أَمْرًا فَلَا عَلَيْكِ أَنْ تَسْتَعْجِلِي حَتَّى تَسْتَأْمِرِي أَبَوَيْكِ»

''میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں اور خواہشمند ہوں کہ تم جلد بازی سے کام نہ لو یہاں تک کہ اپنے والدین سے مشورہ کرلو۔''

سیدہ عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو خوب معلوم تھا کہ میرے والدین مجھے ہرگز آپ سے جدائی کا مشورہ نہیں دیں گے، فرماتی ہیں کہ پھر آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھا:

﴿ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ○ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ○﴾ (الأحزاب 33:28،29)

''اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دیجیے: اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمھیں کچھ (دنیا کا) سامان دوں اور تمھیں بھلے طریقے سے رخصت کردوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کا گھر چاہتی ہو تو اللہ نے تم میں سے نیک کام کرنے والیوں کے لیے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔''

سیدہ عائشہ ؓ فرماتی ہیں: آپ ﷺ کا ارشاد مبارک سن کر میں نے فوراً کہا: بھلا میں اس معاملے میں اپنے والدین سے مشورہ کروں؟ میں تو اللہ، اس کے رسول ﷺ اور دارِ آخرت ہی کی متمنی ہوں، مزید فرماتی ہیں کہ پھر آپ ﷺ کی تمام بیویوں نے بھی آپ ﷺ کو وہی جواب دیا جو میں نے دیا تھا۔

ایک اور روایت میں ہے، سیدہ عائشہ ؓ نے پوچھا: اللہ کے رسول! بھلا وہ کیا بات ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے انھیں مذکورہ آیات پڑھ کر سنائیں تو سیدہ عائشہ ؓ نے ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر بلا تأمل کہا: اللہ کے رسول! آخر میں آپ کی ذات گرامی کے بارے میں اپنے والدین سے مشورہ کیوں کروں؟ میں تو صرف اللہ، اس کے رسول ﷺ اور دارِ آخرت ہی کو اختیار کرتی ہوں، اور آپ ﷺ سے التجا کرتی ہوں کہ جو کچھ میں نے عرض کیا ہے، وہ اپنی دوسری بیویوں کو مت بتائیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَسْأَلُنِي امْرَأَةٌ مِّنْهُنَّ إِلَّا أَخْبَرْتُهَا، إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَمْ يَبْعَثْنِي مُعَنِّتًا وَلَا مُتَعَنِّتًا، وَلٰكِنْ بَعَثَنِي مُعَلِّمًا مُّيَسِّرًا»

''اگر ان میں سے کسی نے مجھ سے تمھارا جواب جاننا چاہا تو میں اسے بتا دوں گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے مشقت میں ڈالنے والا اور سختی کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا بلکہ اس نے مجھے معلم اور آسانی پیدا کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔''[1]

اس حدیث میں حضرت عائشہ ؓ کا یہ کہنا: ''آخر میں آپ کی ذات کے بارے میں اپنے والدین سے مشورہ کیوں کروں؟'' اور ان کا یہ کہنا: ''اپنی دیگر بیویوں کو میرے جواب کی خبر نہ دیجیے۔'' آخر یہ سب کچھ کس لیے ہے؟ کیا سیدہ عائشہ ؓ کے ان جملوں سے ان کے باطن کی حقیقت ظاہر نہیں ہو رہی؟ کیا ان اُلفت بھرے جملوں سے ان کے قلبی جذبات اور اپنے شوہر نامدار کی محبت پھوٹ پھوٹ کر عیاں نہیں ہو رہی؟ کیا سیدہ کے خیالوں کی تہ میں آپ ﷺ کی محبت اور عظمت کے جذبات کروٹ نہیں لے رہے؟ کیا سیدہ ؓ کے دل میں آپ ﷺ کو بڑی سے بڑی متاع پر بے دریغ ترجیح دینے کی تڑپ پوشیدہ نہیں؟ آخر اس سے بڑھ کر ایک بیوی کو اپنے شوہر سے اور کیسی محبت ہوگی؟ اور خود بیوی کے لیے اس سے بڑی سعادت کیا ہوگی کہ وہ دائم اپنے شوہر ہی سے وابستہ رہے۔

فی الحقیقت عمروں کا فرق شادی بیاہ کے معاملے میں زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ یہ کوئی معیوب بات بھی نہیں۔ اگر عرب میں چھوٹی عمر میں نکاح کا رواج نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کے دشمن مشرکینِ عرب اور یہود و نصاریٰ آپ ﷺ کے خلاف طوفان کھڑا کر دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ اس بارے میں کسی بدترین کافر اور مشرک نے بھی آپ ﷺ پر اعتراض کی اُنگلی نہیں اُٹھائی۔

[1] صحيح البخاري: 4786,4785، صحيح مسلم: 1475 و 1478.

معترضین کو مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی ؒ کا مسکت جواب

امام العصر مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی ؒ سیدہ عائشہ ؓ کے نکاح کے بارے میں آریوں کا اعتراض نقل کرتے ہیں اور انھی کی الہامی کتابوں سے ان کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

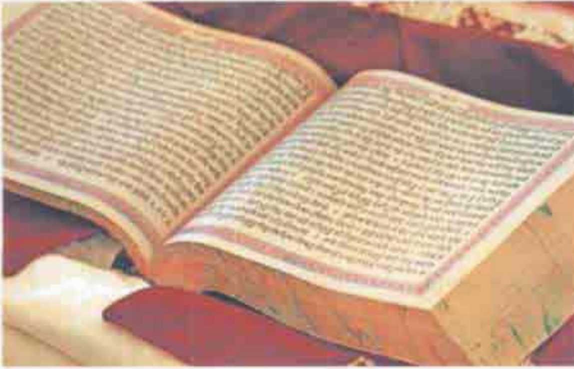
حضرت عائشہ ؓ اور آنحضرت ﷺ کے نکاح کے متعلق آریوں کا اعتراض ہے کہ چھ سال کی لڑکی سے نکاح کے اغراض مفقود ہیں، پھر آنحضرت ﷺ نے ایسی حالت میں ان سے نکاح کیوں کیا؟ علاوہ ازیں عائشہ ؓ کا نو سال کی عمر میں مدینہ شریف جا کر خانہ آبادی کا اہتمام کرنا بھی پیش از وقت ہے، نیز آنحضرت ﷺ اور حضرت عائشہ ؓ ہر دو کی عمروں میں تناسب نہیں ہے۔

جواب عرض ہے: بے شک نکاح چھ سال کی عمر میں ہوا لیکن رخصتی نہیں ہوئی۔ اس میں کوئی مذہبی یا عرفی یا سماجی عیب نہیں۔ جدید انگریزی قانون سے پہلے ہندوؤں، آریوں، سکھوں اور مسلمانوں کی قوموں میں ایسے نکاح بکثرت ہوتے رہے ہیں۔ مدینہ شریف میں نو سال کی عمر میں صرف رخصتی ہوئی تھی ...... اس رخصتی میں اہم حکمت یہی تھی کہ سیدہ عائشہ ؓ کا آنحضرت ﷺ کے گھر میں آنا اسی عمر میں مناسب تھا تاکہ تحصیل علم کے لیے مناسب قوائے ذہنیہ، جو قدرت نے سیدہ میں پیدا کر رکھے تھے، احسن صورت میں کمال کو پہنچیں۔ تناسب عمر کا جواب یہ ہے کہ امور مذکورہ بالا کو ملحوظ رکھتے ہوئے تناسب عمر کا سوال پیدا ہی نہیں ہوسکتا بالخصوص آریہ صاحبان تو یہ سوال اٹھا

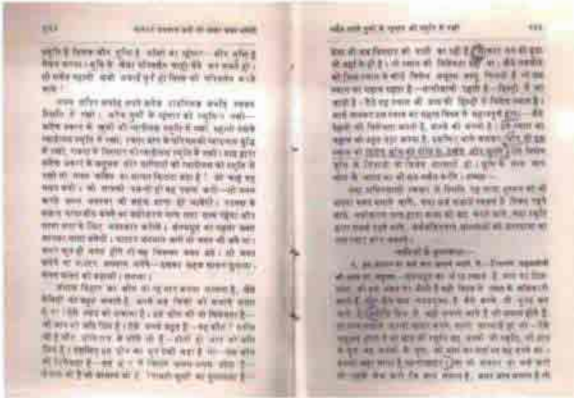

مسجد عائشہ (جدہ)

ہی نہیں سکتے۔ سنیے آنحضرت ﷺ سے کئی ہزار سال پیشتر منومہاراج تناسب عمر کے متعلق ہدایات فرما کر استثنائی صورت میں اس امر کو جائز قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ کا پرمان (فرمان) ہے:

"(88) اپنے کُل (خاندان، برادری) میں بہت اچھا اچارج (ہندو مذہبی عالم) اور خوبصورت اور ہم قوم لڑکا ملے، تب لڑکی چھوٹی بھی ہو یعنی وواہ (بیاہ) کے لائق نہ ہو تو بھی اس کا وواہ شاستر (قانونِ ہنود) کے موافق کر دینا چاہیے۔" (ادھیائے، ص:346، اشلوک نمبر:88)



سکھوں کی مذہبی کتاب "گورو گرنتھ صاحب"



ہندومت کی بھگوت گیتا کا ایک پرانا نسخہ

اب دیکھ لیجیے کہ آنحضرت ﷺ میں یہ اوصاف جمع ہیں یا نہیں؟ پہلے ہر دو کا نسب نامہ ملاحظہ ہو۔ ...... دونوں ہم قوم قریشی ہیں اور ہر دو کا نسب نامہ مُرّہ بن کعب پر جا ملتا ہے۔ دیگر یہ کہ آنحضرت ﷺ کی خوبصورتی اور آپ کا حسن و جمال دنیا جہان میں نرالا تھا اور یہ شعر کہ

ترا دیدہ و یوسف را شنیدہ　　شنیدہ کے بود مانند دیدہ

صرف اور صرف آپ ہی کی ذات اقدس پر صادق آ سکتا ہے۔

اس امر کی شہادت بغض بھرے دلوں سے نہ پوچھیے اور عام ہندوؤں اور عام عیسائیوں سے بھی دریافت نہ کیجیے کیونکہ ان ہر دو کے نزدیک خدا کا اوتار یا اس کا نبی ہونے کے لیے عصمت شرط نہیں بلکہ آنحضرت ﷺ کی نیکی اور عفت کی گواہی آپ کے ہم شہر اور ہم قوم لوگوں کی زبان سے سنیے کہ جب آپ ﷺ نے دعوتِ حق کے لیے لوگوں کو کوہِ صفا کے دامن میں جمع کر کے اپنی بابت پوچھا تو سب نے بالاتفاق کہا: مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلَّا صِدْقًا "ہم

نے آپ کو ہمیشہ سچا ہی پایا ہے۔“ [1]

پس جب آنحضرت ﷺ کا اور سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کا ہم قوم بلکہ اوپر جا کر ہم جد ہونا اور صادق و امین اور نہایت خوبصورت اور عفیف و پارسا ہونا بھی ثابت ہوگیا تو اب آریہ صاحبان کے لیے دو راستوں میں سے ایک ہی راستہ ہے۔ یا تو منوجی کے پرمان (فرمان) کے مطابق اپنا اعتراض واپس لیں یا منوجی سے بھی اعلان براءت ظاہر کر دیں لیکن وہ ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ سمرتیوں (ہندوؤں کی الہامی کتابوں) میں سے منوسمرتی سوامی دیانند جی کی مقبول وتسلیم کردہ سمرتی ہے۔ پس لازماً اعتراض واپس لینا پڑے گا۔ [2]

[1] صحيح البخاري: 4770. [2] ملاحظہ ہو: ستیارتھ پرکاش سمولاس: 3/88-92.

باب

4

فرضیتِ صیام و زکاۃ

روزہ اللہ رب العزت پر نا قابلِ تسخیر ایمان کا مؤثر ترین ذریعہ ہے اور ادائے زکاۃ وہ مبارک عمل ہے جو غربت و افلاس کا خاتمہ کر کے معاشرے میں خوشحالی پیدا کرتا ہے

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ

وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ

اور تم نماز قائم کرو اور زکاۃ دو، اور تم اپنے لیے جو بھی بھلائی آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں پاؤ گے،
بے شک تم جو عمل کرتے ہو اللہ اسے خوب دیکھنے والا ہے۔ (البقرۃ 2:110)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ

كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر روزہ رکھنا اسی طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح اُن
لوگوں پر فرض کیا گیا تھا اور جو تم سے پہلے تھے۔“ (البقرۃ 2:183)

اس باب میں

روزہ ایسی زبردست عبادت ہے جو اللہ کی ذاتِ عالی پر مسلمان کے ایمان کو ناقابلِ تسخیر بنا دیتی ہے۔ آپ اِس باب میں فرضیت صیام کے احکام ربانی اور رسالت مآب ﷺ کی ہدایات سے آگہی حاصل کریں گے۔ مزید برآں ان صفحات میں زکاۃ کی غرض و غایت، مسلم معاشرے میں اس کی زبردست اہمیت، صدقے کی فضیلت، صدقۂ فطر اور اولین نمازِ عید کے ایمان افروز احوال بھی بیان کیے گئے ہیں۔ ادائے زکاۃ اس قدر اہم اور فیض رساں عبادت ہے جس کی برکتوں کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ اِس باب میں آپ کو ادائے زکاۃ کے یہ نتائج و برکات معلوم ہونے کے علاوہ عید کا اصل مقصد بھی معلوم ہوگا اور آپ یہ جان جائیں گے کہ مسلمانوں کی خوشی کا تہوار بھی درحقیقت اللہ رب العزت کی بڑائی اور کبریائی بیان کرنے کے لیے ہے۔

فرضیتِ صیام

روزہ سارے آسمانی ادیان میں بطورِ حکم پہلے سے موجود تھا۔ قریشِ مکہ چونکہ ملتِ ابراہیمیہ پر ہونے کے دعویدار تھے، لہٰذا ان کے ہاں بھی روزہ رکھنے کا اہتمام تھا، چنانچہ رسولِ کریم ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے یہود کو یومِ عاشورہ (دس محرم) کا روزہ رکھتے پایا۔ پوچھنے پر انھوں نے بتایا: اس دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دی تھی اور موسیٰ علیہ السلام نے شکر کے طور پر اس دن کا روزہ رکھا تھا، اس لیے ہم ان کی تعظیم میں روزہ رکھتے ہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «نَحْنُ أَوْلٰى بِمُوسٰى مِنْكُمْ» ''ہم تم سے بڑھ کر موسیٰ علیہ السلام سے تعلق رکھتے ہیں۔'' پھر آپ ﷺ نے دس محرم کا روزہ رکھنے کا حکم دے دیا۔ [1]

دورِ جاہلیت میں قریش بھی یومِ عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ بھی اس دن روزہ رکھتے تھے۔ جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس کا حکم دے دیا۔ جب رمضان کے روزے فرض کر دیے گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو چاہے عاشورہ کا روزہ رکھ لے اور جو چاہے چھوڑ دے۔'' [2]

گویا نبی ﷺ یومِ عاشورہ کا روزہ ہجرت سے پہلے بھی رکھتے تھے، لیکن آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو اس روزے کا

[1] صحيح البخاري :3943، صحيح مسلم : 1130. [2] صحيح البخاري :3831، صحيح مسلم : 1125.

وہ دریا جس میں فرعون اپنے لشکر کے ساتھ غرق ہوا



حکم ہجرت کے بعد دیا جو رمضان کی فرضیت تک باقی رہا۔

روزے کب فرض ہوئے؟

مذکورہ بالا مطلق روزوں کا حکم تھا جو ہجرت کے فوراً بعد، یعنی ایک ہجری میں صادر ہوا تھا، البتہ رمضان کے روزوں کی فرضیت دو ہجری میں ہوئی۔ امام ابنِ جریر طبری رحمہ اللہ کا یہی خیال ہے۔ حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ نے بھی یہی لکھا ہے کہ رمضان المبارک کے روزے شعبان 2 ھ میں فرض ہوئے۔ [1]

احکامِ صیام مرحلہ وار فرض ہوئے

روزوں کے احکام مرحلہ وار نازل ہوئے تھے۔ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی درج ذیل حدیث سے اسی بات کی وضاحت ہوتی ہے:

"نماز کے احکام بتدریج تین مرحلوں میں نازل ہوئے اور روزوں کے احکام بھی تین (طرح کی) حالتوں سے گزرے ...... اس کی تفصیل یہ ہے: رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو ہر مہینے تین دن اور یومِ عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ پھر (دوسرے سال) اللہ تعالیٰ نے آپ پر اور جملہ اہل ایمان پر اس فرمان کے ذریعے رمضان کے روزے فرض کر دیے:

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾

"اے ایمان والو! تم پر روزہ رکھنا اسی طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح ان لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ (روزے) گنتی کے چند دن ہیں، پھر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کر لے اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں (پھر بھی نہ رکھیں) تو اس کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔" [2]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اختیار دیا کہ وہ روزہ رکھیں یا اس کے عوض فدیہ دے دیں۔ اب جو شخص چاہتا روزہ رکھتا اور جو چاہتا وہ روزہ چھوڑ دیتا اور ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتا تھا۔ اس کا یہ فدیہ روزے کی جگہ کافی ہو جاتا تھا۔ (یہ پہلے مرحلے کی حالت تھی) پھر اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت نازل فرمائی:

[1] تاریخ الطبري: 129/2، الفصول في سیرۃ الرسول: 48,47. [2] البقرۃ 2:183،184.

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾

"رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت کی واضح اور حق کو باطل سے جدا کرنے والی دلیلیں ہیں، پھر تم میں سے جو شخص اس مہینے کو پائے تو اسے چاہیے کہ اس کے روزے رکھے۔"[1]

اس فرمان کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہر تندرست اور مقیم شخص پر رمضان کے روزے فرض کر دیے۔ لیکن مریض اور مسافر کو رخصت دے دی، ایسے بڈھوں کو بھی رخصت مرحمت فرما دی جو روزہ رکھنے کی سکت نہیں رکھتے تھے، تاہم اُن کے لیے بطورِ فدیہ کھانا کھلانے کا طریقہ برقرار رکھا۔ یہ دوسرے مرحلے کی حالت تھی۔ مزید برآں اس وقت تک روزے کی صورت یہ تھی کہ لوگ رات کو سونے سے پہلے پہلے ہی کھا پی سکتے تھے اور وظیفۂ زوجیت بھی ادا کر سکتے تھے۔ جب سو جاتے تو (اگلی شام تک) ان کاموں سے باز رہنے کے پابند ہوتے تھے۔ پھر یوں ہوا کہ صِرمہ نامی ایک انصاری صبح سے لے کر شام تک دن بھر روزے کی حالت میں کام کرتے رہے۔ جب شام ہوئی تو اپنے گھر پہنچے، عشاء کی نماز ادا کی، پھر کچھ کھائے پیے بغیر ہی انھیں نیند آ گئی۔ صبح انھوں نے روزے کی حالت میں کی۔ رسولِ اکرم ﷺ نے انھیں دیکھا تو وہ سخت ہلکان اور بے حال ہو رہے تھے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا ہوا؟ میں تمھیں سخت ہلکان دیکھ رہا ہوں؟ انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں کل سارا دن کام کرتا رہا۔ جب گھر آیا تو بے اختیار بستر پر گرا اور سو گیا۔ صبح ہوئی تو میرا اگلا روزہ شروع ہو چکا تھا۔ اِدھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نیند سے بیدار ہو کر اپنی کسی بیوی یا لونڈی سے مباشرت کر بیٹھے اور نبیِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ساری بات بتا دی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۚ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۚ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ﴾ (البقرۃ 187:2)

"تمھارے لیے روزے کی رات کو اپنی عورتوں سے صحبت کرنا حلال کر دیا گیا ہے، وہ تمھارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔ اللہ نے جان لیا کہ بے شک تم اپنے آپ سے خیانت کرتے تھے، چنانچہ

[1] البقرۃ 185:2۔

اس نے تم پر توجہ فرمائی اور تمھیں معاف کر دیا، اس لیے اب تم ان سے ہم بستری کر سکتے ہو اور اللہ نے تمھارے لیے جو لکھ رکھا ہے، وہ تلاش کرو اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری کالی دھاری (شب کی) سے تمھارے لیے نمایاں ہو جائے، پھر رات تک روزہ پورا کرو۔'' [1]

اس طرح ربیع الاول سے لے کر رمضان تک روزوں کے احکام پایۂ تکمیل کو پہنچے اور نبی ﷺ نے روزے رکھے۔

روزہ کیا ہے؟

''صَوم'' یا ''صِیام'' صَامَ یَصُومُ سے مصدر ہے اور اس کے لغوی معنیٰ الإمساك یعنی رُکنا ہے۔ بعض علمائے کرام نے اس کی دلیل کے طور پر سیدہ مریم علیہا السلام کے قصے سے یہ فرمانِ باری تعالیٰ نقل کیا ہے:

﴿إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنسِيًّا﴾

''بے شک میں نے رحمٰن کے لیے صوم (روزے) کی نذر مانی ہے، لہٰذا آج میں کسی انسان سے ہرگز بات چیت نہیں کروں گی۔'' [2]

اس آیتِ کریمہ میں لفظِ صوم ''گفتگو سے رکنا'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صیام کی شرعی اور اصطلاحی تعریف یوں کی ہے:

إِمْسَاكٌ مَّخْصُوصٌ فِي زَمَنٍ مَّخْصُوصٍ مِّنْ شَيْءٍ مَّخْصُوصٍ بِشَرَائِطَ مَخْصُوصَةٍ.

''مخصوص زمانے میں کسی مخصوص چیز سے مخصوص شرائط کے ساتھ مخصوص انداز سے رُک جانا۔'' [3]

علامہ راغب اصفہانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: صوم کے معنی کسی کام سے رُک جانے کے ہیں، اس لیے جو گھوڑا چلنے سے رک جائے، اسے صائم کہا جاتا ہے۔ اصطلاحی طور پر ''صوم'' کے معنی ہیں: مکلّف کا فجر سے مغرب تک نیت کے ساتھ کھانے، پینے، ازدواجی تعلقات قائم کرنے اور ارادتاً قے کرنے سے رُک جانا۔

شیخ محمد بن صالح عثیمین رحمہ اللہ صوم کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هُوَ التَّعَبُّدُ لِلّٰهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى بِالْإِمْسَاكِ عَنِ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ وَسَائِرِ الْمُفْطِرَاتِ مِنْ طُلُوعِ الْفَجْرِ إِلٰى غُرُوبِ الشَّمْسِ.

''روزہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رضا کے لیے طلوعِ فجر سے غروبِ آفتاب تک کھانے پینے اور باقی نواقضِ روزہ

[1] مسند أحمد: 246/5، سنن أبي داود: 507. [2] مريم 19: 26. [3] فتح الباري: 132/4.

کاموں سے رُک جانے کا نام ہے۔"[1]

ان تعریفات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ روزہ بہت بڑا درسِ صبر ہے۔ اور بعض روایات میں واضح طور پر رمضان کو صبر کا مہینہ قرار دیا گیا ہے۔ یوں بھی اس وقت مدینہ منورہ میں جو حالات درپیش تھے، اُن کی نزاکت کے پیش نظر فرضیتِ صیام کی اہمیت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔[2]

رسولِ اکرم ﷺ تو رمضان کے علاوہ بھی کثرت سے روزے رکھنے کے خوگر تھے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ روزہ کتنی اہم چیز ہے اور اس کا سیرت مقدسہ سے کتنا گہرا ربط ہے۔ لہٰذا روزوں کی حکمت اور فضائل و برکات کے حوالے سے علمائے کرام نے قرآن وسنت کی روشنی میں جو نکات بیان کیے ہیں، یہاں ان کا تذکرہ نہایت ضروری ہے۔

حصولِ تقویٰ کا مؤثر ترین ذریعہ

کسی دین کا اہم ترین فریضہ انسان کی اصلاح ہوتا ہے اور اس کی واحد صورت یہی ہے کہ اس کے دل کی اصلاح ہو جائے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب اس میں تقویٰ، یعنی خوفِ الٰہی کی شمع فروزاں کر دی جائے۔ یہی وہ مقصودِ اعظم ہے جس کے حصول کا مؤثر ترین ذریعہ روزہ ہے۔ صبح سے لے کر شام تک کھانے پینے اور خواہشاتِ نفسانی سے محض اس لیے پرہیز کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے، پھر مسلمان چاہے تنہا ہو، اسے کوئی آنکھ نہ دیکھ رہی ہو، اسے سخت پیاس بھی لگ رہی ہو، ٹھنڈا پانی بھی اس کے پاس موجود ہو، اس کے باوجود اس کا ہر حالت میں فرمانِ الٰہی کی بجا آوری پر کاربند رہنا تقویٰ ہی کا کمال ہے۔

تقویٰ ایک ایسا خزانہ ہے جس میں دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں جمع ہیں۔ اعمالِ صالحہ کی قبولیت اسی کے دم سے ہے۔ روزوں کی فرضیت میں سب سے بڑی حکمت اسی تقویٰ کا حصول ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝﴾

"اے مومنو! تم پر روزہ رکھنا اسی طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح ان لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔"[3]

روزے کی ایک زبردست حکمت نفس کو شہوتوں سے روکنا، مرغوب چیزوں سے بچانا اور کھانا پینا کم کرکے انسان کے باطن میں شیطان کے نفوذ کا سدباب کرنا ہے۔ اس طرح آدمی سے گناہ کے کام سرزد نہیں ہوتے۔ یہی تقویٰ کا تقاضا ہے۔

[1] الشرح الممتع على زاد المستقنع :298/6. [2] مسند أحمد :28/5، سنن أبي داود :2428، السنن الكبرٰى للبيهقي : 292/4. [3] البقرة 2:183.

علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ اس ضمن میں لکھتے ہیں: ''ظاہری اعضاء اور باطنی قُویٰ کی حفاظت کے سلسلے میں روزے کی تاثیر بہت عجیب ہے .... روزہ دل اور دیگر اعضاء کی صحت کا محافظ ہے۔ شہواتِ نفسانیہ کے ہاتھوں ان اعضاء کا جو نقصان ہو جاتا ہے، روزہ اُسے پورا کرتا ہے۔''[1]

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ روزہ اور تقویٰ کے بارے میں لکھتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بیان فرمایا ہے کہ روزہ تقویٰ نصیب کرتا ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو جبکہ روزے میں شہوت کو توڑنے اور خواہشاتِ نفسانی کو دبانے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ روزہ عیش و عشرت، تکبر اور بے حیائی سے بچانے کے ساتھ ساتھ دنیا کی لذتوں اور جاہ و منصب کو مسلمان کی نظر میں حقیر کرتا ہے کیونکہ یہ پیٹ کی بھوک اور شرمگاہ کی شہوت کا قلع قمع کر دیتا ہے۔''[2]

روزہ گناہوں کے آگے ڈھال ہے

ایک حدیثِ قدسی میں روزے کو گناہوں کے آگے ڈھال قرار دیا گیا ہے:

«كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ إِلَّا الصِّيَامَ، فَإِنَّهُ لِي، وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ»

''آدم کے بیٹے کے تمام اعمال اسی کے لیے ہیں، سوائے روزے کے کہ وہ میرے لیے ہوتا ہے اور میں خود ہی اس کی جزا دوں گا۔ روزہ ڈھال ہے۔''[3]

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

«كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ، اَلْحَسَنَةُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا إِلٰى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ، قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: إِلَّا الصَّوْمَ، فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، يَدَعُ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ مِنْ أَجْلِي»

''آدم کے بیٹے کے تمام اعمال میں بڑھوتری کی جاتی ہے۔ ایک نیکی دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک بڑھائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: سوائے روزے کے کہ وہ صرف میرے لیے ہوتا ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ روزہ دار صرف میرے لیے اپنی شہوت اور کھانا پینا چھوڑتا ہے۔''[4]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ روزہ سراسر تقویٰ ہے۔ باقی تمام عبادات میں انسان کو اوروں سے واسطہ پڑتا ہے اور دوسرے لوگ اس کی عبادت سے آگاہ ہوتے ہیں، نیز ان میں ریاکاری کا دخل بھی ہو سکتا ہے، لیکن روزہ ایسی عبادت ہے کہ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہوتا ہے۔ تقویٰ کی یہ مشق اسے پورے ایک مہینے تک کرنی پڑتی ہے۔

1 زاد المعاد: 29/2. 2 تفسیر الرازي، البقرة 2: 183. 3 صحیح البخاري: 1904. 4 صحیح مسلم: 1151.

اس طرح اس کے دل میں خوفِ الٰہی کا نقش گہرا ہو جاتا ہے۔ اگر اخلاصِ نیت کے ساتھ روزے رکھے ہوں تو رمضان کے بعد بھی اس سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہیں ہوتی جو اس کے مولا کریم نے منع فرما رکھی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دیگر عبادات کی طرح اس کا ثواب مقرر نہیں کیا اور فرشتے اس کو لکھنے پر مامور نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ خود ہی بہ نفسِ نفیس اس کا ثواب عنایت فرمائے گا۔

رمضان: صبر کا مہینہ

روزے کی حکمتوں میں سے ایک اہم حکمت صبر کی افزائش ہے۔ ہجرت کے بعد مہاجرین اور انصار کو بڑے سخت حالات کا سامنا تھا، لیکن ابھی حالات کی سنگینی اپنی آخری حد تک نہیں پہنچی تھی، اس لیے صرف یومِ عاشورہ کا روزہ فرض کیا گیا۔ جب کفار سے مقابلے اور جنگ کی نوبت آئی تو زیادہ صبر کی ضرورت تھی، لہٰذا فرضیتِ جہاد کے متصل بعد غزوۂ بدر سے ایک مہینہ پہلے شعبان 2 ھ میں رمضان کے روزے فرض کر دیے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے رمضان کو «شهر الصبر» ”صبر کا مہینہ“ قرار دیا ہے۔[1]

طلوعِ فجر سے غروبِ آفتاب تک محرمات کے ساتھ ساتھ حلال چیزوں سے بھی رُکے رہنا صبر کا بہت بڑا امتحان ہے۔ روزے سے اسی قوتِ ارادی کی پرورش مقصود ہے جس کے ذریعے انسان میں شہوانی اور نفسانی خواہشات کے خلاف صبر کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ اسی صبر کے ذریعے اُن اوامرِ الٰہی کی پاسداری کی جا سکتی ہے جن میں سے ایک اہم امر رسالتِ محمدیہ ﷺ کی ترویج و اشاعت ہے۔

فقراء و مساکین سے ہمدردی اور شکرانِ نعمت

روزہ غمخواری کا مہینہ بھی کہلاتا ہے۔ اس میں فقراء و مساکین سے ہمدردی کا جذبہ پروان چڑھتا ہے۔ ایک مسلمان یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ اشیائے خور و نوش کو محض چند گھنٹے تک کس قدر مشکل سے ترک کرتا ہے تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جو بیچارے ان نعمتوں سے یکسر محروم ہیں، ان کا کیا حال ہو گا؟ وہ بوڑھے لوگ جو روزہ رکھنے کی ہمت نہیں پاتے اور وہ مریض جنھیں شفایابی کی توقع نہیں، ان کی طرف سے ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلانے کے حکم میں بھی یہی راز مضمر ہے۔

جب بندہ روزہ رکھتا ہے اور اسے بھوکے پیاسے فقیر و مسکین لوگ یاد آتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور وہ اپنے بھوک پیاس سے نڈھال بھائیوں کی تکلیفوں کو کماحقہٗ محسوس کرتا ہے۔ یوں روزہ دار کے دل میں

[1] مسند أحمد: 263/2، السنن الكبرٰى للبيهقي: 291/4، صحيح الجامع للألباني: 3803.

شکرانِ نعمت کا جذبہ پروان چڑھتا ہے اور فقراء و مساکین کی ہمدردی کے حوالے سے اس پر قرآنِ کریم کی یہ آیت صادق آتی ہے:

﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾

''اور اپنی ذات پر (ان کو) ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود انھیں سخت ضرورت ہو۔'' [1]

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا صحیح احساس انسان کو اُسی وقت ہوتا ہے جب وہ ان سے محروم ہوتا ہے۔ جب انسان بھوک کے بعد کھانا کھا لیتا ہے اور پیاس کے بعد پانی پی کر سیراب ہوتا ہے تو تب ہی اسے صحیح معنوں میں اپنے پروردگار کی نعمتوں کا ادراک ہوتا ہے اور وہ بے ساختہ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ''الحمدللہ'' پکار اُٹھتا ہے۔ فرضیتِ صیام میں یہ حکمت بھی پنہاں ہے۔

زندگی بھر حرام سے اجتناب کا درس

رمضان المبارک کی حکمتوں میں سے ایک اہم حکمت یہ ہے کہ روزے رکھنے کے بعد ایک مسلمان میں یہ جذبہ انگڑائی لیتا ہے کہ جس ذات کے حکم سے میں رمضان میں حلال چیزوں سے بھی گریز اور پرہیز کرتا ہوں، اسی کے حکم سے غیر رمضان میں حرام کاموں سے آخر کیوں نہیں رُک جاتا؟ ایک مسلمان کے لیے کھانے پینے اور دیگر جائز امور سے پرہیز صرف رمضان میں ضروری ہوتا ہے، جبکہ حرام چیزوں اور کاموں سے پرہیز زندگی بھر فرض ہوتا ہے۔ صوم کے لغوی معنیٰ ''رُکنا'' اسی حقیقت کے آئینہ دار ہیں۔ انسان کی آنکھ، کان، زبان، ہاتھ، پاؤں اور شرمگاہ کا حرام سے رُک جانا لغوی اعتبار سے صوم ہی تو ہے اور یہ صوم (روزہ) زندگی بھر کے لیے ہر لمحے میں واجب ہے۔ یوں ماہِ رمضان گناہوں سے اجتناب اور جہاد کی تیاری کا ایک تربیتی کورس ہے۔ جب انسان کچھ عرصے کے لیے اللہ کے حکم سے اپنے اوپر حلال چیزیں بھی حرام کر لیتا ہے تو پھر اس کے لیے حرام سے اجتناب کرنا اور اللہ کے حکم پر جان تک قربان کر دینا آسان ہو جاتا ہے۔

روزہ اور پابندئ وقت

روزہ انسان کو پابندئ وقت کا عادی بناتا ہے۔ سحری و افطاری کے اوقات بہت محدود ہوتے ہیں۔ ان اوقات سے اسلام کے نظامِ نظم و ضبط کا ادراک ہوتا ہے۔ سستی اور کاہلی دُور ہوتی ہے۔ جو شخص حرمِ مکی اور حرمِ مدنی میں لاکھوں

[1] الحشر 59:9.



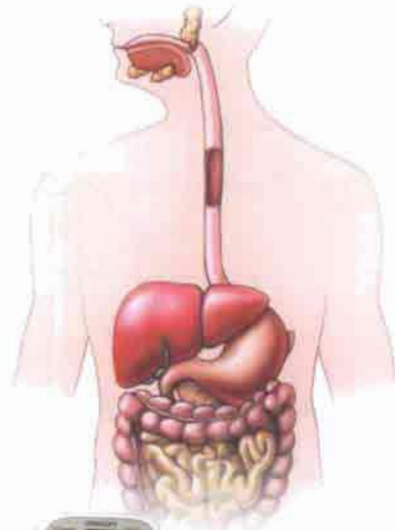


مسجد نبوی اور مسجد الحرام میں افطاری کے خوبصورت منظر

مسلمانوں کو اذان کا پہلا کلمہ سن کر ایک ہی لمحے میں روزہ افطار کرتے دیکھے گا، اسے مسلمانوں کے نظم و ضبط کا صحیح معنوں میں احساس و ادراک ہو جائے گا۔

روزہ اور جسمانی صحت

مسلمان اسلامی فریضے کے طور پر، کسی جسمانی و دنیاوی فائدے کی طمع کیے بغیر، روزہ رکھتے ہیں۔ اس مقدس عمل سے روحانی فوائد کے ساتھ ساتھ جسمانی صحت پر بھی نہایت مفید اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اسے دنیا بھر کے طبی ماہرین خصوصاً جدید سائنس نے ہزاروں طبی تجربات کے بعد تسلیم کیا ہے۔



کچھ عرصہ پہلے تک یہی خیال کیا جاتا تھا کہ روزے کے طبی فوائد محض نظام ہضم ہی تک محدود ہیں لیکن جیسے جیسے سائنس اور علم طب نے ترقی کی، انسانی بدن کے دیگر اعضاء و جوارح پر اس کے فوائد آشکار ہوتے چلے گئے اور محققین یہ حقیقت ماننے پر مجبور و متفق ہو گئے کہ روزہ تو ایک کھلا طبی معجزہ ہے۔

روزہ شوگر لیول، کولیسٹرول اور بلڈ پریشر میں اعتدال لاتا ہے۔ حالات کا دباؤ، اعصابی کھچاؤ اور ذہنی تناؤ ختم کر کے بیشتر نفسیاتی امراض



سے چھٹکارا دلاتا ہے۔ روزہ رکھنے سے جسم میں خون بننے کا عمل تیز ہو جاتا ہے اور جسم کی تطہیر ہو جاتی ہے۔ روزہ انسانی جسم سے فضلات اور تیزابی مادے خارج کرتا ہے۔ اس سے دماغی صلاحیتوں کو جلا ملتی ہے۔ روزہ موٹاپا گھٹانے اور پیٹ کو کم کرنے میں مفید ہے، خاص طور پر نظامِ ہضم کی اصلاح کرتا ہے اور اسے بہتر بناتا ہے اور بیسیوں امراض کا شافی علاج ہے۔

حدیث میں روزے کے فضائل

احادیثِ نبویہ میں روزے کے بہت سے فضائل بیان ہوئے ہیں۔ یہاں ان کا اختصار کے ساتھ ذکر نہایت مناسب ہے:





نافۂ ہرن سے نکلی ہوئی کستوری

روزے کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے خاص کیا ہے اور دیگر عبادات سے ہٹ کر اس کا اجر بے حد و حساب رکھا ہے۔ [1]

روزہ دار کی دعا رد نہیں ہوتی۔ [2]

روزے قیامت کے دن روزہ دار کی سفارش کریں گے۔ [3]

روزہ دار کے منہ کی بُو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کستوری سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ [4]

ایک روزہ انسان کو جہنم سے ستر سال کی مسافت تک دور کر دیتا ہے۔ [5]

جنت کا ''باب الریان'' نامی دروازہ صرف روزہ داروں کے لیے بنایا گیا ہے۔ [6]

رمضان میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین جکڑ دیے جاتے ہیں۔ [7]

رمضان کے روزے مغفرت کا باعث ہیں۔ [8]

[1] صحیح البخاری: 1904، صحیح مسلم: 1151. [2] جامع الترمذی: 3598، سنن ابن ماجه: 1752، صحیح ابن حبان: 214/8. [3] مسند أحمد: 174/2، صحیح الجامع: 3882. [4] صحیح البخاري: 1904، صحیح مسلم: 1151. [5] صحیح مسلم: 1153. [6] صحیح البخاري: 1896، صحیح مسلم: 1027. [7] سنن النسائي: 2097. [8] صحیح البخاري: 38، صحیح مسلم: 760.

صدقۂ فطر کی فرضیت

یہ ایک قدرتی بات ہے کہ مدارجِ معیشت مختلف ہیں، کسی بھی معاشرے میں تمام افراد یکساں طور پر خوشحال نہیں ہوتے۔ کچھ لوگ آسودہ حال ہوتے ہیں تو بہت سے لوگ نانِ شبینہ کے لیے ترس رہے ہوتے ہیں۔ سب لوگ تو خوشیاں منا رہے ہوں لیکن اسی بستی کے کچھ افراد کو سوکھی روٹی بھی میسر نہ ہو تو ان کا احساس نہ کرنا بڑی سنگدلی کی بات ہے، اسی لیے دو ہجری میں رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت کے متصل بعد ماہِ رمضان ہی میں صدقۂ فطر بھی فرض کر دیا گیا۔ [1]


صاع

مسند احمد وغیرہ کی حدیث میں صدقۂ فطر کی فرضیت کا بیان ان الفاظ میں ہے:

خَطَبَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ النَّاسَ قَبْلَ الْفِطْرِ بِیَوْمَیْنِ، فَقَالَ: «أَدُّوا صَاعًا مِّنْ بُرٍّ أَوْ قَمْحٍ، بَیْنَ اثْنَیْنِ، أَوْ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِّنْ شَعِیرٍ، عَلٰی کُلِّ حُرٍّ وَّعَبْدٍ وَّصَغِیرٍ وَّکَبِیرٍ»

''رسول اللہ ﷺ نے عیدالفطر سے دو روز پہلے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''دو دن کے اندر اندر گندم یا کھجور یا جَو کا ایک صاع ادا کرو۔ یہ ہر آزاد، غلام اور چھوٹے، بڑے پر فرض ہے۔'' [2]

زکاۃ فطر کیا چیز ہے؟

یہ اصطلاح دو لفظوں پر مشتمل ہے: زکاۃ، یعنی پاکیزگی اور فطر، یعنی روزوں سے پہلی والی حالت، جس میں کھانے پینے کے اُمور حلال ہو جاتے ہیں۔ یوں زکاۃ الفطر کا مطلب ہوا: وہ زکاۃ جو روزوں کے بعد فطر کی حالت میں، خاص لوگوں کے لیے، خاص وقت میں، خاص چیزوں سے، عبادت کی نیت سے ادا کی جائے۔

[1] البداية والنهاية: 36/4، السيرة النبوية للصلابي: 670/1. [2] مسند أحمد: 432/5، سنن أبي داود: 1612، سنن الدارقطني: 147/2.

دوسرے لفظوں میں فطرانہ ایک زکاۃ یا صدقہ ہے جو رمضان المبارک کے روزے ختم ہونے پر واجب ہو جاتا ہے، اور زکاۃ کی فطر کی طرف اضافت اس لیے ہے کہ یہ اس کے واجب ہونے کا سبب ہے۔

حدیثِ نبوی سے فطرانہ کی دو حکمتیں واضح ہوتی ہیں:

1 کوتاہی کا ازالہ

اس حکمت کا تعلق خاص طور پر رمضان المبارک کے ساتھ ہے۔ ہر انسان اپنے قول وفعل میں غلطی کا شکار ہوتا رہتا ہے۔ رمضان المبارک میں بھی پوری کوشش کے باوجود انسان سے کسی نہ کسی کمی وکوتاہی کا ارتکاب ہو ہی جاتا ہے۔ صدقۂ فطر کی فرضیت کا ایک مقصود اسی کوتاہی کی تلافی ہے، جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

فَرَضَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ زَكَاةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِّلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِّلْمَسَاكِينِ.

''رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر روزے دار کو لغو اور بیہودہ باتوں سے پاک کرنے اور مسکینوں کو خوراک کی فراہمی کے لیے فرض کیا۔''[1]

2 عید کی خوشیوں میں غرباء کی شرکت

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صدقۂ فطر کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ محتاج اور تنگدست لوگ بھی عید کی خوشیوں میں شریک ہو سکیں۔ حدیثِ نبوی میں صدقۂ فطر، نمازِ عید پڑھنے سے پہلے ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ فرمانِ نبوی ہے:

«مَنْ أَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلَاةِ فَهِيَ زَكَاةٌ مَّقْبُولَةٌ، وَمَنْ أَدَّاهَا بَعْدَ الصَّلَاةِ فَهِيَ صَدَقَةٌ مِّنَ الصَّدَقَاتِ»

''جس نے صدقۂ فطر نمازِ عید سے پہلے ادا کیا تو (اس کے لیے) یہ مقبول فطرانہ ہے اور جس نے اسے نمازِ عید کے بعد ادا کیا تو یہ ایک عام صدقہ ہے۔''[2]

[1] سنن أبي داود: 1611، سنن ابن ماجه: 1827، المستدرك للحاكم: 409/1. [2] سنن أبي داود: 1611، سنن ابن ماجه: 1827، المستدرك للحاكم: 409/1.

پہلی نمازِ عید

دو ہجری ہی میں رمضان المبارک کے بعد سب سے پہلی نماز عید ادا کی گئی۔ یہ خوشگوار اتفاق تھا کہ مسلمانوں نے اپنی زندگی میں سب سے پہلے جو عید منائی، وہ یہی تھی۔ یہ جنگِ بدر کی فتحِ مبین کے کچھ ہی دن بعد کا واقعہ ہے۔ کتنی خوشگوار تھی یہ عیدِ سعید جس کی سعادت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے سر پر فتح و عزت کا تاج رکھنے کے بعد عطا فرمائی اور کتنا ایمان افروز تھا اس نمازِ عید کا منظر جو مسلمانوں نے اپنے گھروں سے نکل کر تکبیر و توحید اور تسبیح و تحمید کی آوازیں بلند کرتے ہوئے میدان میں جا کر پڑھی۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ مسلمانوں کے دل اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں اور غیبی مدد کے سبب اس کی طرف بے حد رغبت کے جذبات سے معمور تھے اور ان کی پیشانیاں اس کے شکر و سپاس کے لیے جھکی ہوئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کا ذکر اس آیتِ کریمہ میں فرمایا ہے:

﴿وَاذْكُرُوٓا إِذْ أَنتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ فِى الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَن يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَـَٔاوَىٰكُمْ وَأَيَّدَكُم بِنَصْرِهِۦ وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝﴾ (الأنفال 26:8)

''اور یاد کرو جب تم بہت تھوڑے تھے، زمین میں کمزور سمجھے جاتے تھے، تم اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ تمھیں اچک (نہ) لے جائیں تو اللہ نے تمھیں ٹھکانا دیا، اور اپنی نصرت کے ساتھ تمھاری تائید کی، اور تمھیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا تاکہ تم (اس کا) شکر کرو۔''[1]

[1] البداية والنهاية: 36/4، الرحيق المختوم، ص: 317، السيرة النبوية للصلابي: 671/1.



نمازِ عید کے بعد کا منظر



مسجد غمامہ

فرضیتِ زکاۃ

زکاۃ کی تاریخ فرضیت میں اختلاف ہے۔ بعض اہل علم کے مطابق زکاۃ مکہ ہی میں فرض ہوگئی تھی۔ اکثر مؤرخین کی رائے یہ ہے کہ زکاۃ دو ہجری کو شوال کے مہینے میں فرض کی گئی۔ اس اختلاف کا سبب وہ آیاتِ قرآنیہ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو مکہ ہی میں زکاۃ ادا کرنے کا حکم دے دیا گیا تھا۔ سورۂ مزمل بالاتفاق مکی سورت ہے، اسی سورت مبارک میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾

''اور نماز قائم کرو اور زکاۃ دو اور اللہ کو قرض حسنہ دو۔''[1]

ایک اور مکی سورت میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ○ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ○﴾

''اور مشرکین کے لیے ہلاکت ہے جو زکاۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں۔''[2]

اسی طرح بعض احادیث، خصوصاً ہجرتِ حبشہ والی روایات سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ مکی دور میں بھی ادائے زکاۃ کا حکم موجود تھا اور مسلمان اس پر عمل پیرا تھے۔ سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی طرف سے نجاشی کے سامنے جو خطاب کیا تھا، اس میں یہ الفاظ موجود ہیں:

وَأَمَرَنَا بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَالصِّيَامِ، ـ قَالَ: فَعَدَّدَ عَلَيْهِ أُمُورَ الْإِسْلَامِ ـ فَصَدَّقْنَاهُ وَآمَنَّا بِهِ وَاتَّبَعْنَاهُ عَلَى مَا جَاءَ بِهِ ......

''اور اس (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمیں نماز، زکاۃ اور روزوں کا حکم دیا ہے۔'' پھر سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے اسلام کے ارکان گنوائے، (پھر کہا) ''ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی، آپ پر ایمان لائے اور آپ کی لائی ہوئی شریعت کی پیروی کی۔''[3]

[1] المزمل 20:73. [2] حمٓ السجدة 41:6،7. [3] مسند أحمد: 203/1، 292/5، صحيح ابن خزيمة: 14/4.

اس کے ساتھ ساتھ دوسری طرف زکاۃ ہجرت کے بعد فرض کیے جانے پر بھی دلائل موجود ہیں، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سورۂ براءت (التوبہ) کی آیتِ کنز کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: إِنَّمَا كَانَ هٰذَا قَبْلَ أَنْ تُنْزَلَ الزَّكَاةُ. ''یہ زکاۃ کی فرضیت نازل ہونے سے پہلے کی بات ہے۔'' [1]

اب سورۂ براءت مدنی ہے اور اس میں نازل ہونے والے حکم کو سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما زکاۃ کی فرضیت سے پہلے کا واقعہ قرار دے رہے ہیں۔ پھر سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہ صدقۂ فطر کے بارے میں فرماتے ہیں:

أَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَبْلَ أَنْ تُنْزَلَ الزَّكَاةُ.

''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس کا حکم زکاۃ کی فرضیت نازل ہونے سے پہلے دیا تھا۔'' [2]

اس عقدے کو حل کرتے ہوئے شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''مسلمانوں کو مکہ میں بھی زکاۃ اور احسان کا حکم دیا گیا تھا، لیکن زکاۃ کے فرائض اور نصاب مدنی دور میں مقرر ہوئے۔'' [3]

فرضیتِ زکاۃ کے حوالے سے مؤرخین کرام کے الفاظ بھی یہی بتاتے ہیں، جیسا کہ حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''نصاب والی زکاۃ دو ہجری ہی میں فرض ہوئی۔'' [4]

دکتور زید بن عبدالکریم زید مکی آیات میں زکاۃ کے حکم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ آیات صرف عمومی طور پر زکاۃ اور صدقے کی مشروعیت کے بارے میں آگہی بخشتی ہیں۔ ان آیات میں اس بات کی کوئی وضاحت نہیں کہ زکاۃ کس پر فرض ہے اور زکاۃ کے مصارف کیا کیا ہیں؟ زکاۃ دو ہجری ماہِ شوال میں فرض ہوئی اور ادائے زکاۃ ارکانِ اسلام کا ایک رکن بن گیا۔ [5]

فی الجملہ جب مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے اور انھوں نے اسبابِ معیشت کے لیے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی جدوجہد کی تو مدینہ منورہ کو ایک اسلامی اور فلاحی ریاست بنانے کی خاطر اللہ تعالیٰ نے مالداروں پر زکاۃ فرض کرتے ہوئے اس کے نصاب اور مصارف کی تفصیلات بیان فرما دیں۔

زکاۃ کیا ہے؟

زکاۃ کے لغوی معنیٰ بڑھوتری اور پاکیزگی ہیں۔ ابنِ منظور رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

[1] صحيح البخاري: 1339. [2] مسند أحمد: 6/6، سنن النسائي: 2507، سنن ابن ماجه: 1828، صحيح ابن خزيمة: 81/4، المستدرك على الصحيحين للحاكم: 1419. [3] مجموع الفتاوىٰ لابن تيمية: 606/7. [4] البداية والنهاية: 36/4. [5] فقه السيرة: 385.

اَلزَّكَاءُ مَمْدُودًا : اَلنَّمَاءُ وَالرَّيْعُ .... وَالزَّكَاةُ الصَّلَاحُ .... زَكَاةُ الْمَالِ مَعْرُوفَةٌ، وَهُوَ تَطْهِيرُهُ .

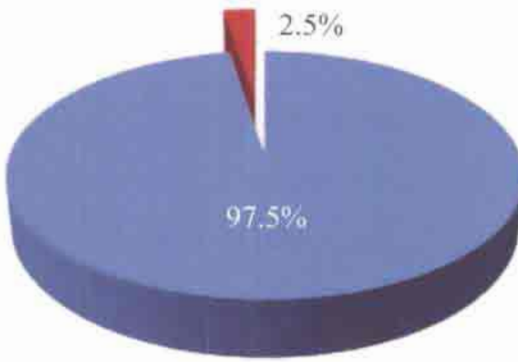
"زکاء کے معنی نمو اور بڑھوتری ہیں ...... زکاۃ سے مراد درستی بھی ہے ...... مال کی زکاۃ معروف ہے۔ اس سے مراد مال کی پاکیزگی ہے۔"[1]

شرعی اصطلاح میں زکاۃ کی تعریف کرتے ہوئے علامہ ابنِ عثیمین ؒ لکھتے ہیں:

فَهِيَ التَّعَبُّدُ لِلّٰهِ تَعَالٰى بِإِخْرَاجِ قَدْرٍ وَّاجِبٍ شَرْعاً فِي أَمْوَالٍ مَّخْصُوصَةٍ لِّطَائِفَةٍ أَوْ جِهَةٍ مَّخْصُوصَةٍ .

"مخصوص گروہ یا جہت (مد) کے لیے، مخصوص اموال میں سے شرعی طور پر واجب مقدار نکال کر اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کا نام زکاۃ ہے۔"[2]

جن حالات میں زکاۃ فرض کی گئی تھی، ان حالات کے تناظر میں دیکھا جائے تو اس کی بہت سی خوبیاں حکمتیں، اور برکتیں عیاں ہو کر سامنے آتی ہیں۔ یہ نفسی بخل اور کنجوسی کی تطہیر ہے، کرم و سخاوت پر مائل کرتی ہے۔ فقراء و مساکین کی مدد کا عادی بناتی ہے اور اس کا اجر و ثواب قیامت کے دن رب ذوالجلال کی رحمت سے ہمکنار کرتا ہے۔



مال کا 2.5 فیصد اللہ کی راہ میں دینا آپ کی جیب پر بھاری نہیں

زکاۃ مسلمان پر عام مالیاتی ٹیکسوں کی طرح کوئی بوجھ، مشقت یا ظلم نہیں ہے، بلکہ یہ تو بہت سہل مالی عبادت ہے۔ یعنی ہر ایک ہزار روپے پر صرف پچیس روپے بطور زکاۃ لاگو ہوتے ہیں جو اسلام پر خلوص دل سے ایمان رکھنے والا مسلمان نہایت خوش دلی سے ادا کرتا ہے اتنے مقدس و مستحسن مالی فریضے کی ادائیگی سے کوئی سچا مسلمان کبھی نہیں گھبراتا حتی کہ اگر اس کے پاس کوئی زکاۃ لینے والا نہ بھی جائے تب بھی وہ اسے بہر حال ادا کرتا ہے اور مستحق زکاۃ تک پہنچاتا ہے۔

[1] لسان العرب: 358/14. [2] فقه العبادات لابن العثيمين: 171/1.

زکاۃ کے دینی فوائد

زکاۃ اسلام کے ارکان میں سے ایک اساسی رکن ہے جس کی ادائیگی پر دنیا وآخرت میں بندے کی نیک بختی اور کامیابی وکامرانی کا دار ومدار ہے۔ یہ بندے کو رب ذوالجلال سے قریب تر کردیتی ہے اسکے ایمان میں اضافہ کرتی ہے، بالکل اسی طرح جس طرح دیگر نیکیوں کے انجام دینے سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ زکاۃ کی ادائیگی پر بہت بڑا اجر وثواب نصیب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمانِ گرامی ہے:

﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ﴾

"اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔"[1]

ایک مقام پر فرمانِ باری تعالیٰ یوں ہے:

﴿وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ﴾

"اور تم سود پر جو (قرض) دیتے ہو تاکہ وہ لوگوں کے مالوں میں (شامل ہوکر) بڑھے، تو وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا، اور تم اللہ کا چہرہ چاہتے ہوئے جو کچھ بطور زکاۃ دیتے ہو، تو ایسے لوگ ہی (اپنا مال) کئی گنا بڑھانے والے ہیں۔"[2]

نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی مذکورہ آیات کی بڑی عمدہ تفسیر ہے:

«مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِّنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ ـ وَلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ إِلَّا الطَّيِّبَ ـ وَإِنَّ اللّٰهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِينِهِ، ثُمَّ يُرَبِّيهَا لِصَاحِبِهِ كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ فَلُوَّهُ حَتّٰى تَكُونَ مِثْلَ الْجَبَلِ»

"جو شخص پاکیزہ (حلال) کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ قبول بھی صرف پاک (حلال) چیز فرماتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے داہنے ہاتھ سے قبول کرتا ہے، پھر اس کی اسی طرح پرورش (افزائش) کرتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی شخص اپنے بچھیرے (گھوڑے کے بچے) کی پرورش کرتا ہے یہاں تک کہ وہ (صدقہ کیا ہوا مال) پہاڑ کی مانند ہوجاتا ہے۔"[3]



[1] البقرة 2:276. [2] الروم 30:39. [3] صحيح البخاري: 1410، صحيح مسلم: 1014.

اللہ تعالیٰ زکاۃ کے سبب گناہ بھی معاف کر دیتا ہے، جیسا کہ نبیٔ اکرم ﷺ کا فرمانِ گرامی ہے:

«وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيئَةَ كَمَا يُطْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ»

''اور صدقہ گناہ کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔''[1]

زکاۃ کے اخلاقی فوائد

زکاۃ اپنی ادائیگی کرنے والے کو سخی و فیاض بناتی اور ارباب جود و کرم کے زمرے میں شامل کر دیتی ہے۔ زکاۃ ادا کرنے والے اپنے فقیر و محتاج بھائیوں پر مہربانی و ہمدردی کرنے کی خوبی سے آراستہ ہو جاتے ہیں اور ناداروں پر مہربانی کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ رحم فرماتا ہے۔

یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ مسلمانوں کو مالی اور جسمانی نفع پہنچانے سے شرح صدر اور دل کا سرور حاصل ہوتا ہے اور اسکے سبب انسان اپنے بھائیوں کو نفع پہنچانے کے بقدر محبوب اور معزز و مکرم ہو جاتا ہے۔

زکاۃ کی ادائیگی سے انسان کا نفس کنجوسی و بخیلی کی گراوٹ سے پاک ہو کر سخاوت و فیاضی سے مزین ہو جاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا﴾

''(اے نبی!) ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجیے (تاکہ) آپ اس کے ذریعے سے انھیں پاک کریں اور ان کا تزکیہ کریں۔''[2]

بعض انسان مالدار ہوتے ہیں اور وہ مال کے مالک ہوتے ہوئے مال ہی کے غلام بن کر رہ جاتے ہیں، کیونکہ ان کی محبت و نفرت اور دوستی و دشمنی کا معیار محض مال ہوتا ہے۔ ان کو مال کے چھن جانے کا ڈر اپنے دین، جان اور اولاد کے چھننے کے خوف سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ بسا اوقات ایسا شخص مال کے خسارے پر جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«تَعِسَ عَبْدُ الدِّينَارِ وَالدِّرْهَمِ وَالْقَطِيفَةِ وَالْخَمِيصَةِ، إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ، وَإِنْ لَمْ يُعْطَ لَمْ يَرْضَ»

[1] مسند أحمد: 399/3، جامع الترمذي: 614، 2616، صحيح ابن حبان: 1723. [2] التوبة 9: 103.





'' دینار، درہم، کپڑے اور چادر کا بندہ تباہ و برباد ہو جائے۔ اگر اسے دیا جائے تو راضی ہو جاتا ہے ورنہ ناراض ہو جاتا ہے۔'' [1]

اس کے برعکس زکاۃ اپنے ادا کرنے والے کو مال کی غلامی سے آزاد کر کے اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ کی غلامی میں لے آتی ہے اور اسے دل کی فقیری سے نجات دیتی ہے۔ یہی دنیا و آخرت کی اصل بھلائی ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:

﴿وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝﴾

'' اور جو کوئی اپنے نفس کے لالچ سے بچا لیا گیا، تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔'' [2]

زکاۃ دینے سے گریز کرنے والے پر آخرت میں کس قدر ہولناک عذاب ہوگا؟ یہ بات ہمارے رہبر اعظم مخبر صادق ﷺ کے اس ارشاد عالی سے صاف عیاں ہے:

«مَنْ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهُ مُثِّلَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ لَهُ زَبِيبَتَانِ، يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، ثُمَّ يَأْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ - يَعْنِي بِشِدْقَيْهِ - ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا مَالُكَ، أَنَا كَنْزُكَ، ثُمَّ تَلَا: ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ (آل عمران 3:180)

---

[1] صحيح البخاري: 2886. [2] الحشر 59: 9، التغابن 64: 16.



"جسے اللہ نے مال دیا اور اس نے اس کی زکاۃ ادا نہیں کی تو قیامت کے دن اس کا مال نہایت زہریلے گنجے سانپ کی شکل اختیار کرلے گا۔ اس کی آنکھوں کے پاس دو سیاہ نقطے ہوں گے، جیسے سانپ کے ہوتے ہیں، پھر وہ سانپ اس کے دونوں جبڑوں سے اسے پکڑ لے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال اور خزانہ ہوں۔" اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی: "اور جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے بہت کچھ دیا ہے اور وہ اس میں کنجوسی کرتے ہیں تو وہ اس (بخل) کو اپنے لیے ہرگز بہتر نہ سمجھیں، بلکہ وہ ان کے لیے بہت برا ہے۔ جس مال میں انھوں نے کنجوسی کی، قیامت کے دن اسی کے انھیں طوق پہنائے جائیں گے۔"[1]

زکاۃ کے معاشرتی فوائد

- زکاۃ اسلامی معاشرے کو ایک خاندان بنا دیتی ہے جس میں صاحبِ حیثیت شخص ناداروں پر شفقت اور تنگدستوں سے تعاون کرتا ہے۔ زکاۃ سے غریبوں کی ضروریات کی تکمیل ہوتی ہے۔
- زکاۃ سے مالی جرائم، مثلاً: چوری، ڈاکے وغیرہ کا بھی سدباب ہو جاتا ہے، کیونکہ جب فقراء لوگ مالداروں کے پاس سے اپنی ضرورت پوری ہوتی دیکھیں گے تو وہ انھیں اپنا محسن سمجھیں گے اور ان کو نقصان پہنچانے سے باز رہیں گے۔

زکاۃ میں مسلمانوں کی تقویت اور شان کی بلندی ہے، اسی لیے زکاۃ کا ایک مصرف جہاد فی سبیل اللہ بھی ہے۔

فقیر ومحتاج وبدحال لوگوں کے دلوں میں جو کینہ کپٹ اور دشمنی مالداروں کے بارے میں ہوتی ہے، زکاۃ کے ذریعے اس کا خاتمہ ہوجاتا ہے، کیونکہ جب فقیر ومحتاج لوگ مالداروں کو مال ودولت سے مزے کرتے دیکھتے ہیں جبکہ خود انھیں ان مالداروں کی ذات سے تھوڑا یا زیادہ کوئی فائدہ نہیں پہنچتا تو بسا اوقات انکے دلوں میں مالداروں کے خلاف کینہ وعداوت کا جذبہ جنم لیتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ دولتمندوں نے ان کے حقوق کی رعایت نہیں کی اوران کی کوئی ضرورت پوری نہیں کی، لیکن اگر مالدار لوگ اپنے اموال میں سے کچھ حصہ ہر سال ان پر خرچ کرتے ہیں تو ایسے منفی جذبات کا خاتمہ ہوجاتا ہے اوران کے مابین محبت والفت پیدا ہوجاتی ہے۔

زکاۃ سے مال میں بڑھوتری اور برکت ہوتی ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَّالٍ»

[1] صحیح البخاري: 1403.

''صدقے سے مال میں کمی واقع نہیں ہوتی۔'' [1]

یعنی بظاہر صدقے سے مال میں تعداد کے اعتبار سے تو کمی واقع ہوتی دکھائی دیتی ہے لیکن اس کی برکت اور مستقبل میں اس میں ہونے والے اضافے میں ہرگز کوئی کمی واقع نہیں ہوتی ، بلکہ اللہ تعالی اس کا نعم البدل عطا فرماتا ہے اور اس کے مال میں ظاہری اسباب کے بغیر ہی برکت دیتا ہے۔

زکاۃ سے مال کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے، اس لیے کہ جب مال کا کچھ حصہ خرچ کیا جاتا ہے تو اس کا دائرہ بڑھ جاتا ہے اور اس سے بہت سے لوگ مستفید ہوتے ہیں، برخلاف اسکے کہ اگر مال مالداروں ہی کے مابین گردش کرتا رہے تو فقیر ومحتاج لوگوں کو اس میں سے کچھ بھی میسر نہیں آتا۔

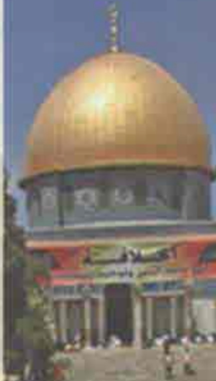
زکاۃ کے یہ تمام فوائد اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ فرد و معاشرہ کی اصلاح کے لیے زکاۃ ادا کرنا نہایت ضروری فرض اور نہایت نافع عبادت ہے۔

[1] صحیح مسلم: 2588.

باب 5

سیرت انسائیکلوپیڈیا

تحویلِ قبلہ



اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس سے قبلے کا رُخ پھیر کر بیت اللہ کی طرف کر دیا۔ یہ نبی ﷺ کی دیرینہ تمنا کی تکمیل تھی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ تبدیلی بخوشی قبول کر لی اور اطاعتِ ربانی کے درجۂ کمال پر فائز ہو گئے۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ

فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ

”ہم آپ کے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اُٹھنا دیکھ رہے ہیں، تو (ہم نے فیصلہ کرلیا کہ) ہم ضرور آپ کو اس قبلے کی طرف پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں، پھر آپ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں، اور جہاں کہیں بھی تم ہو اپنے منہ اسی کی طرف پھیر لو۔“ (البقرة 2:144)

اس باب میں

قبلہ دراصل ہمارے روحانی مرکز کا نام ہے۔ جب ہم نماز کے لیے قبلے کی طرف منہ کرکے کھڑے ہوتے ہیں تو یہ اس امر کا اعلان و اظہار ہوتا ہے کہ ہم نے ہر طرف سے ہٹ کر اور کٹ کر اپنی توجہ کا رُخ صرف اللہ رب العزت کی طرف کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مکہ مکرمہ میں قبلے کے بارے میں کوئی حکم نہیں دیا تھا، اس لیے آپ ﷺ جب نماز پڑھنے کے لیے اٹھتے تھے تو اس انداز سے کھڑے ہوتے تھے کہ بیت اللہ اور بیت المقدس دونوں آپ ﷺ کے سامنے ہوتے تھے۔ مدینہ منورہ میں بھی آپ ﷺ نے بیت المقدس ہی کے رُخ نماز پڑھی اور پڑھائی۔ رجب 2 ہجری میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو صاف صاف حکم دے دیا کہ اب بیت اللہ کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھیے۔ قبلے کی یہ تبدیلی بہت سے لوگوں پر شاق گزری۔ خاص طور پر یہودی بڑے مشتعل ہوئے۔ دراصل تحویل قبلہ کا مقصود اعظم اللہ تعالیٰ کے حکم کا احترام تھا۔ مسلمان اس حکم کی تعمیل کرکے سرخرو ہوگئے۔ انھوں نے جونہی یہ حکم سنا کہ اب اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کو قبلہ بنا دیا ہے تو انھوں نے اپنی جگہ پر ایک لمحے کا تأمل و توقف کیے بغیر عین حالت نماز ہی میں بیت المقدس کی طرف سے منہ موڑ لیا اور بیت اللہ کے رُخ پر نماز پڑھنے لگے۔ یہ ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ کا بے مثال مظاہرہ تھا۔ اس باب میں تحویل قبلہ کے حکم اور جملہ حکمتوں کی پوری تفصیل درج ہے۔

قبلے کی تبدیلی

ابراہیمی قبلہ ہونے کی وجہ سے رسولِ کریم ﷺ اور مسلمانوں کو بیت اللہ سے بے حد محبت تھی۔ مکہ مکرمہ میں اگرچہ قبلہ بیت المقدس ہی تھا، لیکن بیت اللہ سے محبت کا اظہار اس طرح کر لیا جاتا تھا کہ رسولِ اکرم ﷺ نماز پڑھتے وقت بیت المقدس کی طرف رُخ کرتے ہوئے بیت اللہ کو بھی پیش نگاہ کر لیتے تھے۔[1]

یہ صورتِ حال جاری رہی حتی کہ مشرکین مکہ نے مکہ کی سرزمین پر مسلمانوں کا جینا دوبھر کر دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو بیت اللہ اور بیت المقدس باہم دگر مخالف سمتوں میں تھے۔ اب بیت اللہ کی طرف توجہ کرنا کسی صورت ممکن نہ رہا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا بڑی شدت سے احساس ہوا۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مدینہ کے اکثر باسی یہودی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بیت المقدس کی طرف رُخ

[1] مسند أحمد: 325/1.



قبۃ الصخرہ کے اندر مقدس چٹان


قبۃ الصخرہ

کرنے کا حکم دیا۔ اس بات سے یہودی بہت خوش ہوئے۔ آپ ﷺ نے سولہ ماہ بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کی۔ تاہم اس دوران رسول اللہ ﷺ مسلسل ابراہیمی قبلے (کعبۃ اللہ) کی تمنا کرتے رہے۔ آپ ﷺ اس بارے میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے اور آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی:

﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ﴾ (البقرة2:144)

''(اے نبی) ہم آپ کے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اُٹھنا دیکھ رہے ہیں، پس ہم آپ کو اس قبلے کی طرف ضرور پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں۔ پھر آپ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور (اے مسلمانو) تم جہاں کہیں بھی ہو اپنے منہ اسی کی طرف پھیر لو۔'' [1]

قبلہ کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

لغوی اعتبار سے قبلہ کے معنیٰ سمت اور جہت ہیں۔ [2]

اصطلاحی اعتبار سے قبلہ اس سمت کو کہتے ہیں جس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی جاتی ہے اور نماز اسی رُخ پر پڑھنے ہی سے صحیح طور پر ادا ہوتی ہے۔ قبلہ اسلام کے شعار میں سے ایک شعار ہے۔ مسلمانوں کے قبلے کا ایک ہونا ان کا ایک امتیازی وصف ہے۔ قبلہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اس لیے اسے قبلہ کہا جاتا ہے۔ [3]

تحویلِ قبلہ کی روایات

احادیثِ نبویہ میں تحویل قبلہ کا واقعہ درج ذیل صحابۂ کرام سے مروی ہے:

[1] تفسير الطبري، البقرة2:144، تفسير ابن أبي حاتم، البقرة2:144۔ [2] لسان العرب، ماده: قبل. [3] عون المعبود: 14/1۔

1 سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما 2 سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما 3 سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ 4 سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما 5 معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ 6 سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ۔


مسجد معاذ بن جبل، جوہانسبرگ، امریکہ

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ابتدا میں گزر چکی ہے۔ جبکہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: ''نماز کے احکام میں بھی تین دفعہ تبدیلی ہوئی اور روزے کے احکام میں بھی ...... نماز کے احکام میں تیسری تبدیلی یہ ہوئی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کرتے رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی: ﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۚ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ﴾ (البقرة 2:144) اس آیت مقدسہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبۃ اللہ کی طرف متوجہ کر دیا۔'' [1]

سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے بھی اس سے ملتا جلتا واقعہ منقول ہے۔ [2]

براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو آپ نے سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کی۔ تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑی شدت سے بیت اللہ کو قبلہ بنانے کے آرزو مند تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا﴾ (البقرة 2:144) اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد عالی کا مطلب یہ ہے: ہم نے فیصلہ کر لیا کہ ہم آپ کو اُس قبلے کی طرف پھیر دیں جسے آپ پسند کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا رخِ مبارک کعبۃ اللہ کی طرف پھیر دیا۔ ایک شخص جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز ادا کی تھی، وہ نکلا۔ اس کا گزر بعض انصاری صحابہ کے پاس سے ہوا۔

1 مسند أحمد: 246/5، واللفظ لهٗ، سنن أبي داود: 507، البتہ سنن ابی داود میں ہجرت کے تیرہ ماہ بعد قبلہ تحویل ہونے کا ذکر ہے۔ 2 سبل الهدٰى والرشاد: 370/3.

اس نے کہا: میں حلفاً کہتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں نماز ادا کی ہے۔ آپ ﷺ کو بیت اللہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم دے دیا گیا ہے۔ پس عصر کی نماز میں سب نمازیوں نے رُکوع ہی کی حالت میں اپنا رُخ (بیت اللہ کی طرف) پھیر دیا۔'' [1]

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے: ''لوگ قباء میں صبح کی نماز ادا کر رہے تھے کہ ایک شخص نے آ کر یہ اعلان کیا: رسول اللہ ﷺ پر رات کو قرآنِ کریم کی آیات نازل ہوئی ہیں۔ آپ ﷺ کو کعبۃ اللہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم دے دیا گیا ہے۔ پس تم بھی اسی طرف رُخ کرلو۔ نمازیوں کے چہرے اس وقت شام کی طرف تھے۔ وہ فوراً کعبہ کی طرف پھر گئے۔'' [2]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت یوں ہے: ''رسولِ اکرم ﷺ بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کرتے تھے۔ اسی دوران میں یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی: ﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ (البقرة 2:144) ''(اے نبی) ہم آپ کے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اُٹھنا دیکھ رہے ہیں، پس ہم آپ کو اس قبلے کی طرف ضرور پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں۔ پھر آپ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں۔'' اس سے بنوسلمہ کا ایک آدمی (اپنے علاقے سے) گزرا۔ اس وقت

[1] صحيح البخاري: 7252، صحيح مسلم: 525. [2] صحيح البخاري: 403، صحيح مسلم: 526.



مسجد قباء، مدینہ منورہ



مسجد قبلتین کا اندرونی منظر

(بنوسلمہ کے علاقے میں) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نمازِ فجر کی دوسری رکعت میں رکوع کی حالت میں تھے۔ اس صحابی نے اعلان کیا: خبردار! قبلہ تبدیل کر دیا گیا ہے، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اُسی حالت میں کعبہ کی طرف رُخ پھیر دیا۔''[1]

تحویلِ قبلہ کی روایات میں ظاہری اختلافات اور تطبیق

متذکرہ بالا روایتوں میں بظاہر اختلاف کا پہلو دکھائی دیتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک صحابی قبا کے پاس سے گزرے۔ دوسری روایت میں بتایا گیا ہے کہ بنوسلمہ کا ایک آدمی اپنے علاقے میں پہنچا تو اُس نے وہیں کھڑے کھڑے بلند آہنگی سے اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے لیے کعبہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ یہ اعلان سنتے ہی لوگوں نے اپنا رُخ بیت اللہ کی طرف موڑ لیا۔ عین ممکن ہے کہ دو صحابہ کرام مختلف اوقات میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت کے قریب سے گزرے اور دونوں ہی نے اپنے اپنے الفاظ میں تحویل قبلہ کی اطلاع دے دی۔

ایک اور بات جو توضیح طلب محسوس ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ تحویل قبلہ کا حکم کس دن اور کس تاریخ کو ہوا؟ واقعہ یہ ہے کہ بلحاظِ روایات دن اور مہینے کے تعین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق یہ واقعہ ہجرت کے 16 ویں مہینے کے آخر یا 17 ویں مہینے کے آغاز میں ظہور میں آیا۔[2]

سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تحویل قبلہ کا حکم ہجرت کے بعد 17 ویں مہینے

[1] صحيح مسلم: 527. [2] صحيح البخاري: 40، صحيح مسلم: 525.

میں ملا۔ دوسری روایت میں ہے کہ 16 ویں مہینے میں ملا۔[1] امام سعید بن میتب رحمہ اللہ کا بھی یہی خیال ہے۔[2]
سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم ہجرت کے 19 مہینے بعد جاری ہوا۔[3]

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ ان روایات میں یوں تطبیق کرتے ہیں:

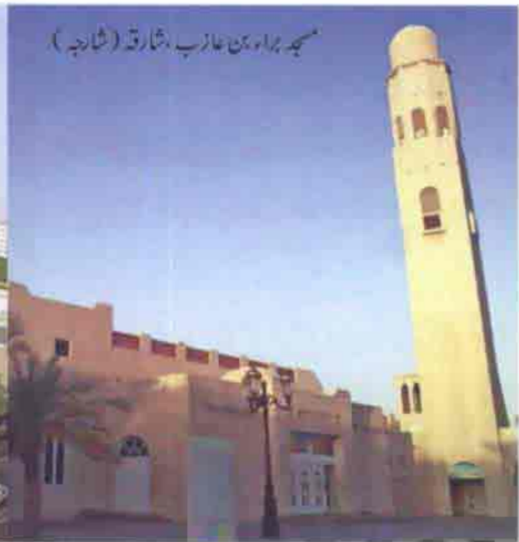
''سولہ یا سترہ ماہ اور اس میں تردّد کی روایات میں تعارض اس طرح ختم ہوگا کہ جن راویوں نے بالجزم سولہ ماہ کا ذکر کیا ہے، انھوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری والے مہینے اور تحویلِ قبلہ والے مہینے، دونوں کے ایام ملا کر ایک مہینہ شمار کیا ہے اور مہینہ سے زائد دنوں کا ذکر نہیں کیا۔ جنہوں نے بالجزم سترہ ماہ کا ذکر کیا ہے، انھوں نے دونوں مہینوں کو شمار کیا ہے۔ اور جنھوں نے سولہ یا سترہ ماہ کہا ہے، وہ اس میں تردّد کا شکار ہوئے ہیں۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری ماہِ ربیع الاول میں ہوئی، جبکہ تحویلِ قبلہ صحیح قول کی رُو سے جسے جمہور نے بالجزم بیان کیا ہے، دوسرے سال کے ماہِ رجب کے وسط میں ہوئی۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے بسندِ صحیح روایت کیا ہے۔ رہا امام ابنِ حبان رحمہ اللہ کا اسے ہجرت کے سترہ ماہ اور تین دِن بعد کا واقعہ بتانا تو اس کی بنیاد اس قول پر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو ربیع الاول کو مدینہ منورہ میں تشریف لائے تھے۔ اس کے علاوہ باقی تیرہ ماہ، اٹھارہ ماہ، انیس ماہ، دس ماہ، دو ماہ اور دو سال والی ساری روایات ضعیف ہیں۔''[4]

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ کی اس تطبیق کے مطابق ہجرت کے دو سال ماہِ رجب میں مکمل ہوتے ہیں۔ خود حافظ ابنِ حجر

---

[1] المعجم الكبير للطبراني: 68/12، السنن الكبرىٰ للبيهقي: 3/2. [2] الموطأ للإمام مالك: 460، مسند الشافعي: 190. [3] سبل الهدىٰ والرشاد: 373/3. [4] فتح الباري: 130/1.


مسجد عبداللہ بن عباس (طائف)


مسجد براء بن عازب، شارقہ (شارجہ)

فرماتے ہیں: ''صحیح قول کے مطابق تحویلِ قبلہ کا واقعہ سن دو ہجری کے ماہِ رجب کے نصف میں رونما ہوا۔ جمہور نے یہی قول بالجزم بیان کیا ہے۔'' [1]

سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے تحویلِ قبلہ کو ماہِ رجب ہی کا واقعہ ظاہر کیا ہے۔ [2]

مولانا شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''تحویلِ قبلہ ماہِ رجب میں نصف النہار کے بعد ہوئی۔ یہ غزوۂ بدر سے دو ماہ پہلے کا واقعہ ہے۔'' [3]

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے کہ تحویلِ قبلہ کا واقعہ غزوۂ بدر سے دو ماہ پہلے رونما ہوا تھا۔ [4] یہی بات صاحب التحریر والتنویر نے لکھی ہے۔ [5]

بیت اللہ کی طرف پہلی نماز

مسلمانوں نے بیت اللہ کی طرف رُخ کر کے سب سے پہلے کون سی نماز ادا کی تھی؟ اس بارے میں بھی کئی آراء ہیں۔ اس اختلاف کا سبب وہ روایات ہیں جن میں تحویلِ قبلہ کے واقعے میں مختلف نمازوں کا ذکر ہے۔ صحیح بخاری میں سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما کی روایت میں نمازِ عصر کا ذکر ہے۔ [6]

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایات میں اہلِ قباء کا نمازِ فجر پڑھنے کا ذکر ہے۔ [7]



مسجد عبداللہ بن عمر (بیت المقدس) جس پر یہود قابض ہیں

سیدنا ابوسعید بن المعلّٰی رضی اللہ عنہ نے اس باب میں نمازِ ظہر کا تذکرہ کیا ہے۔ [8]

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے جو نماز کعبہ رُخ پڑھی، وہ ظہر کی نماز تھی۔ یہی صلاۃِ وسطیٰ ہے۔ مشہور یہ ہے کہ عصر کی نماز ہی وہ پہلی نماز تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ رُخ پڑھی۔ یہی وجہ تھی کہ اہلِ قبا تک تحویلِ قبلہ کی خبر صبح تک مؤخر ہوگئی۔'' [9]

---

[1] فتح الباري: 130/1. [2] دلائل النبوة للبيهقي: 575/2. [3] عون المعبود: 365/3. [4] دلائل النبوة للبيهقي: 574/2. [5] التحرير والتنوير: 11/2. [6] صحيح البخاري: 7252. [7] صحيح مسلم: 527,526. [8] المعجم الكبير: 304/22. یہ روایت عبداللہ بن صالح کاتب اللیث کی وجہ سے ضعیف ہے۔ [9] تفسير ابن كثير، البقرة 2:144.

یہ قول اولاً تو صحیح مسلم میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے معارض ہے۔ ثانیاً ابن کثیر نے اسے ابن مردویہ سے نقل کیا ہے اور اس کی جو استنادی حیثیت ہے وہ کوئی مخفی امر نہیں۔ ثالثاً: اس میں ظہر کو صلاۃ وسطیٰ کہا گیا ہے جو صریح روایات کے منافی ہے۔ اس لیے راجح اور صحیح تر بات یہی ہے کہ بیت اللہ کی طرف منہ کر کے سب سے پہلے جو نماز پڑھی گئی، وہ عصر ہی کی نماز تھی۔

قرآنِ کریم میں پہلا نسخ

تحویلِ قبلہ کا واقعہ قرآنِ کریم میں سب سے پہلا نسخ تھا۔ سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''قرآنِ کریم میں سے سب سے پہلے جو حکم منسوخ کیا گیا، وہ قبلے کا تھا۔''[1]

علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآنِ کریم میں سب سے پہلا نسخ قبلے کا ہوا تھا۔''[2]

کیا تحویلِ قبلہ کا حکم دورانِ نماز میں آیا؟

بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تحویلِ قبلہ کا حکم نماز کے دوران میں ملا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نماز بیت المقدس کی طرف اور کچھ نماز بیت اللہ کی طرف رُخ کر کے پڑھی، لیکن یہ روایات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتیں۔ ان کا مختصر جائزہ پیشِ خدمت ہے:

بر انس بن مالک، مدینہ منورہ

1 سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں نمازِ ظہر کے دوران قیام کی حالت میں تھے اور دو رکعتیں ادا کر چکے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اچانک اپنا چہرۂ مبارک کعبۃ اللہ کی طرف پھیر دیا۔ اس پر بیوقوف لوگوں نے یہ اعتراض اُٹھا دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے قبلے سے کس نے پھیر دیا ہے؟''[3]

اس کی سند میں عثمان بن سعد الکاتب راوی ہے جسے محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

---

[1] تفسیر الطبري، البقرة 2: 115. [2] تفسیر القرطبي، البقرة 2: 144. [3] تفسیر الطبري، البقرة 2: 142-144، تفسیر الدر المنثور، البقرة 2: 142-144.

2 امام ابنِ سعد رحمہ اللہ نے بھی انھی معنوں کی ایک روایت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کی ہے، لیکن یہ روایت امام ابنِ سعد رحمہ اللہ کی ان روایات میں سے ہے جو انھوں نے محمد بن عمر الواقدی سے بیان کی ہیں۔ اور واقدی محدثین ومؤرخین کے نزدیک ساقط الاعتبار ہیں۔

ان روایات کے برعکس صحیحین کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تحویلِ قبلہ کا حکم مسجدِ نبوی سے دُور قبا میں رہنے والے بعض صحابہ کرام کو عصر یا فجر کی نماز کے دوران ملا تھا، جبکہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کی طرف اپنی پہلی نماز (عصر) آغاز سے انتہا تک اسی سمت رُخ کر کے ادا کی تھی۔

نسخِ قبلہ دو بار نہیں ہوا

مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرف رُخ کر کے نماز ادا کرتے تھے؟ اس بات میں اختلاف ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کی طرف رُخ کرتے تھے، لیکن جب مدینہ تشریف لائے تو یہود کی تالیفِ قلبی کے لیے بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز شروع کر دی۔ پھر قبلہ تبدیل ہوا اور دوبارہ بیت اللہ کو قبلہ قرار دیا گیا۔ یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی جیسا کہ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''علمائے کرام کا اس بات میں اختلاف ہے کہ مکہ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کس جہت کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کرتے تھے۔ سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر لوگوں کا قول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رُخ تو بیت المقدس کی طرف کرتے تھے، لیکن بیت اللہ کی طرف پشت نہیں کرتے تھے، بلکہ اسے اپنے اور بیت المقدس کے بین بین رکھتے تھے۔ بعض لوگوں نے مطلقاً بیت المقدس کی طرف رُخ کرنا بتلایا ہے، جبکہ دیگر بعض لوگوں کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکی زندگی میں بیت اللہ کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کرتے رہے۔ جب مدینہ منورہ تشریف آوری ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی طرف رُخ کرنا شروع کیا۔ یہ (آخری) بات کمزور ہے، اس سے تو دو دفعہ دعوائے نسخ لازم آتا ہے۔ پہلا قول ہی صحیح ترین ہے، کیونکہ اس سے دونوں (بیت اللہ اور بیت المقدس کی طرف رُخ کرنے کے) اقوال میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ اسے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے امام حاکم رحمہ اللہ وغیرہ نے صحیح کہا ہے۔''[1]

بیت المقدس کتنی دیر مسلمانوں کا قبلہ رہا؟

صحیح ترین قول یہی ہے کہ مکہ مکرمہ کے تیرہ سالہ دورِ نبوت میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف رُخ کر

[1] فتح الباري: 129/1.

کے نمازیں ادا کرتے رہے اور مدینہ آنے کے سولہ یا سترہ ماہ بعد قبلہ تبدیل ہوا۔ یوں بیت المقدس تقریباً ساڑھے چودہ سال مسلمانوں کا قبلہ رہا۔

کیا بیت المقدس کو قبلہ بنانا اجتہادی معاملہ تھا؟

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آغاز اسلام میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبلے کے بارے میں کوئی حکم جاری نہیں ہوا، لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے بیت المقدس کو اپنے اجتہاد سے قبلہ مقرر کرلیا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبلہ بدل دیا گیا اور بیت اللہ کو قبلہ بنا دیا گیا۔ یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ قرآنِ کریم کے مطابق رسول اللہ ﷺ تو اس بات کے آرزومند تھے کہ بیت اللہ کو قبلہ بنایا جائے۔ اگر یہ آپ ﷺ کا اپنا اجتہاد ہوتا تو آپ ﷺ شروع ہی سے بیت اللہ کو قبلہ بناتے۔ قرآنِ کریم کی درج ذیل آیتِ کریمہ بھی اس بات کا ردّ کرتی ہے:

﴿وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ﴾

”اور (اے نبی!) جس قبلے (بیت المقدس) پر آپ پہلے تھے، اسے تو ہم نے صرف یہ ظاہر کرنے کے لیے مقرر کیا تھا کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاتا ہے۔“[1]

اس آیتِ کریمہ میں یہود اور منافقوں کے اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ اگر حقیقی قبلہ بیت اللہ ہی تھا تو پہلے اتنی دیر تک بیت المقدس کو قبلہ کیوں بنائے رکھا؟ اللہ تعالیٰ نے یہاں واضح فرما دیا کہ ہم نے بیت المقدس کو

[1] البقرة 2:143.



صرف اس لیے قبلہ مقرر کیا تھا تاکہ اس کسوٹی پر اتباع رسول ﷺ کرنے والے کھرے لوگ ممتاز ہو کر الگ دکھائی دیں اور ان کے برعکس پیٹھ پھیرنے والے کھوٹے لوگ صاف پہچان لیے جائیں۔ اس آیت مقدسہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ بیت المقدس کو قبلہ بنانے کے عمل کو اجتہاد نبوی قرار دیتے ہیں، از روئے دلائل ان کی بات صحیح نہیں۔

تحویلِ قبلہ سے پہلے فوت ہونے والے صحابۂ کرام

جب قبلہ کی تبدیلی کی آیات نازل ہوئیں تو بعض صحابہ کرام کے دلوں میں یہ تشویش پیدا ہوئی کہ جو مسلمان قبلہ کی تبدیلی سے پہلے فوت ہو گئے، انھوں نے تو ساری نمازیں بیت المقدس ہی کی طرف رُخ کر کے ادا کی تھیں۔ بیت اللہ کی طرف رُخ کر کے وہ ایک نماز بھی نہیں پڑھ سکے۔ اب نہ جانے ان کی نمازوں کا کیا بنے گا؟ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فرمان نازل ہوا:

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ (البقرة 2:143)

”اور اللہ ایسا نہیں کہ تمھارا ایمان (نمازیں) ضائع کر دے۔ بے شک اللہ لوگوں پر بہت نرمی کرنے والا، (اور) بڑا رحم فرمانے والا ہے۔“ [1]

تحویلِ قبلہ سے پہلے وفات پا جانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مکہ میں: 1 عبداللہ بن شہاب زہری 2 مطلب بن ازہر زہری 3 سکران بن عمرو عامری۔

حبشہ میں: 4 حطاب بن حارث جمحی 5 عمرو بن امیہ اسدی 6 عبداللہ بن حارث سہمی 7 عروہ بن عبد العزیٰ عدوی 8 عدی بن نضلہ عدوی۔ مدینہ کے انصار میں سے: 9 براء بن معرور اور 10 اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہم۔

ان دس اصحاب کے بارے میں تو اتفاق ہے، البتہ اس عرصے میں ایاس بن معاذ اشہلی بھی فوت ہو گئے تھے، لیکن ان کے مسلمان ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ [2]

[1] صحيح البخاري :4486، المستدرك للحاكم :2/269، حديث :3063. [2] فتح الباري :1/132.

تحویلِ قبلہ میں کارفرما حکمتیں

کھوٹے کھرے کا امتیاز

یہ حکمتِ الٰہی تھی کہ دورِ نبوی میں وقتاً فوقتاً امتحان اور آزمائش وابتلا کے مرحلے اور طرح طرح کے نشیب وفراز آتے رہے تاکہ کھرے مومن اور منافق میں امتیاز ہو سکے۔ تحویلِ قبلہ بھی اسی سلسلے کا ایک امتحانی مرحلہ تھا۔ امتحان نہ ہو تو جھوٹے اور سچے، کھوٹے اور کھرے، خام اور پختہ میں کوئی تمیز نہیں ہو سکتی۔ تحویلِ قبلہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مسلم معاشرے کو جھنجوڑا تھا تاکہ اس شجر مبارک سے خشک پتے اور خراب پھل جھڑ جائیں، اس کی بابرکت ٹہنیوں پر صرف پختہ اور عمدہ پھل ہی باقی رہیں۔ اس بات کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:

﴿وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ وَإِن كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ﴾

''اور (اے نبی!) جس قبلے (بیت المقدس) پر آپ پہلے تھے، اسے تو ہم نے صرف یہ جاننے کے لیے مقرر کیا تھا کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاتا ہے اور بے شک یہ (قبلہ کی تبدیلی کافروں پر) بہت بھاری ہے مگر ان لوگوں پر (نہیں) جنھیں اللہ نے ہدایت دی۔''[1]

پس تحویلِ قبلہ کے امتحان میں صرف وہی خوش بخت لوگ کامیاب ہوئے جو سچے مومن، متبع رسول اور اللہ تعالیٰ کا انتخاب تھے۔

رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی دل جوئی

تحویلِ قبلہ میں جہاں عام لوگوں کے لیے ایک آزمائش تھی، وہاں رسول اللہ ﷺ اور مخلص مؤمنین کے لیے تسلی اور دل جوئی کا سامان بھی تھا۔ انھوں نے بیت اللہ سے شدید محبت کے باوجود مکہ ہی میں رہتے ہوئے حکم الٰہی کی

[1] البقرة 2:143.

تعمیل میں بیت المقدس کو قبلہ بنائے رکھا۔ بیت اللہ کی بے پایاں محبت کے تقاضے کی تسکین و تشفی وہ اس طرح کرتے تھے کہ بیت المقدس کی طرف رُخ کرتے ہوئے بیت اللہ کو بھی اپنے سامنے کر لیتے تھے۔ اب ہجرت کے بعد مدینہ منورہ سے بیت اللہ اور بیت المقدس دونوں مخالف اطراف میں تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اب رسول اللہ ﷺ کے قلبِ مبارک میں بیت اللہ کے قبلہ بن جانے کی تمنا شدت اختیار کر گئی۔

قبلہ تبدیل کر کے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ اور مؤمنین کی دل جوئی کا جو اہتمام فرمایا، اس کی نسبت حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف تحویل قبلہ میں رسول اللہ ﷺ اور مہاجر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے بڑی تسلی تھی کیونکہ انھیں مکہ سے نکل جانے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔'' [1]

بعض مفسرین نے ﴿فَلَنُوَلِّيَنَّكَ﴾ سے استدلال کیا ہے کہ ہم مکہ کو آپ کی تولیت میں دے رہے ہیں اور اس تبدیلی کے عمل میں فتح مکہ کی بشارت بھی تھی......۔ [2]

احکامِ شریعت کا اصولِ تدریج

اسلام دین فطرت ہے۔ اس کے ہر حکم اور تاکید میں اعتدال کی شان پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی احکام کے نفاذ میں درجہ بدرجہ پیش قدمی کا خاص خیال رکھا گیا ہے اور دعوت حق کی کامیابی کے لیے یہ بات شرطِ لازم کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسلام میں شراب کی حرمت اس اصول کی واضح مثال ہے۔ شراب خانہ خراب عربوں کے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکی تھی۔ انھیں شراب کا اتنا چسکا تھا کہ وہ شراب پیتے ہی نہیں تھے، بلکہ اپنے اس رویے اور روایت پر فخر بھی کرتے تھے، چنانچہ امتناع شراب کے باب میں آپ کو یکے بعد دیگرے ممانعت کے احکام واضح طور پر تدریجی پیرائے میں نظر آئیں گے۔

ٹھیک یہی تدریجی صورت حال قبلے کے بارے میں بھی پیش آئی۔ عرب لوگ ہمیشہ سے اہل کتاب کو قدر شناسی کی نظر سے دیکھتے تھے، کبھی کبھی بَرملا ان کے لیے توصیفی جذبات کا اظہار بھی کر دیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے دین اسلام اور اپنے مشرکانہ نظریات و رجحانات کے موازنے کے لیے یہود کا انتخاب کیا تھا۔ اس موقع پر علمائے یہود نے اپنے خبثِ باطن سے کام لیتے ہوئے ان کے شرک کو اسلام سے بہتر گردانا۔ اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

[1] تفسير ابن كثير، البقرة 2: 115 [2] تفسير روح البيان لإسمٰعيل الإستانبولي، البقرة 2:144.

''یہودیوں کا ایک گروہ قریش کے پاس آیا اور اپنے عالموں کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا: یہ ہمارے ربی اور پہلی کتب کے عالم لوگ ہیں۔ ان سے پوچھیے کہ آپ کا دین بہتر ہے یا محمد (ﷺ) کا دین؟ قریش نے یہ بات پوچھی تو یہودی علماء کہنے لگے: تمہارا دین بہتر ہے اور تم محمد (ﷺ) اور ان کے پیروکاروں سے بڑھ کر ہدایت کے راہی ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ کریمہ نازل کی: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَاۗءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۝ ﴾ (النسآء 4:51، 52) ''کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا، (ان کا حال یہ ہے کہ) وہ بتوں اور شیطان پر ایمان رکھتے ہیں اور کافروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان لانے والوں سے زیادہ ہدایت والے ہیں۔ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جس پر اللہ لعنت کرے، اس کے لیے آپ قطعاً کوئی مددگار نہیں پائیں گے۔'' یہ آیت مقدسہ ان لوگوں کے لیے لعنت ہے اور اس بات کا اعلان ہے کہ ان کے لیے دنیا و آخرت میں کوئی مددگار نہ ہو گا۔''[1]

جب مشرکین مکہ کی اہل کتاب سے عقیدت و وارفتگی کا یہ عالم تھا تو آغازِ اسلام ہی میں بیت المقدس کو چھوڑ کر دوسری طرف رُخ کرنا مشرکین مکہ کو دُور بھگانے کے مترادف تھا۔ لہٰذا تدریجی حکمت کو اپناتے ہوئے شروع میں بیت المقدس والا قبلہ برقرار رکھا گیا، بعد میں جب حالات سازگار ہوئے تو قبلہ بدل دیا گیا۔

مسلمانوں کا جداگانہ تشخص

اسلام نے ہر معاملے میں مسلمانوں کی ایک جداگانہ شان اور امتیازی تشخص قائم فرمایا ہے۔ یہود و نصاریٰ سے مشابہت نہ کرنے کا حکم اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ یہ عصبیت کی بات نہیں ہے بلکہ یہ ایک حکیمانہ عمل ہے۔ آغاز میں بیت المقدس کو قبلہ بنانا ایک حکمت کا تقاضا تھا، لیکن اس حکمت کی تکمیل کے بعد علیحدہ تشخص، اور تحفظ و بقا کا لازمی تقاضا یہ تھا کہ یہود کی مخالفت میں ان کے قبلے کو چھوڑ دیا جائے، چنانچہ اب بیت اللہ کو قبلہ بنا کر یہود کے باطل اعتقادات کی نفی کر دی گئی۔

[1] تفسیر ابن کثیر، النسآء 4:51، 52.

ابراہیمی میراث اور مسلمانوں کا استحقاق

تحویل قبلہ کی حکمتیں بیان کرتے ہوئے سید قطب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اسلام کا حکم دیا تھا اور اسی اسلام کا حکم ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو منتقل کیا تھا جیسا کہ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے وقتِ وفات اپنے بیٹوں کو اس کی وصیت کی۔ گویا سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اسلام کے عقائد و احکام اپنی وراثت کے طور پر چھوڑے جس کے وارث مسلمان ہیں۔ اسی طرح ابراہیم اور سیدنا اسماعیل علیہما السلام کو بیت اللہ کی تعمیر کا حکم بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوا۔ یہ ان کی وراثت تھی اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی وارث ہونے کے ناتے فطری اور منطقی طور پر مسلمان ہی بیت اللہ کو اپنا قبلہ بنانے کے مستحق تھے۔ ایک حکمت کے تحت کچھ عرصہ بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا گیا، لیکن مناسب وقت آنے پر مسلمانوں کی وراثت کو انھی کی طرف منتقل کر دیا گیا۔'' [1]

[1] تفسير في ظلال القرآن، البقرة 2:142.



تحویلِ قبلہ پر احمقوں کی بدحواسی

رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ کی طرف اپنا رُخ انور بحکم الٰہی پھیرا تھا، وہ جدّ الانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کردہ اور دنیا بھر کی ساری مساجد سے افضل ہے، نیز بیت اللہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تھا جن کے اتباع کا مشرکین اور یہود اپنی جہالت کی بنا پر دعویٰ کرتے تھے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾

”جلد ہی بے وقوف لوگ (یہ) کہیں گے کہ ان (مسلمانوں) کو ان کے اس قبلے سے کس چیز نے پھیر دیا جس پر یہ پہلے تھے؟ کہہ دیجیے: مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں، وہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف ہدایت دیتا ہے۔“ [1]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما، سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما اور امام مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ اس آیتِ کریمہ میں بیوقوف کہہ کر یہود کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ [2]

مشرکین مکہ کی احمقانہ خوش فہمیاں

حق کی مثال پہاڑ کی چوٹی جیسی اور باطل کی مثال پستی کی طرح ہے، جب مالک حقیقی سے انسان کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے تو وہ اتنی تیزی سے پستی میں گرتا چلا جاتا ہے کہ اُسے اپنے سامنے کی روشن ترین سچائیاں بھی نظر نہیں آتیں مشرکین مکہ کا یہی حال تھا، وہ شرک کی نجاست کی وجہ سے اتنی پستی میں گر گئے تھے کہ انھیں جمالِ صداقت دیکھنے کا بھی یارا نہ رہا۔ تحویل قبلہ درحقیقت اس امر کا اعلان و اظہار تھا کہ اطاعت و بندگی کا واحد مرجع صرف وحدہ لاشریک کی ذاتِ عالی ہے۔ وہ یہ حقیقت سمجھ ہی نہ سکے کہ تحویل قبلہ کے حکم میں جو اصل روح کام کر رہی ہے وہ بہرحال اطاعت الٰہی کی روح ہے۔ اس حقیقت کے احساس و ادراک کے بجائے ان کے دل میں خوشی کے لڈو پھوٹنے لگے

[1] البقرة 2:142. [2] تفسير الطبري، البقرة 2:142.

کہ بیت اللہ کو قبلہ قرار دینے کے بعد محمد ﷺ اب ہمارے دین کی طرف بھی پلٹ آئیں گے۔

انھوں نے کہا: ''اے محمد! (ﷺ) تم اپنے آباء واجداد کی ملت سے منحرف ہو گئے تھے۔ اب دوبارہ اس طرف لوٹ آئے ہو۔ اللہ کی قسم! تم ضرور ان کے دین کی طرف لوٹو گے۔'' [1]

بعض اوقات وہ کہتے تھے: ''محمد (ﷺ) اپنے آبائی علاقے کی جدائی سے اداس ہو گئے ہیں۔ عنقریب وہ تمھارے دین کی طرف پلٹ آئیں گے۔'' [2]

وہ یہ بھی کہتے تھے: ''محمد (ﷺ) تمھارے قبلے کی طرف لوٹ آئے ہیں۔ عنقریب وہ تمھارے دین کی طرف بھی پلٹ جائیں گے۔'' [3]

منافقین کا پروپیگنڈہ

منافقین کا گروہ مسلمانوں کی صفوں میں گھس کر اسلام کو نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا۔ ان کے دل و زبان اور قول و فعل میں تضاد تھا۔ وہ زبان سے تو مسلمانوں سے دوستی کا اظہار کرتے تھے لیکن ان کے دل اسلام کی عداوت سے بھرے رہتے تھے۔ تحویلِ قبلہ کے موقع پر بھی انھوں نے ایسا ہی گھناؤنا کردار ادا کیا۔ اس سلسلے میں یہود اور مشرکین مکہ کے ساتھ ساتھ انھوں نے بھی اپنا حصہ ڈالا۔ وہ رہ رہ کر کہتے تھے: ''مسلمانوں کو کیا ہوا ہے کہ انھوں نے اس قبلہ کو چھوڑ دیا ہے جس پر وہ ایک عرصہ قائم رہے اور اب کسی اور طرف رُخ کرنے لگے ہیں؟'' [4]

یہود کا تمسخر

یہود نے انبیاء ورسل کے ساتھ جس قدر وحشیانہ سلوک کیا، اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس بارے میں قرآنِ کریم کی یہ شہادت کافی ہے:

﴿اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ۝﴾

''(اے بنی اسرائیل) جب بھی کوئی رسول تمھارے پاس وہ باتیں لے کر آیا جو تمھاری خواہشوں کے خلاف تھیں تو تم نے تکبر کیا، پھر تم نے ایک فریق کو جھٹلایا اور دوسرے فریق کو قتل کرتے رہے۔'' [5]

پہلے جب بیت المقدس کی طرف رُخ کیا جاتا تھا تو اس وقت یہود یہ راگ الاپ رہے تھے کہ ہمارا دین ہی

[1] أحكام القرآن للجصاص: 106/1. [2] تفسير الطبري، البقرة 2: 150، تفسير القرطبي، البقرة 2: 142. [3] بدائع الفوائد لابن القيم: 965/4. [4] تفسير الطبري، البقرة 2: 142، الدر المنثور، البقرة 2: 142. [5] البقرة 2: 87.

برحق ہے۔ اگر اسلام سچا مذہب ہوتا تو ہمارے قبلے کی طرف رُخ ہی نہ کیا جاتا۔ لیکن جب قبلہ تبدیل کر دیا گیا تو وہ اس تبدیلی کے باوجود اعتراضات اٹھانے سے باز نہ آئے، بلکہ ایک اور طریقے سے اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ کبھی تو وہ یہ کہتے:

''محمد (ﷺ) نے تمام انبیائے کرام کے قبلے کی مخالفت کی ہے۔ اگر یہ سچا نبی ہوتا تو سابقہ انبیاء کے قبلے کی مخالفت نہ کرتا۔'' [1]

اور کبھی کہتے: ''(نعوذ باللہ) آپ (محمد ﷺ) پر معاملہ خلط ملط ہو گیا ہے، اس لیے آپ کو کچھ نہیں سوجھ رہا۔'' [2]

اور کبھی وہ آپ ﷺ سے پوچھتے: '' آپ کو کیا ہوا کہ بیت المقدس کو چھوڑ دیا؟ اگر اسے قبلہ بنانا گمراہی تھا تو آپ پہلے اُس کی طرف رُخ کر کے اللہ کی عبادت کیوں کرتے رہے؟ اور اگر یہ راہِ ہدایت تھا تو آپ نے اس سے ہٹ کر قبلہ کیوں بدل لیا؟'' [3]

قرآنِ کریم اور تحویلِ قبلہ پر شبہات کا ردّ

قرآنِ کریم نے یہود، مشرکین اور منافقین کی طرف سے تحویلِ قبلہ پر وارد کیے گئے شبہات کا ردّ بہت بلیغ انداز میں کیا ہے۔ اس کی تفصیل ملاحظہ کیجیے:

اعتراض سے پہلے جواب

مخالفین نے ابھی اپنے اعتراض پیش نہیں کیے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی ان کی طرف سے آئندہ کیے جانے والے اعتراضات کی خبر بذریعہ وحی اپنے نبی ﷺ کو دے دی اور ان اعتراضات کا جواب بھی نازل فرما دیا۔ اہلِ نظر جانتے ہیں کہ کسی کی طرف سے کی جانے والی سازش کا بھانڈا قبل از وقت ہی پھوڑ دیا جائے تو اس سازش کے غبارے سے ساری ہوا نکل جاتی اور وہ بُری طرح ناکام ہو جاتی ہے۔ یہی معاملہ تحویلِ قبلہ کے موقع پر اعدائے دین کے ساتھ پیش آیا۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا﴾

''جلد ہی بے وقوف لوگ (یہ) کہیں گے کہ ان (مسلمانوں) کو ان کے اس قبلے سے کس چیز نے پھیر دیا جس پر یہ تھے؟''

[1] بدائع الفوائد لابن القيم: 965/4. [2] تفسير القرطبي، البقرة 142:2. [3] زاد المسير لابن الجوزي: 159/1.

پیشگی اطلاع ملنے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام ذہنی طور پر مشرکین کے اعتراضات سننے کے لیے تیار تھے اسی لیے انھیں اس بنا پر زیادہ کوفت نہیں ہوئی۔

مشرق و مغرب کس کی ملکیت؟

مخالفین کا تحویلِ قبلہ پر پہلا اعتراض یہ تھا کہ مسلمان تو بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے تھے، اب اچانک یہ کیا ہوگیا کہ ان کا رخ بیت اللہ کی طرف پھر گیا؟ اس کا جواب دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: مشرق و مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں، وہ جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے۔'' [1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''جب تحویلِ قبلہ کا واقعہ رونما ہوا تو بعض یہود، منافقین اور کفار کو اس حوالے سے شک و شبہ کے ساتھ ساتھ خبط بھی لاحق ہوگیا۔ وہ کہنے لگے: ﴿مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا﴾ مسلمان جس قبلے پر قائم تھے، آخر وہ اس سے کس وجہ سے پھر گئے؟ انھیں کیا ہوگیا ہے کہ یہ کبھی ایک طرف رُخ کرتے ہیں اور کبھی دوسری طرف۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی: ﴿قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ﴾ یعنی حکم و تصرف سب کچھ اللہ کے پاس ہے۔ چہرے کا کیا ہے؟ جس طرف بھی رُخ پھیرو گے، اللہ تعالیٰ کا چہرہ اُسی طرف ہوگا۔ نیز فرمایا: ﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ﴾ ''نیکی مشرق و مغرب کی طرف رُخ کرنے میں نہیں ہے، بلکہ نیکی تو اس شخص کی ہے جو اللہ پر ایمان لے آئے۔'' یعنی ساری نیکی اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی پر موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جس طرف پھیرا، ہم پھر گئے۔ اطاعت تو احکامِ الٰہی کی پیروی کرنے کا نام ہے۔ اگر اللہ ہمیں ایک دن میں کئی اطراف و جہات کی طرف رُخ پھیرنے کا حکم دے تو ہم اس کے بندے ہیں، اس کے زیرِ تصرف ہیں اور اُسی کے خادم ہیں۔ (اس لیے ہم اُسی کے حکم کی تعمیل کریں گے۔)'' [2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تحویلِ قبلہ کے موقع پر یہود کے حسد کا ذکر ایک فرمانِ نبوی کے ضمن میں یوں بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اہلِ کتاب کے بارے میں فرمایا:

«إِنَّهُمْ لَا يَحْسُدُونَا عَلٰى شَيْءٍ كَمَا يَحْسُدُونَا عَلٰى يَوْمِ الْجُمُعَةِ الَّتِي هَدَانَا اللّٰهُ لَهَا وَضَلُّوا

[1] البقرة 2:142. [2] تفسير ابن كثير، البقرة 2:142.

عَنْهَا، وَعَلَى الْقِبْلَةِ الَّتِي هَدَانَا اللّٰهُ لَهَا وَضَلُّوا عَنْهَا، وَعَلٰى قَوْلِنَا خَلْفَ الْإِمَامِ آمِينَ »

''وہ ہم سے اور کسی سلسلے میں اتنا حسد نہیں کرتے جتنا وہ جمعہ اور قبلہ (بیت اللہ) کے سلسلے میں کرتے ہیں۔ ان دونوں کی طرف اللہ تعالیٰ نے ہماری رہنمائی فرمائی جبکہ وہ اس سے بھٹکے رہے، اس کے علاوہ امام کی اقتدا میں ہم جو 'آمین' کہتے ہیں، اس بارے میں بھی وہ ہم سے بہت حسد کرتے ہیں۔'' [1]

ہر دین کا اپنا الگ الگ قبلہ ہے

اللہ تعالیٰ نے معترضین کا جواب ایک اور انداز سے دیتے ہوئے فرمایا کہ ہر دین کا اپنا اپنا ایک قبلہ ہے۔

﴿وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۚ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾

''اور ہر ایک کے لیے ایک سمت ہے جس کی طرف وہ منہ پھیرتا ہے، لہٰذا تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو۔ تم جہاں کہیں بھی ہو گے، اللہ تم سب کو لے آئے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔'' [2]

یعنی یہود ایک سمت منہ کر کے عبادت کرتے ہیں اور عیسائی دوسری طرف رُخ کیے ہوئے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی رہنمائی بیت اللہ کی طرف فرما دی ہے۔ جب ہر دین کا اپنا اپنا قبلہ ہے تو اسلام کے قبلہ بیت اللہ پر اعتراض کا کیا جواز ہے؟

[1] مسند أحمد :135,134/6، السنن الكبرٰى للبيهقي :56/2۔ [2] البقرة 2:148۔



یہودی ''دیوارِ گریہ'' (بیت المقدس)

اللہ تعالیٰ کا اوّلین گھر

تحویل قبلہ کے حوالے سے یہود کا ایک شبہ یہ تھا کہ بیت المقدس، بیت اللہ سے افضل ہے، لہٰذا اسی کو قبلہ بنایا جانا چاہیے۔ اس کی ایک وجہ ان کے نزدیک یہ بھی تھی کہ بیت المقدس، کعبۃ اللہ سے پہلے تعمیر ہوا تھا۔[1] لیکن جیسا کہ آگے آرہا ہے، صحیح حدیث کے مطابق بیت اللہ، بیت المقدس سے 40 سال پہلے تعمیر ہوا تھا۔

یہود کے شبہ کا ازالہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝﴾

''بے شک (اللہ کا) پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا، وہی ہے جو مکہ میں ہے۔ وہ ساری دنیا کے لیے بڑی برکت اور ہدایت والا ہے۔''[2]

بیت المقدس پر بیت اللہ کی افضلیت

قاضی محمد سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں: ''فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے اپنے اسی گھر کو جو وادی بکہ (بائبل میں ''بکّا'')[3] میں ہے، ہمارا قبلہ بنایا نہ کہ یروشلم کو کیونکہ ایک ایسے دین (اسلام) کے لیے جس کی بابت ﴿لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾ (وہ سب دینوں پر اپنا غلبہ کرے گا) فرمایا گیا ہے، اسی گھر کا قبلہ ہونا مناسب تھا نہ کہ اس کا جسے ہر کافر فاتح نے توڑا اور ویران کیا اور بالآخر سنڈاس (کوڑے) کی جگہ بنایا اور وہاں کے رہنے والوں کو کئی کئی دفعہ غلام بننا، قید ہونا اور جلاوطن ہونا پڑا۔''[4]

بائبل میں: شوکت کے گھر یعنی بیت الحرام کی گواہی

بائبل میں یسعیاہ نبی کی کتاب کے باب 60 میں لکھا ہے:

''قیدار کی ساری بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی۔ عبط (نابت) کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے۔ وہ میری منظوری کے واسطے میرے مذبح پر چڑھائے جائیں گے اور میں اپنے شوکت کے گھر کو بزرگی دوں گا۔''[5]

(۷) قیدار کی سب بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی۔
نبایوت کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے۔
وہ میرے مذبح پر مقبول ہوں گے
اور میں اپنی شوکت کے گھر کو جلال بخشوں گا۔

کتاب یسعیاہ میں شوکت کے گھر (بیت الحرام) کا ذکر

[1] تفسیر الرازي، آل عمرٰن 3:96۔ [2] آل عمرٰن 3:96۔ [3] کتاب مقدس (زبور) 6:48۔ [4] رحمۃ للعالمین: 268/1۔ [5] قاضی صاحب نے کتاب یسعیاہ (بائبل) کے قدیم اردو نسخے کا حوالہ دیا ہے، جبکہ جدید اردو نسخے کی عبارت قدرے مختلف ہے جس میں اسماعیل علیہ السلام کے بیٹے عبط یا نابت کو ''نبایوت'' لکھا گیا ہے۔

واضح ہو کہ ''شوکت کا گھر'' ٹھیک لفظی ترجمہ بیت الحرام کا ہے اور خانہ کعبہ کا یہی نام قرآن مجید میں مذکور ہے جس سے پہلے نوشتوں کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس گھر کو بزرگی دینے سے مطلب اسے قبلہ قرار دینا ہے۔...... آل اسماعیل میں سے قیدار اور نابت کی اولاد، یعنی عربوں کا مجموعی طور پر مسلمان ہو جانا، منیٰ ہی میں قربانیاں کرنا، حجۃ الوداع میں



وادی منیٰ (مکہ مکرمہ)

سب کا نبی کریم کی خدمت میں حاضر ہونا ایسے تاریخی واقعات ہیں جو مندرجہ بالا آیت کے معنی کو پوری طرح اُجاگر کرکے بالکل یقینی بنا دیتے ہیں۔[1]

انجیل یوحنا اور تحویل قبلہ

اہل کتاب کے نزدیک نبیٔ آخر الزمان ﷺ کی ایک علامت یہ تھی کہ وہ دو قبلوں کی طرف نماز ادا کریں گے۔ یہ علامت ہمارے رسول محمد ﷺ کے علاوہ کسی اور میں نہیں پائی گئی۔ آپ ﷺ پہلے بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے رہے، پھر بحکم الٰہی بیت اللہ کی طرف رُخ کر لیا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ عیسائیوں کی موجودہ اناجیل جن پر ان کے ہاتھ بارہا مشقِ تحریف کا شوق پورا کر چکے ہیں، وہ بھی اس بات کی گواہی دیتی ہیں۔ انجیل یوحنا میں اس نبی کی آمد کا تذکرہ موجود ہے جو دو قبلوں کی طرف نماز پڑھے گا، چنانچہ انجیل یوحنا کے اصحاحِ رابع (چوتھا باب) میں یہ عبارت درج ہے:

قَالَتْ لَهُ الْمَرْأَةُ : يَاسَيِّدُ أَرَى أَنَّكَ نَبِيٌّ، آبَاؤُنَا سَجَدُوا فِي هٰذَا الْجَبَلِ وَأَنْتُمْ تَقُولُونَ إِنَّ فِي

[1] دیکھیے: رحمۃ للعالمین 263،262/1.

أُورُشَلِيمَ الْمَوْضِعَ الَّذِي يَنْبَغِي أَنْ يُسْجَدَ فِيهِ. قَالَ لَهَا يَسُوعُ: يَا امْرَأَةُ صَدِّقِينِي إِنَّهُ تَأْتِي سَاعَةٌ لَا فِي هٰذَا الْجَبَلِ وَلَا فِي أُورُشَلِيمَ تَسْجُدُونَ لِلْآبِ.

قَالَتْ لَهُ الْمَرْأَةُ: يَا سَيِّدُ أَرَى أَنَّكَ نَبِيٌّ. آبَاؤُنَا سَجَدُوا فِي هٰذَا الْجَبَلِ وَأَنْتُمْ تَقُولُونَ إِنَّ فِي أُورُشَلِيمَ الْمَوْضِعَ الَّذِي يَنْبَغِي أَنْ يُسْجَدَ فِيهِ. قَالَ لَهَا يَسُوعُ: يَا امْرَأَةُ صَدِّقِينِي إِنَّهُ تَأْتِي سَاعَةٌ لَا فِي هٰذَا الْجَبَلِ وَلَا فِي أُورُشَلِيمَ تَسْجُدُونَ لِلْآبِ.

انجیل یوحنا کے مذکورہ اقتباس کا عکس

”عورت نے اس (یسوع) سے کہا: اے خداوند مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تو نبی ہے۔ ہمارے باپ دادا نے اس پہاڑ پر پرستش کی اور تم کہتے ہو کہ وہ جگہ جہاں پرستش کرنا چاہیے یروشلیم میں ہے۔ یسوع نے اس سے کہا: اے عورت! میری بات کا یقین کر کہ وہ وقت آتا ہے کہ تم نہ تو اس پہاڑ پر باپ کی پرستش کرو گے اور نہ یروشلیم میں۔“ [1]

یعنی انجیل کے مطابق بھی وہ زمانہ یقیناً آنے والا تھا جب سجدہ گاہ کا رُخ بیت المقدس سے ہٹ کر مکہ مکرمہ کی طرف پھرنے والا تھا۔ اہل کتاب یہ بات بخوبی جانتے تھے لیکن ضد، ہٹ دھرمی اور عناد کی بنا پر اسے تسلیم کرنے سے انکاری تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تحویل قبلہ کے بیان میں اس بات کا تذکرہ یوں فرمایا ہے:

﴿وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ﴾

”اور بے شک وہ لوگ جنھیں کتاب دی گئی ہے، وہ ضرور جانتے ہیں کہ بیشک یہ (تحویل قبلہ) ان کے رب کی طرف سے حق ہے اور جو وہ عمل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن سے غافل نہیں۔“ [2]

[1] کتاب مقدس، (یوحنا) 4:19-21. [2] البقرۃ 2:144.

فضائل وخصائصِ قبلہ

کرۂ ارض کا سب سے زیادہ معزز ومشرف شہر

بیت اللہ کا یہ خصوصی شرف ہے کہ وہ کرۂ ارض پر اللہ تعالیٰ کا سب سے پہلا گھر ہے جیسا کہ پچھلی سطور میں گزر چکا ہے۔

بیت اللہ کو یہ یگانہ اعزاز وامتیاز بھی حاصل ہے کہ وہ کرۂ ارض کے سب سے زیادہ معزز ومشرف شہر مکہ مکرمہ میں واقع ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کرتے ہوئے ایک گلی کے گوشے میں کھڑے ہو کر مکہ مکرمہ کے در و بام پر حسرت بھری نظر ڈالی اور فرمایا:

«وَاللّٰهِ! إِنَّكِ لَخَيْرُ أَرْضِ اللّٰهِ وَأَحَبُّ أَرْضِ اللّٰهِ إِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَلَوْلَا أَنِّي أُخْرِجْتُ مِنْكِ مَا خَرَجْتُ»

''اللہ کی قسم! بلاشبہ تو اللہ کی ساری زمین میں سب سے بہتر جگہ ہے اور اللہ تعالیٰ کو روئے زمین پر سب سے زیادہ پیارا ہے۔ اگر مجھے نکلنے پر مجبور نہ کیا جاتا تو میں (تیرے گلی کوچوں سے) کبھی نہ نکلتا۔'' [1]

[1] جامع الترمذي: 3925، سنن ابن ماجه: 3108، مسند أحمد: 305/4.



طریق الہجرہ (مکہ مکرمہ) جہاں نبی کریم ﷺ نے اس بابرکت شہر کو مخاطب فرمایا تھا

کعبہ کی نسبتِ تشریفی

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس گھر کی نسبت اپنی طرف کی ہے۔ یہ نسبت تشریفی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس چیز کو اپنی طرف منسوب فرماتا ہے، وہ دوسری سب چیزوں سے زیادہ شرف وفضیلت کی حامل ہوتی ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَهِدْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِـۧمَ وَإِسْمَٰعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِينَ وَٱلْعَٰكِفِينَ وَٱلرُّكَّعِ ٱلسُّجُودِ﴾

''اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو حکم دیا کہ تم دونوں طواف کرنے، اعتکاف کرنے اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے میرا گھر پاک کرو۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر کہ میرے گھر کو پاک کرو کعبہ کی نسبت اپنی طرف کی۔ اس نسبت نے لوگوں کے دلوں کو بیت اللہ کی محبت اور کشش و جاذبیت کی ایسی جلوہ گاہ بنا دیا کہ سب کے دل و دماغ کا رُخ اسی کی طرف پھر گیا۔ جب اللہ رب العزت کی محبت اور اس نسبت سے بیت اللہ کی الفت کے جذبات اہلِ ایمان کے دلوں میں راسخ ہو گئے تو ان کے دلوں میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ وہ کعبہ کو قبلہ بنا کر نماز پڑھیں لیکن یہ کام حکمِ الٰہی پر موقوف رہا اور جب یہ حکم آیا: ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ ٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ﴾ یعنی آپ اپنا چہرہ مسجدِ حرام کی طرف پھیر لیجیے تو رسول اللہ ﷺ اور راسخ العلم لوگوں نے یہ حکم نہایت خوش ہو کر دل و جان سے قبول کر لیا۔ قلبی مسرت کے اعتبار سے یہ موقع ان کے لیے گویا یومِ عید تھا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ اکثر اپنا چہرۂ مبارک اٹھا کر سوئے فلک دیکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بیت المقدس کی بجائے بیت اللہ کو قبلہ بنانے کی دُعا مانگتے تھے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو آپ کا محبوب قبلہ عطا فرما دیا۔ علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ نے اس حوالے سے بہت تفصیل سے بڑی بصیرت افروز گفتگو کی ہے۔[2]

خانہ کعبہ بقائے کائنات کی ضمانت ہے

کعبہ کائنات کے لیے بقا کی ضمانت ہے، جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿جَعَلَ ٱللَّهُ ٱلْكَعْبَةَ ٱلْبَيْتَ ٱلْحَرَامَ قِيَٰمًا لِّلنَّاسِ﴾

''کعبہ جو حرمت والا گھر ہے، اللہ نے اسے لوگوں کے لیے (امن و جمعیت کے) قیام کا ذریعہ بنایا ہے۔''[3]

اس آیت کی تفسیر میں امام ابنِ کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''کعبہ کی تعظیم کے سبب لوگوں سے نحوستیں اور شر دُور کیے جاتے ہیں، جیسا کہ سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے: اگر لوگ کعبہ کا حج نہ کرتے ہوتے تو اللہ تعالیٰ آسمان کو

[1] البقرة 2:125. [2] دیکھیے: زاد المعاد: 52/1. [3] المآئدة 5:97.

زمین سے ملا دیتا۔'' [1]

امن کا گہوارہ

بیت اللہ امن کا گہوارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے لوگوں کے لیے امن کی بشارت بنایا ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس کے پُرامن ہونے کی دعا کی تھی:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا﴾


جائے امن، بیت اللہ

''اور جب ابراہیم نے دُعا کی: اے میرے رب! اس (جگہ) کو امن و امان کا شہر بنا دے۔'' [2]

اللہ تعالیٰ نے یہ دُعا قبول کر لی اور ارشاد فرمایا:

﴿وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا﴾

''اور جو اس میں داخل ہو جائے، وہ امن و حفاظت میں آ جاتا ہے۔'' [3]

اور اپنی اس نعمت کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا﴾

[1] تفسیر ابن کثیر، المآئدۃ 97:5. [2] البقرۃ 126:2. [3] آل عمرٰن 97:3.

''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ہم نے بیت اللہ کو بار بار لوٹ کر آنے کا مرکز اور امن کی جگہ بنایا۔'' [1]

یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَا يَحِلُّ لِأَحَدِكُمْ أَنْ يَحْمِلَ بِمَكَّةَ السِّلَاحَ»

''تم میں سے کسی کے لیے روا نہیں کہ مکہ میں اسلحہ اُٹھا لائے۔'' [2]

یہ دعوتِ اسلام کے ظہور کے بعد کی صورتِ حال ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دورِ جاہلیت میں بھی بیت اللہ کا علاقہ امن و آشتی کی علامت تھا، حالانکہ اس وقت قبائل ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ باہم برسرپیکار رہتے تھے۔ لوٹ کھسوٹ عام تھی اور دوسروں کی آبرو ریزی سے انھیں مطلق باک نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کو اپنی یہ نعمت یاد دلاتے ہوئے فرمایا:

﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۚ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَكْفُرُونَ ۝﴾

''کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم ان کے لیے محفوظ و مامون بنایا، جبکہ لوگ اس کے آس پاس سے اچک لیے جاتے ہیں؟ کیا وہ پھر بھی باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں؟'' [3]

سورۂ قریش میں اس کا تذکرہ یوں فرمایا گیا ہے:

﴿فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ ۝﴾

''انھیں چاہیے کہ وہ اس گھر (کعبہ) کے مالک کی عبادت کریں جس نے انھیں بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف سے انھیں امن بخشا۔'' [4]

اہلِ قبلہ کو امان حاصل ہے

جس طرح قبلہ معزز و مشرف ہے، اسی طرح اسے ماننے والے اور اس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے والے بھی دوسرے لوگوں کے مقابلے میں معظم و مکرم ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے استقبالِ قبلہ کے فضائل میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے یہ فرمانِ نبوی نقل کیا ہے:

[1] البقرة 2:125. [2] صحيح مسلم: 1356. [3] العنكبوت 29:67. [4] قريش 106:3، 4.



مختلف مسالک کے مسلمان قبلہ رُو، ایک امام کی اقتداء میں

«مَنْ صَلّٰى صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَأَكَلَ ذَبِيحَتَنَا، فَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِي لَهُ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ، فَلَا تُخْفِرُوا اللّٰهَ فِي ذِمَّتِهِ»

''جو شخص ہماری (طرح) نماز پڑھے، ہمارے قبلے کی طرف رُخ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے، وہ ایسا مسلمان ہے جس کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے امان ہے، چنانچہ تم اللہ کی امان میں اس سے بدعہدی نہ کرو۔'' [1]

حج وعمرہ، دنیوی واخروی سرخروئی کی ضمانت

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«تَابِعُوا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ، فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوبَ، كَمَا يَنْفِي الْكِيرُ خَبَثَ الْحَدِيدِ وَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، وَلَيْسَ لِلْحَجَّةِ الْمَبْرُورَةِ ثَوَابٌ إِلَّا الْجَنَّةُ»

''حج وعمرہ پے در پے کرتے رہو، کیونکہ یہ دونوں فقر اور گناہوں کو اس طرح ختم کر دیتے ہیں جیسے بھٹی لوہے، سونے اور چاندی کا میل کچیل دُور کر دیتی ہے۔ مقبول حج کی جزا جنت کے سوا کچھ نہیں۔'' [2]

[1] صحيح البخاري: 391. [2] جامع الترمذي: 810، سنن النسائي: 2632، مسند أحمد: 387/1، مسند أبي يعلى: 153/9، صحيح ابن خزيمة: 2512، المعجم الكبير للطبراني: 187/10.

یہ حدیث اور بھی کئی صحابہ کرام سے مروی ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا، وَالْحَجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ»

''عمرہ، دوسرے عمرے تک کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے اور حجِ مقبول کی جزا سوائے جنت کے کچھ نہیں۔'' [1]

طوافِ بیت اللہ

طواف، بیت اللہ کی عظمت وفضیلت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ بیت اللہ کے سوا دنیا میں کسی اور جگہ کا طواف جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝﴾

''اور چاہیے کہ وہ قدیم گھر (بیت اللہ) کا طواف کریں۔'' [2]

بیت اللہ کے علاوہ کسی اور جگہ کا طواف کرنا حرام ہے، جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''انہی (غیر شرعی) کاموں میں سے کعبہ کے علاوہ کسی اور جگہ کا طواف ہے۔ مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بیت المعمور کے علاوہ کسی جگہ کا طواف جائز نہیں۔'' [3]

مشرکین کا داخلہ ممنوع

بیت اللہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مشرکین کا داخلہ ممنوع ہے جس کا اعلان 9 ھ میں حج کے موقع پر کیا گیا۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

[1] صحيح البخاري: 1773، صحيح مسلم: 1349. [2] الحج 22: 29. [3] مجموع الفتاوىٰ: 521/4.



حدِ حرم کی جہاں ''مکہ میں مشرکین کا داخلہ ممنوع'' کا بورڈ لگا ہے

﴿يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا ۚ وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ إِن شَاءَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾

''اے ایمان والو! مشرک تو ہیں ہی پلید، لہٰذا وہ اس برس (9ھ) کے بعد مسجدِ حرام کے قریب نہ آنے پائیں۔ اور اگر تمھیں تنگ دستی کا خوف ہے تو اگر اللہ چاہے گا تو تمھیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا، خوب حکمت والا ہے۔'' [1]

ام القریٰ اور بیت اللہ

بیت اللہ کی ایک فضیلت یہ ہے کہ یہ ایسے شہر میں واقع ہے جسے ام القریٰ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہ شرف قرآنِ کریم میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:

﴿وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ﴾

''اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف ایک عربی قرآن وحی کیا ہے، تاکہ آپ ام القریٰ (اہل مکہ) اور اس کے گرد و پیش والوں کو اس دن سے ڈرائیں جو سب کے جمع ہونے کا ہوگا جس کے آنے میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔ اُس دن ایک گروہ جنت میں جائے گا اور دوسرا بھڑکنے والی آگ میں۔'' [2]

ام القریٰ سے مراد یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کرۂ ارض کا مرکز ہے۔ دنیا بھر کے باقی تمام شہر اس کے تابع ہیں۔ کوئی شہر اس کا مدمقابل نہیں ہو سکتا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ زمین کی پیدائش اسی مرکز سے شروع کی گئی۔ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''مکہ کو ام القریٰ کے نام سے اس لیے موسوم کیا گیا ہے کہ زمین کو بچھانے کا آغاز اسی مقدس شہر سے ہوا۔'' [3]

صحتِ نماز قبلہ رُخ ہونے پر موقوف ہے

مسلمانوں پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں، لہٰذا دن رات میں پانچ دفعہ قبلے کی طرف رُخ کرنا ضروری ہے۔ اگر ایک مسلمان صرف فرض نمازیں ہی ادا کرے تو وہ ایک سال میں تقریباً 1800 مرتبہ قبلے کی طرف رُخ کرتا ہے۔ سنن، نوافل، جنازے اور عیدین کی نمازیں اس کے علاوہ ہیں۔

نماز کی قبولیت کے لیے ایک لازمی شرط قبلے کی طرف رُخ کرنا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

[1] التوبة 28:9. [2] الشورٰى 7:42. [3] فتح الباري: 156/8.



﴿قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۖ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا ۚ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ﴾

''(اے نبی) ہم آپ کے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اُٹھنا دیکھ رہے ہیں، پس ہم آپ کو اس قبلے کی طرف ضرور پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں۔ پھر آپ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور (اے مسلمانو) تم جہاں کہیں بھی ہو اپنے منہ اس کی طرف پھیر لو۔''[1]

نیز رسولِ اکرم ﷺ نے مسیئ الصلاۃ (نماز میں غلطی کرنے والے) صحابی کو نماز کا صحیح طریقہ بتاتے ہوئے حکم فرمایا تھا:

«إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَأَسْبِغِ الْوُضُوءَ، ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ، فَكَبِّرْ»

''جب تو نماز کے لیے کھڑا ہونے کا ارادہ کرے تو اچھی طرح وضو کر، پھر قبلے کی طرف متوجہ ہو، پھر تکبیر کہہ۔''[2]

چنانچہ نماز اسی صورت میں قابلِ قبول ہوتی ہے جب مکہ مکرمہ میں موجود قبلہ، یعنی بیت اللہ کی طرف رُخ کر لیا جائے۔

[1] البقرة2:144. [2] صحيح البخاري:6251، صحيح مسلم: 397.

قبلہ رخ ہونے میں استثنائی صورتیں

کچھ صورتیں ایسی ہیں جن میں نماز کے لیے قبلے کی طرف رُخ کرنا ضروری نہیں رہتا، وہ درج ذیل ہیں:

شدتِ خوف: جب دشمن سے دو بدو لڑائی ہو رہی ہو اور خوف کی شدت ہو تو اس وقت جس طرف بھی رُخ ہو، اشاروں سے نماز ادا کر لی جائے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ دشمن سے دو بدو لڑائی کی صورت میں نمازِ خوف ادا کریں۔ ایسی ہنگامی صورت میں وہ نماز کے ارکان میں تخفیف بھی کر سکتے ہیں، حرکتِ کثیر کی بھی اجازت ہے، قبلے کی طرف پشت بھی ہو سکتی ہے، امام سے پہلے سلام بھی پھیر سکتے ہیں، بلکہ پیدل چلتے پھرتے اور سواری پر بھی نماز ادا کر سکتے ہیں، حتی کہ اگر ان کو صرف اشارے کی فرصت ہو تو وہ اپنی سواریوں پر قبلے کا خیال کیے بغیر صرف اشاروں ہی سے نماز ادا کر لیں......۔'' [1]

سواری پر نمازِ نفل: رسولِ کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ سفر میں نفل نماز سواری ہی پر ادا فرما لیتے تھے، چاہے سواری کا رُخ کسی طرف بھی ہوتا۔ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي عَلٰى رَاحِلَتِهِ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ، فَإِذَا أَرَادَ الْفَرِيضَةَ نَزَلَ، فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ.

''رسول اللہ ﷺ اپنی سواری پر (نفل) نماز ادا فرما لیتے تھے، وہ جس طرف بھی رُخ کرتی (آپ ﷺ نماز جاری رکھتے تھے)۔ جب آپ ﷺ فرض نماز پڑھنے کا ارادہ کرتے تو نیچے اُترتے اور قبلے کی طرف رُخ کر (کے نماز ادا کر) لیتے تھے۔'' [2]

لاعلمی: جس شخص کو کسی وجہ سے قبلے کی سمت معلوم نہ ہو سکے تو اُسے چاہیے کہ اپنی استعداد کے مطابق قبلہ کا رُخ متعین کرنے کی بھرپور کوشش کرے اور اُسی کے مطابق نماز پڑھ لے۔ اگر وہ صحیح سمت معلوم کرنے میں ناکام بھی رہے گا تب بھی اس کی نماز کے درُست ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ نماز مکمل کرنے کے بعد اگر اسے کسی ذریعے سے اپنے اجتہاد کے غلط ہونے کا یقین ہو جائے تب بھی اُسے نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ قبلے کا یقینی تعین نہ ہونے پر قبلہ معلوم کرنے کی حتی الامکان کوشش کرنا اصطلاح میں ''تحرّی'' کہلاتا ہے۔

اس حوالے سے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ واقعہ بھی مروی ہے کہ ایک سفر کے دوران میں اندھیری

[1] الصلاة وحكم تاركها :1/100. [2] صحيح البخاري :400.

رات میں اُنھیں قبلے کی سمت معلوم نہ ہو سکی تو انھوں نے ''تحری'' کرتے ہوئے نماز پڑھی۔ صبح کو معلوم ہوا کہ انھوں نے غلط سمت میں نماز پڑھی ہے۔ اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی: ﴿فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ﴾ ''تم جس طرف بھی رُخ کرو، اللہ کا چہرہ وہیں ہوگا۔''[1]

اکثر فقہائے کرام نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے، جیسا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ یہ حدیث بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''اکثر اہلِ علم کا یہی مذہب ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب بادل کی وجہ سے اندھیرے میں (اپنی ہر ممکن کوشش کے مطابق قبلے کا تعین کرکے) نماز پڑھی جائے، لیکن بعد میں معلوم ہو کہ نماز کسی اور طرف رُخ کر کے پڑھ لی گئی ہے تو نماز ہو جائے گی۔ امام سفیان ثوری، امام عبد اللہ بن مبارک، امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔''[2]

نسیان: اگر کوئی شخص بھولے چُوکے غلط رُخ نماز پڑھنی شروع کرے مگر یاد آنے پر فوراً قبلہ رُخ ہو جائے تو اس کی نماز ہو جائے گی۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ظہر کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کا بھول کر دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرنے اور صحابہ کرام سے باتیں کرنے کا واقعہ مذکور ہے۔[3]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یوں تبویب کی ہے:

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِبْلَةِ، وَمَنْ لَّمْ يَرَ الْإِعَادَةَ عَلٰى مَنْ سَهَا، فَصَلّٰى إِلٰى غَيْرِ الْقِبْلَةِ.

[1] جامع الترمذي: 345. [2] جامع الترمذي، بعد الحديث: 345. [3] صحيح البخاري: 482، صحيح مسلم: 573.



روئے زمین پر مسلمانوں کے لیے قبلہ نما

’’قبلہ سے متعلق جو احادیث مروی ہیں اور جو لوگ بھول کر قبلہ کے علاوہ کسی دوسری طرف رخ کر کے نماز پڑھنے والے کی نماز کا اعادہ ضروری نہیں سمجھتے، ان کا بیان۔‘‘

امام بخاری رحمہ اللہ کا محلِ استشہاد رسول اللہ ﷺ کا بھول کر نماز سے سلام پھیرنے اور دوبارہ نماز شروع کرنے کا دورانیہ ہے۔ اس دوران میں آپ نماز ہی کے حکم میں تھے اور آپ ﷺ نے خاصی دیر قبلے کی طرف سے اپنا رُخ ہٹائے رکھا تھا، لیکن چونکہ ایسا بھولنے کی وجہ سے ہوا تھا، لہٰذا اس سے نماز میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوئی۔

مجبوری: اگر کسی عذر، بیماری یا مجبوری کی وجہ سے قبلے کی طرف رُخ کرنا ممکن نہ ہو تو نماز دُرست ہو گی۔ مشہور شرعی قاعدہ بھی ہے کہ اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِیْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ. ’’مجبوریاں ممنوع کاموں کو بھی مباح کر دیتی ہیں۔‘‘

قرآنِ کریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝﴾

’’اللہ تم پر کسی قسم کی تنگی نہیں کرنا چاہتا، بلکہ وہ تو تمھیں پاک کرنا اور تم پر اپنی نعمت مکمل کرنا چاہتا ہے تاکہ تم اس کے شکر گزار بن جاؤ۔‘‘ [1]

آدابِ قبلہ

ہر شعار کے کچھ مخصوص آداب ہوتے ہیں۔ قبلے کے چند آداب درج ذیل ہیں:

قبلہ رُخ بول و براز کرنے کی ممانعت: قبلہ کی سمت تمام جہات سے اشرف و معزز ہے۔ اسی لیے اس کی تعظیم کے تقاضے کے تحت بول و براز کے وقت قبلہ کی طرف رُخ کرنے کی ممانعت ہے۔ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے جب کچھ غیر مسلم لوگوں نے کہا کہ آپ کے نبی تو بیت الخلا تک کے آداب سکھاتے ہیں تو سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

أَجَلْ، لَقَدْ نَهَانَا أَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ لِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ، أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِالْيَمِينِ، أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِأَقَلَّ مِنْ ثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ، أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِرَجِيعٍ أَوْ بِعَظْمٍ.

’’ہاں! آپ ﷺ نے ہمیں بول و براز کے وقت اِن اُمور سے منع فرمایا ہے: قبلہ رُخ ہونا، پاخانے یا پیشاب کے لیے دائیں ہاتھ سے استنجا کرنا، تین سے کم ڈھیلوں سے استنجا کرنا اور گوبر یا ہڈی سے استنجا کرنا۔‘‘ [2]

[1] المآئدۃ 6:5. [2] صحیح مسلم :262.

اسی طرح سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا أَتَيْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوهَا وَلٰكِنْ شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا»

''جب تم رفعِ حاجت کرو تو قبلے کی طرف منہ کرو نہ پیٹھ۔ ہاں! (مدینہ میں رہ کر) مشرق یا مغرب کی طرف رُخ کر سکتے ہو۔''

یہ حدیث بیان کرنے کے بعد سیدنا ابوایوب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم شام پہنچے۔ وہاں دیکھا کہ بیوت الخلا قبلہ کی طرف بنے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ہم (قبلہ سے) رُخ ہٹاتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے تھے۔ [1]

قبلہ رُخ تھوکنے کی ممانعت: قبلہ کی تعظیم کے پیشِ نظر قبلہ رُخ تھوکنے کی بھی ممانعت ہے، جیسا کہ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ تَفَلَ تُجَاهَ الْقِبْلَةِ جَاءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَفْلُهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ»

''جس نے قبلے کی طرف تھوکا، وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا تھوک اس کی آنکھوں کے درمیان لگا ہوگا۔'' [2]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلے کی طرف بلغمی مادہ پڑا دیکھا تو یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس قدر گراں گزری کہ اس کا اثر نمایاں ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک سے ہویدا ہونے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُٹھ کر اسے اپنے دستِ مبارک سے کھرچ دیا اور فرمایا:

«إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ فِي صَلَاتِهِ، فَإِنَّهُ يُنَاجِي رَبَّهُ، أَوْ إِنَّ رَبَّهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ، فَلَا يَبْزُقَنَّ أَحَدُكُمْ قِبَلَ قِبْلَتِهِ، وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمَيْهِ»، ثُمَّ أَخَذَ طَرَفَ رِدَائِهِ فَبَصَقَ فِيهِ، ثُمَّ رَدَّ بَعْضَهُ عَلٰى بَعْضٍ، فَقَالَ: «أَوْ يَفْعَلُ هٰكَذَا»

''تم میں سے کوئی جب نماز پڑھنی شروع کر دیتا ہے تو وہ اپنے رب سے سرگوشی میں ہوتا ہے یا اس کا رب اس کے اور قبلے کے مابین ہوتا ہے۔ تم میں سے کوئی اپنے قبلے کی طرف نہ تھوکے۔ ہاں (اگر ضروری ہو تو) اپنی بائیں جانب یا اپنے پاؤں کے نیچے تھوک لے۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک کا ایک کونا پکڑا، اس میں تھوکا، پھر اس کا ایک حصہ دوسرے پر مل دیا اور فرمایا: ''یا اس طرح کر لے۔'' [3]

[1] صحيح البخاري: 394، صحيح مسلم: 264. [2] سنن أبي داود: 3824، صحيح ابن حبان: 4/518. [3] صحيح البخاري: 405، صحيح مسلم: 551.

قبلۂ اوّل کے فضائل و محاسن

بیت المقدس کو مسلمانوں کا پہلا قبلہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ مسلمان آغازِ اسلام میں اس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے رہے، اس کے بھی بہت سے فضائل و محاسن ہیں جو اسے دنیا بھر کی دوسری مساجد سے ممتاز کرتے ہیں۔

مسجدِ انبیاء

پہلی بات یہ ہے کہ 2 ھ میں بیت اللہ کے قبلہ قرار پانے سے پہلے ہی بیت المقدس کو اُس وقت مسجد بن جانے کا اعزاز حاصل ہوگیا تھا جب آپ ﷺ معراج کے سفر مبارک پر جاتے ہوئے بیت المقدس پہنچے۔ یہاں تمام انبیائے کرام نے باجماعت نماز ادا کی۔ اِس نماز کی امامت کا شرف محمد رسول اللہ ﷺ کو نصیب ہوا۔ مسجد اقصیٰ کے علاوہ کسی اور جگہ انبیائے کرام کا اجتماع نہیں ہوا۔ اس سلسلے میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

«وَقَدْ رَأَيْتُنِي فِي جَمَاعَةٍ مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ ...... فَحَانَتِ الصَّلَاةُ فَأَمَمْتُهُمْ»

''میں نے دیکھا کہ میں انبیائے کرام کے مجمع میں ہوں ...... پھر نماز کا وقت ہوا تو میں نے ان کی امامت کی۔''[1]

بابرکت ماحول

اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کے اردگرد کے علاقے کو بابرکت بنایا ہے، چنانچہ قرآنِ کریم میں کئی مقامات پر بیت المقدس اور اس کے نواحات کو مبارک قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝﴾

[1] صحيح مسلم: 172.



مسجد اقصیٰ اور اس کی بیرونی دیوار

”پاک ذات ہے (اللہ) جو اپنے بندے کو رات کے ایک حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے ماحول کو ہم نے برکت عطا کی ہے، تاکہ ہم اسے اپنی نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہی سمیع و بصیر ہے۔“ [1]

اس برکت کی چند نمایاں علامات یہ ہیں:

بیت المقدس کا علاقہ اور دجال کا قتل

قیامت سے پہلے جو سب سے بڑا فتنہ برپا ہوگا، وہ فتنۂ دجال ہوگا۔ دجال سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں اسی علاقے میں قتل ہوگا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اپنے نزول کے بعد نماز پڑھیں گے، پھر سب سے پہلا کام یہی کریں گے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«فَبَيْنَمَا إِمَامُهُمْ قَدْ تَقَدَّمَ يُصَلِّي بِهِمُ الصُّبْحَ إِذْ نَزَلَ عَلَيْهِمْ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ الصُّبْحَ، فَرَجَعَ ذٰلِكَ الْإِمَامُ يَنْكُصُ يَمْشِي الْقَهْقَرٰى لِيَتَقَدَّمَ عِيسٰى يُصَلِّي بِالنَّاسِ، فَيَضَعُ عِيسٰى يَدَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ، ثُمَّ يَقُولُ لَهُ: تَقَدَّمْ فَصَلِّ، فَإِنَّهَا لَكَ أُقِيمَتْ، فَيُصَلِّي بِهِمْ إِمَامُهُمْ، فَإِذَا انْصَرَفَ قَالَ عِيسٰى عليه السلام: افْتَحُوا الْبَابَ، فَيُفْتَحُ وَوَرَاءَهُ الدَّجَّالُ، مَعَهُ سَبْعُونَ أَلْفَ يَهُودِيٍّ، كُلُّهُمْ ذُو سَيْفٍ مُحَلًّى وَسَاجٍ، فَإِذَا نَظَرَ إِلَيْهِ الدَّجَّالُ ذَابَ كَمَا يَذُوبُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ، وَيَنْطَلِقُ هَارِبًا، وَيَقُولُ عِيسٰى عليه السلام: إِنَّ لِي فِيكَ ضَرْبَةً لَنْ تَسْبِقَنِي بِهَا، فَيُدْرِكُهُ عِنْدَ بَابِ

[1] بنيٓ إسرآءيل 17:1.

اللُّدِّ الشَّرْقِيِّ، فَيَقْتُلُهُ، فَيَهْزِمُ اللّٰهُ الْيَهُودَ فَلَا يَبْقٰى شَيْءٌ مِمَّا خَلَقَ اللّٰهُ يَتَوَارٰى بِهِ يَهُودِيٌّ إِلَّا أَنْطَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ الشَّيْءَ»

''ایک دن مسلمانوں کے امام صبح کی نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھیں گے، اسی دوران اچانک سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا۔ امام صاحب اُلٹے قدموں پیچھے ہٹ جائیں گے تاکہ عیسیٰ علیہ السلام آگے بڑھیں اور امامت کریں، لیکن عیسیٰ علیہ السلام امامت نہیں کرائیں گے بلکہ اپنا دستِ مبارک امام صاحب کے دونوں کندھوں کے درمیان رکھیں گے، پھر ان سے فرمائیں گے کہ آپ آگے بڑھیں، لوگوں کو نماز پڑھائیں کیونکہ اقامت آپ ہی کے لیے کہی گئی ہے۔ امام صاحب نماز پڑھائیں گے۔ وہ نماز سے فارغ ہوں گے تو عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے: دروازہ کھولو۔ دروازہ کھولا جائے گا تو اس کے پیچھے دجال ہوگا۔ اس کے ساتھ ستر ہزار یہودی ہوں گے۔ وہ سب کے سب ساگوان کی لکڑیوں اور مزین تلواروں سے مسلح ہوں گے۔ جونہی دجال سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھے گا تو یوں پگھلنے لگے گا جیسے پانی میں نمک گھلتا ہے۔ وہ بھاگنے لگے گا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے: تیری تقدیر میں میری ایک ضرب ہے۔ اب تو اس ضرب سے بچ نہیں سکتا۔ آپ اسے مشرقی بابِ لُدّ کے پاس جا دبوچیں گے اور قتل کر دیں گے۔ یوں اللہ تعالیٰ یہودیوں کو پسپا کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کوئی چیز ایسی نہ ہوگی جس کے پیچھے کوئی یہودی چھپے اور اللہ اسے یہودی کی موجودگی کے اظہار و اعلان کی طاقت نہ دے۔''[1]


باب لد، فلسطین

یاجوج ماجوج کی ہلاکت

دجال کے قتل کے بعد اللہ تعالیٰ سرزمین بیت المقدس ہی میں یاجوج ماجوج کے لشکر ہلاک کر دے گا، جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے:

[1] سنن ابن ماجه: 4077، صحيح الجامع للألباني: 172/3.

«ثُمَّ يَأْتِي عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ قَوْمٌ قَدْ عَصَمَهُمُ اللّٰهُ مِنْهُ، فَيَمْسَحُ عَنْ وُجُوهِهِمْ وَيُحَدِّثُهُمْ بِدَرَجَاتِهِمْ فِي الْجَنَّةِ، فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ إِذْ أَوْحَى اللّٰهُ إِلٰى عِيسٰى: إِنِّي قَدْ أَخْرَجْتُ عِبَادًا لِّي لَا يَدَانِ لِأَحَدٍ بِقِتَالِهِمْ، فَحَرِّزْ عِبَادِي إِلَى الطُّورِ، وَيَبْعَثُ اللّٰهُ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُونَ، فَيَمُرُّ أَوَائِلُهُمْ عَلٰى بُحَيْرَةِ طَبَرِيَّةَ، فَيَشْرَبُونَ مَا فِيهَا وَيَمُرُّ آخِرُهُمْ، فَيَقُولُونَ: لَقَدْ كَانَ بِهٰذِهِ مَرَّةً مَاءٌ وَيُحْصَرُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيسٰى وَأَصْحَابُهُ حَتّٰى يَكُونَ رَأْسُ الثَّوْرِ لِأَحَدِهِمْ خَيْرًا مِّنْ مِّائَةِ دِينَارٍ لِأَحَدِكُمُ الْيَوْمَ، فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيسٰى وَأَصْحَابُهُ، فَيُرْسِلُ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ النَّغَفَ فِي رِقَابِهِمْ، فَيُصْبِحُونَ فَرْسٰى كَمَوْتِ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ، ثُمَّ يَهْبِطُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيسٰى عليه السلام وَأَصْحَابُهُ إِلَى الْأَرْضِ، فَلَا يَجِدُونَ فِي الْأَرْضِ مَوْضِعَ شِبْرٍ إِلَّا مَلَأَهُ زَهَمُهُمْ وَنَتْنُهُمْ، فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيسٰى وَأَصْحَابُهُ إِلَى اللّٰهِ، فَيُرْسِلُ اللّٰهُ طَيْرًا كَأَعْنَاقِ الْبُخْتِ، فَتَحْمِلُهُمْ فَتَطْرَحُهُمْ حَيْثُ شَاءَ اللّٰهُ، ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ مَطَرًا لَّا يَكُنُّ مِنْهُ بَيْتُ مَدَرٍ وَّلَا وَبَرٍ، فَيَغْسِلُ الْأَرْضَ حَتّٰى يَتْرُكَهَا كَالزَّلَفَةِ»

''پھر ان لوگوں کے پاس عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے جنھیں اللہ تعالیٰ نے دجال سے محفوظ رکھا ہوگا۔ آپ ان کے چہروں پر ہاتھ پھیریں گے اور انھیں جنت میں ان کے درجات سے آگاہ کریں گے۔ اسی اثنا میں اللہ تعالیٰ آپ کی طرف یہ وحی فرمائے گا کہ میں نے اپنی ایک ایسی مخلوق ظاہر کی ہے کہ ان سے لڑائی کا کسی کو یارا نہیں۔ آپ میرے بندوں کو طور پہاڑ پر جمع کر لیں۔ اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کو یوں بھیجے گا کہ وہ ہر بلندی سے تیزی سے (دوڑتے چلے) آئیں گے۔ ان کا پہلا دستہ جھیل طبریہ (فلسطین) سے گزرے گا تو اس کا سارا پانی پی جائے گا اور جب بعد والے گزریں گے تو کہیں گے کہ کبھی اس جھیل میں پانی ہوا کرتا تھا؟ عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اتنی دیر محصور رہیں گے کہ انھیں ایک بیل کا سر اس قدر محبوب ہوگا کہ آج تم میں سے کسی کو سو دینار بھی اتنے محبوب نہیں۔ (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر محاصرے کی مدت اتنا طول پکڑ جائے گی کہ کھانے پینے کو بھی کچھ نہیں بچے گا اور انھیں کھانے کے لیے بیل کی سری بھی غنیمت لگے گی) پھر اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی دُعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج پر عذاب بھیجے گا، ان کی گردنوں میں کیڑا پیدا ہو جائے گا اور صبح ہونے تک وہ سب مر جائیں گے، اُسی طرح جیسے ایک آدمی مرتا ہے۔ پھر اللہ

کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی زمین پر اُتریں گے تو زمین پر ایک بالشت برابر جگہ بھی ان کی سڑاند اور گندگی سے خالی نہ پائیں گے۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ایسے پرندے بھیجے گا جو بختی اونٹوں کی گردنوں کی طرح ہوں گے۔ وہ انھیں اٹھا کر لے جائیں گے اور اس جگہ پھینک دیں گے جہاں اللہ کا حکم ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ ایسا پانی برسائے گا کہ کوئی گھر مٹی کا ہو یا اُون کے بالوں کا، اس سے نہ بچے گا۔ یوں اللہ تعالیٰ پوری زمین کو دھو کر حوض کی طرح بنا دے گا۔'' [1]

بیت المقدس کا علاقہ اور محشر

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ قیامت کے روز حساب کتاب کے لیے بیت المقدس ہی کے علاقے میں میدانِ حشر برپا ہوگا، جیسا کہ سیدنا حذیفہ بن اُسید غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم قیامت کے بارے میں باتیں کر رہے تھے کہ اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''کس بارے میں گفتگو کر رہے ہو؟'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہم قیامت کا تذکرہ کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّهَا لَنْ تَقُومَ حَتَّى تَرَوْنَ قَبْلَهَا عَشْرَ آيَاتٍ، فَذَكَرَ الدُّخَانَ وَالدَّجَّالَ وَالدَّابَّةَ وَطُلُوعَ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَنُزُولَ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَيَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ وَثَلَاثَةَ خُسُوفٍ: خَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ وَخَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ وَخَسْفٌ بِجَزِيرَةِ الْعَرَبِ، وَآخِرُ ذَلِكَ نَارٌ تَخْرُجُ مِنَ الْيَمَنِ تَطْرُدُ النَّاسَ إِلَى مَحْشَرِهِمْ»

''یقیناً قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تم پہلے دس نشانیاں نہ دیکھ لو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُخان (دھواں)، دجال، دابۃ الارض (زمینی چوپایہ)، سورج کے مغرب سے طلوع ہونے، عیسیٰ علیہ السلام کے نزول، یاجوج ماجوج اور زمین کے تین دفعہ دھنسنے کا ذکر کیا: فرمایا کہ زمین دھنسنے کا پہلا واقعہ مشرق میں، دوسرا مغرب میں اور تیسرا جزیرہ نمائے عرب میں ہوگا۔ سب سے آخر میں ایک آگ یمن سے نکلے گی جو لوگوں کو محشر کی طرف دھکیلتی چلی جائے گی۔'' [2]

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

«سَتَخْرُجُ نَارٌ مِنْ حَضْرَمَوْتَ أَوْ مِنْ نَحْوِ بَحْرِ حَضْرَمَوْتَ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ تَحْشُرُ النَّاسَ»

[1] صحیح مسلم: 2937. [2] صحیح مسلم: 2901.

قَالُوا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! فَمَا تَأْمُرُنَا ؟ قَالَ : «عَلَيْكُمْ بِالشَّامِ»

''قیامت سے پہلے ایک آگ حضرموت سے یا بحرحضرموت (بحیرۂ عرب) کی طرف سے نکلے گی جو لوگوں کو (حساب کتاب کے لیے) جمع کرے گی۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! (اگر ہمیں اس سے سابقہ پڑے تو اس موقع کے لیے) آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم (ملکِ) شام کو لازم پکڑنا۔'' [1]

ایک صحیح حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«اَلشَّامُ أَرْضُ الْمَحْشَرِ وَالْمَنْشَرِ»

''(ملکِ) شام ہی لوگوں کو قبروں سے اٹھا کر ایک جگہ جمع کرنے کی جگہ ہوگی۔'' [2]

بیت المقدس تاریخی تناظر میں

بیت المقدس کی بنیاد کب پڑی؟ اس بارے میں بہت سی روایات اور بہت سے اقوال ہیں۔ اس حوالے سے

[1] جامع الترمذي: 2217، السلسلة الصحيحة للألباني: 2768. [2] صحيح الجامع للألباني: 3726.



130 سال قبل عثمانی دور کی مسجد اقصیٰ کا ایک منظر

فرشتوں، سیدنا آدم علیہ السلام، سام بن نوح، سیدنا یعقوب علیہ السلام اور سیدنا داود و سیدنا سلیمان علیہما السلام وغیرہ کا ذکر ملتا ہے۔[1]

لیکن اس کا صحیح سراغ لگانے کے لیے صحیحین کی یہ حدیث رہنمائی کرتی ہے کہ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ نبوی میں عرض کیا: اے اللہ کے رسول! زمین پر سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسجدِ حرام۔ انھوں نے عرض کیا: پھر کون سی؟ فرمایا: مسجدِ اقصیٰ۔ انھوں نے عرض کیا: ان دونوں کے درمیان کتنے عرصے کا فاصلہ تھا؟ فرمایا: چالیس سال۔[2]

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے بیت اللہ تعمیر کر دیا تو اِس کے چالیس سال بعد بیت المقدس کی تعمیر ہوئی۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”اہل کتاب کا کہنا ہے کہ بیت المقدس سیدنا یعقوب علیہ السلام نے تعمیر کیا۔ اس کی تائید مذکورہ حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ یوں بیت المقدس کی تعمیر سیدنا ابراہیم و سیدنا اسماعیل علیہما السلام کے ہاتھوں بیت اللہ کی تعمیر کے پورے چالیس سال بعد ہوئی۔ بیت اللہ کی تعمیر کے وقت سیدنا اسحٰق علیہ السلام پیدا ہو چکے تھے۔ اس لیے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر مکمل کرنے کے بعد جو دُعا کی، اس میں یہ الفاظ بھی تھے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ﴾ ”تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحٰق عطا فرمائے۔“ (ابراهیم 14:39)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا رجحان سیدنا یعقوب علیہ السلام کی جانب ہے کہ انھوں نے مسجد اقصیٰ کی اولین تعمیر فرمائی۔[3]

ایک روایت میں ہے کہ بیت المقدس کی تعمیر سیدنا سلیمان علیہ السلام نے فرمائی۔[4]

فتح الباری میں ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی تعمیر تجدیدی تعمیر تھی کیونکہ صحیحین کی حدیث کے مطابق بیت اللہ اور بیت المقدس کی تعمیر میں چالیس سال کا زمانی فاصلہ ہے جبکہ سیدنا سلیمان علیہ السلام اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے مابین زمانی فاصلہ ہزار سال سے بھی زیادہ مدت کا ہے۔[5]

---

[1] فتح الباري: 409/6، تفسير القرطبي، آل عمرٰن 3:96، 97، تاريخ بيت المقدس لابن الجوزي: 1/1. [2] صحيح البخاري: 3366، صحيح مسلم: 520. [3] البداية والنهاية (محقق): 187/1. [4] مسند أحمد: 176/2، سنن النسائي: 694، صحيح ابن حبان: 1633. [5] فتح الباري: 495/6.

ہَمِقدش، یروشلم اور بیت المقدس

القدس، یروشلم (بیت المقدس) کا معروف عربی نام ہے۔ دراصل اس سے مراد ہیکل سلیمانی تھا جو عبرانی بیت ہَمِقدش کا ترجمہ ہے لیکن بعد میں اس کا اطلاق پورے شہر پر ہونے لگا۔ اس کے قدیم نام Jerusalem کو عرب مصنفین اوریشلم، اُورِیسلم، اُورِیشلوم یا اُورِیشلَم لکھتے ہیں۔قدیم زمانے میں یہاں مصریوں کی عملداری تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوثی (عراق) سے بیت المقدس کی طرف ہجرت کی تھی۔ ایک عرصہ بعد یعقوب علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے مسجد بیت المقدس کی بنیاد ڈالی۔ اسی کی وجہ سے بیت المقدس (شہر) کی آبادی وجود میں آئی۔ یاقوت حموی نے وہب بن مُنَبِّہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو خواب میں بیت المقدس کا مقام دکھا کر حکم دیا کہ یہاں ایک بیت (گھر) بناؤ جس میں تم اور تمھاری اولاد عبادت کرے۔تقریباً سات سو سال بعد 1000 ق م میں حضرت داود علیہ السلام نے بیت المقدس فتح کیا۔

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے داود علیہ السلام کو وحی کی کہ میرا گھر تعمیر کرو۔ انھوں نے کہا: اے رب! زمین پر کس جگہ بناؤں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جہاں تو فرشتے کو تلوار لہراتے دیکھے۔ پھر داود نے الصخرہ (چٹان) پر فرشتہ دیکھا جس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ یوں داود علیہ السلام نے یہاں مسجد کی بنیاد رکھی۔ یہی یہود کا قبلہ ٹھہرا۔ ان کے جانشین حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے مسجد (بیت المقدس یا ہیکل سلیمانی) اور شہر کی تعمیر کی تجدید کی گئی۔

بیت المقدس کی پہلی تباہی

چھٹی صدی ق م کے اوائل (586 ق م) میں بخت نصر نے یروشلم فتح کر کے ہیکل سلیمانی کو جلا دیا، یروشلم کو


بیت المقدس (یروشلم) میں قبۃ الصخرہ اور مسجد اقصیٰ

پیوندِ زمین کر دیا اور ایک لاکھ یہودیوں کو قید کر کے بابل (عراق) لے گیا۔ اس کے بعد فلسطین ایرانیوں، یونانیوں اور رومیوں کے زیر اقتدار رہا۔ 539ء میں شاہ فارس کوروش کبیر (سائرس اعظم یا ذوالقرنین) نے بیت المقدس فتح کر کے یہودیوں کو واپس آنے کی اجازت دی تو انھوں نے ہیکل سلیمانی از سر نو تعمیر کیا۔ رومی عہد میں مقامی یہودی حکمران ہیرود اعظم (37 ق م تا 4 ق م) نے ہیکل سلیمانی دوبارہ تعمیر کیا۔ اس کے جانشین ہرودیس انتپاس کے حکم سے یحییٰ علیہ السلام کو بیت المقدس میں صخرہ پر ذبح کر دیا گیا۔ پھر ان کا سر کاٹ کر دمشق لے جایا گیا جہاں وہ جامع اموی کے احاطے میں دفن ہیں۔

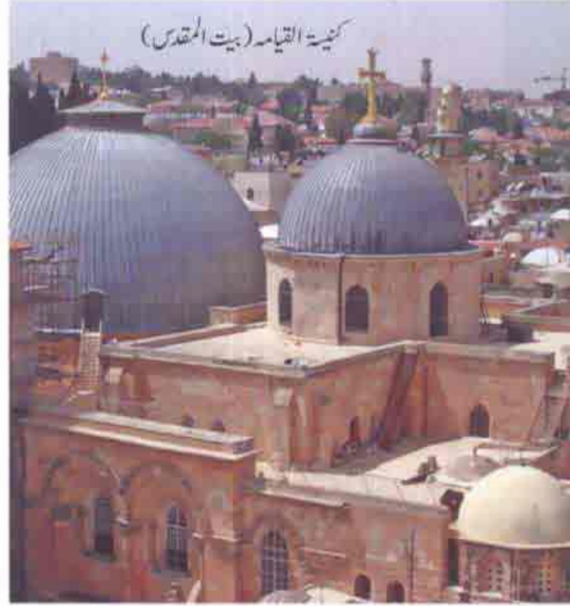
بیت المقدس کی دوسری تباہی

یہودیوں نے رومیوں کے خلاف بغاوت کی تو رومی جرنیل ٹائٹس نے طویل محاصرے کے بعد ستمبر 70ء میں یروشلم پر قبضہ کر لیا اور عالیشان معبد (ہیکل) اور شہر جلا دیا گیا۔ 132ء میں رومی قیصر ہیڈریان نے یہودیوں کو ختنہ کرنے سے منع کر دیا، نیز ہیکل سلیمانی کی جگہ مشتری دیوتا (جیوپیٹر) کا مندر بنا دیا تو یہودیوں نے پھر بغاوت کر دی۔ ہیڈریان نے 135ء میں بغاوت فرو کر کے یہودیوں کو فلسطین سے جلا وطن کر دیا۔ اب یہودی سال میں صرف ایک مرتبہ ہی یروشلم میں داخل ہو سکتے تھے۔ ایک دفعہ سے زیادہ انھیں داخلے کی اجازت نہیں تھی۔ یوں ایک خالص بت پرستوں کا شہر تیار ہو گیا جسے کولونیا ایلیا کیپے ٹولونیا کہتے تھے۔ چوتھی صدی عیسوی میں قیصر قسطنطین اعظم نے عیسائیت اختیار کی تو بیت المقدس میں رومی بت پرستی کی علامات مسمار کر دی گئیں۔ اس نے قبر مقدس کا گرجا (Holy Sepulchre) تعمیر کیا۔ عیسائی زائرین گروہ در گروہ بیت المقدس آنے لگے اور یہودیوں کو شہر میں آ کر پتھر (صخرہ) کے قریب رونے کی اجازت دے دی گئی۔



قیصر جسٹینین (65-527ء) نے قدیم امتناعی حکم منسوخ کر دیا بلکہ یہودیوں کو دوبارہ معبد تعمیر کرنے کی اجازت بھی دے دی۔ اگرچہ آگ کے ان شعلوں نے جو اس موقع پر بھڑک اُٹھے تھے انھیں یہ کام نہ کرنے دیا۔ جسٹینین کی وفات پر امتناعی حکم پر پھر عمل کیا جانے لگا۔

عیسائیوں کے ہاتھوں یہودی قبلے کی بے حرمتی



کنیسۃ القیامہ (بیت المقدس)

رومیوں (عیسائیوں) نے یہودیوں کی دشمنی میں صخرہ پر کوڑا کرکٹ کے ڈھیر لگا دیے تھے کیونکہ یہ ان کا قبلہ تھا۔ عیسائیوں کی یہود دشمنی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ ان کی عورتیں اپنے ناپاک چیتھڑے بھی اس پر پھینک جاتی تھیں۔ عیسائیوں کی یہ حرکت یہودیوں کے جواب میں تھی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبینہ طور پر سُولی چڑھانے کے بعد ان کی مزعومہ قبر پر گندگی پھینکتے تھے۔ اسی لیے اس جگہ کو قمامہ (گندگی) کہا جانے لگا۔ بعد میں عیسائیوں نے اسی جگہ پر گرجا تعمیر کیا جو قمامہ ہی کے نام سے مشہور ہوا، اسی کو کنیسۃ القیامہ یا ''قبر مقدس کا گرجا'' (Holy Sepulchre) بھی کہا جاتا ہے۔

بیت المقدس میں مسجد اقصیٰ کی تعمیر

رجب 12 نبوت ستمبر 622ء میں نبی کریم ﷺ معراج کو جاتے ہوئے بیت المقدس تشریف لائے اور یہاں انبیائے کرام کی امامت کی جسے قرآن نے المسجد الاقصیٰ کہا۔ ربیع الآخر 16ھ / مئی 637ء میں بیت المقدس امیر المومنین عمر فاروق کے ہاتھوں صلح صفائی سے فتح ہوا۔ انھوں نے بیت المقدس سے روانگی کے وقت صخرہ اور براق باندھنے کی جگہ ایک مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا، یہاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ نماز ادا کی تھی، وہی مسجد اقصیٰ ہے۔ اموی خلیفہ عبدالملک نے صخرہ کے اوپر قبہ بنا دیا اور مسجد اقصیٰ کی تعمیر نو شروع کی جسے اس کے جانشین ولید نے مکمل کیا۔ [1]

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 16-296,295/1، معجم البلدان: 167,166/5، السيرة النبوية لمهدي رزق الله: 269/1، اٹلس فتوحات اسلامیہ، ص: 190، اٹلس سیرۃ نبوی، ص: 140، سیرت انسائیکلوپیڈیا: 449,448/1۔

باب
6

جہاد فی سبیل اللہ

جہاد کا واحد مقصد اعلائے کلمۃ الحق ہے۔ ظلم کو مٹا کر انصاف کا پرچم اونچا کرنا اور تمام انسانوں کو نفس کے پھندوں سے بچا کر صراط مستقیم پر ڈالنے کی ہر سعی جمیل کا نام جہاد ہے

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ
بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا
وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ
نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ

”جن لوگوں سے لڑائی کی جاتی ہے انھیں (جہاد کی) اجازت دی گئی ہے، اس لیے کہ ان پر ظلم ہوا اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر پوری طرح قادر ہے۔“ (الحج 22:39)

اس باب میں

جہاد، جدو جہد کے آخری درجے اور منتہائے کمال کا نام ہے۔ یہ غیر اللہ کی بندگی، ظلم، غارتگری، ناانصافی، سفاکی، ناپاکی، شرارت اور شیطنت کو مٹا کر بنی نوع انسان کو اللہ کی رحمت و مرحمت اور امن و انصاف کی چھاؤں میں لانے کا ذریعہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر صاحب ایمان شخص اپنی ذات، اپنے گھر، اپنے ماحول اور اپنے وطن کے علاوہ ساری دنیا میں وہ نظامِ زندگی نافذ کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دے جو اللہ تعالیٰ نے رسالت مآب ﷺ کے ذریعے بنی نوع انسان کی فلاح کے لیے عطا فرمایا ہے۔ آپ اِس باب میں فریضۂ جہاد کی ضرورت و اہمیت اور اقامتِ دین کی راہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بے مثال سرفروشیوں کے حالات پڑھیں گے۔ ان حالات کے مطالعے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کس طرح ساری طاغوتی طاقتوں کے سفینے ڈبو کر ابنائے آدم کو اللہ کی رحمت کا پیغام پہنچایا۔ طاغوتی نظام کے خاتمے کی جدوجہد حسب استعداد ہر مسلمان پر لازم ہے۔ اِس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ مبارک قیامت تک چراغِ راہ کا کام دیتا رہے گا۔ اگلے اوراق میں آپ کو جہاد کی معنویت اور برکات وحسنات کی نہایت قیمتی تفصیلات ملیں گی۔

فریضۂ جہاد

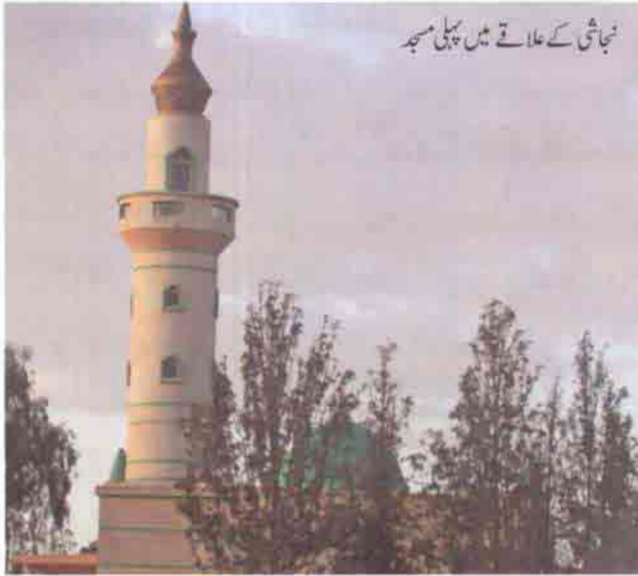
محمد رسول اللہ ﷺ کی عظمتوں کے گلدستے میں دو پنکھڑیاں اتنی بے مثل اور خوشنما ہیں کہ آپ ﷺ کی ذاتِ والا صفات کے علاوہ ان کی مثال کہیں نظر نہیں آتی۔ اولاً آپ ﷺ رب ذوالجلال سے ٹوٹ کر محبت کرتے تھے۔ ہر آن اپنے مقدس خالق و مالک ہی کی یاد میں مگن رہتے تھے۔ ثانیاً آپ ﷺ تمام انسانوں کے غم خوار تھے۔ لوگوں کی فکری اور عملی گمراہیاں دیکھ کر بے قرار رہتے تھے۔ آپ ﷺ کی سب سے بڑی تڑپ اور طلب یہ تھی کہ لوگ کفر، شرک بدعملی، اوہام اور اصنام پرستی سے باز آجائیں کلمہ توحید پر ایمان لے آئیں اس طرح جہنم کے شعلوں سے بچ کر جنت کے لالہ زاروں میں پہنچ جائیں۔

لوگوں کی فلاح کے لیے آپ ﷺ کی یہ تڑپ اور طلب رنگ لائی۔ راہ حق کے طلبگار آتے گئے اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان لا کر آپ کی رحمت و شفقت کے سائے میں پناہ لیتے رہے۔ یوں اللہ کے فدائیوں اور محمد رسول اللہ ﷺ کے شیدائیوں کا ایک قافلہ بنتا چلا گیا۔

محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے توحید کی پکار اور اس پر لوگوں کا لبیک کہنا مشرکین مکہ پر بہت گراں گزرا۔ چنانچہ انھوں نے دعوتِ اسلام کو روکنے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے اختیار کرنے شروع کر دیے۔ انھوں نے جناب رسالت مآب ﷺ کی راہ میں کانٹے بچھائے۔ آپ ﷺ پر پتھر برسائے۔ آپ ﷺ کی عالی مرتبت صاحبزادیوں کو طلاقیں دلوائیں اور آپ ﷺ کے پیروکاروں پر انتہائی ہولناک تشدد کا بازار گرم کر دیا۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے گلے میں رسی ڈال دی گئی۔ انھیں تپتے ہوئے صحرا میں گھسیٹا گیا اور ان کے توحید سے معمور سینے پر

مکہ کے اردگرد کے صحرا

بھاری پتھر رکھ دیے گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو صفوں میں لپیٹ کر دھوئیں کا عذاب دیا گیا۔ کسی کو مسلسل دھوپ میں کھڑا رکھ کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ کے خاندان سمیت سماجی اور معاشی بائیکاٹ کیا گیا۔ خانوادہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بھوک سے بلکتے ہوئے ننھے ننھے بچوں کی فلک شگاف چیخیں دور تک جاتی تھیں لیکن کفار و مشرکین کو ان معصوموں پر بھی ترس نہیں آتا تھا۔ وہ خانوادہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فرد کو اتنی اجازت دینے کو بھی تیار نہیں تھے کہ وہ اپنی جیب سے کوئی غذائی جنس خرید لائیں۔ مسلمانوں پر تشدد کے یہ ہتھوڑے صرف اس لیے برسائے گئے کہ وہ ربنا اللہ کی صدا بلند کرتے تھے اور کفر و شرک کی گندگی سے آلودہ ہونے کو تیار نہ تھے۔ جب تعذیب و تشدد کی رفتار اور مقدار بڑھتی ہی چلی گئی تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے مظلوم مسلمانوں کو حبشہ ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت فرما دی۔



نجاشی کے علاقے میں پہلی مسجد

کفار و مشرکین یہ بھی برداشت نہ کر سکے کہ مسلمان حبشہ میں آرام سے رہ لیں۔ انھوں نے قیمتی تحائف دے کر اپنا وفد شاہ نجاشی کے پاس بھیجا اور مسلمانوں کو حبشہ سے نکلوانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔

پھر تشدد کی زنجیریں اور زیادہ گراں بار ہو گئیں۔ مشرکین مکہ خود رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شمع زندگی بجھانے پر تُل گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وطن سے بے وطن ہونے کا تلخ گھونٹ بھی پی لیا۔ مکہ مکرمہ کی سکونت ترک کر دی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معیت میں مدینہ ہجرت فرما گئے۔

وہ مکرم و مقدس ہستی جسے کبھی نیند آتی ہے نہ اونگھ وہ یہ سارے مناظر دم بدم دیکھ رہی تھی۔ ایک طرف کفر تھا، جبر تھا، شرک تھا اور اصنام پرستی کا ہلاکت بار غرور تھا، دوسری طرف عاشقانِ حق و صداقت تھے اور ان کی مسلسل مظلومیت و بے چارگی! کیا ان حالات و حوادث میں بھی مسلمان دبکے بیٹھے رہتے اور مشرکین کے شر سے بچنے کے لیے کچھ نہ کرتے؟ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکال دیے گئے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّآ إِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ ان بدنصیبوں نے اپنے نبی کریم کو نکال دیا ہے۔ اب یہ

ضرور تباہ ہوں گے۔[1]

رب ذوالجلال نے مسلمانوں پر کرم فرمایا اور انھیں اپنے بچاؤ کے لیے قتال کی اجازت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿ أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ﴾ (الحج 22:39)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تب میں نے جان لیا کہ عنقریب جنگ کا طبل بجے گا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صراحت فرما دی کہ یہ اجازت صرف اس لیے دی گئی ہے کہ مسلمانوں پر صریحاً ظلم کیا گیا ہے۔ انھیں اُن کے وطن سے بے وطن اور ان کے گھروں سے بے دخل کر دیا گیا ہے۔

یہ ہے وہ پس منظر جس میں اپنی حفاظت کے لیے مسلمانوں کو تلوار اٹھانے کا اذن ملا۔ قرآن کریم کے مطالعے سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اذن قتال بھی حکمت اور خیرخواہی سے خالی نہیں تھا۔ اذن قتال کی بہت سی اغراض ہیں، ایک غرض و غایت قرآن نے یہ بھی بتائی ہے کہ ﴿ لَعَلَّهُمْ يَنتَهُونَ ﴾ (التوبۃ 9:12) شاید یہ کفار و مشرکین ستم گری سے باز آجائیں۔

اسی کا نام جہاد ہے۔ کیونکہ اس کا تمام تر مقصود یہی ہے کہ ظلم و استبداد کا خاتمہ ہو جائے۔ انصاف اور امن کی حکومت قائم ہو جائے۔ اللہ کی بڑائی اور کبریائی کے پرچم چار سو لہرانے لگیں اور کسی کو کسی پر ظلم کرنے کی جسارت نہ ہو۔ سب کو آزاد فضا میں غور و فکر کے مواقع میسر رہیں تاکہ کفار و مشرکین میں موجود حق پسند طبیعتیں اسلام کے سایۂ رحمت میں آجائیں۔ اگر مظلوم کو اپنی مدافعت کا حق نہ دیا جائے تو پھر دنیا میں انسانی ظلم و استبداد کے سدباب کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہ سکتا۔ بس اپنے ایمان، اپنی جان، مال اور آبرو کی حفاظت کے لیے کیے جانے والے تمام اقدامات جلیلہ کا نام جہاد ہے جس میں بدرجۂ آخر قتال بھی شامل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے مسلسل جد و جہد پر مشتمل تھی۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے 70 سے زیادہ سرایا روانہ فرمائے، خود بہ نفس نفیس تقریباً 27 غزوات میں شرکت کی، ان میں سے نو غزوات ایسے تھے جن میں قتال کی نوبت آئی۔ یہ جہاد یا قتال فی سبیل اللہ کیا تھا؟ اس کی ضرورت کس لیے پیش آئی؟ اس حقیقت سے آگہی کے لیے اگلی سطور میں جہاد کے لغوی و اصطلاحی معنی اور اس کا حقیقی مفہوم پیش خدمت ہے۔

جہاد کے لغوی اور اصطلاحی معنی

جہاد، باب مُفَاعَلَة جَاهَدَ يُجَاهِدُ سے فِعَالٌ کے وزن پر مصدر ہے۔ یہ جُهْد سے مشتق ہے۔ لفظ

---

[1] التفسير للطبراني: 123/17، تفسير ابن كثير: 431,430/5.

الجَهد مشقت اور طاقت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے جبکہ الجُهد کے معنی صرف طاقت ہیں، مثلاً: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جٰهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾

''اور وہ لوگ جنھوں نے ہمارے بارے میں پوری کوشش کی، ہم انھیں اپنا راستہ ضرور دکھائیں گے۔''[1]

جہاد کے اصطلاحی معنی دو طرح کے ہیں: ایک عمومی اور دوسرے خصوصی۔

جہاد کے عمومی اصطلاحی معنی: اہل لغت کے نزدیک جہاد: اِسْتِفْرَاغُ مَا فِي الْوُسْعِ وَالطَّاقَةِ مِنْ قَوْلٍ أَوْ فِعْلٍ، ''قول و عمل کی پوری قوت صرف کر دینا'' ہے۔[2] چونکہ یہ باب مُفَاعَلَةٌ سے ہے، لہٰذا اس میں مشارکت والے معنی موجود ہیں، چنانچہ جہاد کے معنی یہ ہوئے: بَذْلُ كُلٍّ مِّنْهُمَا جُهْدَهُ فِي دَفْعِ صَاحِبِهِ ''دو میں سے ہر ایک کا اپنے مقابل کو پچھاڑنے میں اپنی مکمل طاقت استعمال کرنا۔''[3]

لفظ ''جہاد'' کا اطلاق نفس، شیطان اور فُسّاق کے خلاف مجاہدہ پر بھی ہوتا ہے۔ مجاہدۂ نفس سے مراد دین سیکھنا، اس پر عمل کرنا، اس کی تعلیم دینا اور خواہشات نفس سے اجتناب کرنا ہے۔ شیطان سے مجاہدہ سے مراد یہ ہے کہ جو شبہات اور وسوسے وہ ڈالے، ان سے اپنے آپ کو بچانا۔ فاسقوں سے مجاہدہ ہاتھ، زبان اور دل سے ہے، جبکہ کفار سے مجاہدہ ہاتھ، مال، زبان اور دل سے ہے۔[4]

جہاد کے خصوصی اصطلاحی معنی: جہاد کی خصوصی اصطلاحی تعریف مختلف انداز میں اس طرح کی گئی ہے:

1 هُوَ بَذْلُ الْجُهْدِ فِي قِتَالِ الْكُفَّارِ ''کفار کے خلاف لڑائی میں اپنی پوری طاقت صرف کرنے کا نام جہاد ہے۔''[5] اس سلسلے میں قرآن مجید میں ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جٰهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ﴾ (التوبة 73:9)

''اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجیے۔''

2 قِتَالُ الْكُفَّارِ لِنُصْرَةِ الْإِسْلَامِ وَإِعْلَاءِ كَلِمَةِ اللّٰهِ ''اسلام کی نصرت اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے کفار سے لڑنا۔''[6] اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ (الأنفال 39:8)

[1] العنكبوت 69:29. [2] لسان العرب، القاموس المحيط، مادة: جهد. [3] المنجد، مادة: جهد. [4] فتح الباري: 5/6.
[5] فتح الباري: 5/6. [6] إرشاد الساري: 275/6.

''اور تم ان سے لڑو حتی کہ فتنہ (شرک) نہ رہے اور (ہر کہیں) سارے کا سارا دین اللہ ہی کا ہو۔''

3 بَذْلُ الْوُسْعِ فِي الْقِتَالِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، مُبَاشَرَةً أَوْ مُعَاوَنَةً بِمَالٍ أَوْ رَأْيٍ، أَوْ تَكْثِيرِ سَوَادٍ أَوْ غَيْرِ ذٰلِكَ .... ''قتال فی سبیل اللہ میں براہ راست اپنی پوری طاقت صرف کرنا یا مال خرچ کرنا یا مشورے کے ذریعے تعاون کرنا یا افراد کی تعداد بڑھانے کے علاوہ جہاد میں تعاون کے لیے ایسے ہی امور انجام دینے کی کوشش کرنا۔''[1]

گویا اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے کفار سے قتال اور ان کو نیچا دکھانے کے لیے کی جانے والی ہر کوشش کا نام جہاد ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾

''نکلو ہلکے اور بوجھل اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کرو۔''[2]

اس آیت میں لفظ ''جہاد'' اصطلاحی معنوں، یعنی اللہ کی راہ میں مال اور جان کو صرف کرنے کے لیے استعمال ہوا ہے۔

عمومی اور اصطلاحی معنی میں امتیاز

قرآن وسنت کی نصوص میں عام طور پر لفظ ''جہاد'' قِتَالُ الْكُفَّارِ لِإِعْلَاءِ كَلِمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى بِالسَّيْفِ ''اللہ کے کلمے کی سربلندی کے لیے کفار سے تلوار کے ذریعے سے لڑنا۔'' کے معنوں میں استعمال ہوا ہے، البتہ جہاں دوسرے معانی کے لیے کوئی قرینہ ہو تو پھر اسی معنی کا اعتبار ہوگا۔[3]

1 حاشیة ابن عابدین: 121/4. 2 التوبة 9:41. 3 دیکھیے: مقدمات ابن رشد: 369/1.

مشروعیت جہاد

اس موضوع کے تحت ہم اس امر پر روشنی ڈالیں گے کہ جہاد کی اجازت کب ملی؟ اور عہدِ نبوی میں جہاد کا عمل کن کن مراحل سے گزرا؟ ان مراحل سے آگہی کے بعد یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اسلام میں جنگ کا مقصد خون خرابہ کرنا نہیں بلکہ اقوام عالم کو عدل و انصاف، امن و امان اور انتہائی شائستہ تہذیب و تمدن کی راہ دکھانا ہے۔

جہاد کی مشروعیت کے یکے بعد دیگرے چار مراحل ہیں:

1 مکی دور

لڑائی سے باز رہنا، مشرکین کی طرف سے اذیت رسانی پر صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنا، دین حنیف کی دعوت و تبلیغ کا فرض التزام کے ساتھ مسلسل انجام دیتے رہنا، علم و بصیرت کی روشنی میں اسلام کی تعلیمات پوری وضاحت سے بیان کرنا، باطل معبودوں کے بطلان اور بے مائیگی و بے وقعتی کا اعلان کرنا اور ان کے ماننے والوں کو ان کی گمراہی اور دنیا اور آخرت کے شدید نقصانات سے خبردار کرنا۔

مکہ مکرمہ میں جہاد کی ممانعت

ابتدائی مرحلے میں نبی ﷺ نے مسلمانوں کو مشرکین کے خلاف قتال سے منع فرمایا تھا۔ ایک شخص نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: جب ہم مشرک تھے تو معزز تھے اب جبکہ ہم ایمان لے آئے تو ذلیل ہو گئے ہیں (ہمیں کفار و مشرکین سے لڑنے کی اجازت دیجیے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي أُمِرْتُ بِالْعَفْوِ فَلَا تُقَاتِلُوا»

''مجھے درگزر کرنے کا حکم دیا گیا ہے، پس تم قتال نہ کرو۔'' [1]

اس مرحلے میں قتال کی ممانعت کا حکم اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مجید میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ

[1] سنن النسائي، 3088.

﴿إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ﴾

''تم نے ان لوگوں کو بھی دیکھا جن سے کہا گیا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز قائم کرو اور زکاۃ دو؟ اب جو انھیں لڑائی کا حکم دیا گیا ہے تو ان میں سے ایک فریق لوگوں سے اس طرح ڈرتا ہے جس طرح اللہ سے ڈرنا چاہیے یا کچھ اس سے بھی بڑھ کر۔ اور وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! تو نے ہم پر لڑائی کیوں فرض کر دی؟''[1]

علاوہ ازیں بیعتِ عقبہ کی رات اہل مدینہ نے جب رسول اللہ ﷺ سے اہل منیٰ پر حملہ کر کے انھیں قتل کرنے کی اجازت طلب کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَمْ أُوْمَرْ بِذٰلِكَ» ''مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا۔''[2]

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے:

﴿قُلْ لِّلَّذِينَ آمَنُوا يَغْفِرُوا لِلَّذِينَ لَا يَرْجُونَ أَيَّامَ اللَّهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾

''(اے نبی!) ایمان لانے والوں سے کہہ دو کہ جو لوگ اللہ کی طرف سے برے دن آنے کا کوئی اندیشہ نہیں رکھتے، ان کی حرکتوں پر درگزر سے کام لیں تاکہ وہ کچھ لوگوں کو اس کا بدلہ دے جو وہ کماتے رہے تھے۔''[3]

اس آیت کی تفسیر میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان سے درگزر کریں اور ان کی طرف سے پہنچنے والی ایذا برداشت کریں۔ یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا کہ مسلمان مشرکین اور اہل کتاب کی ایذا رسانی پر صبر کریں تاکہ اس طرح ان کی تالیف قلب ہو لیکن جب وہ دشمنی میں بڑھتے ہی چلے گئے تو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لیے ان سے اپنے دفاع اور جہاد کو مشروع قرار دے دیا، ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ سے بھی یہی بات مروی ہے۔[4]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس بات پر سب اہل علم کا اتفاق ہے کہ جہاد کی مشروعیت ہجرت مدینہ کے بعد ہوئی۔[5]

مکہ مکرمہ میں ممانعتِ جہاد کی حکمتیں

مکہ مکرمہ میں جہاد فرض نہ ہونے اور قتال کی اجازت نہ ملنے کی حکمتیں صریحاً متعین اور یقینی تو نہیں ہیں، البتہ اس باب میں علماء کے اجتہادات ضرور موجود ہیں جن کے فہم کے لیے درج ذیل معروضات مفید ہوں گی:

1 مکی دور دعوتِ اسلام کا ابتدائی دور تھا، اس لیے یہ اسلام قبول کرنے والوں کے لیے تربیت اور تیاری کا اہم ترین مرحلہ تھا جس میں اللہ تعالیٰ رسالت مآب ﷺ کی رہبری میں مسلمانوں کو اسلام کے مقاصدِ جلیلہ کے لیے فکری

[1] النسآء4:77. [2] مسند أحمد 462/3، زادالمعاد 48/3. [3] الجاثیة45:14. [4] تفسیر ابن کثیر، الجاثیة45:14.
[5] فتح الباري 47/6.

اور عملی اعتبار سے مستعد فرمانا چاہتا تھا۔ اس غایت کے لیے ایسے صبر آزما احوال درکار تھے جن سے برسرِ پیکار رہ کر مسلمانوں کو صبر و استقامت جیسے عظیم الشان اوصاف کی مشق و مزاولت ہو جائے تا کہ وہ اللہ رب العزت کی راہ میں بڑی سے بڑی قربانی دینے، اذیت جھیلنے اور ناگوار امور برداشت کرنے کے قابل ہو جائیں۔

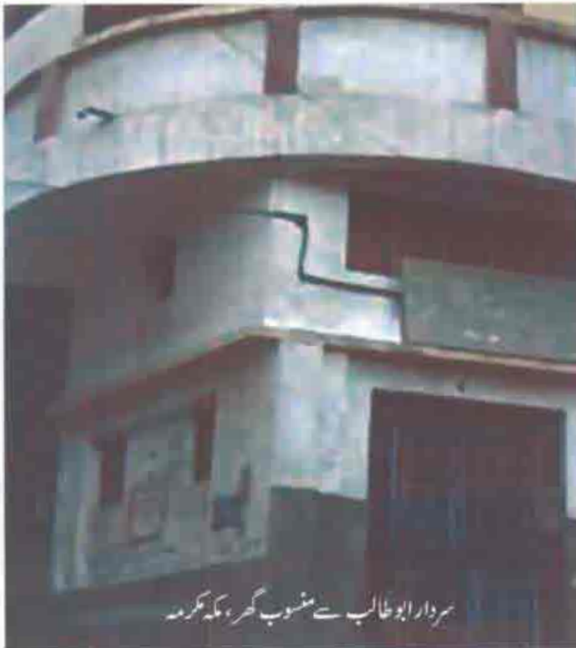
2 مکہ کے جاہلانہ معاشرے میں جنگ جوئی اور مقابلہ آرائی دین حنیف کی دعوت کی راہ میں بجائے خود ایک رکاوٹ بن سکتی تھی۔ اس مقدس مقصد کے لیے اسلامی تحریک کو پُر امن طریقے سے چلانا ہی مناسب اور مؤثر طریق کار تھا۔ جنگ و جدال کی بہ نسبت پُر امن تحریک زیادہ مؤثر اور مفید ہوسکتی تھی۔

3 حالت یہ تھی کہ جو خوش بخت آدمی مسلمان ہوتا، اس کے خاندان کے لوگ بھی اس کے دشمن بن جاتے اور اس پر تشدد شروع کر دیتے تھے۔ اگر مسلمان تشدد کا جواب تشدد ہی سے دیتے تو گھر گھر لڑائی پھیل جانے کا بڑا اندیشہ تھا۔ اس طرح دعوت الی اللہ کا کام رُک جاتا اور عام مشرکین اسلام اور مسلمانوں پر یہ تہمت دھر دیتے کہ نعوذ باللہ اسلام ایک جھگڑالو دین ہے۔

4 مسلمانوں کو پُر امن رہنے اور صبر کرنے کی تلقین میں یہ حکمت بھی کارفرما تھی کہ اسلامی تحریک کے آغاز میں جو لوگ اسلام کے شدید دشمن تھے، وہی لوگ محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے حقائق و بصائر سے آگاہ ہو کر اسلام کے سب سے بڑے فدائی اور پشتیبان بن گئے۔ گویا ان لوگوں کے لیے عدم تشدد کے ذریعے قبولِ حق کی مہلت دینے کا پورا موقع باقی رکھا گیا۔

5 مسلمانوں کی افرادی قوت بہت کم تھی، وہ مکہ میں محصور تھے۔ قتال کی صورت میں شدید جانی نقصان کا بڑا اندیشہ تھا۔ ایسی صورت میں مسلمانوں کی حالت اور زیادہ خراب ہو جانے کا امکان تھا۔

6 رسول اللہ ﷺ برملا دعوت حق دے رہے تھے اور آپ کو بنی ہاشم کی حمایت حاصل تھی، اس لیے آمنے سامنے محاذ آرائی کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئی۔

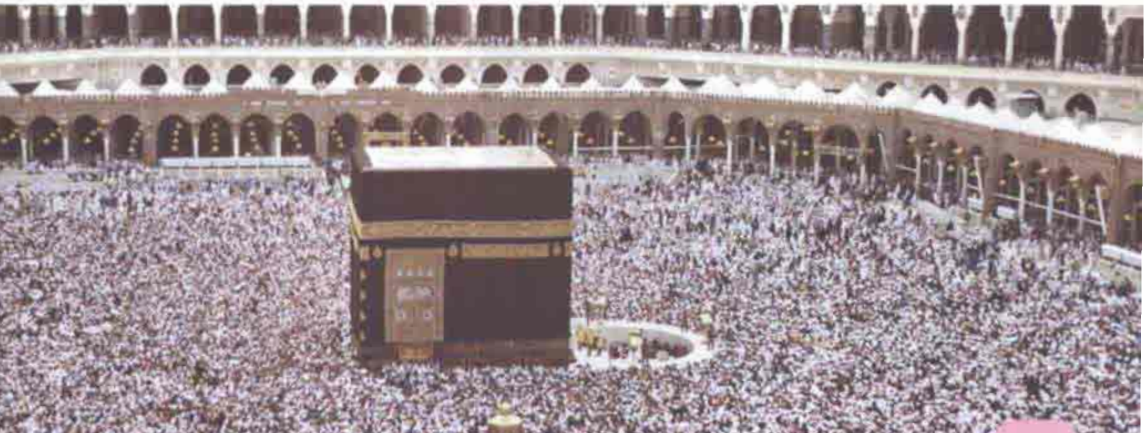

سردار ابو طالب سے منسوب گھر، مکہ مکرمہ

7 عربوں میں ایک قابل تعریف خوبی یہ تھی کہ وہ مظلوم سے ہمدردی کرتے تھے اور ان کی نظر میں مظلوم اخلاقی لحاظ سے ایک صاحب فضیلت شخص قرار پاتا تھا۔ عربوں کی رائے عامہ میں مسلمانوں کو یہ فضیلت صبر کرنے کی وجہ سے حاصل ہوگئی اور وہ انھیں مظلوم سمجھ کر ان کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوتے چلے گئے۔

مکی دور میں عدم قتال کے کیا معنی تھے؟

عدم قتال کا یہ مطلب لینا صحیح نہیں کہ مسلمانوں پر مشرکین کے خلاف ہر قسم کی کارروائی پر پابندی عائد تھی۔ سیرت مقدسہ میں بہت سی ایسی مثالیں موجود ہیں جو مشرکین کے خلاف ضروری کارروائیوں اور دفاعی لڑائی کا جواز ثابت کرتی ہیں، اس کی چند ایک مثالیں درج ذیل ہیں:

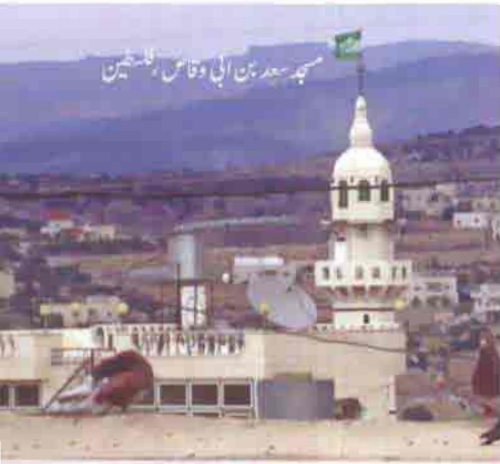
رسول اللہ ﷺ نے بتوں کو پاش پاش کر دیا: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں اور اللہ کے رسول ﷺ نکلے اور چلتے چلتے کعبہ کے پاس آگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا: ''بیٹھ جاؤ''۔ پھر آپ ﷺ میرے کندھوں پر چڑھ گئے۔ اب میں آپ ﷺ کو اپنے کندھوں پر بٹھا کر اٹھنے لگا تو اٹھ نہ سکا۔ رسول اللہ ﷺ نے محسوس فرما لیا کہ میں کمزور آدمی ہوں، چنانچہ آپ ﷺ میرے کندھوں سے اترے، نیچے بیٹھ گئے اور مجھے حکم دیا: ''اب تم میرے کندھوں پر چڑھ جاؤ۔'' میں آپ ﷺ کے کندھوں پر چڑھ گیا۔ آپ ﷺ مجھے لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں رسول اللہ ﷺ کے مبارک کندھوں پر چڑھ کر یوں محسوس کر رہا تھا کہ میں چاہوں تو آسمان کے افق پر جا پہنچوں۔ میں خانہ کعبہ پر چڑھ گیا، وہاں پیتل اور تانبے وغیرہ کے بت رکھے ہوئے تھے۔ میں نے دائیں بائیں اور آگے پیچھے سے سارے بُت اکٹھے کر کے ایک جگہ ڈھیر لگا دیا۔ اب رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا: ''ان بتوں کو نیچے پھینک دو۔'' چنانچہ میں نے انھیں نیچے دے مارا۔ سارے بت ٹوٹ گئے۔ پھر میں نیچے اتر آیا۔ اب میں اور اللہ کے رسول ﷺ تیزی سے نکلے اور اس اندیشے سے آبادی میں جا چھپے مبادا مشرکوں میں



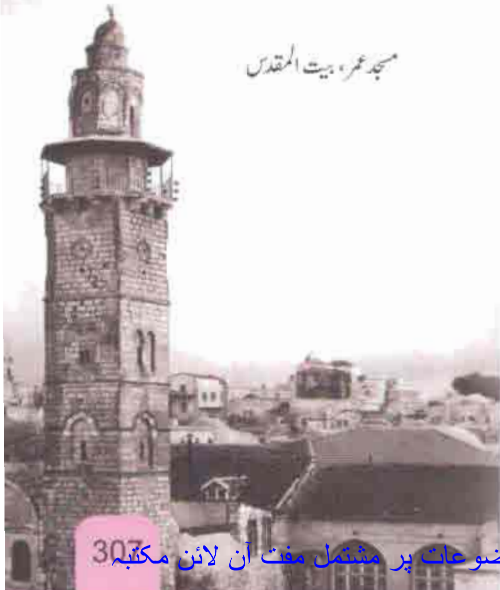
سے کوئی ہمیں دیکھ لے۔[1]

اس واقعے سے ثابت ہوتا ہے کہ مکی دور میں حالت ضعف کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور بتوں کو توڑ ڈالا جس طرح آپ ﷺ کے جد اعلیٰ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے قوم کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھایا اور اپنی گمراہ قوم کے بڑے بت کے سوا تمام بتوں کو توڑ دیا تھا۔

حمزہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے دفاع میں: گزشتہ صفحات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ بیان کیا جاچکا ہے، اس واقعے میں یہ الفاظ بھی درج ہیں: جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عمر رضی اللہ عنہ کو تلوار گلے میں لٹکائے آتے دیکھا تو گھبرا گئے۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: آپ انھیں اندر آنے کی اجازت دے دیجیے۔ اگر وہ بھلائی کے ارادے سے آئے ہیں تو ہم بھی ان سے بھلا سلوک کریں گے اور اگر وہ برے ارادے سے آئے ہیں تو ہم انھیں انھی کی تلوار سے قتل کر ڈالیں گے۔[2]



سعد رضی اللہ عنہ نے عثمان بن عبداللہ کی ناک توڑ دی: عثمان بن عبداللہ بن ابی امیہ نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی آنکھ پر تھپڑ مارا۔ اس موقع پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے اور یہ واقعہ دیکھ رہے تھے۔ وہ بڑے بہادر انسان تھے۔ اپنے مسلمان بھائی پر یہ ظلم دیکھ کر رہ نہ سکے۔ آناً فاناً عثمان بن عبداللہ پر چڑھ دوڑے۔ انھوں نے جوش غضب میں اُسے اتنا مارا کہ اس کی ناک توڑ ڈالی جس سے خون بہنے لگا۔[3]


مسجد عمر، بیت المقدس

عمر رضی اللہ عنہ کا اپنے دفاع میں لڑنا: جب جمیل بن معمر نے لوگوں کو عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کی خبر دی، اس وقت عمر رضی اللہ عنہ اس کے ساتھ ہی تھے۔ کفار قریش عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کی خبر سنتے ہی ان پر ٹوٹ پڑے اور مار دھاڑ شروع ہوگئی۔ عمر رضی اللہ عنہ ان لوگوں کو اور لوگ عمر رضی اللہ عنہ کو مارتے رہے، یہاں تک کہ سورج ان کے سروں پر

[1] مسند أحمد: 84/1، احمد شاکر نے اسے صحیح کہا ہے دیکھیے: مسند أحمد تحقیق أحمد شاکر: 57/2، حدیث: 644. [2] السيرة لابن هشام: 346/1. [3] أنساب الأشراف: 262/1.

آ گیا۔ عمر رضی اللہ عنہ تھک کر بیٹھ گئے۔ اس وقت کفار قریش ان کے سر پر کھڑے تھے۔ [1]

ان واقعات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مکی دور میں بھی مسلمان انفرادی طور پر اپنے دفاع میں لڑتے تھے، لیکن اس وقت اجتماعی طور پر باقاعدہ صف بند ہو کر جدال و قتال کا حکم نہیں ملا تھا۔ اس بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لَمْ أُؤْمَرْ بِذٰلِكَ»

''مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا۔'' [2]

2 دفاع

مشرکینِ مکہ نے پے در پے مظالم ڈھا کر مظلوم مسلمانوں کو مکہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ اُن کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ ایک اللہ کو اپنا رب اور معبود تسلیم کر چکے تھے، محض اللہ کو اپنا رب کہنے اور ماننے پر ان پر مصیبتوں اور تکالیف کے پہاڑ توڑے گئے اور آخر کار انھیں اپنے آبائی علاقے کو چھوڑ کر حبشہ اور بعد ازاں مدینہ کی طرف ہجرت کرنی پڑی۔ حبشہ میں انھیں امن ملا جبکہ مدینہ میں انھیں امن اور مقامی حمایت دونوں چیزیں حاصل ہوئیں۔ مدینہ آنے کے بعد مسلمانوں کو مشرکین سے قتال کی اجازت بھی مل گئی۔ یہ جہاد کی مشروعیت کا دوسرا مرحلہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۝ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ﴾

''ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے، جنگ کرنے کی اجازت دے دی گئی، کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیے گئے، صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے: ہمارا رب اللہ ہے۔'' [3]

قتادہ فرماتے تھے کہ یہ ﴿ أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ﴾ پہلی آیت ہے جو قتال کے بارے میں نازل ہوئی اور مسلمانوں کو قتال کی اجازت دی گئی۔ [4]

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے (مدینہ کی طرف ہجرت کے لیے) نکل گئے تو

[1] السيرة لابن هشام:349/1. [2] مسند أحمد:462/3. [3] الحج22:39،40. [4] تفسير الطبري، الحج22:39.


غار ثور (دہانہ نمایاں ہے) مکہ مکرمہ

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: (افسوس!) انھوں (قریش) نے اپنے نبی کو نکال دیا ﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾، یہ لوگ ضرور ہلاک کیے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ﴾ یہ آیت مبارک سُن کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے جان لیا کہ عنقریب قتال ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: یہ پہلی آیت ہے جو قتال کے بارے میں نازل ہوئی۔[1]

قتال کی اجازت کے معنی

قتال کی اجازت سے مراد یہ ہے کہ پہلے جس اقدام کی اجازت نہیں تھی، اب اس کی اجازت مل گئی، یعنی قتال کی پہلے جو حرمت تھی، وہ اب اباحت کے حکم میں بدل گئی۔ آیت کا حکم یہ تھا کہ اب اگر مسلمان صف آرا ہو کر مشرکین سے قتال کرنا چاہیں تو انھیں اس اقدام کی اجازت ہے اور اگر نہ چاہیں تو یہ ان کی مصلحت و مرضی پر موقوف ہے، یعنی یہ امر لازم نہیں۔

امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ﴾ یہ آیت قتال کو مباح کرنے والی ہے، واجب کرنے والی نہیں۔[2]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اسلاف کرام میں سے متعدد علماء نے یہ بات کہی کہ یہی وہ پہلی آیت ہے جو جہاد کے بارے میں نازل ہوئی۔ بعض نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ بھی کہا ہے

[1] السنن الكبرٰى للنسائي، حديث :4292. [2] الحاوي للفتاوٰى للسيوطي :235/1.

کہ یہ سورت مدنی ہے اور اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم عین مناسب وقت پر دیا، اس لیے کہ جب مسلمان مکہ میں تھے، اس وقت ان کی تعداد اتنی تھوڑی تھی کہ وہ مشرکین کے مقابلے میں دس فیصد سے بھی کم تھے۔ اگر انھیں مکہ ہی میں قتال کا حکم دے دیا جاتا تو یہ ان پر بہت گراں گزرتا لیکن جب اہل یثرب نے عقبہ کی رات رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کی، اس وقت مسلمانوں کی تعداد اسّی سے کچھ زیادہ تھی۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم ان وادی والوں پر حملہ کر کے انھیں قتل نہ کر دیں؟ یہ سُن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا۔''

مشرکین نے سرکشی اختیار کی اور رسول اللہ ﷺ کو ان کے گھر سے نکال دیا، انھیں قتل کرنے کا ناپاک ارادہ کیا اور ان کے ساتھیوں کو منتشر ہونے پر مجبور کر دیا۔ ایک گروہ حبشہ ہجرت کر گیا تھا اور بقیہ نے مدینہ کی راہ لی۔ جب مسلمانوں نے مدینہ میں قرار پکڑا اور رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لے آئے شمع رسالت کے پروانے آپ کے گرد جمع ہو گئے، وہ آپ کی نصرت کے لیے کھڑے ہو گئے اور مدینہ ان کے لیے دارالاسلام اور پناہ بن گیا تو اللہ تعالیٰ نے دشمنوں سے جہاد کو مشروع کر دیا۔ یہ اسی سلسلے کی پہلی آیت تھی۔ [1]

جن لوگوں کا اسلام پر یہ اعتراض ہے کہ اسلام شدت پسندی پر اُکسانے والا مذہب ہے، اُنھیں یہ علم ہونا چاہیے کہ دعوتِ اسلام کے آغاز میں تقریباً 13 سال تک مسلمانوں کو قتال کی اجازت نہیں دی گئی۔ اس دوران میں مشرکین نے مسلمانوں پر پے بہ پے ظلم ڈھائے اور مسلمانوں نے صبر و استقامت سے تکالیف برداشت کیں۔ آخرکار

[1] تفسیر ابن کثیر، الحج 39:22.



اسلام کی خاطر اپنا گھر بار بھی چھوڑ دیا اور مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ اس کے بعد بھی قریش مکہ نے مسلمانوں کا پیچھا نہ چھوڑا۔ اوس اور خزرج کو دھمکایا، یہود کے ساتھ خفیہ تعلقات قائم کیے، مسلمانوں کو ختم کرنے کی مختلف سازشیں کیں حتی کہ مسلمانوں کو ملیامیٹ کرنے کے لیے ان پر چڑھ دوڑے۔ اس نازک صورت حال میں انھیں قتال کی اجازت ملی۔ اس لیے یہ کہنا بالکل غلط اور بے اصل بات ہے کہ اسلام انتہا پسند مذہب ہے یا انتشار اور فرقہ واریت کی طرف دعوت دیتا ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سریے ارسال کیے، پھر خود بھی نکلے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بدر والے دن کفار پر غلبہ عطا فرمایا۔[1]

3 جنگ کرنے والوں سے لڑنے کا حکم

جہاد کی مشروعیت کے تیسرے مرحلے میں صرف ان لوگوں سے لڑائی کا حکم دیا گیا جو مسلمانوں سے جنگ شروع کریں۔ اس طرح مسلمانوں کے لیے اپنا دفاع کرنا فرض قرار پایا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ قٰتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقٰتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝﴾

''اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں مگر زیادتی نہ کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''[2]

[1] أحكام القرآن لابن العربي، الحج22:39. [2] أحكام القرآن لابن العربي، البقرة2:190.



اس آیت کے نزول کے بعد مسلمانوں کے خلاف لڑنے والوں سے قتال فرض کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿ وَلَا تَعْتَدُوْا ﴾ سے مراد یہ ہے کہ زیادتی مت کرو، یعنی ان لوگوں سے مت لڑو جو تم سے نہیں لڑتے۔[1]

رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک یہ تھا کہ آپ ﷺ صرف ان لوگوں سے قتال کرتے تھے جو آپ سے لڑتے تھے اور جو کفار و مشرکین لڑائی سے باز رہتے تھے، اُن سے آپ ﷺ بھی کوئی تعرض نہیں فرماتے تھے یہاں تک کہ اسی ضمن میں سورۂ براءت نازل ہوئی۔[2]

امام طبری رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں: اس آیت میں مسلمانوں کو ان کفار و مشرکین سے قتال کا حکم دیا گیا ہے جو مسلمانوں سے قتال کریں اور جو قتال نہ کریں، ان سے کوئی تعرض نہ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔[3]

4 مشرکین سے قتال کی عمومی فرضیت

یہ مشروعیت قتال کا آخری مرحلہ ہے جس میں تمام مشرکین کو دعوتِ اسلام کے بعد ان سے قتال فرض قرار دیا گیا، حتی کہ وہ اسلام قبول کرلیں یا جزیہ دینے پر راضی ہو جائیں الا یہ کہ محدود وقت کے لیے کفار سے کوئی معاہدہ ہوا ہو تو اس معاہدے کی پاسداری کی جائے گی۔

اس مرحلے کی ابتدا حجۃ الوداع کے چار ماہ بعد نو ہجری میں ہوئی، پھر رسول اللہ ﷺ کی وفات تک اور وفات کے بعد بھی یہی مرحلہ جاری و ساری رہا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَإِنْ تَابُوْا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾

”پس جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو قتل کرو، انھیں جہاں پاؤ پکڑو اور گھیرو اور ان کی خبر لینے کے لیے ہر گھات میں بیٹھو، پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں تو انھیں چھوڑ دو، اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔“[4]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝ ﴾

[1] سبل الهدٰى: 5/4. [2] فتح القدير، البقرة 2:190. [3] تفسير الطبري، البقرة 2:190. [4] التوبة 9:5.

''اہل کتاب میں سے ان لوگوں کے خلاف جنگ کرو جو اللہ اور روز آخر پر ایمان نہیں لاتے اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے، اسے حرام نہیں کرتے۔ اور دینِ حق کو اپنا دین نہیں بناتے (ان سے لڑو) یہاں تک کہ وہ ذلیل بن کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔'' [1]

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اُغْزُوا بِاسْمِ اللّٰهِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ، اُغْزُوا فَلَا تَغُلُّوا وَلَا تَغْدِرُوا وَلَا تَمْثُلُوا وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا، وَ إِذَا لَقِيتَ عَدُوَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَادْعُهُمْ إِلٰى ثَلَاثِ خِصَالٍ ـ أَوْ خِلَالٍ ـ ..... »

''اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستے میں جہاد کرو۔ جو آدمی اللہ کا انکار کرے، اس سے جنگ کرو، جہاد کرو اور خیانت نہ کرو، عہد شکنی اور مثلہ نہ کرو۔ کسی بچے کو قتل نہ کرو۔ جب تمھارا اپنے مشرک دشمنوں سے مقابلہ ہو جائے تو انھیں تین باتوں کی دعوت دو......۔'' [2]

اس مرحلے کے بارے میں امام سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پھر اللہ تعالیٰ نے (مشرکین سے) قتال شروع کرنے کا حکم دے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ﴾ (الأنفال 39:8)

''اور ان کافروں سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔''

اور فرمایا:

﴿ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ﴾ (التوبة 5:9)

''مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو۔''

امام ابوعبداللہ الحلیمی فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے یہ بات واضح فرما دی کہ اگر اللہ تعالیٰ مومنین کے ذریعے مشرکوں کو نہ روکتا، ان کو اسلام کی مرکزیت سے دور رکھنے کے لیے مومنوں کو ان پر غلبہ نہ دیتا اور ان کے گٹھ جوڑ اور طاقت کو نہ توڑتا تو زمین پر شرک غالب آ جاتا، ادیان ختم ہو جاتے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دین کی بقا کا سبب اور دین داروں کے زمین پر پھیلنے کا باعث صرف جہاد ہے۔ اور جو چیز ایسی زبردست اہمیت اور منزلت کی حامل ہو تو لازم ہے کہ وہ ارکانِ ایمان

[1] التوبة 29:9. [2] صحيح مسلم: (3)۔1731.

میں سے ہو اور مومنین اس کے حد درجہ آرزومند رہیں۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُولُوا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَإِذَا قَالُوهَا فَقَدْ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَ أَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ»

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں حتی کہ وہ ''لا الہ الا اللہ'' کہیں۔ جب وہ یہ کہہ دیں گے تو وہ مجھ سے اپنا خون اور مال محفوظ کرلیں گے سوائے اس (اسلام) کے حق کے اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔''[2]

فی الجملہ یہ معاملہ مشرکین سے جہاد کی فرضیت پر ٹھہرا اور یہ فرض قیامت تک قائم رہے گا۔[3]

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب ہجرت پر کچھ عرصہ بیت گیا اور اللہ تعالیٰ نے متبعین کی جماعت مرحمت فرمائی اور اللہ کی نصرت سے انھیں طاقت اور افراد میسر آ گئے جو اس سے پہلے میسر نہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے جہاد کو جو پہلے مباح تھا، فرض قرار دے دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ ﴾ (البقرة 2:216)

''تم پر قتال فرض کیا گیا ہے۔''[4]

ابن رشد کہتے ہیں: آٹھ ہجری کے بعد سورۂ براءت نازل ہوئی تو مسلمان اللہ کی راہ میں تمام اہل کتاب و مشرکین سے قتال کے لیے کمربستہ ہو گئے تا کہ وہ دینِ حق قبول کر لیں، بصورتِ دیگر وہ ذلیل و خوار ہو کر اپنے ہاتھوں سے جزیہ ادا کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے مجوس کے متعلق فرمایا کہ مجوس کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کرو جیسا اہل کتاب سے کیا ہے سوائے ان لوگوں کے جن کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عہد و پیمان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امر کے ساتھ ساتھ اس معاہدے کی مدت پوری کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِلَّا الَّذِينَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْـًٔا وَّ لَمْ يُظٰهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلٰى مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝ ﴾

''بجز ان مشرکین کے جن سے تم نے معاہدے کیے، پھر انھوں نے اپنے عہد کو پورا کرنے میں تمھارے ساتھ کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمھارے خلاف کسی کی مدد کی، پھر ایسے لوگوں کے ساتھ تم بھی معاہدے کی مدت

[1] كتاب المنهاج في شعب الإيمان: 466/2. [2] صحيح البخاري: 7285,7284. [3] المبسوط للسرخسي: 5/10.
[4] أحكام القرآن للشافعي: 188/1.

تک وفا کرو، بلاشبہ اللہ متقیوں ہی کو پسند کرتا ہے۔'' [1]

اس وقت سے اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں پر جہاد فرض کر دیا اور ارشاد فرمایا:

﴿ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝ ﴾

(التوبة 36:9)

''اور سب مل کر مشرکوں سے لڑو جس طرح وہ سب مل کر تم سے لڑتے ہیں اور جان رکھو کہ اللہ متقیوں ہی کے ساتھ ہے۔'' [2]



باب الفتح، مسجد الحرام

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مسلمانوں پر صرف ان لوگوں سے قتال فرض کیا گیا جو ان سے قتال کرے کیونکہ وہ اس امر کی طاقت نہیں رکھتے تھے کہ تمام مشرکین سے قتال کریں، پھر جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتحِ مکہ سے سرفراز فرمایا۔ قریش اور عرب بادشاہوں سے قتال ختم ہوگیا اور عرب وفود نے پے در پے آ کر اسلام قبول کر لیا تو بعدازاں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تمام مشرکین سے قتال کرنے کا حکم دے دیا سوائے ان لوگوں کے جن کا آپ ﷺ کے ساتھ وقتی معاہدہ تھا اور جو معاہدے غیر معینہ مدت کے تھے، وہ ختم کر دیے گئے۔ [3]

---

[1] التوبة 4:9. [2] مقدمات ابن رشد: 1/371، 372. [3] الجواب الصحیح: 1/232.

قرآنِ کریم میں فضائلِ جہاد

جہاد کے معنی، مفہوم اور اہداف و مقاصد سمجھ لینے کے بعد ہم اللہ کے راستے میں قتال کی فضیلت، مجاہد کی فضیلت اور راہ حق میں شہید ہونے والے کے انعام و اکرام کا تذکرہ قرآن کریم کی روشنی میں کرتے چلیں تاکہ اس اہم فریضہ کی اہمیت اجاگر ہو سکے۔

اللہ سے جنت کے عوض جان و مال کا سودا

جہاد کی ایک عظیم فضیلت یہ ہے کہ مجاہد اللہ تعالیٰ سے جنت کے بدلے اپنی جان اور مال کا سودا کر لیتا ہے۔ یہ نہایت نفع بخش سودا ہے جو اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم پر مبنی ہے، اس لیے کہ جنت کے مقابلے میں انسان کی جان اور سارا مال و متاع بالکل ہیچ اور بے وقعت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾

”بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کے مال اس بدلے میں خرید لیے ہیں کہ انھیں جنت ملے گی۔ وہ اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں، پھر لڑتے اور مارتے اور شہید ہوتے ہیں۔ ان سے اللہ کے ذمے ایک پختہ وعدہ ہے تورات اور انجیل اور قرآن میں۔ اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہو؟ پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو تم نے اللہ سے چکا لیا ہے، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔“[1]

المناک عذاب سے نجات دلانے والی تجارت

ایک مومن کے لیے سب سے بڑی کامیابی یہی ہے کہ اسے جہنم سے نجات ملے اور جنت میں داخلہ نصیب ہو جائے۔ جہاد اسی کامیابی کا دوسرا نام ہے۔ یہ دردناک عذاب سے چھٹکارا حاصل کرنے کی بہترین تجارت ہے۔

[1] التوبة 111:9.

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ﴾

”اے ایمان والو! کیا میں تم کو بتاؤں ایک ایسی تجارت جو تم کو دکھ دینے والے عذاب سے نجات دلائے۔ وہ یہ کہ ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے۔ یہ تمھارے حق میں بہتر ہے اگر تم سمجھو۔ اگر تم نے یہ کام انجام دیے تو اللہ تعالیٰ تمھارے گناہ معاف کر دے گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور ابدی قیام کی جنتوں میں تم کو بہترین مکانات عطا فرمائے گا، یہی ہے بڑی کامیابی۔“ [1]

اللہ تعالیٰ کی مجاہدین سے محبت

جہاد اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کا بہترین اور کامیاب ذریعہ ہے کیونکہ مجاہدین سے خود اللہ تعالیٰ محبت فرماتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝ ﴾

”بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کے راستے میں صف بنا کر ایسے جم کر لڑتے ہیں جیسے سیسہ پلائی ہوئی ٹھوس دیوار ہو۔“ [2]

مجاہد کے ہر قدم اور ہر عمل کی فضیلت

جہاد کے لیے نکلنے والوں کو قدم قدم پر اجر ملتا ہے اور ان کا کوئی عمل بھی رائیگاں نہیں جاتا۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ﴾

”یہ بلاشبہ وہ (لوگ) ہیں کہ انھیں اللہ کی راہ میں جو بھی پیاس اور تھکاوٹ اور بھوک (کی تکلیف) پہنچتی ہے اور وہ جو بھی ایسی جگہ روندتے ہیں، جو کافروں کو سخت ناگوار ہو، اور وہ دشمن کے خلاف جو بھی کامیابی

[1] الصف 61:10-12 [2] الصف 61:4.

حاصل کرتے ہیں، اس کے بدلے میں ان کے لیے نیک عمل لکھا جاتا ہے۔ بے شک اللہ محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔'' [1]

جہاد میں مال خرچنے کی فضیلت اور خرچ نہ کرنے پر وعید

جہاد میں مالی تعاون کی بے حد اہمیت ہے۔ یہ جہاد کی مضبوطی کا ایک اہم ذریعہ ہے، اس لیے جہاد میں مال خرچ کرنے کی بھی بہت فضیلت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾

''اور وہ جو بھی چھوٹا اور بڑا خرچ کرتے ہیں اور وہ جو بھی وادی طے کرتے ہیں، وہ ان کے لیے لکھا جاتا ہے تاکہ اللہ انھیں ان کاموں کی بہترین جزا دے۔'' [2]

جو لوگ جہاد میں مال خرچ کرنے سے گریز کریں، ان کے لیے درج ذیل آیت میں سخت وعید بیان کی گئی ہے:

﴿ وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾

[1] التوبة 120:9، [2] التوبة 121:9.



’’اور تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھ ہلاکت میں نہ ڈالو اور تم نیکی کرو، اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔‘‘ [1]

ظاہر ہے کہ جب مسلمان جہاد میں اپنا مال خرچ کرنے سے گریز کریں گے تو اس طرح دشمن مضبوط ہوگا اور مسلمان کمزور ہوں گے جس کا نتیجہ تباہی و بربادی کی صورت میں سامنے آئے گا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا شوق جہاد

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جذبۂ جہاد سے سرشار تھے۔ وہ حق و باطل کے ہر معرکے میں پیش پیش رہتے تھے۔ کسی وجہ سے جہاد سے پیچھے رہ جانا انھیں بے حد گراں گزرتا تھا۔ اس کی ایک جھلک اللہ تعالیٰ نے ان مبارک الفاظ میں دکھائی ہے:

﴿وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴾

’’اور (اے نبی!) ان لوگوں پر کوئی گناہ نہیں جو آپ کے پاس آئے کہ آپ انھیں (سفر جہاد کے لیے) سواری دیں، آپ نے کہا: میرے پاس کوئی سواری نہیں، تو وہ اس حال میں لوٹ گئے کہ ان کی آنکھیں اس غم سے آنسو بہا رہی تھیں کہ ان کے پاس کچھ نہیں جسے وہ (اللہ کی راہ میں) خرچ کریں۔‘‘ [2]

قتال کرنے والوں کی فضیلت

راہِ حق میں اپنی جان اور مال کے ساتھ لڑنے والے مسلمان مقام و مرتبہ اور اجر و ثواب کے اعتبار سے ان مسلمانوں سے بہت آگے ہیں جو جہاد کے لیے نہیں نکلتے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾

’’مسلمانوں میں جو لوگ معذور نہیں ہیں اور (جہاد پر نکلنے کے بجائے) بیٹھے رہیں، وہ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے، اللہ نے ان لوگوں کو جو اپنے مال اور جان سے جہاد کریں، بیٹھے رہنے والوں پر ایک درجہ فضیلت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اچھا وعدہ سب کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجاہدوں کو بیٹھنے والوں پر بہت بڑی فضیلت دی ہے۔‘‘ [3]

[1] البقرة 2:195. [2] التوبة 9:92. [3] النسآء 4:95.

راہِ حق کے شہیدوں کے لیے انعامات

اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہو جانے والے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو بیش بہا انعامات تیار کر رکھے ہیں، ان کا تذکرہ درج ذیل آیات میں اس طرح کیا گیا ہے:

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۚ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾

”وہ لوگ جو اللہ کے راستے میں قتل کر دیے گئے، انھیں ہرگز مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں (اور) رزق پاتے رہتے ہیں۔ جو کچھ اللہ نے انھیں اپنے فضل سے عطا کیا، وہ اس پر بے حد خوش ہیں اور ان (اہلِ ایمان) کے بارے میں بھی خوشی محسوس کرتے ہیں جو ابھی ان سے نہیں ملے اور ان کے پیچھے (دنیا میں) رہ گئے ہیں کہ انھیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ وہ اللہ کے انعام اور اس کے فضل پر شاداں وفرحاں ہیں، اور بے شک اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔“ [1]

رضائے الٰہی کے لیے قربانیاں پیش کرنے کا عمل

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جہاد کو اپنی رضا اور محبت کے عمل سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ اس میں اللہ کے دشمنوں اور شر و فساد کے سرغنوں سے نجات اور امن کی خاطر ہر قسم کی محبت کو چھوڑ کر رضائے ربانی کے لیے قربانیاں پیش کرنا مقصود ہوتا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ ﴾

”(اے نبی!) کہہ دیجیے: اگر تمھارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور تمھارا کنبہ قبیلہ اور جو مال تم نے کمائے اور وہ تجارت جس کے مندا پڑ جانے سے تم ڈرتے ہو اور مکانات جنھیں تم پسند کرتے ہو، (یہ سب) تمھیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے۔ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“ [2]

[1] آل عمرٰن 3:169-171. [2] التوبة 9:24.

احادیثِ نبویہ میں فضائلِ جہاد

ذیل میں جہاد کے وہ فضائل بیان کیے جا رہے ہیں جو احادیث مبارکہ میں بیان ہوئے ہیں:

جہاد افضل ترین عمل ہے

حدیث میں جہاد کو نماز کی بروقت ادائیگی اور والدین سے حسنِ سلوک کے بعد افضل ترین عمل قرار دیا گیا ہے۔
سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ : أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: «اَلصَّلَاةُ عَلٰى وَقْتِهَا» قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: «بِرُّ الْوَالِدَيْنِ» قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: «اَلْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ»

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا۔'' میں نے کہا: پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''والدین کے ساتھ حسن سلوک۔'' میں نے کہا: پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔'' [1]

ایک دوسری روایت میں ایمان کے بعد جہاد کو افضل ترین عمل بتایا گیا ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا گیا: کون سا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔'' پوچھا گیا: پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔'' پوچھا گیا: پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مقبول حج۔'' [2]

جہاد کی افضلیت سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی ثابت ہوتی ہے، وہ ایک مرتبہ خلیفۂ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا:

يَا خَلِيفَةَ رَسُولِ اللّٰهِ! إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: «أَفْضَلُ عَمَلِ الْمُؤْمِنِ جِهَادٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ» وَقَدْ أَرَدْتُ أَنْ أَرْبِطَ نَفْسِي فِي سَبِيلِ اللّٰهِ حَتّٰى أَمُوتَ ......

[1] صحيح البخاري: 2782، صحيح مسلم: 85 [2] صحيح البخاري: 1519، صحيح مسلم: 83.

''اے اللہ کے رسول کے خلیفہ! میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے: ''مومن کا سب سے افضل عمل جہاد فی سبیل اللہ ہے۔'' اب میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ میں اپنے آپ کو جہاد کے لیے مختص کر دوں حتی کہ مجھے موت آ جائے......۔''[1]

جہاد غم و فکر سے نجات اور جنت میں داخلے کا ذریعہ ہے

جہاد جنت میں جانے کا اہم ذریعہ ہے۔ جہاد کے اخروی فائدوں کے ساتھ ساتھ بہت سے دنیوی فائدے بھی ہیں۔ اس کا ایک عظیم دنیوی فائدہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے رنج و غم مٹ جاتے ہیں، مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں اور امن و سکون نصیب ہوتا ہے۔ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«جٰهِدُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، فَإِنَّ الْجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى بَابٌ مِّنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ يُنَجِّي اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى بِهِ مِنَ الْهَمِّ وَالْغَمِّ»

''اللہ کے راستے میں جہاد کرو کیونکہ جہاد فی سبیل اللہ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے، اللہ تعالیٰ جہاد کے ذریعے سے ہر قسم کے غم و فکر سے نجات عطا فرماتا ہے۔''[2]

اللہ کے ہاں سب سے محبوب عمل جہاد ہے

جہاد اللہ تعالیٰ کو نہایت محبوب عمل ہے اور اس کی بارگاہِ عالی میں اس کی بے حد قدر و منزلت ہے۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قَعَدْنَا نَفَرٌ مِّنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْنَا: لَوْ نَعْلَمُ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ، عَمِلْنَاهُ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○ يٰأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ○ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ○ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقٰتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيٰنٌ مَّرْصُوصٌ ○﴾ إِلٰى آخِرِ السُّورَةِ فَقَرَأَهَا عَلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ.

''رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے ہم چند افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم نے کہا: اگر ہم جان لیں کہ اللہ کو سب سے محبوب عمل کون سا ہے تو ہم اس پر عمل کریں۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: ''اللہ ہی

[1] المعجم الكبير للطبراني: 338/1، حديث: 1013. یہ روایت ضعیف ہے۔ السلسلة الضعيفة، حديث: 2979. [2] مسند أحمد: 314/5.

کی تسبیح کی ہے ہر اس چیز نے جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہی غالب اور حکیم ہے۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں؟ اللہ کے ہاں بڑی ناراضی ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں۔ اللہ کو تو پسند وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں......'' سورت کے آخر تک۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیات پڑھ کر ہمیں سنائیں۔''[1]

جہاد کے برابر کوئی عمل نہیں

جہاد کی عظمت وفضیلت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام میں اس کے برابر کوئی عمل نہیں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا:

يَارَسُولَ اللّٰهِ! مَا يَعْدِلُ الْجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ؟ قَالَ: «لَا تَسْتَطِيعُونَهُ» فَأَعَادُوا عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا كُلُّ ذٰلِكَ يَقُولُ: «لَا تَسْتَطِيعُونَهُ» ثُمَّ قَالَ: «مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الْقَانِتِ بِآيَاتِ اللّٰهِ لَا يَفْتُرُ مِنْ صِيَامٍ وَّلَا صَلَاةٍ حَتّٰى يَرْجِعَ الْمُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ»

''اے اللہ کے رسول! کون سا عمل جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔'' آپ ﷺ کی خدمت میں یہی سوال دو یا تین مرتبہ دہرایا گیا۔ اس کے جواب میں آپ ﷺ مسلسل یہی فرماتے رہے: ''تم اس کی استطاعت نہیں رکھتے۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثال اس شخص جیسی ہے جو برابر روزہ رکھتا رہے، نماز پڑھتا رہے، اللہ کی اطاعت کرتا رہے، نہ وہ نماز سے تھکے نہ روزے سے حتی کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا لوٹ آئے۔''[2]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک آدمی نے کہا:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! دُلَّنِي عَلٰى عَمَلٍ يَّعْدِلُ الْجِهَادَ، قَالَ: «لَا أَجِدُهُ» ثُمَّ قَالَ: «هَلْ تَسْتَطِيعُ إِذَا خَرَجَ الْمُجَاهِدُ أَنْ تَدْخُلَ مَسْجِدَكَ فَتَقُومَ وَلَا تَفْتُرَ وَتَصُومَ وَلَا تُفْطِرَ؟» فَقَالَ: وَمَنْ يَّسْتَطِيعُ ذٰلِكَ؟

''اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجیے جو جہاد کے برابر ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں ایسا کوئی

[1] جامع الترمذي: 3309. [2] صحيح مسلم: 1878.

عمل نہیں پاتا۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تو اس بات کی استطاعت رکھتا ہے کہ جب مجاہد نکلے تو اس وقت تو اپنی مسجد میں داخل ہو جائے، نماز پڑھتا رہے اور کبھی نہ تھکے۔ اور تو برابر روزے رکھے اور افطار نہ کرے؟'' اس نے کہا: بھلا اس کی کون طاقت رکھتا ہے؟'' [1]

لوگوں میں سب سے افضل مجاہد

جس طرح جہاد افضل ترین عمل ہے، اسی طرح مجاہد بھی لوگوں میں افضل ترین شخص ہے۔ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور پوچھنے لگا:

أَيُّ النَّاسِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: «مُؤْمِنٌ يُجَاهِدُ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ» قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: «رَجُلٌ مُعْتَزِلٌ فِي شِعْبٍ مِّنَ الشِّعَابِ يَعْبُدُ رَبَّهُ وَيَدَعُ النَّاسَ مِنْ شَرِّهِ»

''لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایسا مومن جو اپنی جان و مال کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کرتا ہے۔'' اس نے پوچھا: پھر کون سا شخص افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایسا شخص جو پہاڑ کی کسی گھاٹی میں الگ تھلگ ہو کر اپنے رب کی عبادت کرے اور لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھے۔'' [2]

جہاد اسلام کی بلند ترین چوٹی

جہاد اسلام کی سب سے بلند چوٹی ہے۔ اسے پانے والے کی فضیلت نبیِ اکرم ﷺ نے یوں بیان فرمائی ہے:

«ذِرْوَةُ سَنَامِ الْإِسْلَامِ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، لَا يَنَالُهُ إِلَّا أَفْضَلُهُمْ»

''اسلام کی سب سے بلند چوٹی اللہ کے راستے میں جہاد ہے اور اسے وہی پاتا ہے جو اہل اسلام میں سب سے افضل ہو۔'' [3]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لائے۔ اس وقت وہ اپنی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ النَّاسِ؟» قَالُوا: بَلٰى يَارَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: «رَجُلٌ أَخَذَ بِرَأْسِ فَرَسِهِ فِي

[1] صحيح البخاري: 2785. [2] صحيح البخاري: 6494، صحيح مسلم: 1888. [3] المعجم الكبير للطبراني: 7885. اس حدیث کے آخری الفاظ: «لَا يَنَالُهُ إِلَّا أَفْضَلُهُمْ» ضعیف ہیں۔ السلسلة الضعيفة، حديث: 5143.

سَبِيلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَمُوتَ أَوْ يُقْتَلَ، أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِالَّذِي يَلِيهِ؟» قُلْنَا : بَلٰى يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: «امْرُؤٌ مُعْتَزِلٌ فِي شِعْبٍ، يُقِيمُ الصَّلَاةَ وَيُؤْتِي الزَّكَاةَ وَ يَعْتَزِلُ شُرُورَ النَّاسِ، أَوَ أُخْبِرُكُمْ بِشَرِّ النَّاسِ؟ قُلْنَا : بَلٰى يَارَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ : الَّذِي يُسْأَلُ بِاللّٰهِ وَلَا يُعْطِي»

''کیا میں تمھیں نہ بتاؤں لوگوں میں سے بہترین شخص کون ہے؟'' انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ضرور بتائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایسا شخص جس نے اللہ کے راستے میں گھوڑے کو سر سے پکڑا ہو حتی کہ اسے موت آجائے یا وہ قتل کیا جائے، کیا تمھیں اس کے بعد کی منزلت والے کے بارے میں نہ بتاؤں؟'' ہم نے کہا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! ضرور بتائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایسا الگ تھلگ شخص جو کسی گھاٹی میں نماز قائم کرتا ہے اور زکاۃ ادا کرتا ہے اور لوگوں کے شر سے علیحدہ رہتا ہے۔ کیا میں تمھیں لوگوں میں سے بُرے شخص کی خبر نہ دوں؟'' ہم نے کہا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! ضرور بتائیے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس سے اللہ کے نام پر سوال کیا جائے اور وہ نہ دے؟'' [1]

جہاد رات کے قیام اور نفلی روزے سے افضل ہے

جہاد کے مقابلے میں نفلی عبادات کی کوئی حیثیت نہیں۔ مجاہد میدانِ جہاد میں جو اجر وثواب حاصل کر لیتا ہے، ایک عابد وزاہد وہ اجر حاصل نہیں کرسکتا۔

حسن بن ابی حسن بیان کرتے ہیں کہ ایک بہت مالدار شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! مجھے ایسا عمل بتائیں جسے کرنے سے میں اللہ کی راہ میں جہاد کرے والے کے عمل کے برابر ہو جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیرا مال کتنا ہے؟'' اس نے کہا: چھ ہزار دینار۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تو انھیں اللہ کی اطاعت میں خرچ کر دے تو یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے جوتے کے تسمے کے غبار کے برابر بھی نہیں پہنچتا۔'' ایک اور آدمی آپ ﷺ کے پاس آیا، اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے وہ عمل بتائیں جس سے میں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے عمل کو پاسکوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تو ساری رات نماز پڑھے اور دن بھر روزہ رکھے تب بھی تیرا عمل اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی نیند کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا۔'' [2]

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[1] الجهاد لابن المبارك، حديث : 169، ص : 159، جامع الترمذي : 1652. [2] سنن سعيد بن منصور : 119/2، حديث : 2305.

«مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُجَاهِدُ فِي سَبِيلِهِ، كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الْخَاشِعِ الرَّاكِعِ السَّاجِدِ»

''اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے برابر روزے رکھنے والا، مسلسل نماز میں کھڑا رہنے والا، اللہ سے ڈرنے اور رکوع اور سجدہ کرنے والا شخص ہو۔ اور اللہ ہی جانتا ہے کہ کون اس کے راستے میں جہاد کرتا ہے۔'' [1]

مجاہد کے درجات

اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے لیے جنت میں سو عظیم درجات تیار کر رکھے ہیں۔ ہر دو درجوں کے درمیان زمین و آسمان کی درمیانی مسافت جتنا فاصلہ ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَبِرَسُولِهِ وَ أَقَامَ الصَّلَاةَ وَصَامَ رَمَضَانَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ، جَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَوْ جَلَسَ فِي أَرْضِهِ الَّتِي وُلِدَ فِيهَا» فَقَالُوا : يَارَسُولَ اللّٰهِ! أَفَلَا نُبَشِّرُ النَّاسَ؟ قَالَ : «إِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ أَعَدَّهَا اللّٰهُ لِلْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، مَا بَيْنَ الدَّرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ......»

''جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور نماز قائم کرے اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے گا، چاہے وہ اللہ کے راستے میں جہاد کرے یا اسی جگہ پڑا رہے جہاں پیدا ہوا تھا۔'' صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم لوگوں کو اس کی بشارت نہ دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں سو درجے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے راستے میں جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کیے ہیں، ان کے دو درجوں میں اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان و زمین کے درمیان ہے۔ ......'' [2]

اللہ کے راستے میں ایک صبح یا شام چلنے کی فضیلت

جہاد میں بسر کی گئی ایک صبح یا شام دنیا اور اس کے تمام ساز و سامان سے بہتر ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«لَغَدْوَةٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَوْرَوْحَةٌ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا ......»

[1] سنن النسائي: 3129. [2] صحيح البخاري: 2790.

”اللہ کے راستے میں گزرنے والی ایک صبح یا ایک شام دنیا سے اور جو کچھ دنیا میں ہے، سب سے بہتر ہے......۔“ [1]

حسن بن ابوالحسن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سریہ روانہ فرمایا۔ اس میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ سارا لشکر صبح چلا گیا اور معاذ رضی اللہ عنہ پیچھے رہ گئے یہاں تک کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ظہر ادا کی، نبی ﷺ ان کی طرف پلٹے اور فرمایا:

«أَلَا أَرَاكَ سَبَقَكَ الْقَوْمُ بِشَهْرٍ فِي الْجَنَّةِ، اِلْحَقْ أَصْحَابَكَ»

”کیا میں تجھے ایسا نہیں پا رہا کہ سارا لشکر تجھ سے ایک مہینہ پہلے ہی جنت میں چلا گیا، جا جلدی سے اپنے ساتھیوں سے مل جا۔“

انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرا ارادہ تھا کہ میں آپ کے ساتھ نماز ادا کروں اور آپ سے اپنے لیے دعا کراؤں تاکہ میں اپنے ساتھیوں پر فضیلت پا سکوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«بَلْ لَهُمُ الْفَضْلُ عَلَيْكَ اِلْحَقْ أَصْحَابَكَ»، وَقَالَ: «رَوْحَةٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا وَ غَدْوَةٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا»

”تیرے ساتھی تو تجھ پر فضیلت لے گئے، جا اپنے ساتھیوں سے مل جا۔“ مزید فرمایا: ”اللہ کے راستے میں گزرنے والی ایک شام ساری دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سب سے بڑھ کر ہے اور اللہ کے راستے میں ایک صبح دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، سب سے افضل ہے۔“ [2]

اللہ کے راستے میں غبار آلود قدموں کی فضیلت

جس کے قدم جہاد میں غبار آلود ہو جائیں، جہنم کی آگ اس پر حرام ہو جاتی ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک مومن جہاد میں حصہ لے اور پھر بھی جہنم میں چلا جائے۔ ابوعبس عبدالرحمٰن بن جبر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنِ اغْبَرَّتْ قَدَمَاهُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ»

”جس بندے کے قدم اللہ کے راستے میں غبار آلود ہوں گے، اسے جہنم کی آگ نہیں چھو سکے گی۔“ [3]

[1] صحيح البخاري: 2792. [2] سنن سعيد بن منصور: 2379. [3] صحيح البخاري: 907.


30ہزار مربع میٹر پر محیط اٹلی (روم) میں یورپ کی سب سے بڑی مسجد

ابو مصبح حمصی بیان کرتے ہیں: ہم گرمی کے دنوں میں جہاد کے لیے سرزمین روم میں چلے جا رہے تھے۔ ہمارے امیر مالک بن عبداللہ خثعمی رضی اللہ عنہ تھے۔ مالک بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا گزر جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے ہوا جو اپنے خچر کو پکڑے ہوئے جا رہے تھے۔ مالک نے ان سے کہا: اے ابوعبداللہ! سوار ہو جائیں، اللہ نے آپ کو سواری دی ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اپنے جانور کو آرام دے رہا ہوں اور اپنی قوم سے بے پروا ہوں اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے: ''جس آدمی کے دونوں قدم اللہ کے راستے میں گرد آلود ہو جائیں، اللہ ان کو آگ پر حرام کر دیتا ہے۔'' مالک رضی اللہ عنہ کو یہ بات پسند آئی، پھر وہ چلتے رہے۔ جب ایسی جگہ پہنچے جہاں ان کی آواز لوگوں تک پہنچ سکے تو انھوں نے اونچی آواز سے کہا: اے ابوعبداللہ! سواری پر سوار ہو جاؤ، اللہ نے آپ کو سواری دی ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ مالک رضی اللہ عنہ کا کیا مقصد ہے، چنانچہ انھوں نے اونچی آواز میں جواب دیا: میں اپنے جانور کو آرام دے رہا ہوں اور اپنی قوم سے بے پروا ہوں۔ اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے: ''جس آدمی کے دونوں قدم اللہ کی راہ میں گرد آلود ہو جائیں، ان کو اللہ آگ پر حرام کر دیتا ہے۔'' یہ سن کر لوگ اپنی سواریوں سے نیچے کود پڑے۔ ہم نے کسی اور دن اس سے زیادہ پیدل چلتے لوگ نہیں دیکھے۔[1]

جہاد میں خرچ کرنے کی فضیلت

جہاد میں مال خرچ کرنا باعثِ فضیلت ہے۔ سیدنا خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] صحیح ابن حبان: 464,463/10، حدیث: 4604.

«مَنْ أَنْفَقَ نَفَقَةً فِي سَبِيلِ اللّٰهِ كُتِبَتْ لَهُ سَبْعُ مِائَةِ ضِعْفٍ»

''جس شخص نے اللہ کے راستے میں کچھ خرچ کیا، اس کے بدلے اس کا اجر سات سو گنا لکھا جائے گا۔'' [1]

ایک دوسری روایت میں ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک آدمی ایک اونٹنی مہار سمیت لایا اور کہا: یہ اللہ کے راستے کے لیے (وقف) ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَكَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَبْعُ مِائَةِ نَاقَةٍ كُلُّهَا مَخْطُومَةٌ»

''قیامت کے دن اس اونٹنی کے بدلے تیرے لیے سات سو اونٹنیاں ہیں، وہ سب نکیل والی ہوں گی۔'' [2]

نبیِ اکرم ﷺ کی تمنائے شہادت

شہادت ایک ایسا عظیم رتبہ ہے جس کی تمنا خود سرور کائنات ﷺ نے بار بار کی۔ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَوْلَا أَنَّ رِجَالًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَا تَطِيبُ أَنْفُسُهُمْ أَنْ يَّتَخَلَّفُوا عَنِّي وَلَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُهُمْ عَلَيْهِ، مَا تَخَلَّفْتُ عَنْ سَرِيَّةٍ تَغْدُو فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَوَدِدْتُ أَنِّي أُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ثُمَّ أُحْيَا، ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا، ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا، ثُمَّ أُقْتَلُ»

''قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ صاحبِ ایمان لوگ کبھی یہ پسند نہیں کریں گے کہ میں جنگ کے لیے جاؤں اور وہ گھر بیٹھے رہیں، ادھر میرے پاس بھی اتنی گنجائش نہیں کہ ان سب کو سواری مہیا کر سکوں تو میں اللہ کے راستے میں جانے والے کسی بھی لشکر سے پیچھے نہ رہتا۔ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میری دلی تمنا ہے کہ میں اللہ کے راستے میں شہید کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر شہید کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر شہید کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید کیا جاؤں۔'' [3]

شہید کی آرزو

شہادت میں اس قدر زبردست لذت ہے کہ اس کا صحیح اندازہ شہید ہی کو ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شہید جنت میں جانے کے باوجود بھی یہی تمنا کرے گا کہ میں دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جاؤں اور بار بار شہادت کا مزہ چکھوں۔

[1] جامع الترمذي: 1625، [2] صحيح مسلم: 1892، [3] صحيح البخاري: 2797.

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا أَحَدٌ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يُحِبُّ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا وَلَهُ مَا عَلَى الْأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا الشَّهِيدُ يَتَمَنَّى أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ لِمَا يَرَى مِنَ الْكَرَامَةِ»

''جو شخص بھی جنت میں داخل ہوگا، وہ کبھی دنیا میں واپس آنے کی خواہش نہیں کرے گا۔ چاہے اسے زمین کی ہر چیز دے دی جائے۔ مگر شہید تمنا کرے گا کہ مجھے دنیا میں واپس بھیجا جائے اور میں دس دفعہ شہید کیا جاؤں کیونکہ اسے شہید کا اعزاز و اکرام نظر آ رہا ہوگا۔''[1]

شہید کے اعزازات

شہید کو اللہ تعالیٰ چھ خاص اعزازات سے نوازتا ہے۔ ان اعزازات کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل فرمان میں موجود ہے:

«لِلشَّهِيدِ عِنْدَ اللّٰهِ سِتُّ خِصَالٍ: يُغْفَرُ لَهُ فِي أَوَّلِ دُفْعَةٍ وَّ يُرٰى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَيُجَارُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَيَأْمَنُ مِنَ الْفَزَعِ الْأَكْبَرِ، وَيُوضَعُ عَلٰى رَأْسِهِ تَاجُ الْوَقَارِ، اَلْيَاقُوتَةُ مِنْهَا خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا، وَيُزَوَّجُ اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِينَ زَوْجَةً مِّنَ الْحُورِ الْعِينِ، وَيُشَفَّعُ فِي سَبْعِينَ مِنْ أَقَارِبِهِ»

''شہید کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں چھ اعزاز ہیں، یعنی خون کی پہلی دھار بہتے ہی اسے معاف کر دیا جاتا ہے اور اس کا جنتی ٹھکانہ اسے دکھایا جاتا ہے۔ اُسے عذاب قبر سے بچا لیا جاتا ہے۔ بڑی گھبراہٹ والے دن وہ مطمئن اور مامون رہے گا۔ اس کے سر پر عزت کا تاج رکھا جائے گا جس کا ایک یاقوت دنیا وما فیہا سے بہتر ہے۔ موٹی، سیاہ و سفید آنکھوں والی بہتر (72) عورتوں سے اسے بیاہ دیا جائے گا۔ اس کے اپنے عزیز و اقارب میں سے ستر افراد کے بارے میں اس کی سفارش قبول کی جائے گی۔''[2]

قرآن کریم کی چند آیات کریمہ اور احادیث نبویہ سے اللہ کی راہ میں قتال کرنے کی فضیلت بیان کر دی گئی ہے۔ اگرچہ یہ ایک بڑا طویل اور نہایت ایمان افروز موضوع ہے لیکن ہم اسی پر اکتفا کرتے ہوئے اِسی عنوانِ مقدس کے دیگر پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہیں۔

[1] صحيح البخاري: 2817، صحيح مسلم: (109)-1877. [2] جامع الترمذي: 1663.

وجوہات فرضیت جہاد

- حق یہ ہے کہ انسان کی اصل وجہ تخلیق اور مقصدِ حیات صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اعلائے کلمۃ الحق ہے۔ دنیا کے ہر انسان تک دین حنیف کا پیغام پہنچانا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اگر کوئی طاغوتی طاقت مسلمانوں کے اِس فریضے کی ادائیگی میں مزاحمت کرے تو اُسے شائستگی سے سمجھانا، میٹھے اور آسان الفاظ میں روحِ اسلام سے آگاہ کرنا اور اللہ کی بندگی کی دعوت دینا نہایت ضروری ہے۔ اگر کوئی طاقت یہ ناصحانہ بات بھی نہ مانے اور جزیہ ادا کرنے سے بھی انکاری ہو تو بدرجہ آخر اسلامی مملکت کے سربراہ کے حکم پر اُس کے خلاف جہاد کرنا فرض ہو جاتا ہے۔
- اگر کوئی غیر مسلم ملک مسلمانوں کے کسی ملک پر حملہ کر دے تو مسلمانوں کے ملک کو بچانے اور دشمن کی گرفت سے محفوظ رکھنے کے لیے بھی تمام مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔
- اگر مسلمان بحیثیت اقلیت کسی غیر مسلم ملک میں پُر امن طور پر رہتے ہیں اور غیر مسلموں کی اکثریتی حکومت مسلمانوں کو ان کے دینی معتقدات اور اعمالِ صالحہ کی زندگی بسر کرنے کی اجازت نہیں دیتی، ان کے معاش و اقتصاد کے وسائل لوٹتی ہے، ان کی توہین کرتی ہے یا ان پر ناحق ظلم ڈھاتی ہے تو ایسے مظلوم مسلمان بھائیوں کی حفاظت و اعانت کے لیے بھی جہاد کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے، تاہم رسالت مآب ﷺ نے دورانِ جہاد جو امور ملحوظ رکھنے کی تاکید فرمائی ہے، ان کی پابندی شرط لازم ہے۔

جہاد کے اغراض و مقاصد

جس طرح جہاد ایک عظیم الشان دینی فریضہ ہے، اسی طرح اس کے اہداف اور مقاصد بھی نہایت اعلیٰ اور بے حد اہم ہیں۔ انھیں اللہ رب العزت نے خود متعین فرمایا ہے۔ بعض اہداف و مقاصد اساسی حیثیت رکھتے ہیں جنھیں کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اسلامی ریاست کے ضمن میں آپ جنگ و قتال کی وجوہات ملاحظہ کر چکے ہیں۔ یہاں بعض ذیلی مقاصد ہیں جو ضمناً خود بخود شامل ہو جاتے ہیں۔ ان اہداف و مقاصد کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے:

صلح اور اسلام کی سربلندی

جہاں تک ممکن ہوتا نبی ﷺ جنگ سے گریز فرماتے تھے اور معاہدہ یا صلح کی تدبیر فرماتے۔ آپ ﷺ جب کسی اسلامی لشکر کا امیر مقرر فرماتے تھے، اسے ان ہدایات سے نوازتے:

«وَإِذَا لَقِيتَ عَدُوَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَادْعُهُمْ إِلٰى ثَلَاثِ خِصَالٍ ـ أَوْ خِلَالٍ ـ فَأَيَّتُهُنَّ مَا أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ، فَإِنْ أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ، ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى التَّحَوُّلِ مِنْ دَارِهِمْ إِلٰى دَارِ الْمُهَاجِرِينَ وَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ إِنْ فَعَلُوا ذٰلِكَ فَلَهُمْ مَّا لِلْمُهَاجِرِينَ وَعَلَيْهِمْ مَّا عَلَى الْمُهَاجِرِينَ، فَإِنْ أَبَوْا أَنْ يَتَحَوَّلُوا مِنْهَا فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ يَكُونُونَ كَأَعْرَابِ الْمُسْلِمِينَ يَجْرِي عَلَيْهِمْ حُكْمُ اللّٰهِ الَّذِي يَجْرِي عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَكُونُ لَهُمْ فِي الْغَنِيمَةِ وَالْفَيْءِ شَيْءٌ إِلَّا أَنْ يُجَاهِدُوا مَعَ الْمُسْلِمِينَ، فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَسَلْهُمُ الْجِزْيَةَ، فَإِنْ هُمْ أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ، فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَقَاتِلْهُمْ»

''اور جب تمھارے مشرک دشمنوں سے آمنا سامنا ہو تو تم ان کو تین باتوں کی دعوت دو۔ ان تینوں میں سے

وہ جس بات پر آمادہ ہو جائیں، وہ ان سے قبول کرلو اور ان سے جنگ نہ کرو، چنانچہ انھیں اسلام کی دعوت دو، اگر وہ اس پر آمادہ ہو جائیں تو وہ ان سے قبول کرلو اور ان سے جنگ نہ کرو، پھر انھیں ان کے علاقے سے مہاجرین کے علاقے کی طرف جانے کی دعوت دو اور انھیں بتا دو کہ اگر وہ ایسا کرلیں گے تو ان کے لیے وہی فوائد ہوں گے جو مہاجرین کے لیے ہوں گے اور ان کے وہی فرائض ہوں گے جو مہاجرین کے فرائض ہیں۔ اگر وہ اپنے علاقے کو چھوڑنے سے انکار کردیں تو انھیں بتا دو کہ ان کا معاملہ بدوی مسلمانوں کی طرح ہوگا۔ ان پر وہی احکام لاگو ہوں گے جو دیگر مومنین پر لاگو ہوتے ہیں اور ان کے لیے مالِ غنیمت اور مالِ فے میں کوئی حصہ نہیں ہوگا الا یہ کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد کریں۔ اگر وہ مسلمان ہونے کا انکار کریں تو ان سے جزیہ طلب کرو۔ اگر وہ آمادہ ہو جائیں تو ان سے جزیہ قبول کرلو اور جنگ نہ کرو، اگر وہ جزیہ دینے سے بھی انکار کردیں تو اللہ سے مدد طلب کرو اور ان سے جنگ کرو۔" [1]

کمزوروں کی مدد

کمزور، لاچار اور مقہور و مجبور لوگوں کو ظالموں کے ظلم و ستم اور درندگی سے نجات دلانا بھی جہاد کا ایک اہم مقصد ہے۔ مشرکین مکہ اہل اسلام پر ہولناک مظالم کے جو پہاڑ توڑتے رہے اور انھیں مسلسل مشق ستم بناتے رہے اللہ عزوجل نے ان کی بے بسی و بے کسی دیکھ کر انھیں جہاد کی اجازت دے دی۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝﴾

"اور (اے مومنو!) تمھیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کو چھڑانے کے لیے نہیں لڑتے جو کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکال لے جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی حمایتی مقرر فرما دے اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی مددگار عطا فرما دے۔" [2]

دینی شعائر اور عبادت گاہوں کی حفاظت

جہاد کے ذریعے سے ہر دور میں دینی شعائر اور عبادت گاہوں کی حفاظت ہوتی رہی ہے۔ آج بھی یہی مقدس

[1] صحیح مسلم: 1731. [2] النسآء 4:75.

عمل مساجد کے تحفظ کا ضامن ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴾

''اور اگر اللہ لوگوں میں سے بعض کو بعض کے ذریعے سے دفع نہ کرتا تو بلاشبہ خانقاہیں اور گرجے اور یہودی عبادت خانے اور مسجدیں ڈھادی جاتیں جن میں اللہ کا نام بکثرت ذکر کیا جاتا ہے۔''[1]

زمین سے فساد کا خاتمہ

زمین سے ہر طرح کے فساد اور ظلم کا خاتمہ کر کے امن و امان قائم کرنا بھی جہاد کا ایک اہم ہدف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○ ﴾

''اور اگر اللہ انسانوں کے ایک (گروہ) کو دوسرے (گروہ) کے ذریعے سے ہٹاتا نہ رہتا تو یقیناً ساری زمین کا نظام بگڑ جاتا لیکن اللہ دنیا والوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے۔''[2]

منافقین کو بے نقاب کرنا

جہاد کے ذریعے سے کھرے اور کھوٹے کی تمیز ہوتی ہے اور دین کا لبادہ اوڑھ کر دین کے خلاف سازشیں کرنے والے منافقین بے نقاب ہوتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ﴾

''اللہ مومنوں کو اس حالت میں ہرگز نہ رہنے دے گا جس میں تم اس وقت ہو یہاں تک کہ وہ پاک کو ناپاک سے علیحدہ کر دے۔''[3]

کفر و شرک کا خاتمہ

اللہ کی زمین سے فتنے، یعنی کفر و شرک کا خاتمہ جہاد کا اولین ہدف ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ﴾

''اور ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ (کفر و شرک کا) کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے۔''[4]

[1] الحج 22:40. [2] البقرۃ 2:251. [3] آل عمران 3:179. [4] البقرۃ 2:193.

غلبۂ اسلام

جہاد کا دوسرا بڑا ہدف یہ ہے کہ اللہ کا دین (دستور) اس کائنات میں پھیل جائے اور اس کے بالمقابل سارے من گھڑت نظاموں اور دستوروں کا خاتمہ کر دیا جائے، اس لیے کہ جب زمین اللہ تعالیٰ کی ہے تو اس پر نظام بھی اسی کا چلے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ﴾

”اور ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین سارے کا سارا اللہ کے لیے ہو جائے۔“ [1]

کفار کو خوف زدہ اور ان کے منصوبوں کو ناکام بنانا

جہاد اور اس کی تیاری کے ذریعے سے اسلام دشمنوں کو خوف زدہ کر کے مرعوب رکھا جاتا ہے اور ان کی ناپاک ناپاک سازشیں خاک میں ملادی جاتی ہیں تاکہ انھیں مسلمانوں کے خلاف کوئی اقدام کرنے کی جرأت نہ ہوسکے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ ﴾

”اور ان (کافروں کے مقابلے) کے لیے تم مقدور بھر قوت اور جنگی گھوڑے تیار رکھو جن سے تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو ڈرائے رکھو۔“ [2]

مسلمانوں کی آزمائش، تربیت اور اصلاح

جہاد میں مسلمانوں کی آزمائش اور تربیت کا پہلو بھی شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو خود ہی کافروں کو نیست و نابود کر دیتا لیکن اس نے مسلمانوں کی آزمائش اور تربیت کے پیشِ نظر انھیں جہاد کا حکم دیا۔ راہِ جہاد میں ایک مسلمان کی جو تربیت ہوتی ہے، وہ کسی اور چیز سے نہیں ہوتی۔ جہاد سے استقامت، جرأت و شجاعت اور غیرت کے علاوہ صرف اور صرف اللہ کے لیے اپنی جان تک کا نذرانہ پیش کرنے کا سبق ملتا ہے۔ یہ انسان کو اللہ کی سچی بندگی کرنے والا پسندیدہ مومن بنا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ عالی ہے:

﴿ فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۛ۫ ذٰلِكَ ۛؕ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَاۡ

[1] الأنفال 8:39. [2] الأنفال 8:60.

﴿بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۗ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ○ سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ○﴾

''چنانچہ جب تم (جہاد میں) ان لوگوں سے ملو جنھوں نے کفر کیا تو (ان کی) گردنیں مارو، حتی کہ جب تم انھیں خوب قتل کر چکو تو (قیدیوں کو) بیڑیوں میں مضبوطی سے باندھ دو، پھر یا تو اس کے بعد ان پر احسان کرنا ہے یا فدیہ (تاوان) لینا ہے، حتی کہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے، (حکم) یہی ہے اور اگر اللہ چاہتا تو (خود ہی) ان سے بدلہ لے لیتا، لیکن (اس نے تمھیں حکم دیا ہے) تاکہ وہ تمھیں ایک دوسرے سے آزمائے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل (شہید) کیے گئے تو اللہ ان کے اعمال ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ وہ جلد ان کی رہنمائی کرے گا اور ان کے حال کی اصلاح کرے گا۔'' [1]

اسلامی حکومت و خلافت کا قیام

جہاد کا ایک عظیم ہدف یہ بھی ہے کہ خلافتِ اسلامیہ کا قیام عمل میں آئے تاکہ مساوات انسانی اور مواخاتِ اسلامی قائم ہونے کے ساتھ ساتھ تمام فیصلے قرآن و سنت کے مطابق ہوں اور معاشرتی خرابیوں اور بدعتی رسوم و رواج کا قلع قمع کیا جا سکے۔ اسلامی عقائد راسخ ہوں اور فطری ضروریات کے تقاضے بطریق احسن پورے کیے جا سکیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ﴾

''بے شک ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے تاکہ آپ کو اللہ نے جو سیدھی راہ دکھائی ہے، اس کے مطابق فیصلے کریں۔'' [2]

[1] محمد 47:4,5. [2] النسآء 4:105.

معاہدے اور غزوات و سرایا

نبی ﷺ کی بعثت مبارکہ کا اصل مقصد اعلائے کلمۃ اللہ اور بطلانِ باطل تھا۔ جنگ رفع ظلم اور قیام عدل کے لیے ایک ناگزیر اور آخری درجے کی تدبیر تھی۔ اسی مقصد کے پیش نظر مسلمان عین حالتِ جنگ میں بھی مخالفین کے سامنے شرائط صلح پیش کرتے، اگر وہ مان جاتے تو جنگ نہ کی جاتی۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صلح اور قیام امن کا معقول عہد و پیمان ہی مزاج نبوی تھا اور آپ ﷺ کے نزدیک جہاد کرنا بھی دراصل رفع شر اور قیام امن کے لیے تھا۔

غزوات و سرایا

مشرکین کے خلاف جنگی مہمات دو قسم کی تھیں: 1 غزوات 2 سرایا

وہ لشکر جو کفار کے مقابلے کے لیے گئے، ان میں سے بعض میں رسول اللہ ﷺ نے بہ نفس نفیس خود شرکت فرمائی اور بعض میں آپ ﷺ نے کسی صحابی کو سالار مقرر کر کے روانہ فرمایا۔ اہل سیر کی اصطلاح میں غزوہ اس فوجی مہم کو کہتے ہیں جس میں نبی ﷺ بذات خود تشریف لے گئے، چاہے جنگ ہوئی ہو یا نہیں ہوئی۔ اس کے برعکس سریّہ اس فوجی مہم کو کہتے ہیں جس میں آپ ﷺ نے شرکت نہیں فرمائی۔[1] سرایا سریہ کی جمع ہے۔ ان سرایا و غزوات کے بارے میں ضروری تفصیلات درج ذیل ہیں:

غزوات کی تعداد

غزوات و سرایا کی تفصیلات بیان کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ غزوات اور سرایا کی تعداد کے بارے میں وضاحت کر دی جائے۔

غزوات کی تعداد میں مختلف اقوال ہیں: ایک قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے 19 غزوات میں شرکت فرمائی۔ ابواسحاق کی روایت کے مطابق یہ قول زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا ہے۔ ابواسحاق فرماتے ہیں:

كُنْتُ إِلَى جَنْبِ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ، فَقِيلَ لَهُ: كَمْ غَزَا النَّبِيُّ ﷺ مِنْ غَزْوَةٍ؟ قَالَ: تِسْعَ عَشْرَةَ ......

1 الرحيق المختوم، ص: 197، السيرة النبوية للمهدي: 394,393/1.

"میں زید بن ارقم کے ایک جانب بیٹھا ہوا تھا کہ ان سے پوچھا گیا: رسول اللہ ﷺ نے کتنے غزوے کیے ہیں؟ انھوں نے کہا: انیس (19)......۔"[1]

موسیٰ بن عقبہ، ابن اسحاق، واقدی، ابن جوزی، دمیاطی اور عراقی کا قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے غزوات کی تعداد 27 ہے، اس کے علاوہ بعض علماء نے یہ تعداد 24 اور بعض نے 21 بتائی ہے۔

غزوات کی تعداد میں یہ فرق حقیقی نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض غزوات کے مقامات ایک دوسرے سے بالکل قریب تھے۔ اور بعض غزوات ایک ہی سفر میں پیش آئے، اس لیے بعض حضرات نے قریب الوقوع غزوات کو ایک ہی غزوہ شمار کیا، جبکہ دیگر حضرات نے ان غزوات کو الگ الگ بیان کیا ہے، مثلاً: غزوۂ حنین اور طائف ایک ہی سفر میں پیش آئے، چنانچہ بعض حضرات نے انھیں بھی ایک ہی غزوہ لکھا ہے۔ اسی طرح فتح مکہ کو بعض نے غزوات میں شمار کیا اور بعض نے کہا کہ مکہ تو صلح صفائی سے فتح ہوا، لہٰذا اسے غزوہ شمار کرنا صحیح نہیں، اس لیے غزوات کی گنتی میں کمی بیشی تو یقیناً پائی جاتی ہے لیکن اس سے اصل حقائق پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

ان غزوات میں سے 9 غزوات ایسے تھے جن میں کفار کے ساتھ جنگ ہوئی۔ وہ غزوات یہ ہیں: بدر، احد، خندق، قریظہ، مصطلق، خیبر، فتح مکہ، حنین، طائف۔

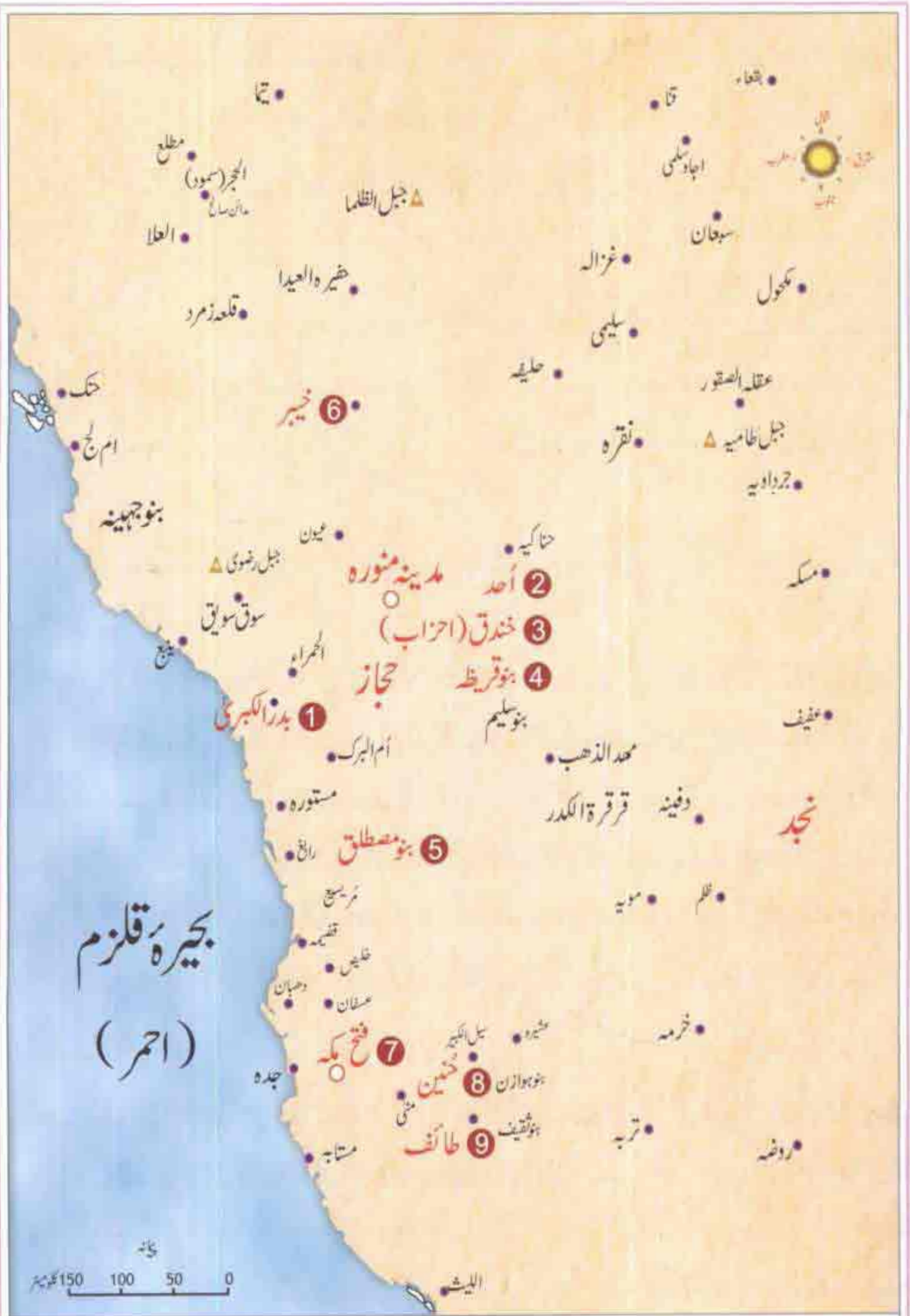
سرایا کی تعداد

غزوات کی طرح سرایا کی تعداد میں بھی مختلف اقوال ہیں۔ واقدی نے سرایا کی تعداد 47، ابن عبدالبر نے 35 اور ابن اسحاق نے 36 بتائی ہے، ان اقوال کے علاوہ بعض حضرات نے 70 اور 100 کی تعداد بھی بیان کی ہے۔[2] اس اختلاف کا سبب بھی وہی ہے جو اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اب ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان غزوات اور سرایا کے حالات تفصیل سے بیان کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

جہاد فی سبیل اللہ کی شرط

حدیث میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! لوگ مختلف اغراض و مقاصد کے لیے لڑتے ہیں۔ کوئی مال غنیمت کے حصول کے لیے لڑتا ہے۔ کوئی اپنی شہرت اور ناموری کے لیے لڑتا ہے۔ کوئی اس لیے لڑتا ہے کہ لوگوں میں اس کا مرتبہ ممتاز ہو جائے۔ آخر ان میں سے کون اللہ

[1] صحيح البخاري: 3949. [2] المغازي للواقدي: 18/1، شرح الزرقاني على المواهب: 221,220/2.



وہ غزوات جن میں کفار رسول اللہ ﷺ کے خلاف معرکہ آرا ہوئے

کی راہ میں لڑتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا، فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ»

''جو شخص صرف اس لیے لڑے تا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے، بس وہ اللہ کی راہ میں لڑتا ہے۔''[1]

قریش مکہ کے جارحانہ ارادے

قریش مکہ مدینہ میں اسلامی ریاست کے وجود کو اپنی اقتصادی شہ رگ پر چھری تصور کرتے تھے کیونکہ وہ شام جانے والی بین الاقوامی شاہراہ تجارت کے ناکے پر واقع تھی۔ انھیں خوب معلوم تھا کہ اگر اسلامی ریاست کو پنپنے کا موقع مل گیا تو ایک دن یہ اُن کی سیادت کو ختم کر دے گی۔ بنا بریں وہ نبی ﷺ کی جان کے دشمن تھے اور مسلمانوں کے درپے آزار رہتے تھے۔

قریش مکہ نے انصار کو دھمکی آمیز خط بھی لکھا۔ اس خط کے محرک مکہ کے دو بڑے سردار ابوسفیان اور ابی بن خلف تھے۔ انھوں نے اہل مدینہ کو لکھا:

''عربوں میں کوئی قبیلہ ایسا نہیں جس کے ساتھ جنگ لڑنا ہمارے لیے آپ سے جنگ کرنے سے زیادہ ناگوار اور تکلیف دہ ہو۔ لیکن آپ لوگوں نے ہم میں سے ایک شخص کی مدد کرنے کی کوشش کی ہے جو اعلیٰ ترین نسب اور مرتبے کا مالک تھا۔ آپ نے اسے پناہ دی ہے، اسے تحفظ بخشا ہے۔ یقیناً یہ بات شرمناک اور آپ کی طرف سے بڑی غلطی پر مبنی ہے، اس لیے آپ ہمارے اور اس کے درمیان مداخلت نہ کریں۔ اگر اس نے بہتر مقام بنالیا تو یہ ہمارا حق ہے کہ ہم اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اگر اس کے برعکس صورت ہوئی تو ہم دوسروں سے کہیں بڑھ کر اُسے سزا دینے کا حق رکھتے ہیں۔''[2]

کفار مکہ کا الٹی میٹم

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اس خط کے جواب میں ایک نظم لکھی۔ اسے پڑھ کر بھی اہل مکہ کے حوصلے پست نہ ہوئے۔ انھوں نے مدینہ میں رئیس منافقین عبداللہ بن ابی اور اس کے مشرک دوستوں کو ایک الٹی میٹم بھیجا جس میں انھیں متنبہ کیا گیا:

''تم نے ہمارے ایک مفرور ساتھی کو پناہ دی ہے۔ ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ آپ لوگ اس سے لڑیں

[1] صحيح مسلم: 1904. [2] كتاب المحبر، ص: 271.

یا اسے نکال دیں، ورنہ پھر ہم اپنی جمعیت کے ساتھ آپ لوگوں پر حملہ کر دیں گے۔ آپ کے سارے مردوں کو تہ تیغ کر دیں گے اور آپ کی عورتوں کی حرمت پامال کر ڈالیں گے۔''

اس خط سے مدینہ میں تھوڑی سی تشویش ضرور ہوئی۔ عبداللہ بن ابی اور اس کے بت پرست ساتھی آپ ﷺ سے لڑائی کے لیے اکٹھے ہوگئے۔ آپ ﷺ کو پتہ چلا تو آپ نے شر پسندوں کے مجمع میں خود جا کر گفتگو فرمائی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''قریش نے تم سے ایسی چال کھیلی ہے کہ اگر تم ان کی دھمکیوں میں آگئے تو تمھارا بہت زیادہ نقصان ہوگا، بہ نسبت اس کے کہ تم ان کی بات سے انکار کر دو، کیونکہ اگر تم مسلمانوں سے لڑو گے تو اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے بھائیوں اور فرزندوں کو جو مسلمان ہو چکے ہیں، قتل کرو گے۔'' نبی کریم ﷺ کی یہ تقریر سن کر سارا مجمع منتشر ہوگیا۔[1] شر پسندوں کو کسی طرف سے بھی کسی کی حمایت حاصل نہ ہوئی۔

نبی ﷺ کے گرد صحابہ کا پہرہ

بدوی قبائل جو مدینہ کے اطراف و اکناف میں آباد تھے، اپنی بدوی روایات کے پیش نظر اسلامی ریاست کے امکانی دشمن بن سکتے تھے، اس لیے کہ اسلامی ریاست مرکزیت اور اجتماعیت پر قائم تھی اور یہ بات بدوی قبائل کی سرشت کے خلاف تھی۔ مزید برآں ان میں سے بعض لوگوں کے قریش مکہ کے ساتھ حلیفانہ تعلقات بھی تھے۔

اس لیے نبی ﷺ یہ خطرہ محسوس کرتے تھے مبادا کوئی مقامی دشمن کفار مکہ سے ساز باز کر کے آپ کو نقصان پہنچا دے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مدینہ پہنچنے کے بعد آپ ایک رات جاگتے رہے اور فرمانے لگے:

«لَيْتَ رَجُلًا مِّنْ أَصْحَابِي صَالِحًا يَّحْرُسُنِي اللَّيْلَةَ»

''کاش! میرے اصحاب میں سے کوئی صالح شخص رات بھر میری حفاظت کرے۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہم اسی حالت میں تھے کہ ہم نے اسلحہ اور جملہ آلات حرب کی جھنکار سنی۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کون ہے؟ عرض کیا: سعد بن ابی وقاص ہوں۔ فرمایا: کیسے آنا ہوا؟ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہنے لگے: مجھے آپ کے بارے میں خوف لاحق ہوا تو آپ کی حفاظت کے لیے حاضر ہوگیا ہوں۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی اور پھر سو گئے۔[2]

[1] سنن أبي داود: 3004. [2] صحيح البخاري: 2885، صحيح مسلم: 2410.



مکہ مدینہ کا راستہ

مشرکین مکہ کے خلاف رسول اللہ ﷺ کی حکمت عملی

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنگ کی اجازت تو دے دی گئی تھی لیکن جن حالات میں دی گئی، وہ محض قریش کے ذہنی فتور و فساد، قوت کے گھمنڈ اور سرکشی کا نتیجہ تھے، اس لیے حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ مسلمان اپنے قبضے کی حد یں قریش کی اس تجارتی شاہراہ تک پھیلا دیں جو مکے سے شام تک پھیلتی چلی گئی ہے۔ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ نے دو تدابیر اختیار فرمائیں:

اولاً یہ کہ جو قبائل اس شاہراہ کے اردگرد یا اس شاہراہ سے مدینے تک کے درمیانی علاقے میں آباد تھے، ان سے مسلمانوں کے حلیف بننے اور جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کیا جائے، یہ قریش کو تنہا کرنے کی تدبیر تھی۔

دوسری تدبیر یہ اختیار فرمائی کہ اس شاہراہ پر چھاپہ مار دستے بھیجے اور انھیں ہدف دیا کہ وہ قریش کے تجارتی قافلوں پر حملے کریں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مہاجرین مکہ اپنی جو دولت اور مال و اسباب مکہ مکرمہ میں چھوڑ آئے تھے، کفار اکثر و بیشتر وہی مال لوٹ کر اپنے تجارتی دھندے میں لگا رہے تھے، اس لیے ان کفار سے اپنے مال کی بازیابی ناگزیر ہوگئی تھی۔ یہ اسی طرح ممکن تھا کہ مشرکین مکہ جو تجارتی قافلے لے کر ادھر سے گزریں، انھیں گھیر کر اپنے اموال کی بازیابی کی راہ کھولی جائے تاکہ وہ تجارتی مال و اسباب سے محروم ہوکر مسلمانوں پر حملہ کرنے کا منصوبہ نہ بنا پائیں۔

مدینہ کے نواح میں معاہدے

جہاد کا مطلب ومقصود اللہ رب العزت کا کلمہ بلند کرنے کے لیے قرآن وسنت کی تعلیمات پر مبنی صالح معاشرے کا قیام ہے۔ فی الحقیقت یہی ہر مسلمان کا مقصدِ حیات ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے لسانی، مالی اور جسمانی طور پر مسلسل جد و جہد کرنا اور اسے درجۂ کمال تک پہنچا دینا ہی جہاد کہلاتا ہے۔ اس حقیقت کا بلیغ ترین مظہر خود رسالت مآب ﷺ کی مساعی جمیلہ ہیں۔ آپ مجسمۂ رحمت تھے لیکن اللہ کے دین کے غلبے کے لیے جب بھی قتال کی ضرورت ناگزیر ہوگئی۔ آپ ﷺ اس ضرورت کے تقاضے بہ تمام وکمال پورے فرمائے اور جہاں آپ کو حلم و تدبر کے ذریعے مقاصد حسنہ کے حصول کی راہ باز ہوتی نظر آئی تو اس موقع پر آپ ﷺ نے حالات کی مناسبت سے حریفوں سے معاہدے بھی کیے اور ان معاہدوں کی پابندی کا امکان بھر اہتمام فرمایا۔ ایسے ہی پس منظر میں رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ جہینہ کی مختلف شاخوں سے معاہدے کیے۔

بنی زرعہ اور بنی ربعہ سے معاہداتِ نبوی

جہینہ میں سے بنی زرعہ اور بنی الربعہ سے ایک معاہدہ ہوا اس معاہدے کی عبارت یہ ہے:

وَكَتَبَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لِبَنِي زُرْعَةَ وَبَنِي الرَّبْعَةِ مِنْ جُهَيْنَةَ أَنَّهُمْ آمِنُونَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَ أَمْوَالِهِمْ، وَ أَنَّ لَهُمُ النَّصْرَ عَلٰى مَنْ ظَلَمَهُمْ أَوْ حَارَبَهُمْ إِلَّا فِي الدِّينِ وَالْأَهْلِ، وَلِأَهْلِ بَادِيَتِهِمْ مَنْ بَرَّ مِنْهُمْ وَاتَّقٰى مَا لِحَاضِرَتِهِمْ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ.

"رسول اللہ ﷺ نے جہینہ کی شاخوں بنو زرعہ اور بنو ربعہ کے لیے (معاہدہ) لکھا کہ بلاشبہ ان لوگوں کو ان کے جان و مال کی امان ہے۔ جو شخص ان پر ظلم کرے گا یا ان سے جنگ کرے گا، اس کے خلاف ان کی مدد کی جائے گی سوائے اس کے کہ وہ جنگ دین یا اہل وعیال کے بارے میں ہو۔ ان کے خانہ بدوشوں میں جو نیک اور پرہیزگار ہوگا، اسے وہی حقوق حاصل ہوں گے جو ان کے شہریوں کے ہیں۔ اور اللہ ہی سے مدد طلب کی جاتی ہے۔"

عوسجہ بن حرملہ جہنی سے معاہدہ

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے عوسجہ بن حرملہ جہنی کے لیے درج ذیل معاہدہ تحریر کرایا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

هٰذَا مَا أَعْطَى الرَّسُولُ عَوْسَجَةَ بْنَ حَرْمَلَةَ الْجُهَنِيَّ مِنْ ذِي الْمَرْوَةِ أَعْطَاهُ مَابَيْنَ بَلْكَثَةَ إِلَى الظَّبْيَةِ إِلَى الْجَعَلَاتِ إِلَى جَبَلِ الْقَبِيلَةِ لَا يُحَاقُّهُ أَحَدٌ، وَمَنْ حَاقَّهُ فَلَا حَقَّ لَهُ وَحَقُّهُ حَقٌّ. كَتَبَهُ الْعَلَاءُ بْنُ عُقْبَةَ.

یہ ذی المروہ (کے علاقے) سے وہ حصہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے عوسجہ بن حرملہ جہنی کو عطا فرمایا۔ آپ نے انھیں بلکثہ سے الظبیہ تک اور وہاں سے جعلات تک اور جعلات سے جبل قبیلہ تک کا علاقہ دے دیا ہے۔ ان مقامات میں اس سے کوئی مزاحمت نہ کرے، جو مزاحمت کرے گا، وہ ناحق ٹھہرے گا۔ حق عوسجہ ہی کا ہوگا۔ علاء بن عقبہ نے اسے تحریر کیا۔

بنو شنخ سے معاہدہ

رسول اللہ ﷺ نے بنو شنخ سے جو جہینہ ہی سے تعلق رکھتے تھے، معاہدہ کیا، اس معاہدے کی تحریر یہ ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

هٰذَا مَا أَعْطَى مُحَمَّدٌ النَّبِيُّ بَنِي شَنْخٍ مِّنْ جُهَيْنَةَ، أَعْطَاهُمْ مَا خَطُّوا مِنْ صُفَيْنَةَ وَمَا حَرَثُوا، وَمَنْ حَاقَّهُمْ فَلَا حَقَّ لَهُ وَحَقُّهُمْ حَقٌّ.


ذی المروہ


الظبیہ

كَتَبَ الْعَلَاءُ بْنُ عُقْبَةَ وَ شَهِدَ.

''یہ دستاویز ہے جو محمد ﷺ نے قبیلہ جہینہ کے بنی شخ کو دی۔ آپ نے انھیں صفینہ کا وہ خطہ عطا فرمایا جسے انھوں نے نشان زدہ کیا اور اس میں کھیتی باڑی کی۔ جو ان سے مزاحمت کرے گا، وہ ناحق ٹھہرے گا اور انھی کا دعویٰ حق ہوگا۔'' اسے علاء بن عقبہ نے تحریر کیا اور گواہ ہوئے۔

بنوجرمز سے معاہدہ

رسول اللہ ﷺ نے جہینہ میں سے بنو جرمز بن ربیعہ سے بھی تحریری معاہدہ کیا۔

وَكَتَبَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لِبَنِي الْجُرْمُزِ بْنِ رَبِيعَةَ وَهُمْ مِّنْ جُهَيْنَةَ، أَنَّهُمْ آمِنُونَ بِبِلَادِهِمْ، وَلَهُمْ مَا أَسْلَمُوا عَلَيْهِ، وَكَتَبَ الْمُغِيرَةُ.


وادی صفینہ کا علاقہ

''ان لوگوں کو ان کی بستیوں میں امن دیا گیا ہے، بحالت قبول اسلام ان لوگوں کے پاس جو مال و دولت ہے، وہ سب انھی کا ہے۔'' یہ معاہدہ مغیرہ نے تحریر کیا۔[1]

ان تدبیروں کے رُو بہ عمل آنے سے مسلمانوں کی عسکری مہمات کا سلسلہ شروع ہو گیا اور مضافات میں مسلمانوں کے فوجی دستے گشت کرنے لگے۔ مقصود یہی تھا کہ دشمن سے خبردار رہا جائے، مدینے کے گرد و پیش کے راستوں پر عموماً اور مکے کے راستے پر خصوصاً نظر رکھی جائے۔

[1] الطبقات لابن سعد: 271،270/1.

عسکری مہارتوں تک دسترس

اس سلسلے میں آپ سراپا کی تفصیلات اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

ان جنگی کارروائیوں کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ دشمنوں کو کان ہوگئے کہ مسلمان انھیں روکنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں، نیز اسلامی فوجوں کی خوب تربیت ہوئی، جنگی مشقوں کے مواقع میسر آئے اور صحرائی راستوں اور دشمنوں کے حالات سے واقفیت کے نت نئے طور طریقے معلوم ہوئے۔ یوں ان کے عسکری تجربے اور حرب و ضرب کی صلاحیتوں میں بیش بہا اضافہ ہوگیا۔

سریہ حمزہ رضی اللہ عنہ (سریہ سیف البحر)

ہجرت کے سات ماہ بعد رمضان المبارک میں رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلا سریہ ارسال کیا۔ اس کا مقصد قریش کے تجارتی قافلے پر چھاپہ مارنا تھا جو شام سے واپس آ رہا تھا اور اس کی قیادت ابوجہل کر رہا تھا۔ اس قافلے کی حفاظت کے لیے 300 مسلح محافظ بھی لشکر کے ہمراہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے تمیں افراد پر مشتمل مجاہدین اسلام کا دستہ تیار کیا۔ یہ سب کے سب مہاجرین تھے۔ انصار کو اس لیے شامل نہیں کیا کہ ان کے ساتھ یہ معاہدہ ہوا تھا کہ اگر کوئی بیرونی طاقت مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوگی تو انصار رسول اللہ ﷺ کا دفاع کریں گے۔ مدینہ سے باہر نکل کر لڑنے کے بارے میں ان سے کوئی معاہدہ نہیں تھا۔ آپ ﷺ نے ان تمیں افراد پر اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا اور اپنے دست مبارک سے ان کا پرچم باندھا۔ یہ پرچم سفید کپڑے کا تھا۔ اس کا علمبردار کناز بن حصین غنوی رضی اللہ عنہ کو بنایا۔


العیص کا منظر

جب مسلمانوں کا لشکر عیص کے اطراف میں سِیف البحر (ساحل سمندر) کے پاس پہنچا تو قریش کے قافلے سے آمنا سامنا ہوگیا۔ اسی سِیف البحر کی مناسبت سے اس سریے کو سریہ سیف البحر بھی کہا گیا ہے۔ اب دونوں نے جنگ کے لیے اپنی صفیں درست کر لیں۔ جنگ شروع ہونے والی تھی کہ قبیلہ جہینہ کے سردار مجدی بن عمرو جہنی جس کے دونوں فریقوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات تھے، اس نے جنگ روکنے کے لیے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرنا شروع کر دیا۔ کئی مرتبہ وہ فریقین کے کیمپوں میں آیا اور گیا اور انھیں جنگ سے روکنے کی کوشش کرتا رہا۔ آخر دونوں لشکروں نے جنگ نہ کرنے کے لیے اس کی تجویز منظور کر لی، چنانچہ ابوجہل اپنے آدمیوں اور قافلے سمیت مکہ روانہ ہوگیا اور مہاجرین حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بخیر و عافیت مدینہ طیبہ واپس آ گئے۔[1]

[1] شرح الزرقاني على المواهب :2/225,224، المغازي للواقدي :1/21,20.

سریہ عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ

ہجرت کے آٹھ ماہ بعد شوال کے مہینے میں رسول اللہ ﷺ نے ایک اور مہم روانہ فرمائی جو ساٹھ مہاجرین پر مشتمل تھی۔ ان کا امیر عبیدہ بن حارث بن مطلب رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ یہ لشکر مقام رابغ کی طرف روانہ ہوا جو قُدید جاتے ہوئے جحفہ سے دس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس لشکر کا جھنڈا بھی سفید تھا جسے رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے باندھا تھا اور مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ کو اسے اٹھانے کا شرف بخشا۔ یہ لشکر بھیجنے کا مقصد بھی قریش کے تجارتی قافلے پر چھاپہ مارنا تھا۔ یہ قافلہ ابوسفیان بن حرب کی قیادت میں دوسو افراد پر مشتمل تھا۔ دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ رابغ کی وادی میں ایک چشمے پر ہوئی جسے احیاد کہا جاتا ہے۔ اس موقع پر لڑائی کے لیے صف بستہ ہونے اور تلواروں کو بے نیام کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ دونوں گروہوں نے ایک دوسرے پر تیر برسانے ہی پر اکتفا کیا۔ اس موقع پر مسلمانوں میں سب سے پہلے کافروں پر تیرے چلانے والے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے اور یہ



وادی رابغ

اسلامی جنگوں میں مجاہدین کی طرف سے پہلا تیر تھا۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ترکش میں 20 تیر تھے۔ آپ نے اپنے سارے تیر چلائے جو دشمن کے کسی نہ کسی انسان یا حیوان کو زخمی کرتے چلے گئے۔ اس دوران میں ابوسفیان کے لشکر سے دو شخص فرار ہو کر مسلمانوں کے ساتھ آ ملے۔ یہ دونوں مسلمان تھے اور کفار کے ساتھ اسی مقصد سے نکلے تھے کہ مسلمانوں سے جا ملیں گے...... ایک مقداد بن عمرو بہرانی رضی اللہ عنہ تھے اور دوسرے عتبہ بن غزوان مازنی رضی اللہ عنہ تھے۔ جھڑپ کے بعد دونوں فریق اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عبیدہ رضی اللہ عنہ سے کہا: کیوں نہ ہم دوبارہ ان پر حملہ کریں اور غنیمت حاصل کریں کیونکہ وہ لوگ جاتے ہوئے بہت خوفزدہ تھے، لیکن انھوں نے میری بات نہیں مانی اور ہم واپس مدینہ آ گئے۔ بعض سیرت نگاروں نے سریہ عبیدہ رضی اللہ عنہ کو پہلا اور سریہ حمزہ رضی اللہ عنہ کو دوسرا سریہ قرار دیا ہے۔[1]

[1] السيرة لابن هشام :592,591/2، المغازي للواقدي :22/1، شرح الزرقاني على المواهب :226/2-228.

سریہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

تیسرا سریہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے 9 ماہ بعد ذی القعدہ میں الخَرَّار کی جانب روانہ فرمایا، الخرار ایک وادی کا نام ہے۔ یہ جُحفہ اور غدیر خُم کے قریب ہے۔ اسی نسبت سے اسے سریہ الخرار بھی کہا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کا امیر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ اس لشکر کا جھنڈا بھی سفید تھا اور اسے اٹھانے کی سعادت مقداد بن عمرو بہرانی رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی جو لشکر کفار کی صفوں سے نکل کر حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہمراہ مہاجرین پر مشتمل 20 جنگجوؤں کا دستہ روانہ فرمایا۔ یہ سریہ ارسال کرنے کا مقصد



بھی قریش کے تجارتی قافلے پر چھاپہ مارنا تھا۔ مسلمانوں کو قافلے کے تعاقب میں الخرار سے آگے نہ بڑھنے کی ہدایت کی گئی تھی۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

«اُخْرُجْ يَا سَعْدُ! حَتّٰى تَبْلُغَ الْخَرَّارَ، فَإِنَّ عِيرًا لِقُرَيْشٍ سَتَمُرُّ بِهٖ»

''سعد! نکلو اور الخرار تک پہنچ جاؤ، قریش کے قافلے کا ادھر سے گزر ہوگا۔''

سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں بیس یا اکیس آدمیوں کے ساتھ پیدل ہی نکلا۔ ہم دن میں چھپے رہتے اور رات کو سفر کرتے حتی کہ ہم پانچویں صبح وہاں پہنچے۔ یہاں ہمیں معلوم ہوا کہ جس قافلے کی طلب میں ہم نکلے تھے، وہ قافلہ گزشتہ روز گزر چکا ہے۔ چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ میں خرار سے تجاوز نہ کروں، لہٰذا میں نے واپس مدینہ کی راہ لی اور اگر یہ عہد نہ لیا ہوتا تو میں انھیں پانے کی امید رکھتا تھا۔[1]

بعض سیرت نگاروں نے ان تینوں سرایا کو 2 ہجری کا واقعہ بتایا ہے۔ ان کے نزدیک پہلے غزوہ ودان یا ابواء وقوع پذیر ہوا، اس کے بعد سرایا بھیجے گئے۔

[1] المغازي للواقدي: 23/1، شرح الزرقاني على المواهب: 229,228/2.

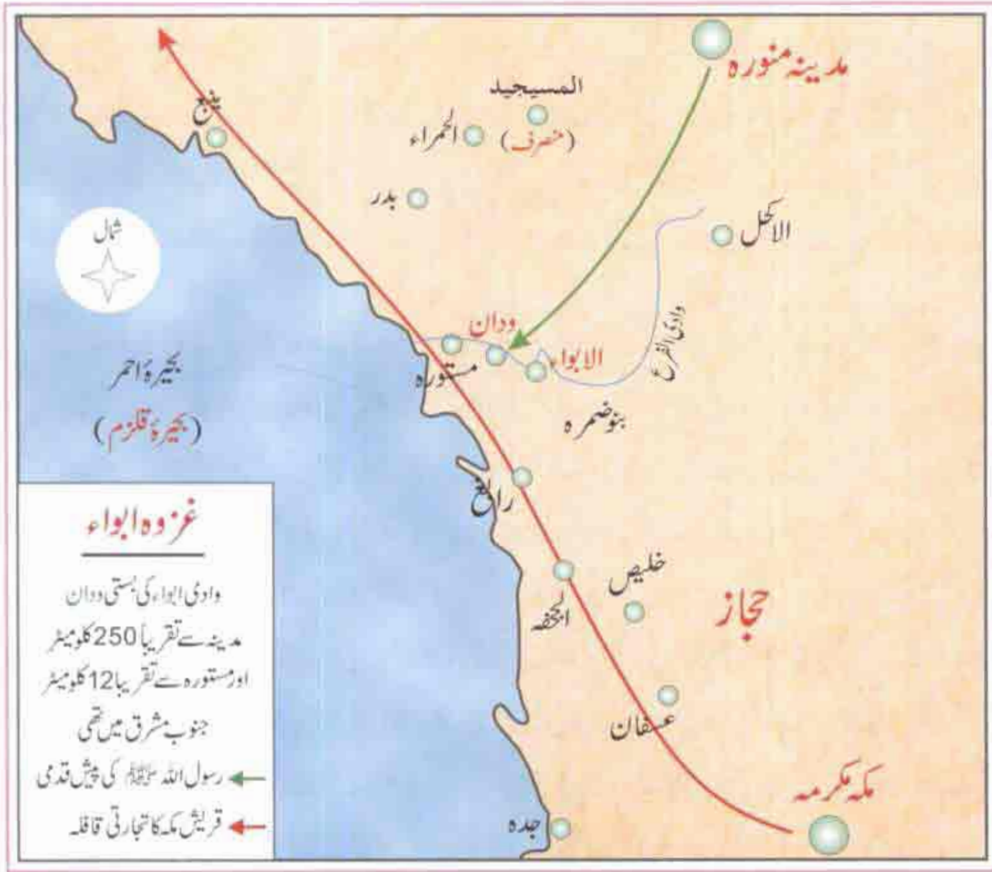
غزوہ ابواء

رسول اللہ ﷺ کا یہ پہلا غزوہ تھا۔ اسے غزوہ ابواء اور غزوہ ودان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ہجرت کے تقریباً ایک سال بعد، ماہِ صفر میں رسول اللہ ﷺ نے ابواء کی طرف پہلا سفر جہاد فرمایا۔ ابواء بحیرۂ احمر کے ساحلی شہر مستورہ سے تقریباً 35 کلومیٹر مشرق میں وادی القاحہ پر واقع ایک شہر تھا۔ اس سے تقریباً 6 یا 8 میل کے فاصلے پر دوسرا شہر ودان واقع تھا۔ لشکر کا جھنڈا سفید تھا جو سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو سونپا گیا۔ مدینہ پر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو نائب مقرر کیا گیا اور سفر شروع ہوگیا۔ اس مہم کا مقصد بھی قریش کے تجارتی قافلے پر چھاپہ مار کارروائی کرنا تھا۔ لشکر میں تمام کے تمام مہاجرین شریک تھے۔ ان کی تعداد ساٹھ تھی۔ انصار کا کوئی فرد اس لشکر میں شریک نہ تھا۔ جب مسلمانوں کا یہ لشکر ابواء مقام پر پہنچا تو قریش کا قافلہ بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ اگرچہ اس قافلے پر قبضہ کرنے کا مقصد پورا نہ ہوسکا لیکن اس سے ایک اہم کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ وہ یہ تھا کہ اس علاقے میں بسنے والے قبیلے بنوضمرہ کے سردار مخشی بن عمرو ضمری کے ساتھ باہمی معاہدہ طے پا گیا۔ اس معاہدے کا متن درج ذیل ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هٰذَا كِتَابٌ مِّنْ مُّحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لِبَنِي ضَمْرَةَ بِأَنَّهُمْ اٰمِنُوْنَ عَلٰى أَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ، وَأَنَّ لَهُمُ النُّصْرَةَ عَلٰى مَنْ رَّامَهُمْ إِلَّا أَنْ يُّحَارِبُوا فِي دِيْنِ اللّٰهِ مَا بَلَّ بَحْرٌ صُوفَةً، وَأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ إِذَا دَعَاهُمْ لِنَصْرِهٖ أَجَابُوهُ، عَلَيْهِمْ بِذٰلِكَ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهٖ، وَلَهُمُ النَّصْرُ


وادی ابواء



عَلٰى مَنْ بَرَّ مِنْهُمْ وَاتَّقٰى.

''اللہ کے نام سے جو بہت رحم کرنے والا اور نہایت مہربان ہے۔

یہ تحریر محمد رسول اللہ کی طرف سے بنی ضمرہ کے لیے لکھی گئی ہے، وہ امن سے رہیں گے، ان کے جان و مال محفوظ ہوں گے اور جو شخص ان پر حملہ کرنے کا ارادہ کرے گا، انھیں اس کے مقابلے میں مدد دی جائے گی بجز اس کے کہ وہ خود اللہ کے دین کے خلاف جنگ کریں۔ جب تک سمندر میں پانی کی ایک بوند بھی باقی رہے گی، یہ معاہدہ باقی رہے گا اور جب نبی ﷺ اپنی مدد کے لیے انھیں طلب کریں گے تو وہ حاضر ہوں گے۔ یہ ان کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کا عہد ہے اور جو شخص ان میں نیک اور پرہیزگار رہے گا، اس کی مدد کی جائے گی۔'' [1]

آپ ﷺ اس غزوے کے دوران 15 دن مدینہ سے باہر رہے اور پھر مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

[1] شرح الزرقاني على المواهب: 230,229/2، الدرر لابن عبدالبر، ص: 90، المغازي للواقدي: 24/1، سبل الهدٰى والرشاد: 14/4، الوثائق السياسية، ص: 267.

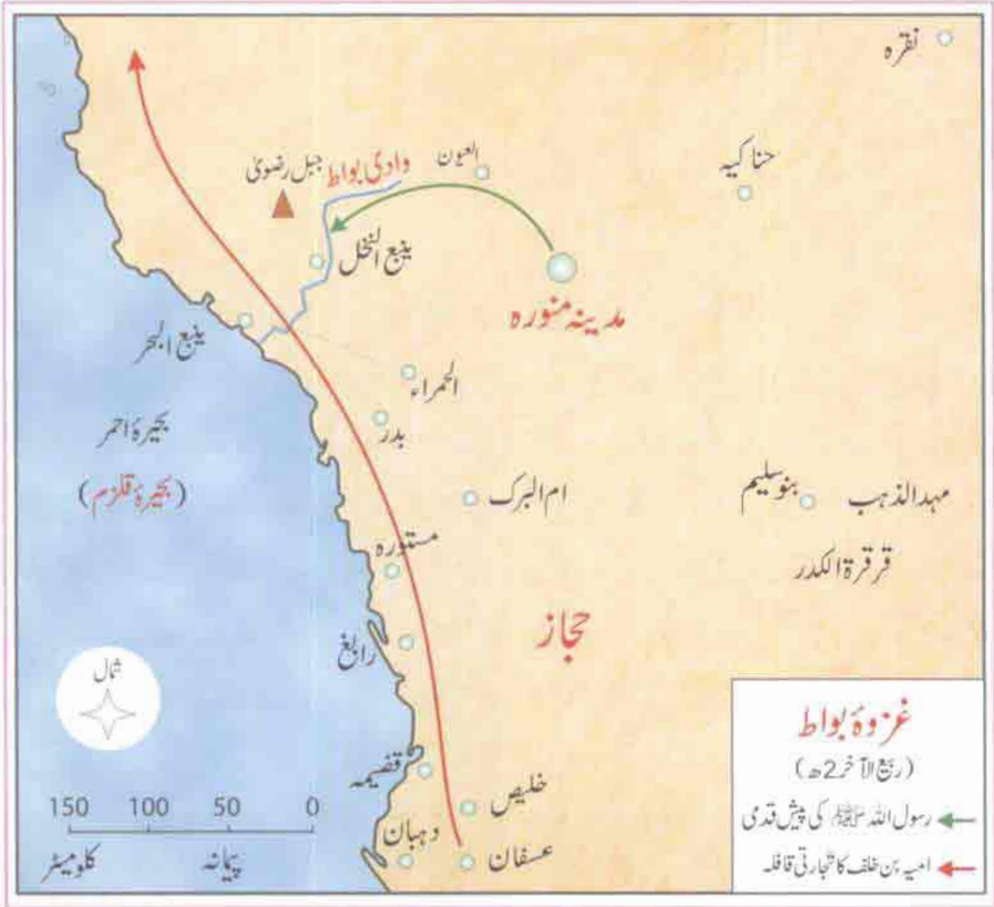
غزوہ بواط

یہ غزوہ ہجرت کے 13 ماہ بعد ربیع الاول یا ربیع الآخر میں پیش آیا۔ رسول اللہ ﷺ قریش کے تجارتی قافلے کو روکنے کی غرض سے 200 مہاجرین کے ساتھ بواط کی جانب نکلے۔ بواط جہینہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے جو ینبع کے قریب واقع ہے۔ مدینہ سے 4 برید (88.716 کلومیٹر [1]) کے فاصلے پر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں اپنی نیابت کے لیے سعد بن معاذ یا سائب بن عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ لشکر کا جھنڈا سفید ہی تھا۔ اس دفعہ جھنڈا اٹھانے کی سعادت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوئی۔ اُدھر قریش کے تجارتی قافلے کی قیادت امیہ بن خلف کر رہا تھا۔ اس کے ساتھیوں کی تعداد 100 تھی۔ یہ قافلہ اڑھائی ہزار اونٹوں پر مشتمل تھا۔ رسول اللہ ﷺ مہاجرین کو ساتھ لیے جب بواط کے مقام پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ قافلہ نکل گیا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے کوہ بواط

[1] معجم لغة الفقهاء، ص: 107.



وادی بواط



کے لوگوں کے ساتھ معاہدہ فرمایا[1] اور بلا جدال وقتال مدینہ واپس آ گئے۔[2]

[1] رسول اکرم ﷺ کی سیاستِ خارجہ، ص: 191. [2] شرح الزرقاني على المواهب: 232/2، سبل الهدى والرشاد: 15/4، المغازي للواقدي: 25/1.

غزوہ سفوان

یہ غزوہ بھی ہجرت کے 13 ماہ بعد ربیع الاول ہی میں پیش آیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مدینہ کے نواح میں ایک چراگاہ تھی جسے الجماء کہا جاتا تھا، وہاں مسلمانوں کے مویشی چرا کرتے تھے اور ایک آدھ چرواہا بھی ان کی نگرانی کے لیے مقرر ہوتا تھا۔ کفار مکہ نے اپنی دھمکیوں کو عملی جامہ پہنانے اور مسلمانوں پر دبدبہ بٹھانے کے لیے اپنے ایک سرکردہ شخص کرز بن جابر فہری کو چند افراد دے کر ایک مہم سونپی۔ وہ یہ کہ کرز بن جابر اس پارٹی کو ساتھ لے جائے اور مسلمانوں کی اس چراگاہ پر حملہ کرے۔ اس نے ایسا ہی کیا، درخت کاٹ دیے، چرواہے کو قتل کر دیا اور جتنے مویشی ہانک سکتا تھا، انھیں ساتھ لے بھاگا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس واقعے کی اطلاع ملی تو آپ اپنے صحابہ کے ساتھ اس کے تعاقب میں نکلے۔ آپ نے مدینہ میں اپنی جگہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو نائب مقرر کیا اور خود دشمن کے تعاقب میں وادیِ سفوان تک جا پہنچے۔ یہ وادی بدر کے بہت قریب تھی۔ انھی جگہوں کی مناسبت سے اسے غزوہ سفوان اور غزوہ بدر اولیٰ بھی کہا جاتا ہے۔ جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ تعاقب بے سود ہے تو آپ نے واپس مدینہ کی راہ لی۔

اس مہم میں بھی مسلمانوں کا عَلَم سفید تھا لیکن علمبردار حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ غزوہ سفوان اور غزوہ ذی العُشیرہ کی تاخیر و تقدیم میں اختلاف ہے۔[1]

[1] سبل الهدٰى والرشاد: 16/4، شرح الزرقاني على المواهب: 236/2، المغازي للواقدي: 26/1.

غزوہ بدر سے پہلے کے غزوات وسرایا

- سریہ عبیدہ بن حارث
- سریہ سعد بن ابی وقاص
- غزوہ ودان
- غزوہ بدر اولیٰ
- غزوہ بواط
- غزوہ ذی العشیرہ
- سریہ عبداللہ بن جحش
- سریہ حمزہ بن عبدالمطلب

عیص
جبل رضوی
وادی بواط
بواط
غزوہ بواط
مدینہ منورہ
نجد
ذی العشیرہ
سفوان
صفراء
حمراء
بدر
ابواء
ثنیۃ المرہ
مستورہ
رابغ
جحفہ
خرار
غدیر خم
مہد الذہب
صفینہ
حسنہ
حجاز
قدید
وادی قدید
وادی ستارہ
ذات عرق
برکہ
عسفان
عشیرہ
قرن المنازل
نخلہ
جدہ
حدیبیہ
مکہ مکرمہ
بحیرہ قلزم (بحیرہ احمر)
شمال

غزوہ ذی العشیرہ

رسول اللہ ﷺ کو ہجرت کے دوسرے سال جمادی الاولیٰ کے شروع میں اطلاع موصول ہوئی کہ قریش کا ایک تجارتی قافلہ شام جا رہا ہے۔ ابوسفیان اس کی قیادت کر رہا ہے۔ یہ بہت بڑا تجارتی قافلہ ہے۔ تمام اہل مکہ نے اس میں بڑھ چڑھ کر سرمایہ کاری کی ہے اور اس کا مقصد حصول مال کے بعد مسلمانوں پر فیصلہ کن چڑھائی کرنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے قافلے کے تعاقب کا فیصلہ کیا اور 150 یا 200 مہاجرین کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور ذوالعشیرہ کا رخ فرمایا۔ ان تمام مہاجرین کے پاس اس سفر کے لیے 30 اونٹ میسر تھے جس پر سب باری باری سوار ہو رہے تھے۔ اس سفر کے لیے آپ ﷺ نے کسی کو نکلنے پر مجبور نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے مدینہ میں اپنا نائب ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔ اس دفعہ جھنڈا سفید ہی تھا۔ جھنڈا اٹھانے کا شرف حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے حصے میں آیا۔ رسول اللہ ﷺ اس لشکر کے ساتھ نقیب بن دینار کے راستے پر چلے اور فیضاء الخبار سے چلتے ہوئے بطحاء بن ازہر جسے ذات الساق بھی کہا جاتا ہے، کے مقام پر ایک درخت کے نیچے رکے جہاں آپ ﷺ کے لیے کھانا تیار کیا گیا۔ آپ ﷺ نے کھانا کھایا اور لوگوں نے بھی کھایا۔

پھر آپ ﷺ کو مشرَب (مشیرب) نامی کنویں کا پانی پلایا گیا، پھر آپ ﷺ اور لشکر نے کوچ کیا۔ آپ خلائق کو بائیں



بئر مشیرب

جانب چھوڑتے ہوئے وادی عبداللہ کے راستے پر چلے حتی کہ یَلْیَلْ کے مقام پر اترے، پھر اسی راستے پر چلتے ہوئے آپ ینبع کے درمیان ذوالعشیرہ کے مقام پر جا ٹھہرے۔ ادھر پہنچ کر معلوم ہوا کہ قافلہ تو نکل چکا ہے۔ آپ ﷺ نے وہیں پڑاؤ کیا اور جمادی الاولیٰ کے باقی دن اور جمادی الآخرہ کے کچھ دن یہیں قیام فرمایا۔ قافلہ تو ہاتھ سے نکل گیا لیکن یہاں رہنے کا ایک عظیم فائدہ یہ ہوا کہ بنو مدلج اور بنوضمرہ میں سے جو ان کے حلیف تھے، ان کے ساتھ انھی شرائط پر معاہدہ طے پا گیا جن شروط پر بنوضمرہ کے ساتھ معاہدہ ہوا تھا۔ اس سے مسلمانوں کو اس علاقے میں بہت استحکام حاصل ہوگیا کیونکہ اب مشرکین مکہ سے لڑائی کے دوران اس علاقے والے ان کا ساتھ نہیں دے سکتے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کفار مسلمانوں کو مشکلات سے دوچار کر سکتے تھے۔ اس معاہدے کے بعد آپ ﷺ واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ اسی غزوے کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابوتراب کے لقب سے نوازا جیسا کہ بعض علمائے کرام کا قول ہے۔[1]

[1] السيرة لابن هشام:2/598-600، سبل الهدى والرشاد:4/17، شرح الزرقاني على المواهب:2/232-235.

سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ

ہجرت کے سترھویں مہینے رجب میں رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن جحش الاسدی رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں مہاجرین کا ایک دستہ روانہ فرمایا۔ اس دستے میں آٹھ یا بارہ مجاہد شامل تھے۔ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ نے نماز عشاء کے وقت مجھے بلایا اور حکم دیا کہ صبح کی نماز پڑھنے کے لیے مسلح ہو کر آنا اور مجھ سے ملنا۔ میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی۔ صبح کی نماز کے وقت مسلح ہو کر حاضر ہوا۔ میرے پاس تلوار، کمان، ترکش وغیرہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، صبح کی نماز پڑھائی اور پھر واپس چلنے لگے، میں پہلے ہی آپ کی آمد کا منتظر تھا۔ آپ کے دروازے پر کھڑا تھا۔ وہاں چند قریشی اور بھی موجود تھے۔ آپ ﷺ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو بلایا تو وہ آپ کے پاس اندر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے انھیں ایک خط لکھنے کا حکم دیا جو انھوں نے تحریر کر دیا، پھر آپ ﷺ نے مجھے بلایا۔ وہ گرامی نامہ مجھے عطا کیا اور فرمایا: ''میں نے ان لوگوں پر تمھیں امیر مقرر کیا ہے، تم انھیں ساتھ لے کر سفر پر روانہ ہو جاؤ۔ جب دو راتیں سفر کر چکو تو یہ خط کھول کر پڑھنا اور اس پر عمل کرنا۔'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں کس طرف سفر کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نجدیہ کی طرف چل پڑو۔'' یہ حکم سن کر عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ آٹھ یا بارہ مہاجرین کو ساتھ لے کر روانہ ہو گئے۔ ان مہاجرین کے نام یہ تھے: 1 ابوحذیفہ بن عتبہ 2 عکاشہ بن محصن 3 عتبہ بن غزوان 4 سہیل بن بیضاء فہری 5 سعد بن ابی وقاص 6 عامر بن ربیعہ 7 واقد بن عبداللہ تمیمی 8 خالد بن بکیر لیثی رضی اللہ عنہم۔ بعض مؤرخین نے 9 عامر بن ایاس 10 مقداد بن عمرو 11 صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہم کا ذکر کیا ہے۔

مہاجرین کے اس دستے نے سفر شروع کیا، دو آدمی ایک اونٹ پر باری باری سفر کر رہے تھے۔ دو رات سفر کرنے کے بعد جب وہ ابن ضمیرہ کے کنویں کے پاس پہنچے تو وہاں انھوں نے حکم نامہ کھول کر پڑھا۔ اس میں تحریر تھا:

«سِرْ حَتّٰى تَأْتِيَ بَطْنَ نَخْلَةَ عَلَى اسْمِ اللهِ وَبَرَكَاتِهٖ، وَلَا تُكْرِهَنَّ أَحَدًا مِّنْ أَصْحَابِكَ عَلَى الْمَسِيرِ مَعَكَ، وَامْضِ لِأَمْرِي فِيمَنْ تَبِعَكَ حَتّٰى تَأْتِيَ بَطْنَ نَخْلَةَ، فَتَرَصَّدْ بِهَا عِيرَ قُرَيْشٍ وَتُعْلِمَ لَنَا مِنْ أَخْبَارِهِمْ»



”اللہ کے نام اور اس کی برکت سے سفر جاری رکھو حتی کہ تم بطن نخلہ تک پہنچ جاؤ، اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو اپنے ساتھ چلنے پر مجبور نہ کرنا۔ جب تم اور تمھاری پیروی کرنے والے میرے حکم کے مطابق چلتے ہوئے بطن نخلہ تک پہنچ جائیں تو وہاں پہنچ کر قریش کے قافلے کا انتظار کرنا اور ان کے بارے میں ہمیں مطلع کرنا۔“

عبداللہ بن جحش نے یہ حکم نامہ پڑھا تو کہا: سَمْعًا وَّطَاعَةً، ”میں بسر و چشم حاضر ہوں۔“ پھر انھوں نے اس بات کی خبر اپنے ساتھیوں کو دی اور انھیں بتایا کہ میں کسی کو اپنے ساتھ چلنے پر مجبور نہیں کرتا۔ جو چلنا چاہتا ہے وہی چلے۔ میں تو آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں چلوں گا، کوئی چلے یا نہ چلے۔ جس کو شہادت پسند ہے، وہ چلے اور جو موت کو پسند نہیں کرتا، وہ لوٹ جائے۔ ان سب نے کہا: ہم سب اس چیز کی رغبت اور شوق رکھتے ہیں جس کا تم شوق رکھتے ہو اور ہم میں سے ہر ایک دل و جان سے اللہ کے رسول کے حکم کے سامنے سرِتسلیم خم کیے ہوئے ہے، چنانچہ یہ دستہ بطن نخلہ کی جانب روانہ ہوگیا۔ اس سے پہلے کہ یہ مہاجرین بطن نخلہ پہنچتے، راستے میں ان کے دو ساتھی سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہما کا اونٹ گم ہوگیا تو وہ پیچھے رہ گئے، چنانچہ جب یہ لوگ بطن نخلہ پہنچے تو وہاں قریش کے قافلے کو پہلے ہی موجود پایا جو اپنے ساز و سامان سمیت وہاں موجود تھا۔ ان میں عمرو بن حضرمی، حکم بن کیسان مخزومی، نوفل بن عبداللہ مخزومی، عثمان بن عبداللہ مخزومی بھی شامل تھے۔

یہ لوگ مسلمانوں کو دیکھ کر گھبرا گئے اور فوراً چوکنے ہوگئے۔ اسی موقع پر عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ نے یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ عمرہ ادا کرنے جا رہے ہیں اور لڑائی کا ارادہ نہیں رکھتے، اپنا سر منڈا دیا۔ انھیں اس حالت میں دیکھ کر مشرکین کو

کو تسلی ہوگئی، لہٰذا انھوں نے اپنے سواری کے جانوروں کو رسیوں سے باندھ کر چرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ اب مسلمان آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ کیا کیا جائے؟ ایک تو یہ رجب کا آخری دن تھا اور رجب حرمت والے مہینوں میں سے ہے۔ اس میں جنگ کرنا منع ہے اور اگر آج انھیں چھوڑ دیا گیا تو کل یہ حدودِ حرم میں داخل ہو جائیں گے۔ حدودِ حرم میں بھی لڑائی منع ہے۔ اس لحاظ سے تو ہم انھیں کچھ بھی نہیں کہہ سکیں گے۔ آخر کثرت رائے سے فیصلہ یہ ہوا کہ قافلے کو جانے نہ دیا جائے بلکہ ان پر دھاوا بولا جائے۔ اب واقد بن عبداللہ یربوعی نکلے۔ وہ بہت زبردست تیر انداز تھے۔ انھوں نے تاک کر عمرو بن حضرمی کو تیر مارا جس سے اس کا کام تمام ہوگیا اور باقی مجاہدین نے مشرکین پر ہلہ بول دیا۔ عثمان بن عبداللہ مخزومی اور حکم بن کیسان کو گرفتار کر لیا گیا۔ سامان تجارت سے لدے ہوئے اونٹوں پر بھی مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ دو قیدیوں اور تجارتی اونٹوں کو ساتھ لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ پہنچ گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس صورت حال سے آگاہی ہوئی تو آپ ﷺ سخت ناراض ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «مَا أَمَرْتُكُمْ بِالْقِتَالِ فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ» ”میں نے تمھیں حرمت والے مہینے میں لڑنے کے لیے نہیں کہا تھا۔“

آپ ﷺ نے سامان اور قیدی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ فوجی دستہ سہم گیا کہ ہم تو مارے گئے۔ ہمارے دونوں جہان دنیا و آخرت برباد ہوگئے۔ مسلمان بھائیوں نے بھی ان کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا۔ اُدھر قریش نے واویلا کیا کہ محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں نے تو اب حرمت کے مہینے کو بھی بے حرمت کر دیا ہے، ان کی عزت خاک میں ملا دی ہے۔ الزام تراشیوں کا ایک طوفان اُمڈ آیا۔ ان حالات کو دیکھ کر مجاہدین کے غم و اندوہ کی انتہا ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر یہ آیات نازل فرمائی:

﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَھْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۭ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ﴾

”(اے نبی!) یہ آپ سے حرمت والے مہینے کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس میں لڑائی کیسی ہے؟ کہہ دیجیے: اس میں لڑنا بہت بڑا (گناہ) ہے اور اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکنا اور اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد الحرام سے (روکنا) اور حرم کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا (گناہ) ہے۔ اور فتنہ انگیزی قتل سے کہیں بڑا گناہ ہے۔ وہ تو تم سے لڑتے ہی جائیں گے حتی کہ اگر ان کا بس چلے تو تمھارے دین سے تم کو پھیر لے جائیں۔“ [1]

[1] البقرة 2:217.

ان آیات مقدسہ کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس مال اور قیدیوں کو قبول کیا اور مالِ غنیمت میں سے خمس (پانچواں حصہ) لیا۔ یہ پہلی غنیمت میں سے پہلا خمس تھا جو بعد میں فرض کر دیا گیا۔ جب قریش نے اپنے دو جنگی قیدیوں کو چھڑانے کے لیے نامہ و پیام شروع کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ بات چیت ہمارے دو آدمی سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان کی واپسی کے بعد ہی ہوسکتی ہے۔'' آپ کو خطرہ تھا مبادا قریش انھیں نقصان پہنچائیں۔ کچھ دنوں بعد سعد اور عتبہ بخیریت واپس آگئے، پھر رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں قیدیوں کا فدیہ چالیس اوقیہ چاندی فی کس لے کر انھیں آزاد کر دیا۔

ان میں سے حکم بن کیسان نے اسلام قبول کر لیا۔ بعد ازاں وہ شرعی احکام کو حسن وخوبی سے انجام دیتے رہے یہاں تک کہ بئر معونہ کے حادثے میں انھوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔ دوسرا قیدی عثمان بن عبداللہ مکہ واپس آگیا، وہ کفر ہی پر ڈٹا رہا اور حالت کفر ہی میں اسے موت آئی۔ اس سریہ کو سریہ نخلہ بھی کہا جاتا ہے۔[1]

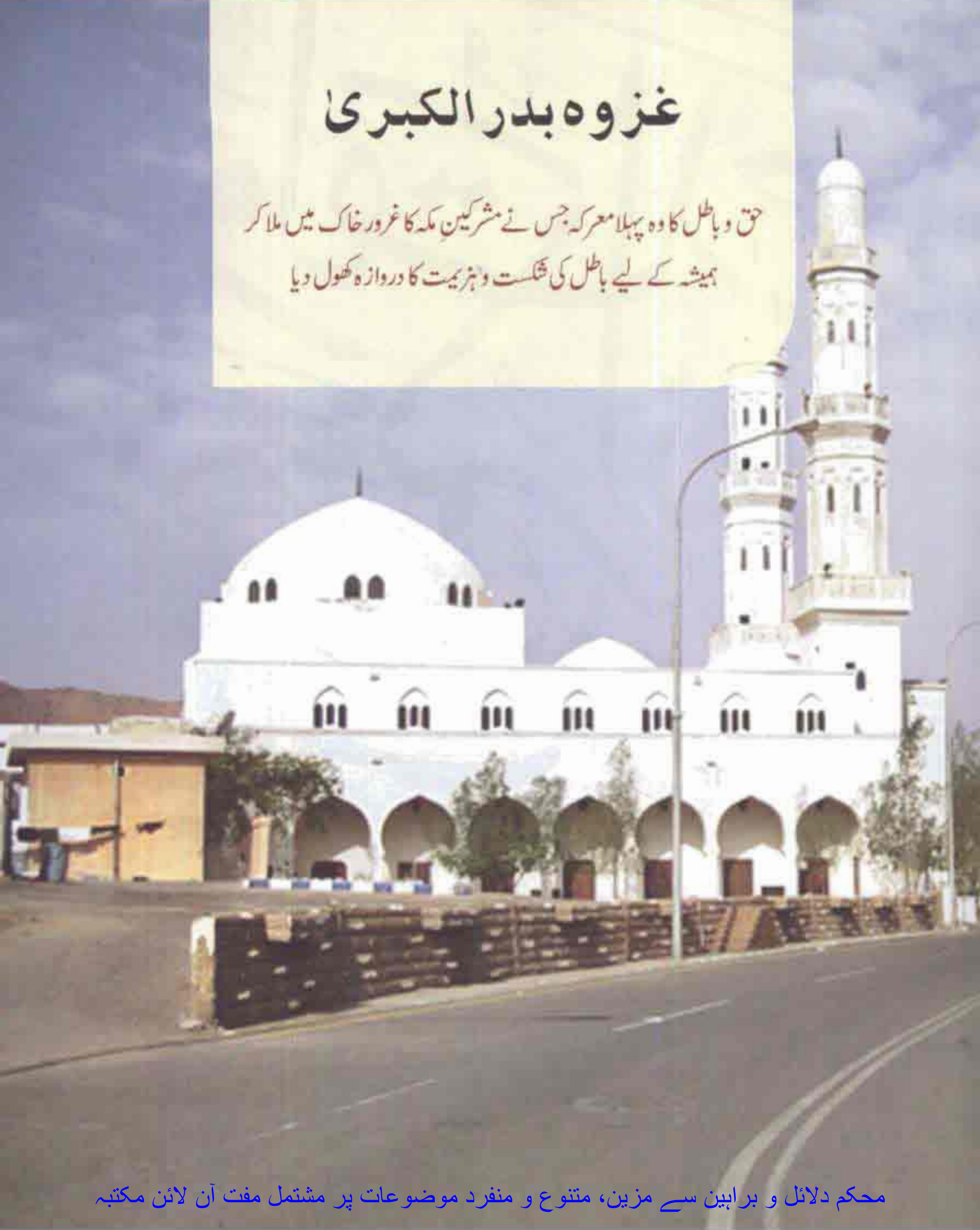
1 المغازي للواقدي :1/28-32، الدرر لابن عبدالبر، ص :97-99، شرح الزرقاني على المواهب :2/237-242.

باب 7

سیرت انسائیکلوپیڈیا

غزوہ بدر الکبریٰ

حق و باطل کا وہ پہلا معرکہ جس نے مشرکینِ مکہ کا غرور خاک میں ملا کر ہمیشہ کے لیے باطل کی شکست و ہزیمت کا دروازہ کھول دیا



وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ

”اور اللہ نے بدر میں تمھاری مدد کی۔“

(آل عمران 3 : 169)

اس باب میں

آپ کو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر میں ناتواں مسلمانوں کو رؤسائے مکہ پر فتح یاب فرما کر دین حق کی فتح اور باطل کی دائمی شکست و ذلت کے دروازے کھول دیے۔ اسی لیے قرآن کریم نے اسے یوم الفرقان، یعنی حق و باطل میں امتیاز کرنے والی جنگ قرار دیا ہے۔ ابوسفیان شام سے بھاری مال و متاع لے کر واپس مکہ مکرمہ آرہا تھا۔ اُسے اثنائے راہ میں بعض شواہد کی بنا پر یقین ہوگیا کہ مسلمان اُس کے قافلے کی گھات میں ہیں۔ اُس نے فوراً ضمضم بن عمرو غِفاری کو مکہ کی طرف دوڑایا اور قریش کو پیغام بھیجا کہ قافلہ خطرے میں ہے، اس کے بچاؤ کا انتظام کرلو۔ بعدازاں ابوسفیان راستہ بدل کر اپنا قافلہ صحیح سلامت بچا لے گیا۔ اُدھر ابوجہل مسلمانوں سے مقابلے کے لیے بھاری لشکر لے کر مکہ سے نکل پڑا۔ اس لشکر کو راستے ہی میں اطلاع مل گئی کہ اُن کا قافلہ سلامت ہے، اسے کوئی گزند نہیں پہنچا، چنانچہ بہت سے شرکائے لشکر نے کہا کہ اب پیش قدمی کی کوئی ضرورت نہیں، واپس چلنا چاہیے۔ ابوجہل اڑ گیا، کہنے لگا کہ اب ہمارا لشکر پیچھے نہیں ہٹے گا، بدر جا کر ہی دم لے گا اور مسلمانوں کو ہلاک کر کے واپس آئے گا۔ بس یہی وہ مرحلہ تھا جب رؤسائے مکہ نے اپنی ہلاکت کے راستے پر قدم بڑھا دیے اور بدر کے میدان میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ ان حالات و واقعات کے تفصیلی مطالعے سے آپ پر جو سب سے بڑی حقیقت آشکار ہوگی، وہ یہ ہے کہ جب بھی مسلمان بدری صحابہ جیسے ایمان و یقین سے مالا مال ہوں گے، اللہ تعالیٰ انھیں بڑے سے بڑے دشمن پر غلبہ عطا کر کے ہر محاربے میں فتحیاب فرمائے گا۔ مولانا ظفر علی خان نے کیا خوب کہا ہے ؎

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

یومِ فرقان

اب تک آپ نے رسالت مآب ﷺ کی سیرتِ مبارک کے جتنے حالات پڑھے ہیں ان کی روشنی میں غور کیجیے کہ رسول اللہ ﷺ اور مشرکین مکہ کے مابین سارا جھگڑا کس بات پر تھا؟ صرف اسی بات پر کہ رسالت مآب ﷺ ایک اللہ کی بندگی کی دعوت دیتے اور فرماتے تھے کہ میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی حقیقتِ عظمٰی اور سچائی کی روشن دلیلیں لے کر آیا ہوں۔ میری دعوت قبول کرلو۔ تمھیں دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں عزت، کامیابی اور سرفرازی نصیب ہوگی۔ اِس دعوت کے جواب میں مشرکین مکہ کہتے تھے کہ ہم آپ کو یہ دعوت پھیلانے کی اجازت نہیں دیں گے۔ وہ انسان کے لیے اظہار رائے اور ضمیر و اعتقاد کی آزادی کا حق تسلیم نہیں کرتے تھے۔ وہ علم و بصیرت کو فکر و عمل کی بنیاد ماننے سے انکار کرتے تھے۔ آباء و اجداد کی اندھی تقلید کے قائل تھے۔ وہ مسلمانوں پر ظلم و ستم کرتے تھے اور تلوار کے زور پر انھیں عقیدۂ توحید سے ہٹا کر شرک و بت پرستی کی طرف واپس لانا چاہتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ اور مسلمان سالہا سال مشرکین مکہ کے وحشیانہ مظالم سہتے رہے۔ وہ ایک لمحے کے لیے بھی اپنے وحدہ لاشریک پروردگار کی پرستش سے پیچھے نہیں ہٹے اور دین حنیف کی تبلیغ و دعوت سے کبھی باز نہیں آئے۔ جب کمزور اور مظلوم مسلمانوں پر مشرکین کے سنگین مظالم آئے دن بڑھتے ہی چلے گئے تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی، پھر جب نوبت یہاں تک آگئی کہ مشرکین صدائے توحید کو ہمیشہ



حبشہ (موجودہ اری ٹیریا) کی بندرگاہ مصوع

کے لیے خاموش کرنے اور آپ ﷺ کو قتل کرنے پر تل گئے تو آپ ﷺ نے بھی اپنے محبوب وطن مکہ کو خیر باد کہا اور ہجرت فرما کر مدینہ چلے آئے۔

رسول اللہ ﷺ اور جملہ فرزندانِ توحید مکہ سے نکل کر مدینہ آبسے۔ اب تو مشرکینِ مکہ کو چین آ جانا چاہیے تھا۔ یہ لوگ اللہ کے دشمن تھے۔ انھیں چین نہیں آیا۔ یہ حق دشمنی کی انتہا تھی کہ روسائے مکہ نے پہلے نجاشی کے پاس تحائف بھیج کر مسلمانوں کو حبشہ سے نکلوانے کی مذموم کوشش کی اور اب جبکہ رسول اللہ ﷺ اور جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ میں مقیم ہوگئے تو انھوں نے عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں سے ساز باز کی اور انھیں خط لکھا کہ تم نے ہمارے جس آدمی کو اپنے ہاں ٹھہرا لیا ہے، اُسے نکال دو ورنہ ہم تم پر حملہ کر دیں گے، تمھارے نوجوانوں کو قتل کر ڈالیں گے اور تمھاری عورتوں کو اپنے قبضے میں لے کر لونڈیاں بنا لیں گے۔ انھوں نے اس دھمکی کو عملی جامہ پہنانے کے لیے جارحیت کا آغاز بھی کر دیا۔ قریش کا ایک سردار کرز بن جابر الفہری ایک دن مدینہ پہنچا۔ وہاں میدان میں اونٹ چر رہے تھے، وہ انھیں ہانک کر لے گیا۔ مسلمانوں نے اس کا پیچھا کیا مگر وہ بچ کر نکل گیا۔ یہ اقدام درحقیقت اس بات کا اعلان تھا کہ مشرکین مکہ مسلمانوں کو مدینہ میں بھی آرام سے نہیں بیٹھنے دیں گے۔ رؤسائے مکہ نے مدینہ کے معاہدہ شکن اور غدار یہودیوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا اور مسلمانوں کو کہلا بھیجا کہ مکہ سے تو تم صحیح سلامت نکل آئے لیکن اب تمھاری خیر نہیں، ہم تمھیں مدینہ میں بھی نہیں چھوڑیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کی دلیری و استقامت

ان حالات میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے صرف دو راہیں تھیں یا تو آپ ﷺ دعوت الی اللہ ترک کر دیں یا مشرکین مکہ کے چیلنج کا مقابلہ کریں۔ آپ ﷺ کا تو مقصدِ حیات ہی بنی نوع انسان کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا تھا، اس لیے آپ ﷺ نے بلا تأمل مشرکین مکہ کے جارحانہ ارادوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ یوں ہمیشہ کے لیے بتا دیا کہ حالات چاہے کتنے ہی کٹھن اور جان لیوا ہوں، راہِ حق کے راہیوں کو صرف صراطِ مستقیم پر چلنا چاہیے۔

اب دیکھیے رسالت مآب ﷺ نے مشرکین مکہ کا مقابلہ اللہ رب العزت پر کس قدر زبردست یقین اور کتنی بے مثل فراست و استقامت سے کیا۔ اور مجاہدینِ اسلام کو قرآنِ کریم کی تعلیمات کے مطابق درج ذیل انتہائی اہم اصول و مبادیات ذہن نشین کرائے:

1 ثابت قدم رہو کیونکہ ثابت قدم رہنے والے ہی میدانِ جنگ میں فتح یاب ہوتے ہیں۔

2 اللہ رب العزت کو بہت یاد کرو۔ اس طرح تمھارا ایمان محکم اور دل بہت مضبوط رہے گا۔

3 اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ بعدازاں اپنے سربراہِ حکومت کی صحیح باتوں میں اطاعت کرو کیونکہ ڈسپلن کے بغیر کوئی جماعت کامیاب نہیں ہوسکتی۔

4 آپس میں لڑائی جھگڑے سے بچو ورنہ سُست ہو جاؤ گے اور بات بگڑ جائے گی۔

5 کتنے ہی کٹھن مصائب ومشکلات پیش آئیں صبر سے جھیلتے رہو۔ بالآخر جیت اُسی کی ہوتی ہے جو صبر و استقامت کا مظاہرہ کرتا ہے۔

6 کافروں کے طور طریقے ہرگز اختیار نہ کرو کیونکہ وہ ایمان اور صراطِ مستقیم کے برعکس گھمنڈ اور نمود و نمائش کے طریقے اپناتے ہیں۔ تمھارے سارے کاموں کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی سچی بندگی اور عجز و اخلاص پر ہونی چاہیے۔

مسلمانوں پر یلغار کے لیے مشرکین مکہ کی منصوبہ بندی

مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کا فیصلہ کرلیا اور ان پر چڑھائی کی تیاری شروع کر دی۔ اتنے بڑے منصوبے کے لیے یقیناً خطیر رقم کی ضرورت تھی، چنانچہ اہل مکہ نے ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) کی قیادت میں ایک تجارتی قافلہ تیار کیا جس میں مکہ کے ہر فرد نے مقدور بھر حصہ ڈالا۔

قافلے کی مالیت

اس قافلے میں اہل مکہ کی بڑی دولت تھی، یعنی ایک ہزار اونٹ جن پر کم از کم پچاس ہزار دینار (262.5 کلو سونے) کی مالیت کا ساز و سامان لدا ہوا تھا۔ اہل مدینہ کے لیے یہ بڑا سنہری موقع تھا۔ خصوصاً ان مہاجرین کے لیے جن کے اموال اور جائداد پر مشرکین مکہ نے قبضہ کرلیا تھا جبکہ اہل مکہ کے لیے اس مال فراواں سے محرومی بڑی زبردست فوجی، سیاسی اور اقتصادی چوٹ تھی۔[1] اس قافلے میں مخرمہ بن نوفل اور عمرو بن عاص بن وائل بھی تھے۔

[1] سبل الهدٰى والرشاد: 18/4، الرحيق المختوم، ص: 279.

ینبع النخل کے قریب قدیم وجدید ذی العشیرہ

نبی اکرم ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ جمادی اولیٰ یا آخرہ 2ھ، نومبر، دسمبر 623ء میں تقریباً ڈیڑھ دو سو صحابہ کو لے کر اس قافلے کو روکنے کے لیے نکلے۔ جب آپ ﷺ ''العُشیرہ'' نامی جگہ پر پہنچے تو پتہ چلا کہ قافلہ شام کی طرف جا چکا ہے، لہٰذا آپ واپس آ گئے۔

بعدازاں رسول اللہ ﷺ کو علم ہوا کہ ابوسفیان کی قیادت میں بڑا بھاری تجارتی قافلہ اب شام سے مکہ کی طرف روانہ ہو چکا ہے اور اس کی حفاظت کے لیے تیس سے چالیس افراد کا دستہ متعین ہے۔

قافلے کی جاسوسی

رسول اللہ ﷺ نے اس قافلے کی جاسوسی کے لیے سیدنا طلحہ بن عبیداللہ اور سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہما کو بھیجا۔ وہ بندرگاہ الحوراء کے قریب نخبار نامی ساحلی مقام پر کَشَد جُہَنِی کے ہاں ٹھہرے۔ اس نے انھیں اپنی پناہ میں رکھا۔ وہ اسی کے پاس خیمے میں رہے یہاں تک کہ قافلہ وہاں سے گزرا۔ ان دونوں ساتھیوں نے قافلے کے افراد اور سازو سامان کو دیکھا۔ ادھر قافلے والوں نے کشد جہنی سے پوچھا: اے کشد! کیا تو نے یہاں محمد (ﷺ) کے جاسوسوں کو دیکھا ہے؟ اس نے کہا: اللہ کی پناہ! محمد (ﷺ) کے جاسوسوں کا ''نخبار'' میں کیا کام؟ جب قافلے والے مطمئن ہو گئے تو ان دونوں نے رات بسر کی اور صبح ہوتے ہی وہاں سے نکل پڑے۔


الحوراء (املج) کی بندرگاہ

ذوالمروہ کا علاقہ



کشد بھی ان کے ساتھ آیا اور انھیں ساحل کے قریب ''ذوالمروہ'' نامی جگہ تک چھوڑ گیا۔ مکی قافلہ بھی تیزی سے سفر طے کر رہا تھا۔ اہل قافلہ نے شب کی تاریکی اور دن کے اجالے میں برابر سفر جاری رکھا۔ ابوسفیان کو برابر یہ خوف لاحق تھا کہ کہیں قافلے پر حملہ نہ ہو جائے۔ وہ قدم قدم پر محمدی سپاہ کی خبر لے رہا تھا۔[1]

ابن سعد نے ذکر کیا ہے کہ طلحہ بن عبیداللہ اور سعید بن زید رضی اللہ عنہما جب ابوسفیان کے قافلے کی خبر لے کر آئے تو انھیں پتہ چلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے روانہ ہو چکے ہیں۔[2] واقدی نے ذکر کیا ہے کہ یہ اس دن مدینہ پہنچے جب بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کفار سے آمنا سامنا ہوا اور ان کی ملاقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تُربان نامی مقام پر ہوئی۔[3]

[1] المغازي للواقدي :1/34,33. [2] الطبقات لابن سعد :2/12,11. [3] المغازي للواقدي :1/34.

وادی تربان



جبکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ دونوں صحابہ کے واپس آنے سے پہلے لڑائی ہو چکی تھی۔ نبی ﷺ نے انھیں بدر میں شریک ہونے والوں کے ساتھ ملا دیا اور انھیں مالِ غنیمت میں سے حصہ عطا فرمایا اور ان کا اجر بھی بیان فرمایا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کی صحابہ رضی اللہ عنہم کو مکی قافلہ روکنے کی ترغیب

رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو قافلے کا پیچھا کرنے کی دعوت دی لیکن اس میں شرکت کو ضروری قرار نہ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«هٰذِهِ عِيرُ قُرَيْشٍ، فِيهَا أَمْوَالُهُمْ، فَاخْرُجُوا إِلَيْهَا، لَعَلَّ اللّٰهَ يُنْفِلُكُمُوهَا»

''یہ قریش کا قافلہ ہے، اس میں ان کے اموال ہیں۔ اس کی طرف نکلو، ممکن ہے اللہ تعالیٰ تمھیں وہ قافلہ بطورِ غنیمت عطا فرما دے۔''[2]

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ لَنَا طَلِبَةً فَمَنْ كَانَ ظَهْرُهُ حَاضِرًا فَلْيَرْكَبْ مَعَنَا»

''بے شک ہم ایک چیز حاصل کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ جس کی سواری حاضر ہو، وہ ہمارے ساتھ سوار ہو جائے۔''

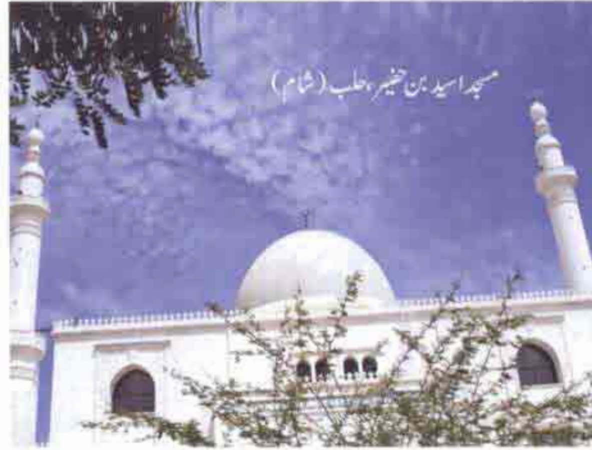
بعض لوگوں نے عوالی مدینہ سے اپنی سواریاں لانے کی اجازت مانگی، آپ ﷺ نے انھیں سواریاں لانے سے منع فرما دیا۔[3]

رسول اللہ ﷺ اس وقت قطعاً لڑائی کی نیت سے روانہ نہیں ہوئے تھے۔ آپ تو صرف قریش کے تجارتی قافلے کو روکنے کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ یہ توقع ہی نہیں تھی کہ قافلے کے بجائے لشکرِ قریش کے ساتھ میدانِ بدر میں مڈبھیڑ ہو جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مدینے ہی میں رہ گئے۔ ان کا خیال تھا کہ نبی ﷺ کا یہ سفر عام فوجی مہمات سے مختلف نہ ہوگا، اس لیے اس غزوے سے پیچھے رہنے والوں سے کوئی باز پرس نہ کی گئی۔[4]

جب آپ ﷺ نے صحابہ کو مکی قافلہ روکنے کی دعوت دی تو انھوں نے آپ کا یہ فرمان سن کر ترغیب کو قبول کیا۔ بعض تو فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور بعض نے قدرے سستی کی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ انھوں نے یہ خیال کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ جنگ درپیش ہے۔[5]

[1] فتح الباري: 388/7. [2] السيرة لابن هشام: 607,606/2. [3] صحيح مسلم: 1901. [4] صحيح البخاري: 4418.
[5] السيرة لابن هشام: 607/2.

اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ معلوم ہوتا کہ رسول اکرم ﷺ مکی فوج سے سخت لڑائی کریں گے تو ان میں سے کوئی جنگجو بھی پیچھے نہ رہتا بلکہ توقع یہ تھی کہ قافلے کے تیس یا چالیس محافظ آپ ﷺ کے تین سو سے زائد جاں نثاروں کو دیکھتے ہی بھاگ نکلیں گے۔ اس حقیقت کو ایک انصاری سردار سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے بیان کی روشنی میں دیکھیے جب وہ نبی ﷺ کو فتح کی مبارک باد دینے کے لیے آئے تو کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے آپ کو کامیابی سے نوازا اور آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کیں۔ اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! اگر مجھے خیال ہوتا کہ آپ دشمن سے جنگ کریں گے تو میں بدر سے ہرگز پیچھے نہیں رہ سکتا تھا بلکہ میں نے سوچا کہ وہ محض ایک قافلہ ہے۔ اگر مجھے پتہ ہوتا کہ وہ دشمن ہے تو میں پیچھے نہ رہتا۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''تم نے سچ کہا۔'' [1]



مسجد اسید بن حضیر، حلب (شام)

سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے جتنی جنگیں لڑیں، میں غزوہ تبوک کے سوا ان سب میں شریک ہوا، البتہ غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکا۔ لیکن جو لوگ اس غزوے میں شریک نہ ہو سکے تھے، ان میں سے کسی پر اللہ تعالیٰ نے عتاب نازل نہیں کیا کیونکہ رسول اللہ ﷺ قریش کے قافلے کو تلاش کرنے کے لیے نکلے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ناگہانی مسلمانوں کو ان کے دشمنوں سے بھڑا دیا۔ [2]

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

بعض مستشرقین اور ان سے متاثر لوگ رسول اللہ ﷺ کی اس کارروائی کو ڈکیتی اور لوٹ مار سے تعبیر کرتے ہیں۔ درحقیقت اس خیال کی بنیاد وہ کینہ ہے جو آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھ دیتا ہے اور انسان کو حقائق سے اندھا کر دیتا ہے اور انسان اپنی خواہشات کا بندہ بن جاتا ہے۔ مسلمانوں اور کفار کے درمیان دشمنی اور جنگ کی فضا بدستور قائم تھی۔ جن لوگوں نے ظلم و سرکشی سے اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کا اعلان کیا تھا، وہ اہل مکہ اور اس قافلے والے لوگ ہی تھے۔ یہی وہ لوگ تھے جنھوں نے مہاجرین کے اموال اور مملوکات پر صرف اس

[1] المغازي للواقدي: 35,34/1، دلائل النبوة للبيهقي: 133/3. [2] صحيح البخاري: 3951.

وجہ سے قبضہ کر لیا تھا کہ انھوں نے طرح طرح کے جھوٹے خداؤں کو چھوڑ کر ایک اللہ کی بندگی کیوں اختیار کر لی ہے اور کیوں انھوں نے محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنا قائد تسلیم کر لیا ہے۔

چنانچہ اہل مکہ کے اس قسم کے ہتھکنڈوں کی وجہ سے مظلوم مسلمانوں کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اعلانِ جنگ کرنے والوں سے لڑیں اور دشمن کا جو کچھ ہاتھ لگے، اس پر قبضہ کر لیں۔ یہ تمام انسانوں کے نزدیک جنگ کا اصول اور قانون ہے کہ دشمن کے سامانِ رسد کو تباہ کر دیا جائے یا اس پر قبضہ کر لیا جائے۔

نبی کریم ﷺ نے قریش کے قافلے کو روکنے اور اس پر قبضہ کرنے کا جو عزم کیا تھا، اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں تھی کیونکہ یہ ایک معلوم بات تھی کہ اس تجارتی قافلے میں وہ اموال بھی شامل ہیں جو مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والے مسلمانوں کی ملکیت تھے اور مشرکین نے ظلم و زیادتی سے ان پر قبضہ جما لیا تھا۔ ایسے دشمن کے اموال چھیننے اور ان کے مقابلے میں ہتھیار اٹھانے کی کارروائی کو ڈکیتی اور لوٹ مار سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ [1]

بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد

غزوۂ بدر میں شرکت کرنے والوں کی تعداد کے متعلق مصادرِ صحیحہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے تین سو دس سے کچھ زائد افراد کا تذکرہ کیا ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے تین سو انیس افراد بتائے ہیں۔ یعنی آپ کے ساتھ بدر کی طرف جانے والوں کی تعداد تین سو تیرہ سے تین سو انیس تک تھی۔ ان میں 82 سے 86 تک مہاجرین تھے، 61 اوسی اور 170 خزرجی تھے۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ مجھے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کو بدر کے دن چھوٹا ہونے کی بنا پر لشکر میں شامل نہیں کیا گیا۔ اس دن مہاجرین کی تعداد ساٹھ (60) سے زیادہ تھی اور انصار دو سو چالیس (240) سے زیادہ افراد تھے۔ [2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے شرکائے بدر کی تعداد پر مفصل تبصرہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ زہیر، اسرائیل اور سفیان رحمہم اللہ کی روایات میں تین سو دس (310) اور کچھ زائد افراد تھے۔ دس سے اوپر افراد کی تعداد معلوم نہیں۔ صحیح مسلم میں ان کی تعداد تین سو انیس (319) بیان کی گئی ہے۔ مسند البزار میں تین سو سترہ (317) ہے۔ امام احمد، بزار اور طبرانی نے اہل بدر کو تین سو تیرہ (313) شمار کیا ہے۔ جمہور کے نزدیک ان کی تعداد تین سو تیرہ (313) ہی ہے۔ ابن اسحاق نے تین سو چودہ (314) کا قول بھی نقل کیا ہے۔ ایک دوسری حسن سند سے طبرانی اور بیہقی میں سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ بدر کی طرف نکلے۔ آپ ﷺ نے لشکر میں شامل افراد کی گنتی کا حکم دیا تو ان کی تعداد تین سو چودہ (314) تھی۔ آپ نے پھر گنتی کرنے کا حکم دیا۔ ابھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم شمار کر ہی

[1] موسوعة الغزوات الكبرى لباشميل: 78/1. [2] صحيح البخاري: 3957،3956، صحيح مسلم: 1763.

رہے تھے کہ ایک آدمی اپنے کمزور اونٹ پر سوار آ گیا تو اب ان کی تعداد تین سو پندرہ (315) ہو گئی۔

یہ روایت سابقہ روایت کے منافی نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ پہلی مرتبہ انھوں نے نبی ﷺ کو اور دوسری مرتبہ آنے والے صحابی کو شمار نہ کیا ہو اور تین سو انیس والی روایت میں اس بات کا احتمال ہے کہ ان میں وہ لوگ بھی شامل کیے گئے ہوں جو ابھی نو عمر تھے اور وہ بھی لشکر کے ساتھ نکلے تھے لیکن انھیں قتال کی اجازت نہ ملی جن میں براء بن عازب، ابن عمر اور انس رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ قتال میں شرکت کرنے والوں کی تعداد تین سو پانچ یا چھ تھی جیسا کہ ابن جریر رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے کہ بلاشبہ اہل بدر تین سو چھ افراد تھے۔ ابن سعد رحمہ اللہ نے تین سو پانچ کا ذکر کیا ہے۔ گویا انھوں نے رسول کریم ﷺ کو گنتی میں شامل نہیں کیا۔ ان اقوال میں اس طرح مطابقت دی جا سکتی ہے کہ بقیہ آٹھ افراد اہل بدر ہی میں شمار کیے جاتے ہیں، ہر چند وہ معرکے میں شامل نہیں تھے لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں مال غنیمت سے حصہ دیا تھا کیونکہ وہ آپ ﷺ کے حکم سے بعض اہم ضرورتوں کی بنا پر معرکے میں شریک نہیں ہو سکے، مثلاً: رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی رقیہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں تو آپ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کے لیے ان کے پاس رہنے کا حکم دیا۔ طلحہ اور سعید بن زید رضی اللہ عنہما کو نبی ﷺ نے قریش کے قافلے کی جاسوسی کے لیے بھیجا تھا۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو مقام روحاء سے مدینہ منورہ میں اپنا جانشین بنا کر واپس بھیج دیا۔ عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کو قباء اور عوالی میں اپنا جانشین بنایا۔ حارث بن حاطب رضی اللہ عنہ کو بنو عمرو بن عوف پر جانشین بنایا۔ حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ گر گئے اور ان کی ہڈی ٹوٹ گئی، چنانچہ آپ نے انھیں بھی مقام روحاء سے مدینہ واپس بھیج دیا اور خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا۔


مدرسۃ الروحاء

ابن سعد رحمہ اللہ نے انھی لوگوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ابن سعد کے علاوہ دوسرے سیرت نگاروں اور مؤرخین نے سہل رضی اللہ عنہ کے والد سعد بن مالک ساعدی کا ذکر کیا ہے کہ وہ راستے ہی میں وفات پا گئے تھے۔ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا وہ بدر میں حاضر ہوئے تھے یا کسی کام کی غرض سے انھیں بھی واپس کر دیا گیا تھا۔ اُحَیْحَہ کے آزاد کردہ غلام صُبَیْح کو بیماری کی وجہ سے واپس بھیج دیا گیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کو غنیمت کا حصہ دیا تھا۔ [1]

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں واقدی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سعد رضی اللہ عنہ کے لیے غنیمت سے حصہ بھی نکالا اور انھیں اجر کی نوید بھی سنائی۔ آپ نے فرمایا: اگرچہ سعد بن عبادہ لڑائی میں حاضر نہیں ہوئے لیکن وہ اس میں شرکت کی رغبت ضرور رکھتے تھے۔ یہ اس لیے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے جہاد کا آغاز کیا تو یہ انصار کے محلوں میں جا کر انھیں جہاد کی ترغیب دیتے تھے۔ اسی دوران میں انھیں چوٹ آگئی جس کی وجہ سے وہ غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ اسی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے انھیں غنیمت سے حصہ بھی دیا اور انھیں اجر کی نوید بھی سنائی۔

رسول اللہ ﷺ نے سعد بن مالک ساعدی رضی اللہ عنہ کے لیے بھی حصہ نکالا اور انھیں اجر کی نوید سنائی کیونکہ انھوں نے آپ کے ساتھ جانے کی تیاری کی، پھر بیمار ہو گئے اور وفات پا گئے۔ اسی طرح انصار کے دو آدمیوں کے لیے بھی حصہ نکالا، البتہ ان چار صحابہ کے بارے میں سیرت نگاروں اور مؤرخین کا ویسا اتفاق نہیں جس طرح کہ پہلے آٹھ لوگوں کے بارے میں اتفاق ہے کہ وہ بدر میں حاضر نہیں ہوئے تھے لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں مالِ غنیمت سے حصہ بھی دیا اور انھیں اجر کی نوید بھی سنائی۔ [2]

مسلمانوں کی مدینہ سے روانگی

ابن سعد رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہفتہ 12 رمضان المبارک 2 ھ کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ منورہ سے بدر کی طرف نکلے۔ ابن ہشام نے روانگی کی تاریخ آٹھ رمضان المبارک ذکر کی ہے۔ جب آپ بنو دینار کے درّے تک پہنچ گئے تو آپ نے بیوت السُّقیا میں پڑاؤ ڈالا۔ یہ مدینہ کے بالکل قریب جگہ ہے۔ وہاں پہنچ کر آپ نے صحابۂ کرام کا جائزہ لیا۔ تمام لوگوں کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ عبداللہ بن عمر، اسامہ بن زید، رافع بن خدیج، براء بن عازب، اسید بن ظہیر، زید بن ارقم اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کو چھوٹا ہونے کی بنا پر واپس بھیج دیا گیا۔ نبی ﷺ کو بخوبی ادراک تھا کہ ابوسفیان اور قافلے کے دیگر محافظ اپنے قافلے کو بچانے کی ہر ممکن کوشش

[1] فتح الباري: 365,364/7. [2] المغازي للواقدي: 104,103/1.

مسجد بیوت السقیا

کریں گے اور وہ لڑائی سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے کم عمر صحابہ رضی اللہ عنہم کو لڑائی میں شریک ہونے کی اجازت نہ دی۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی عمیر بن ابی وقاص کو دیکھا کہ وہ چھپ رہے ہیں۔ میں نے پوچھا: بھائی! کیا بات ہے؟ تو انھوں نے کہا: مجھے ڈر ہے مبادا اللہ کے رسول ﷺ مجھے دیکھ لیں اور چھوٹا سمجھ کر واپس بھیج دیں جبکہ میں لشکر کے ساتھ نکلنا چاہتا ہوں، ممکن ہے اللہ تعالیٰ مجھے شہادت سے سرفراز فرما دے۔ سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب عمیر کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے انھیں صغرسنی کی بنا پر کہا: ''تم لوٹ جاؤ۔'' عمیر یہ سن کر رو پڑے تو اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں اجازت مرحمت فرما دی، پھر وہ معرکۂ بدر میں 16 برس کی عمر میں جام شہادت نوش کر گئے۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے بیوت سقیا کے کنویں سے پانی پیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی حکم دیا کہ اس کنویں کا پانی پئیں، پھر وہاں نماز ادا کی۔ اس دن آپ ﷺ نے اہل مدینہ کے لیے یہ دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! إِنَّ إِبْرَاهِيمَ عَبْدُكَ وَخَلِيلُكَ وَنَبِيُّكَ، دَعَاكَ لِأَهْلِ مَكَّةَ، وَ إِنِّي مُحَمَّدٌ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ، أَدْعُوكَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ أَنْ تُبَارِكَ لَهُمْ فِي صَاعِهِمْ وَمُدِّهِمْ وَثِمَارِهِمْ، اَللّٰهُمَّ! حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِينَةَ، وَاجْعَلْ مَا بِهَا مِنَ الْوَبَاءِ بِخُمٍّ، اَللّٰهُمَّ! إِنِّي قَدْ حَرَّمْتُ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا كَمَا حَرَّمَ إِبْرَاهِيمُ خَلِيلُكَ مَكَّةَ»

''اے اللہ! ابراہیم علیہ السلام تیرے بندے، تیرے خلیل اور تیرے نبی تھے۔ انھوں نے اہل مکہ کے لیے تجھ سے دعا

[1] المغازي للواقدي: 35/1، الطبقات لابن سعد: 12/2، السيرة لابن هشام: 612/2.



مانگی تھی۔ میں محمد تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں۔ میں اہل مدینہ کے لیے تجھ سے دعا مانگتا ہوں کہ تو ان کے لیے ان کے صاع میں، ان کے مُدّ میں اور ان کے پھلوں میں برکت نازل فرما۔ اے اللہ! مدینہ کو ہمارے لیے محبوب بنا دے اور وہاں جو وبائی امراض ہیں، انھیں خُم میں بھیج دے۔ اے اللہ! میں نے مدینہ کے دو کناروں کے درمیانی علاقے کو حرم بنا دیا ہے جس طرح تیرے خلیل ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنا دیا تھا۔" [1]

مدنی لشکر کا ساز و سامان

رسول اللہ ﷺ مدینہ سے نکلے تو لشکر نے غزوے کے لیے کوئی خاص اہتمام نہ کیا، چنانچہ پورے لشکر میں صرف دو گھوڑے تھے: ایک زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا اور دوسرا مقداد بن اسود کندی رضی اللہ عنہ کا تھا۔ اور ستر اونٹ تھے جن پر تمام لوگ دو دو، تین تین اور چار چار کر کے باری باری سوار ہوتے تھے۔ ایک اونٹ پر رسول اکرم ﷺ اور حضرت ابولبابہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سواری میں شریک تھے۔ جب نبی کریم ﷺ کے پیدل چلنے کی باری آتی تو وہ دونوں عرض کرتے: "آپ سوار رہیں، ہم آپ کی طرف سے بھی پیدل چلیں گے۔" آپ ﷺ اپنے مشفقانہ انداز میں فرماتے:

«مَا أَنْتُمَا بِأَقْوٰى مِنِّي وَلَا أَنَا بِأَغْنٰى عَنِ الْأَجْرِ مِنْكُمَا»

"نہ تم مجھ سے زیادہ طاقتور ہو اور نہ میں ثواب سے بے نیاز ہوں۔" [2]

مدینہ میں نیابت

مدینے کا انتظام شروع میں عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا، پھر جب آپ ﷺ مقام روحاء تک پہنچے تو آپ نے ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو مدینے کا ناظم بنا کر واپس روانہ کر دیا اور ان کی جگہ سیدنا مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ سواری میں شریک ہو گئے۔ [3]

---

[1] جامع الترمذي: 3914، مسند أحمد: 309/5، صحيح ابن حبان: 62،61/9، حديث: 3746. [2] مسند أحمد: 411/1، المغازي للواقدي: 38/1. "خُم" کلاب بن مُرّہ کا کنواں تھا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان جحفہ کے قریب واقع تھا۔ [3] السيرة لابن هشام: 612/2.

اسلامی لشکر کی گزرگاہیں

محمد رسول اللہ ﷺ کی غایت لڑائی لڑنا نہیں تھی۔ بلکہ آپ ﷺ تو محض قریش مکہ کے قافلہ کی تلاش و جستجو میں نکلے تھے۔ بہت محدود تعداد میں فدایان حق آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ ﷺ انھی کی معیت میں مدینہ منورہ سے نکلے اور درّے سے گزرتے ہوئے اگلی منزل کی طرف روانہ ہوگئے۔ اس سفر کی منازل میں یکے بعد دیگرے عقیق، اولات الجیش، تُربان، مَلَل، غُمیس الحَمام، صُخَیرات الیمام، السَّیالہ، فَجّ الرَّوحاء کے معروف مقامات آئے۔ آپ ﷺ دمبدم ان علاقوں کے نشیب و فراز سے گزرتے ہوئے شُنوکہ کے مقام پر پہنچے۔ یہ ایک درمیانی راستہ ہے۔



وادی عقیق

رسول اللہ ﷺ جب بئر الرَّوحاء تک پہنچے تو یہاں آپ ﷺ نے نئی حکمت عملی اختیار فرمائی۔ یہاں آپ نے آگے بڑھتے ہوئے مکے کا راستہ بائیں جانب چھوڑ دیا



وادی ملل

اور دائیں جانب چلتے ہوئے النَّازیہ کی طرف مڑ گئے۔ جب آپ عِرق الظُّبیہ پہنچے تو اچانک آپ کی ایک بدو سے ملاقات ہوگئی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس بدو کو گھیر لیا اور اس سے قریش مکہ کے تجارتی قافلے کے بارے میں پوچھا کہ کیا تم نے



وادی السیالہ



غُمیس الحمام

وہ قافلہ دیکھا ہے؟...... اس بدو نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ پھر وہ بدو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھنے لگا: کیا تم میں اللہ کے رسول ﷺ ہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا: ہاں! یہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ ان کی خدمت میں سلام کرو۔ چنانچہ اس بدو نے آگے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کیا، پھر عرض کرنے لگا: مجھے قافلے کے


بئر روحاء


صخیرات الیمامہ

بارے میں تو قطعی کوئی علم نہیں ہے۔ ہاں! البتہ اگر آپ اللہ کے رسول ہیں تو یہ فرمائیے میری اس اونٹنی کے پیٹ میں کیا ہے؟

سیدنا سلمہ بن سلامہ بن وقش رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: ارے! یہ بات اللہ کے رسول ﷺ سے مت پوچھو، ادھر آؤ میں تمھیں بتاتا ہوں کہ اس کے پیٹ میں کیا ہے۔ تم نے اس اونٹنی سے بدمعاشی کی ہے اور اس کے پیٹ میں تمھارا بچہ کلبلا رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے مزاج مبارک پر یہ گفتگو نہایت گراں گزری۔ آپ ﷺ نے سیدنا سلمہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''بس کرو، تم نے اسے رسوا کر دیا ہے۔'' پھر اللہ کے رسول ﷺ نے سلمہ رضی اللہ عنہ سے ناراضی کا اظہار فرماتے ہوئے منہ پھیر لیا۔[1]

[1] السيرة لابن هشام: 2/613.


عرق الظبیہ



مدینہ سے فاصلے

ذو الحلیفہ	10 کلومیٹر
ذات الجیش	13 کلومیٹر
وادی تربان	29 کلومیٹر
وادی ملل	41 کلومیٹر
السیالہ	47 کلومیٹر
عرق الظبیہ	70 کلومیٹر
الروحاء (بئر)	75 کلومیٹر
سفوان	77 کلومیٹر
منصرف (مسیجد)	80 کلومیٹر
النازیہ (چشمہ)	84 کلومیٹر
وادی رحقان	90 کلومیٹر
بئر الغنم	114 کلومیٹر
الصفراء (الواسطہ)	135 کلومیٹر
وادی ذفران	140 کلومیٹر
اصافر (الشفر)	142 کلومیٹر
الدبہ (البرک)	145 کلومیٹر
کثیب الحنان	152 کلومیٹر
بدر	155 کلومیٹر

مشرک سے استعانت

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی جانب روانہ ہوئے۔ ابھی آپ حرہ وبرہ ہی پہنچے تھے کہ ایک آدمی آیا جس کی بہادری اور جرأت کے تذکرے زبان زدعام تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے دیکھا تو بہت خوش ہوئے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو عرض گزار ہوا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم: میں بھی آپ کے ساتھ شریک ہونا چاہتا ہوں تاکہ کچھ مال حاصل کرسکوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سوال کیا: ''کیا تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے؟''

اس نے انکار میں جواب دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«فَارْجِعْ فَلَنْ أَسْتَعِينَ بِمُشْرِكٍ»

''تو لوٹ جا، میں کسی مشرک سے ہرگز مدد نہیں لیتا۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھ گئے۔ جب الشجرہ کے پاس پہنچے تو وہی شخص دوبارہ آپ کے پاس آیا اور اپنی بات دہرائی۔ جواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی سوال دہرایا۔ تیسری دفعہ وہ ''البیداء'' نامی جگہ آپ کے سامنے آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پھر وہی دریافت فرمایا: ''کیا تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہے؟'' اس نے عرض کی: ''جی ہاں!'' اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اب تو ہمارے ساتھ شریک ہوسکتا ہے۔'' [1]

[1] صحيح مسلم: 1817، سنن أبي داود: 2732.

حرہ وبرہ

مدنی لشکر وادی صفراء میں

رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ کی طرف جانے والی شاہراہ عام کو چھوڑ کر النازیہ پہنچے، پھر النازیہ کے ایک گوشے سے گزر کر وادی رَحقان پار کی، اس کے بعد درّہ الصفراء (الواسطہ) سے گزرے، پھر درّے سے اتر کر وادی الصفراء (الواسطہ) کی طرف چلے۔ وہاں سے قبیلہ جہینہ کے دو آدمیوں بسبس بن عمرو اور عدی بن ابوزغباء رضی اللہ عنہما کو تجارتی قافلے کے حالات کا پتہ لگانے کے لیے بدر روانہ فرمایا۔ یہ دونوں صحابی رسول اللہ ﷺ کے حکم کی بجا آوری کے لیے روانہ ہوگئے۔

جب وہ بدر کے پاس پہنچے تو انھوں نے پانی کے قریب ایک ٹیلے کے پاس اپنے اونٹ بٹھائے اور اپنا مشکیزہ لے کر پانی کے پاس آئے۔ اِدھر مجدی بن عمرو جُہنی موجود تھا۔ وہاں ان دونوں نے دو لڑکیوں کی گفتگو سنی۔ ان میں سے ایک نے دوسری لڑکی کو اس طرح پکڑا ہوا تھا جیسے کوئی قرض خواہ اپنے قرض کا مطالبہ کر رہا ہو۔ جس لڑکی کو پکڑا ہوا تھا، اس نے اپنی سہیلی سے کہا: کل یا پرسوں قافلہ آئے گا، میں ان کا پانی بھروں گی۔ اس کے عوض مجھے جو اجرت ملے گی، اُس سے میں تیرا قرض ادا کر دوں گی۔ مجدی نے کہا: تو نے بالکل ٹھیک بات کی، پھر ان دونوں کے درمیان جھگڑا چکا دیا۔ عدی اور بسبس رضی اللہ عنہما یہ بات سن کر اپنے اونٹوں پر بیٹھے اور اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر سارا ماجرا بیان کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ وادی صفراء کے پاس پہنچے۔ یہ وادی دو پہاڑوں کے درمیان واقع تھی۔ آپ نے ان دونوں پہاڑوں کے متعلق دریافت فرمایا تو بتایا گیا کہ ایک کا نام مُسْلِح (ہتھیار بند سپاہیوں کی چوکی) اور دوسرے کا نام



وادی الصفراء کا ایک منظر

مُخریٰ (جائے پاخانہ) ہے، پھر آپ ﷺ نے ان کے باشندوں کے متعلق دریافت کیا تو آپ کو بتایا گیا کہ اس پر بنو غِفار کے دو قبیلے بنو النار (آگ والے) اور بنو حُراق (جلانے والے) آباد ہیں۔ آپ ﷺ نے یہ باتیں ناپسند فرمائیں اور وہاں سے گزرنے کا ارادہ ترک کر دیا، پھر اس علاقے کو بائیں جانب چھوڑتے ہوئے وادی ذَفِران سے گزرنے لگے۔[1]

ابوسفیان کی ہوشیاری

قریشی قافلے کا سالار ابوسفیان حد درجہ بیدار مغز اور محتاط تھا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ مکے کا راستہ خطرات سے گھرا ہوا ہے، اس لیے جونہی اس کے قدم شمال سے حجاز کے علاقے کی طرف بڑھے، اس کے جاسوس آگے آگے یہ خبر معلوم کرنے کے لیے پھیل گئے کہ محمد ﷺ کی طرف سے قافلے پر حملہ کرنے کی کیا تیاری کی جارہی ہے؟ اسے زیادہ دقت کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ اسے جلد ہی معلوم ہوگیا کہ محمد ﷺ مدینہ سے اپنے صحابہ کو لے کر نکلے ہیں۔ اس موقع پر ابوسفیان کے سامنے خوفناک خطرات منڈلانے لگے۔ اس نے اسی وقت فیصلہ کیا کہ مکہ میں سردارانِ قریش کو اس نازک صورت حال سے فوری آگاہ کرنا چاہیے اور ان سے مدد طلب کرنی چاہیے۔

مکے میں خطرے کا اعلان

جب ابوسفیان کو معلوم ہوگیا کہ محمدی لشکر اس کی تاک میں ہے تو اس نے فوراً ضمضم بن عمرو غِفاری کو اجرت دے کر مکے بھیجا اور تاکید کی کہ وہاں جا کر قافلے کی حفاظت کے لیے آواز لگائے، پھر ابوسفیان نے احتیاطاً قافلے کا

[1] السيرة لابن هشام: 614/2.


وادی ذفران

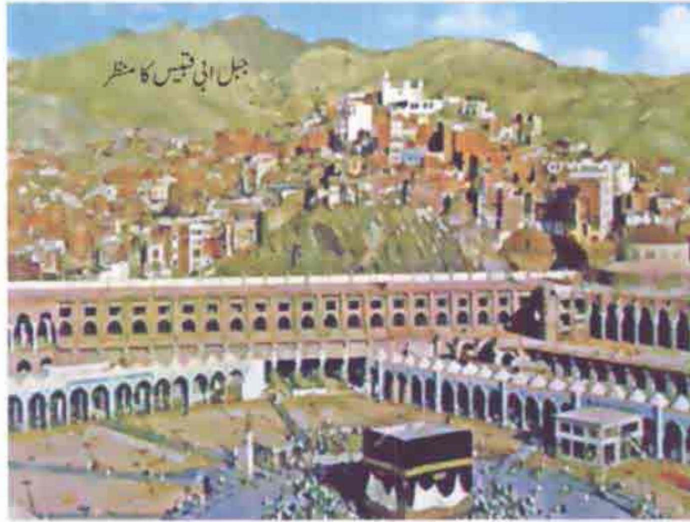
رخ ساحل کی طرف پھیر دیا۔

عاتکہ بنت عبدالمطلب کا خواب

ضمضم بن عمرو غفاری کے مکہ پہنچنے سے تین رات پہلے سردار عبدالمطلب کی صاحبزادی عاتکہ نے ایک خواب دیکھا جس کا اس پر بڑا گہرا اثر پڑا۔ اس نے اپنے بھائی عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو بُلا بھیجا۔ وہ آئے تو عاتکہ نے کہا: بھائی جان! اللہ کی قسم! آج رات میں نے ایک خواب دیکھا ہے جس نے مجھے بہت خوفزدہ کر دیا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کی قوم پر کوئی آفت نازل ہونے والی ہے۔ میں آپ کو جو بات بتانے والی ہوں، اسے افشا نہ کرنا۔ انھوں نے کہا: بتلاؤ تو سہی کیا بات ہے؟ انھوں نے خواب بیان کرنا شروع کیا، کہتی ہیں: میں کیا دیکھتی ہوں کہ ایک شتر سوار آیا اور وادی ابطح میں کھڑا ہوگیا، پھر نہایت بلند آواز سے چیخ کر کہنے لگا:

أَلَا! انْفِرُوا يَا لَغُدُرِ! لِمَصَارِعِكُمْ فِي ثَلَاثٍ.

''خبردار، اے دھوکے بازو! تین دن کے اندر اندر اپنی قتل گاہوں کی طرف نکلو۔''



میں نے دیکھا کہ لوگ اس شتر سوار کے گرد جمع ہوگئے، پھر وہ مسجد میں داخل ہوا۔ لوگ اس کے پیچھے پیچھے تھے اور اس کا اونٹ کعبہ کی چھت پر کھڑا تھا۔ اس شخص نے وہ صدا پھر بلند کی، پھر میں نے اس اونٹ کو جبل ابی قُبیس پر کھڑا دیکھا، وہاں جا کر اس شتر سوار نے پھر وہی نعرہ لگایا اور ایک بھاری بھرکم چٹان کو نیچے لڑھکا دیا۔ وہ چٹان ریزہ ریزہ ہوگئی اور اس کی کنکریاں قریش کے تمام گھروں میں آگریں۔

خواب سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ بولے: اللہ کی قسم! یہ تو بہت اہم خواب ہے۔ تو اسے چھپائے رکھنا، کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا۔

عاتکہ کا خواب قریش کی مجالس میں

حضرت عباس رضی اللہ عنہ عاتکہ کو خواب مخفی رکھنے کی نصیحت کر کے وہاں سے نکلے تو انھیں راستے میں ولید بن عتبہ بن

ربیعہ مل گیا۔ یہ ان کا دوست تھا۔ حضرت عباس نے خواب کا ذکر اس سے کر دیا اور اسے تاکید کرتے ہوئے کہا کہ یہ بات آگے کسی سے نہ کرنا۔ ولید نے یہ بات اپنے باپ عتبہ کو بتادی۔ اس طرح یہ راز افشا ہوگیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ شام کو حرم میں طواف کے لیے گئے۔ وہاں ابوجہل کو دیکھا کہ قریش کی ایک مجلس میں بیٹھا ہے اور وہاں اس خواب کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

ابوجہل اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ میں تکرار

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابوجہل نے مجھے دیکھا اور کہا: ابوالفضل! طواف سے فارغ ہو کر میرے پاس آنا، چنانچہ میں طواف سے فارغ ہو کر اس کے پاس چلا گیا۔ ابوجہل نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا: اے بنوعبدالمطلب! تم میں یہ نبیہ کب پیدا ہوئی ہے؟ میں نے اس سے کہا: تمھارا کیا مطلب ہے؟ اس نے کہا: میں اس خواب کا ذکر کر رہا ہوں جو عاتکہ نے دیکھا ہے۔ میں نے انجان بنتے ہوئے کہا: اس نے کیا دیکھا ہے؟ ابوجہل نے کہا: اے بنوعبدالمطلب! کیا تم اس پر مطمئن نہیں کہ تم میں سے ایک نبی کا ظہور ہوا ہے اور اب تمھاری عورتوں نے بھی نبوت کا دعویٰ شروع کر دیا ہے، پھر اس نے کہا: عاتکہ کا کہنا ہے کہ ایک شتر سوار نے تین دن میں نکلنے کا کہا ہے۔ ہم تین دن انتظار کریں گے۔ اگر ان تین دنوں میں اس کا خواب سچا نہ ہوا تو ہم یہ لکھ کر ہر جگہ چسپاں کر دیں گے: أَنَّكُمْ أَكْذَبُ أَهْلِ بَيْتٍ فِي الْعَرَبِ ''بلاشبہ ملک عرب میں تمھارا گھرانہ سب سے زیادہ جھوٹا ہے۔''

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھے مجبوراً اس خواب کا انکار کرنا پڑا۔ اس کے بعد ہم جدا ہوگئے۔ ایک روایت میں ہے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کو کہا: ''او سرین پر خوشبو لگانے والے! تُو باز نہیں آتا؟''

خواتین بنی عبدالمطلب کی عباس رضی اللہ عنہ سے تکرار

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ شام کو جب میں گھر آیا تو بنوعبدالمطلب کی کوئی خاتون ایسی نہ تھی جس نے میری درگت نہ بنائی ہو اور یہ نہ کہا ہو: پہلے وہ خبیث فاسق تمھارے مردوں پر زبان درازی کرتا رہا تو تم نے اسے برداشت کرلیا، اب وہ تمھارے خاندان کی خواتین پر آوازیں کس رہا ہے اور تم خاموشی سے سن رہے ہو۔ تم میں اتنی غیرت بھی نہیں کہ تم اس کا منہ توڑ جواب دے سکو۔ کہتے ہیں کہ میں نے یہ کہہ کر جان چھڑائی کہ اچھا! بس کرو، اب جیسے ہی وہ مجھے ملے گا، میں اس کا کام تمام کر دوں گا۔

عباس رضی اللہ عنہ ابوجہل کی تلاش میں

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عاتکہ کے خواب دیکھنے کے تین دن بعد میں صبح سویرے نکلا۔ میں غصے سے

لال پیلا ہوا جا رہا تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے مجھ سے کوئی بہت بڑی چیز چھن گئی ہو جسے میں حاصل کرنا چاہتا تھا۔ میں مسجد میں داخل ہوا اور دیکھا کہ ابوجہل وہاں موجود ہے۔ میں نے آج دل میں ٹھان لی تھی کہ میں اس کے پاس جاؤں گا اور اگر اس نے دوبارہ کوئی ایسی بات کی تو میں اس کا تیا پانچا کردوں گا۔ ابوجہل دُبلا پتلا، تیکھے نقوش والا، چرب زبان اور عقابی نگاہ رکھنے والا آدمی تھا۔ میں اس کی طرف بڑھا تو وہ تیزی سے بھاگتا ہوا مسجد کے دروازے کی طرف چل دیا۔ میں نے دل میں کہا کہ یہ میرے ڈر کی وجہ سے بھاگا ہے کہ میں اسے برا بھلا کہوں گا، حالانکہ یہ بات نہ تھی۔ اس نے ضمضم بن عمرو کی آواز سن لی تھی جو میں نہ سن سکا۔ وہ وادی کے درمیان اونٹ پر کھڑا چیخ رہا تھا۔ اس نے عرب کے دستور کے مطابق اپنے اونٹ کی ناک چیر دی، کجاوہ الٹا کیا، کرتا پھاڑا اور چیخ کر بولا: اے قریش کی جماعت! اپنے قافلے کو بچاؤ جس میں خوشبو، کپڑے اور تمھارے دیگر اموال ابوسفیان کی نگرانی میں موجود ہیں۔ محمد (ﷺ) نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس قافلے پر چڑھائی کر دی ہے۔ مجھے یقین نہیں کہ تم اسے پا سکو۔ مدد...... مدد......!

اس انتہائی غیر متوقع حادثے نے ہمیں دفعتاً اس قدر ہلا کر رکھ دیا کہ پھر ہم اپنی جگہ سنبھلنے ہی نہیں پائے اور ہمیں ایک دوسرے سے کوئی بات کرنے کا کوئی موقع نہیں مل سکا۔

جنگ کے لیے اہل مکہ کی تیاری

قافلۂ تجارت کو پیش آنے والے ممکنہ حادثے کی خبر قریش پر انتہائی گراں گزری۔ تمام سردارانِ قریش طیش میں آ گئے کیونکہ یہ معاملہ ان کی رسوائی کا باعث اور ان کے اقتصادی مفادات کو چیلنج کرنے کے ساتھ ساتھ دیگر قبائل کی نظر میں ان کے مقام و مرتبہ کو گرا دینے کے مترادف تھا، اس لیے وہ اپنی پوری جنگی طاقت کے ساتھ اس سنگین چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔

انھوں نے کہا: محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی سمجھتے ہیں کہ یہ قافلہ بھی ابن حضرمی کے قافلے جیسا ہے؟ نہیں! ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! انھیں پتہ چل جائے گا کہ ہمارا معاملہ کچھ اور ہے۔ مکہ میں جوش و خروش کا عجیب عالم تھا۔ ان میں سے ہر شخص اس جنگ میں شریک ہونے کا خواہاں تھا۔ اگر کسی مجبوری کے تحت کوئی آدمی خود نہیں جا سکا تو اس نے اپنی جگہ کسی دوسرے کو بھیجا۔ جو مال دار تھے، وہ ناداروں کی مالی اعانت کر رہے تھے، انھیں اسلحہ اور سواری مہیا کر رہے تھے۔ اس طرح گویا سبھی نکل پڑے، خصوصاً معززین میں سے کوئی پیچھے نہ رہا، سوائے ابولہب کے۔ اس نے اپنی جگہ عاصی بن ہشام بن مغیرہ کو بھیجا۔ عاصی بن ہشام نے ابولہب سے چار ہزار درہم بطورِ قرض لیے تھے۔

ابولہب نے اُس سے کہا: اگر تم میری جگہ اس لشکر میں شرکت کرو تو میں تمھیں یہ قرض معاف کر دوں گا، چنانچہ عاصی بن ہشام ابولہب کی جگہ لشکر میں شریک ہوا۔ [1]

ادھر سہیل بن عمرو جو قریش کا خطیب اور سردار تھا، وہ اپنے خطبے سے عام لوگوں کے جذبات برانگیختہ کر رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا:

''کیا تم محمد (ﷺ) اور یثرب کے بے دینوں کو اس بات کی اجازت دے دو گے کہ وہ تمھارے مال لوٹ کر لے جائیں؟ جس شخص کو دولت کی ضرورت ہو، اس کے لیے میری تجوریاں کھلی ہیں، جس شخص کو اسلحے کی ضرورت ہو، وہ میرے اسلحہ خانے سے اسلحہ لے سکتا ہے۔''

قریش نے بنوعدی کے سوا گرد و پیش کے قبائل کو بھی لشکر میں شامل کیا۔ بنوعدی سے کوئی شخص جنگ میں شریک نہیں ہوا۔

امیہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد سن کر لرز گیا

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ زمانۂ جاہلیت میں امیہ بن خلف کے دوست تھے۔ امیہ جب بھی مدینہ سے گزرتا تو وہ سعد رضی اللہ عنہ کے پاس قیام کرتا تھا۔ اسی طرح سعد رضی اللہ عنہ جب مکہ سے گزرتے تو امیہ کے ہاں ٹھہرتے تھے۔ جب نبی ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو ایک مرتبہ سعد رضی اللہ عنہ عمرہ کرنے مکہ تشریف لائے اور امیہ کے پاس قیام کیا۔ انھوں نے امیہ سے کہا: میرے لیے کوئی تنہائی کا وقت دیکھو تاکہ میں بیت اللہ کا طواف کروں۔

امیہ انھیں دوپہر کے وقت ساتھ لے کر نکلا۔ ان سے ابوجہل کی ملاقات ہوگئی۔ اس نے اُمیہ سے پوچھا: ابوصفوان! یہ تمھارے ساتھ کون ہیں؟ امیہ نے بتایا کہ یہ سعد بن معاذ ہیں۔ ابوجہل سعد رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا: میں تمھیں مکہ میں امن کے ساتھ طواف کرتا ہوا نہ دیکھوں کیونکہ تم لوگوں نے بے دینوں کو پناہ دے رکھی ہے اور اس خیال میں ہو کہ تم ان کی مدد کرو گے۔ اللہ کی قسم! اگر اس وقت تم ابوصفوان کے ساتھ نہ ہوتے تو اپنے گھر صحیح سلامت واپس نہیں جا سکتے تھے۔ اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے گرج کر کہا: اللہ کی قسم! اگر آج تم نے مجھے طواف سے روکا تو میں بھی مدینے کی طرف سے تمھارا راستہ بند کر دوں گا اور یہ تمھارے لیے زبردست مشکلات کا سبب بن جائے گا۔ امیہ کہنے لگا: سعد! ابوالحکم (ابوجہل) کے سامنے بلند آواز سے نہ بولو، یہ اس وادی کا سردار ہے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا:

[1] السیرۃ لابن ھشام: 2/607-610.

امیہ! ایسی بات نہ کرو اللہ کی قسم! میں اللہ کے رسول ﷺ سے سن چکا ہوں کہ تو ان (صحابہ) کے ہاتھوں مارا جائے گا۔ امیہ نے پوچھا: کیا وہ مکہ میں مجھے قتل کریں گے؟ انھوں نے جواب دیا: اس کا مجھے علم نہیں۔ امیہ یہ سن کر گھبرا گیا اور جب اپنے گھر لوٹا تو اپنی بیوی سے کہا: ام صفوان! کیا تم نے نہیں سُنا کہ سعد میرے متعلق کیا کہہ رہے ہیں؟ اس نے پوچھا: کیا کہہ رہے ہیں؟ امیہ نے کہا: وہ بتا رہے ہیں کہ محمد (ﷺ) نے انھیں خبر دی ہے کہ وہ کسی دن مجھے قتل کر دیں گے۔ میں نے پوچھا: کیا وہ مکہ میں مجھے قتل کریں گے تو انھوں نے کہا: اس کی مجھے خبر نہیں۔ امیہ کہنے لگا: اللہ کی قسم! اب میں مکہ سے باہر کبھی نہیں جاؤں گا۔

امیہ بن خلف کا انکار اور ابوجہل کا اصرار

بدر کی لڑائی کے لیے جب ابوجہل نے قریش کو تیاری کے لیے کہا اور آواز لگائی کہ اپنے قافلے کی مدد کے لیے نکلو تو امیہ نے لڑائی میں شرکت پسند نہیں کی۔ ابوجہل اس کے پاس آیا اور کہنے لگا: ابوصفوان! تم وادی کے سردار ہو۔ جب لوگ دیکھیں گے کہ تم ہی لڑائی میں نہیں نکلتے تو دوسرے لوگ بھی نہیں نکلیں گے۔ ابوجہل مسلسل اصرار کرتا رہا۔ بالآخر مجبور ہو کر امیہ نے کہا: اگر تم مجھے مجبور کرتے ہو تو اللہ کی قسم! میں ایسا تیز رفتار اونٹ خریدوں گا جس کا ثانی مکہ میں کوئی اونٹ نہ ہو، پھر امیہ نے اپنی بیوی سے کہا: ام صفوان! میرا سامان تیار کر دے۔ اس نے کہا: ابوصفوان! کیا تم اپنے یثربی بھائی کی بات بھول گئے؟ امیہ بولا: میں بھولا نہیں، بس میں ان کے ساتھ تھوڑی دور تک ہی جاؤں گا۔ جب امیہ نکلا تو راستے میں جس منزل پر ٹھہرنا ہوتا، یہ اپنے اونٹ کا گھٹنا باندھ دیتا۔ وہ مسلسل ایسے ہی کرتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بدر میں قتل کرا دیا۔[1]

ایک روایت میں ہے: امیہ سعد رضی اللہ عنہ سے مسلسل یہی کہتا رہا: ابوالحکم کے سامنے اپنی آواز بلند نہ کرو اور انھیں روکتا رہا۔ آخر سعد رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا اور انھوں نے امیہ سے کہا: چل پرے ہٹ، میں نے محمد ﷺ سے سنا ہے کہ وہ تمھیں قتل کریں گے۔ اس نے پوچھا: مجھے؟ تو سعد رضی اللہ عنہ نے بتایا: ہاں۔ امیہ کہنے لگا: اللہ کی قسم! محمد (ﷺ) جب کوئی بات کر دیتے ہیں تو وہ جھوٹ نہیں ہوتی۔ پھر وہ اپنی بیوی کے پاس آیا، کہنے لگا: کیا تجھے پتہ ہے، میرے یثربی بھائی نے مجھ سے کیا کہا ہے؟ اس نے پوچھا: کیا کہا ہے؟ امیہ نے بتایا کہ محمد (ﷺ) مجھے قتل کریں گے۔ اس کی بیوی نے کہا: اللہ کی قسم! محمد (ﷺ) جھوٹ نہیں بولتے۔ پھر ایسا ہوا کہ اہل مکہ بدر کی لڑائی کے لیے نکلنے لگے اور امیہ کو بھی بلانے والا آیا تو امیہ سے اس کی بیوی نے کہا: تمھیں یاد نہیں تمھارا یثربی بھائی تمھیں کیا خبر دے گیا تھا۔

[1] صحيح البخاري :3950.

راوی بیان کرتے ہیں کہ اس یاد دہانی پر امیہ نے شرکتِ جنگ کا ارادہ ترک کرنا چاہا لیکن ابوجہل نے کہا: تم وادیٔ مکہ کے رئیس ہو، اس لیے کم از کم ایک یا دو دن ہمارے ساتھ چلو۔ وہ چلا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے بدر ہی میں ہلاک کر دیا۔[1]

عقبہ کی حماقت کام کر گئی

ابوجہل نے ایک چالاکی یہ دکھائی کہ جنگ پر اُکسانے کے لیے عقبہ بن ابی معیط کو امیہ بن خلف کے پیچھے لگا دیا۔ عقبہ احمق آدمی تھا۔ اس نے انگیٹھی میں انگارے ڈالے اور اس میں عود ڈال کر امیہ کے پاس دھونی دیتا ہوا آیا اور امیہ کے سامنے انگیٹھی رکھ کر بولا: محترمہ! آپ دھونی لیں، آپ مرد نہیں عورت ہیں۔ امیہ نے کہا: تجھے اور جو تو لایا ہے، اللہ اسے برباد کرے، پھر وہ اٹھا، سفر کی تیاری کی اور لشکر کے ساتھ روانہ ہو گیا۔[2]

مکی لشکر اگرچہ بظاہر طاقت، عزم اور پختگی سے لبریز نظر آتا تھا لیکن ان کے دلوں میں خوف اور بزدلی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اندر سے بری طرح تذبذب کا شکار تھے اور اس طرح سہمے ہوئے جا رہے تھے جیسے موت کے منہ میں دھکیلے جا رہے ہوں۔[3]

عتبہ اور شیبہ کے بارے میں آپ ''رسول اللہ ﷺ کے سفرِ طائف'' میں پڑھ آئے ہیں کہ ان دونوں نے بدر میں جانے کے لیے اپنی زرہیں نکالیں۔ ان کے غلام عداس (رضی اللہ عنہ) نے ان کی طرف دیکھا کہ وہ اپنی زرہیں اور آلاتِ جنگ درست کر رہے ہیں تو عداس نے پوچھا: کدھر کا ارادہ ہے؟ انھوں نے کہا: کیا تمھیں وہ آدمی یاد ہے جس کی طرف ہم نے اپنے باغ سے انگور بھیجے تھے؟ اس نے کہا: ہاں! وہ مجھے یاد ہیں۔ کہنے لگے: بس ہم اسی سے لڑنے جا رہے ہیں۔ یہ سُن کر عداس رو پڑے۔ کہنے لگے: آپ مت جائیں، اللہ کی قسم! وہ نبی ہیں۔ عداس کا رونا دھونا کسی کام نہ آیا۔ انھوں نے عداس کی بات نہیں مانی۔ وہ بڑے طمطراق سے نکلے یہاں تک کہ بدر میں قتل ہو گئے۔

کفار کا پانسا موافق نہ نکلا

قریش کے افراد فال نکالنے کے لیے اپنے بڑے بت ہبل کے پاس گئے۔ امیہ بن خلف، عتبہ اور شیبہ نے تیر نکالا تو وہ تیر نکلا جس میں جنگ میں شرکت کی ممانعت لکھی ہوئی تھی۔ وہ ڈھیلے پڑ گئے لیکن ابوجہل انھیں مجبور کر کے ساتھ لے گیا اور کہنے لگا: آج پانسے نہ پھینکو، ہم اپنے قافلے سے پیچھے نہیں رہیں گے۔ جب زمعہ بن اسود ذی طویٰ

---

[1] صحيح البخاري: 3632. [2] السيرة لابن هشام: 2/607-617، البداية والنهاية: 3/255-258، دلائل النبوة للبيهقي: 3/100-106، الاكتفاء: 2/13-15، المغازي للواقدي: 1/34-50. [3] مرويات غزوة بدر لأحمد باوزير، ص: 138.

پہنچا اور اس نے فال نکالی تو عدم شرکت کا تیر نکلا۔ وہ غصے سے لال پیلا ہو گیا۔ اس نے پھر تیر نکالا تو دوبارہ ممانعت کا تیر نکلا۔ اس نے غضب ناک ہوتے ہوئے تیر ہی توڑ دیا اور کہا: میں نے آج کے دن کی طرح کبھی اتنا جھوٹا تیر نہیں دیکھا۔ اتنے میں سہیل بن عمرو پاس سے گزرا۔ اس نے پوچھا: ابوحُکیمہ! کیا بات ہے، بڑے غصے میں نظر آرہے ہو؟ زمعہ نے ساری بات کہہ ڈالی۔ اس نے کہا: چھوڑو یار! یہ تیر تو خواہ مخواہ جھوٹی فال نکالتے ہیں۔ مجھے عمیر بن وہب نے بھی ایسی ہی بات بتائی ہے جو تم نے بتائی ہے، پھر وہ یہی بات کرتے کرتے آگے بڑھ گئے۔ [1]

مکی لشکر کو قبائل بنو بکر سے خطرہ

جب قریش نے تیاری مکمل کر لی اور جنگ کے لیے روانہ ہونے لگے تو انھیں اچانک اس خیال نے چونکا دیا مبادا بنوکنانہ کی شاخ بنوبکر کے لوگ ہمارے پیچھے سے حملہ کر دیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قریش نے ایک موقع پر بنوبکر کے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔ بعدازاں بنومعیص بن عامر بن لؤی کا ایک شخص حفص بن اَخیف کا بیٹا اپنی کوئی گمشدہ چیز تلاش کرتا ہوا ضجنان نامی جگہ سے گزر رہا تھا۔ یہ بہت خوبرو اور نوجوان تھا۔ وہاں بنوبکر کا سردار عامر بن یزید بن عامر بن مُلَوّح بھی موجود تھا۔ اس نے اس لڑکے کو دیکھا تو اسے بہت بھلا محسوس ہوا۔ اس نے پوچھا: اے لڑکے! تم کون ہو؟ اس نے بتایا کہ میں حفص بن اَخیف قرشی کا بیٹا ہوں۔ یہ سنتے ہی اس کی آتش انتقام بھڑک اٹھی۔ لڑکا جب واپس مڑا تو اس نے اپنے قبیلے سے کہا: کیا تمھیں قریش میں کسی کا خون کرنے کی رغبت ہے؟ سب نے کہا: کیوں نہیں! بے شک ان کے ذمے ہمارا خون ہے۔ اس نے کہا: جو شخص اس قریشی لڑکے کو قتل کر دے گا، وہ گویا اپنے خون کا انتقام لے لے گا، چنانچہ بنوبکر کے ایک آدمی نے اس لڑکے کا پیچھا کیا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ قریش نے بنوبکر کے سردار عامر سے شکایت کی تو اس نے کہا: اے قریش کی جماعت! بلاشبہ تمھارے ذمے ہمارا ایک خون تھا، لہٰذا ہم نے بھی تمھارا ایک آدمی قتل کر کے حساب چکا دیا، اب تم کیا چاہتے ہو؟ اگر تم دیت لینا چاہتے ہو تو پہلے ہمارے آدمی کی دیت دو، پھر ہم تمھیں دیت ادا کر دیں گے۔ اگر قصاص چاہتے ہو تو ہم نے آدمی کے بدلے آدمی قتل کر دیا ہے۔ بس اب تمھارا اور ہمارا حساب برابر ہو گیا۔ قریش نے کہا: ٹھیک ہے۔ پھر قریش نے خون کا مطالبہ ترک کر دیا۔

کچھ عرصے کے بعد بنوبکر کا سردار عامر مرّالظہران سے گزر رہا تھا۔ مقتول کے بھائی مکرز بن حفص نے اسے دیکھا تو یکا یک اُس پر عقاب کی طرح جھپٹ پڑا اور اسے قتل کر دیا۔ بعدازاں اس کا پیٹ اسی کی تلوار سے چاک کر

[1] المغازي للواقدي: 48/1.

وادی فاطمہ (مرالظہران)

ڈالا، پھر اس نے رات کی تاریکی میں عامر کی تلوار خانہ کعبہ کے غلاف کے ساتھ لٹکا دی۔ صبح کے وقت جب قریش بیت اللہ آئے اور انھوں نے تلوار دیکھی تو بولے: یہ تو بنوبکر کے سردار عامر کی تلوار ہے۔ اسے مکرز نے قتل کر دیا ہے۔ یہ قتل بنوبکر اور قریش میں دشمنی کا سبب بن گیا۔ سالہا سال ان کی دشمنی اسی طرح چلتی رہی حتی کہ دعوتِ اسلام کی گونج بلند ہوئی تو ان کی دشمنی وقتی طور پر دب گئی۔ اب جب مشرکین اسلام اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کا منصوبہ بنا کر بدر کی جانب نکلنے لگے تو انھیں بنوبکر کی طرف سے انتقام کا خوف لاحق ہوگیا۔

ابلیس لعین، سراقہ بن مالک کی شکل میں

قریب تھا کہ قریش اس خیال سے ارادۂ جنگ سے باز آجاتے لیکن عین اسی وقت ابلیس لعین بنوکنانہ کے سردار سراقہ بن مالک مدلجی (رضی اللہ عنہ) کے روپ میں ظاہر ہوا اور بولا: میں بھی تمھارا رفیقِ کار ہوں۔ میں تمھیں ضمانت دیتا ہوں کہ بنوکنانہ تمھارے پیچھے کوئی ناگوار کام نہیں کریں گے۔[1]

مکی لشکر روانگی کے وقت

جب بنوبکر (بنوکنانہ) کی طرف سے انھیں پروانۂ امن مل گیا تو یہ لوگ اپنے گھروں سے گھمنڈ اور تکبر کی حالت میں نکلے جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝﴾

[1] السيرة لابن هشام: 612/2

''وہ اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو (اپنی شان) دکھاتے ہوئے نکلے اور وہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے تھے۔ اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں، اللہ اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔''[1]

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابوجہل اور اس کے دیگر رفقاء بدر کے دن اپنے تجارتی قافلے کی مدد کے لیے نکلے اور اپنے ساتھ گانے بجانے کا سامان اور گانے والیاں بھی لے کر آئے۔ جب وہ جحفہ پہنچے تو خُفاف کنانی نے، جو ابوجہل کا دوست تھا، اپنے بیٹے کے ہاتھ ابوجہل کی طرف تحائف بھیجے اور کہلا بھیجا کہ اگر تم پسند کرو تو میں تمھاری مدد کے لیے کچھ آدمی بھیج دوں یا خود تمھاری مدد کے لیے اپنی قوم کے ساتھ آ جاؤں؟ ابوجہل نے جواب دیا: اللہ کی قسم! اگر ہم محمد (ﷺ) کے گمان کے مطابق اللہ سے جنگ کر رہے ہیں تو اس ذات کا مقابلہ کرنے کی ہم میں طاقت نہیں اور اگر ہم لوگوں سے لڑنے جا رہے ہیں تو اللہ کی قسم! ہم میں ان سے لڑنے کی قوت موجود ہے۔[2]

لشکر کفار کی مدینہ کی طرف جارحانہ روانگی کی کیفیت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد یہ ہے: ''وہ (مشرکین مکہ) اپنی دھار اور ہتھیار لے کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے خار کھاتے ہوئے، جوشِ انتقام سے چور اور غیظ و غضب سے مغلوب ہو کر نکلے۔ وہ اس بات پر تلملا رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ نے اہلِ مکہ کے قافلے پر آنکھ اُٹھانے کی جرأت کیسے کی؟''[3] ایسے ہی جذبات کے زیر اثر یہ لوگ نہایت تیز رفتاری سے شمال کے رُخ پر بدر کی جانب چلے جا رہے تھے۔

مشرکین کا لشکر اور اسلحہ

ابتدا میں مشرکین کی تعداد ایک ہزار تین سو تھی۔ ایک روایت کے مطابق ان کے پاس دو سو گھوڑے، چھ سو زرہیں اور بڑی کثرت سے اونٹ تھے۔ ان کے ساتھ گلوکارائیں بھی تھیں جو دف بجا بجا کر مسلمانوں کی ہجو کر رہی تھیں اور مشرکین کو گیت گا گا کر جوش دلاتی اور مسلمانوں کے خلاف ان کی آتشِ غضب کو بھڑکاتی تھیں۔ جب یہ نکلے تو ان کی ہر اک ادا سے غرور ٹپک رہا تھا۔ اسی کو قرآن مجید نے یوں بیان کیا ہے:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ﴾

''اور ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے اور لوگوں کو (اپنی شان) دکھلاتے ہوئے نکلے اور وہ اللہ کی راہ سے (لوگوں کو) روکتے تھے، اور وہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔''[4]

[1] الأنفال 47:8. [2] تفسير القرطبي، الأنفال 47:8. [3] الرحيق المختوم، ص: 226. [4] الأنفال 47:8.



وادی قدید


وادی عسفان

قریش کے نو سردار اپنے لشکر کی رسد کے ذمہ دار تھے۔ ایک دن نو اور ایک دن دس اونٹ ذبح کیے جاتے تھے۔ سب سے پہلے ابوجہل نے اس لشکر کے لیے دس اونٹ ذبح کیے، پھر امیہ بن خلف نے عُسفان پہنچ کر نو اونٹ ذبح کیے، پھر سہیل بن عمرو نے قُدید میں دس اونٹ ذبح کیے۔ بعد ازاں وہ قدید سے سمندر کی جانب پانی کے چشموں کی طرف اترے۔ وہاں ایک روز قیام کیا۔ یہاں شیبہ بن ربیعہ نے نو اونٹ ذبح کیے۔ اگلی صبح وہ جحفہ پہنچے۔ وہاں عتبہ بن ربیعہ نے دس اونٹ ذبح کیے۔ اگلے روز حجاج کے دونوں بیٹوں نُبَیہ اور منبہ نے ان کے لیے ”ابواء“ نامی جگہ پر دس اونٹ ذبح کیے۔ اس سے اگلے دن عباس بن عبدالمطلب نے دس اونٹ ذبح کیے، پھر بدر پہنچ کر ابوالبختری نے دس اونٹ ذبح کیے۔ علامہ بلاذری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ان کے پاس سات سو اونٹ تھے۔[1]

جہیم بن صلت کا خواب

جب لشکرِ قریش جحفہ پہنچا تو جہیم بن صلت نے خواب دیکھا۔ اس خواب کے بارے میں اُس نے بتایا کہ میں سونے اور جاگنے کی درمیانی کیفیت میں تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک گھڑ سوار آدمی آیا۔ اس کے ساتھ ایک اونٹ بھی

[1] البداية والنهاية: 259/3، أنساب الأشراف: 348,347/1.


وادی ابواء

تھا، وہ آکر رُکا اور کہنے لگا: عتبہ بن ربیعہ، ابوالحکم بن ہشام، امیہ بن خلف اور فلاں فلاں سردار مارے گئے، پھر اس نے ان تمام سردارانِ قریش کے نام بتائے جو بدر کے دن قتل ہوئے، پھر اس نے اپنے اونٹ کے حلق میں تیر مارا اور اسے مشرکین کے لشکر کی طرف ہانک دیا، اس کے خون کے چھینٹے ہر خیمے تک جا پہنچے۔

ابوجہل کو جب اس خواب کا علم ہوا تو اس نے کہا: معلوم ہوتا ہے بنوعبدالمطلب میں یہ دوسرا نبی پیدا ہو گیا ہے۔ کل جب ہم میدانِ کارزار میں اتریں گے تو اسے پتہ چل جائے گا کہ کون قتل ہوتا ہے۔

ابوسفیان کی طرف سے خیر و عافیت کی اطلاع

ابوسفیان مکہ جانے والی شاہراہ پر چلا جا رہا تھا۔ وہ مسلسل چوکنا اور بیدار تھا۔ اس نے مدد کے لیے ضمضم بن عمرو کو مکہ بھیج دیا تھا لیکن مسلمانوں کے اچانک آپڑنے کا امکان تھا، لہٰذا اس نے اپنی جاسوسی سرگرمیاں تیز تر کر دیں۔ وہ قافلے سے آگے جا کر بدر کے چشمے کے پاس پہنچا تو وہاں مجدی بن عمرو مل گیا۔ اس سے پوچھا کہ محمد (ﷺ) کے لشکر کے بارے میں تمھارے پاس کیا معلومات ہیں؟ مجدی نے کہا: میں نے یہاں کوئی خلاف معمول آدمی نہیں دیکھا۔ ہاں دو سوار دیکھے تھے، انھوں نے ٹیلے کے پاس اپنے اونٹ بٹھائے، اپنے مشکیزے میں پانی بھرا اور چلے گئے۔ ابوسفیان جھٹ وہاں پہنچا اور ان کے اونٹوں کی مینگنیاں اٹھا کر توڑیں تو اس میں کھجور کی گٹھلیاں برآمد ہوئیں۔ ابوسفیان نے کہا: اللہ کی قسم! یہ تو یثرب کا چارہ ہے۔ اس کے بعد وہ برق رفتاری سے پیچھے مڑا اور قافلے کا رخ مغرب کو ساحلِ سمندر کی طرف پھیر دیا اور بدر کی جانب سے گزرنے والی شاہراہِ عام کو بائیں جانب چھوڑ دیا۔ اس طرح ابوسفیان نے قافلے کو مدنی لشکر کی زد میں آنے سے بچالیا اور مکی لشکر کو فوراً اپنے خیریت سے بچ نکلنے کی اطلاع بھیجی اور ساتھ یہ اپیل بھی کی کہ لشکر مکہ واپس چلا جائے۔[1]

ابوجہل کا تکبر آڑے آگیا

مکی لشکر ابھی جُحفَہ ہی میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا کہ ابوسفیان کا قاصد آپہنچا۔ اس نے ابوسفیان کا پیغام دیتے ہوئے کہا کہ تم اپنے آدمیوں، اپنے اموال اور اپنے قافلے کو بچانے کے لیے نکلے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بچا لیا ہے، لہٰذا تم واپس چلو۔ ابوجہل جو اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن تھا، اس نے اس مشورے کو رد کر دیا اور فوج کے بدر تک جانے پر اصرار کیا۔ اس نے بڑے تکبر اور غضب سے کہا: اللہ کی قسم! ہم محمد (ﷺ) سے لڑائی کے

[1] السیرۃ لابن ہشام: 618/2.

میدان میں ہرگز پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ ہم ہر حال میں بدر تک پہنچیں گے۔ وہاں ہم شراب پئیں گے۔ ہماری گلوکارائیں گیت گائیں گی۔ ہم اونٹ ذبح کریں گے، لوگوں کو کھانا کھلائیں گے اور تین دن وہاں قیام کریں گے۔ مقام بدر پر عرب کا میلہ لگے گا اور ہر سال یہاں عرب کا بڑا بازار سجے گا۔ سارا عرب مکہ سے ہمارے یہاں آنے کا حال سنے گا۔ اس طرح سارے عرب پر ہمیشہ کے لیے ہماری دھاک بیٹھ جائے گی، لہٰذا ہمارا سارا لشکر اپنی منزل (بدر) کی طرف جائے گا۔

قریشی لشکر میں اختلاف اور بنو زہرہ کی واپسی

جب ابوسفیان کا قاصد جحفہ پہنچا اور اس نے ابوسفیان کا پیغام دیا تو مکی سرداروں میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ اکثریت نے مسلمانوں کی سرکوبی کا فیصلہ کیا اور کہا کہ اپنے تجارتی قافلوں کو مستقبل کے خطرات سے محفوظ کرنے کے لیے مسلمانوں کی بیخ کنی ضروری ہے۔ علاوہ ازیں اس طرح سارے عرب میں ہماری ساکھ برقرار رہے گی، لہٰذا میدانِ کارزار ہی کی طرف چلنا چاہیے۔

اخنس بن شریق جو بنو زہرہ کا حلیف تھا اور اس لام بندی میں اپنے قبیلے کا سردار تھا، اس نے ابوجہل کی رائے مسترد کر دی اور لشکر سے کہا: تمھاری بھلائی اسی میں ہے کہ واپس چلے جاؤ لیکن لوگوں نے اس کی بات نہیں مانی۔ اس نے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

> ”اے بنو زہرہ! اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے تمھارے اموال کو بچا لیا ہے اور تمھارا ساتھی مخرمہ بن نوفل بھی محفوظ ہے جس کی خاطر تم نکلے تھے۔ بزدلی کا دھبہ میرے دامن پر لگا دو اور لوٹ چلو کیونکہ تمھیں مال کے علاوہ کسی چیز کے لیے نکلنے کی ضرورت نہیں، لہٰذا ابوجہل کی بات نہ مانو۔“


آثار جحفہ

اخنس اپنی قوم میں ایسا سردار تھا جس کی بات رد کی جاتی تھی نہ ٹالی جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اس کی اطاعت کرتے ہوئے واپسی کی راہ اختیار کی اور کوئی زہری بدر نہیں گیا۔ ابوجہل نے جب مسلمانوں کے خلاف جنگ کی منادی کی تو ہر قبیلے سے لوگ جنگ میں شرکت کے لیے آمادہ ہوئے تھے سوائے بنوعدی بن کعب کے، ان کا ایک بھی فرد مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک نہیں تھا۔



امام سہیلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اخنس بن شریق ابوجہل سے تنہائی میں ملا اور پوچھنے لگا: کیا تیرے خیال میں محمد (ﷺ) جھوٹے ہیں؟ ابوجہل نے کہا: بھلا وہ اللہ پر کیسے جھوٹ باندھ سکتے ہیں، ہم خود انھیں امین کہا کرتے تھے۔ انھوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اصل بات یہ ہے کہ بنوعبدمناف کے پاس پہلے ہی سقایہ، رفادہ اور مشاورت کے اہم اور اعلیٰ مناصب ہیں۔ اب نبوت بھی انھی میں ہو تو ہمارے لیے باقی کیا بچا؟

اخنس نے یہ بات سنی تو اسے یقین ہو گیا کہ یہ محض اقتدار کی جنگ ہے اور ابوجہل کے دل میں بنوہاشم کے خلاف جو بغض و کینہ ہے، صرف اسے ٹھنڈا کرنے کے لیے وہ جنگی اقدام کر رہا ہے۔ اس نے بنوزہرہ کو مکی لشکر سے نکال لیا اور واپس لے گیا۔ بعد میں بنوزہرہ کے لوگ اخنس کی دور اندیشی پر دادِ تحسین دیتے تھے اور اس کے اس فیصلے پر بڑے خوش تھے۔

سردار ابوطالب کے صاحبزادے طالب بھی اس لشکر میں شریک تھے۔ دورانِ سفر میں ان کی کسی قریشی سے گفتگو ہوئی۔ اس قریشی نے طالب سے کہا: اللہ کی

قسم! اے بنو ہاشم! ہم جانتے ہیں کہ تم ظاہری طور پر ہمارے ساتھ ہو لیکن تمھاری دلی ہمدردیاں محمد (ﷺ) ہی کے ساتھ ہیں۔ طالب نے یہ بات سنی تو ناراض ہو کر اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ واپس آ گئے۔[1] ابوجہل کو بنو ہاشم کے بارے میں علم ہوا تو وہ انھیں جبراً دوبارہ میدانِ جنگ کی طرف لے گیا۔

مسلمانوں کے لیے نازک گھڑی

ادھر مدینے کے ذرائع نے رسول اللہ ﷺ کو جبکہ ابھی آپ راستے ہی میں تھے اور وادی ذفران سے گزر رہے تھے، ابوسفیان کے تجارتی قافلے اور مکی لشکر دونوں کے متعلق اطلاعات فراہم کیں۔ آپ نے ان اطلاعات کا گہرائی سے جائزہ لینے کے بعد یقین کر لیا کہ ایک خونریز ٹکراؤ کا وقت آ گیا ہے اور اب مسلمانوں کے لیے شجاعت و بسالت کے جوہر دکھانا ضروری ہو گیا ہے کیونکہ یہ یقینی بات تھی کہ اگر مکی لشکر کو علاقے میں اسی طرح دندنانے کا موقع دیا جاتا تو قریش کی فوجی ساکھ بڑھ جاتی اور ان کی سیاسی بالا دستی کا دائرہ دور تک پھیل جاتا۔ یوں مسلمانوں کی آواز دب کر کمزور ہو جاتی اور علاقے بھر میں ہر کس و ناکس، جو اپنے سینے میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کینہ و عداوت رکھتا تھا، فتور و فساد پھیلانے پر آمادہ ہو جاتا۔

علاوہ ازیں اس بات کی کیا ضمانت تھی کہ مکی لشکر مدینے کی طرف پیش قدمی نہیں کرے گا۔ اس معرکے کو مدینہ میں منتقل کر کے کفار مکہ مسلمانوں کے گھروں میں گھس جائیں گے اور ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے؟ جی ہاں! اگر مدنی لشکر کی طرف سے ذرا بھی گریز و اجتناب کیا جاتا تو یہ سب کچھ ممکن تھا اور اگر ایسا نہ بھی ہوتا تب بھی مسلمانوں کی ہیبت و شہرت پر اس کا نہایت بُرا اثر پڑتا۔

رسول اللہ ﷺ کا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ

حالات کی اس اچانک اور پر خطر تبدیلی کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے فوراً ایک مجلس شوریٰ منعقد کی جس میں درپیش صورتِ حال پر مجاہدین سے تبادلۂ خیال فرمایا۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قریش کے ساتھ مسلح تصادم سے گریز کرنے کا مشورہ دیا کیونکہ انھیں دفعتاً ایسی کسی صورت حال کے پیش آ جانے کا کوئی گمان تک نہ تھا، نہ وہ اس کے لیے تیار ہو کر آئے تھے۔ انھوں نے اپنے نقطۂ نظر کے مطابق رسول اللہ ﷺ کو جنگ نہ کرنے پر قائل کرنے کی کوشش کی۔ قرآن نے ان چند لوگوں کی اس رائے اور ان کے علاوہ دیگر تمام اہل ایمان کے احوال کی یوں منظر کشی کی ہے:

[1] السيرة لابن هشام :2/618-620، البداية والنهاية :3/265,264، الروض الأنف :3/131,130.

﴿كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَ هُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ وَ اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآىِٕفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ يَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَ يُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝﴾

''جیسے (بدر کے موقع پر) آپ کے رب نے آپ کو آپ کے گھر (مدینہ) سے حق (بہترین تدبیر) کے ساتھ نکالا تھا اور بے شک (اس وقت) مومنوں کا ایک گروہ (اس نکلنے کو) ناپسند کرتا تھا۔ وہ آپ سے حق (کے معاملے) میں اس کے واضح ہو جانے کے بعد جھگڑتے تھے گویا انھیں موت کی طرف ہانکا جا رہا تھا اور وہ اسے دیکھ رہے تھے اور جب اللہ تم سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کر رہا تھا کہ یقیناً وہ تمھارے لیے ہے اور تم چاہتے تھے کہ جو غیر مسلح (تجارتی قافلہ) ہے، وہی تمھارے ہاتھ لگے اور اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ وہ اپنے فرامین کے ساتھ حق کو ثابت کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ وہ حق کو حق کر دکھائے اور باطل کو باطل کر دکھائے اگرچہ مجرم لوگ اسے ناپسند ہی کریں۔'' [1]

اس صورت حال میں مہاجرین کی قیادت دشمن سے مقابلہ کرنا چاہتی تھی اور آگے بڑھنے کے لیے تیار تھی۔[2] سب سے پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اٹھے اور انھوں نے بہت دلنشین گفتگو کی، پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جذبۂ جاں نثاری کا خوب مظاہرہ کیا۔ ان کے بعد سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ اُٹھے اور انھوں نے بڑی ایمان افروز گفتگو کی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کا ایک ایسا اعزاز دیکھا ہے، اگر وہ مجھے حاصل ہو جاتا تو اس کے عوض میں دنیا کی کوئی قیمتی سے قیمتی چیز بھی قبول نہ کرتا۔ وہ اعزاز یہ تھا کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ مشرکین کو بد دعائیں دیتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے: ہم وہ بات نہیں کہیں گے جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہی تھی:

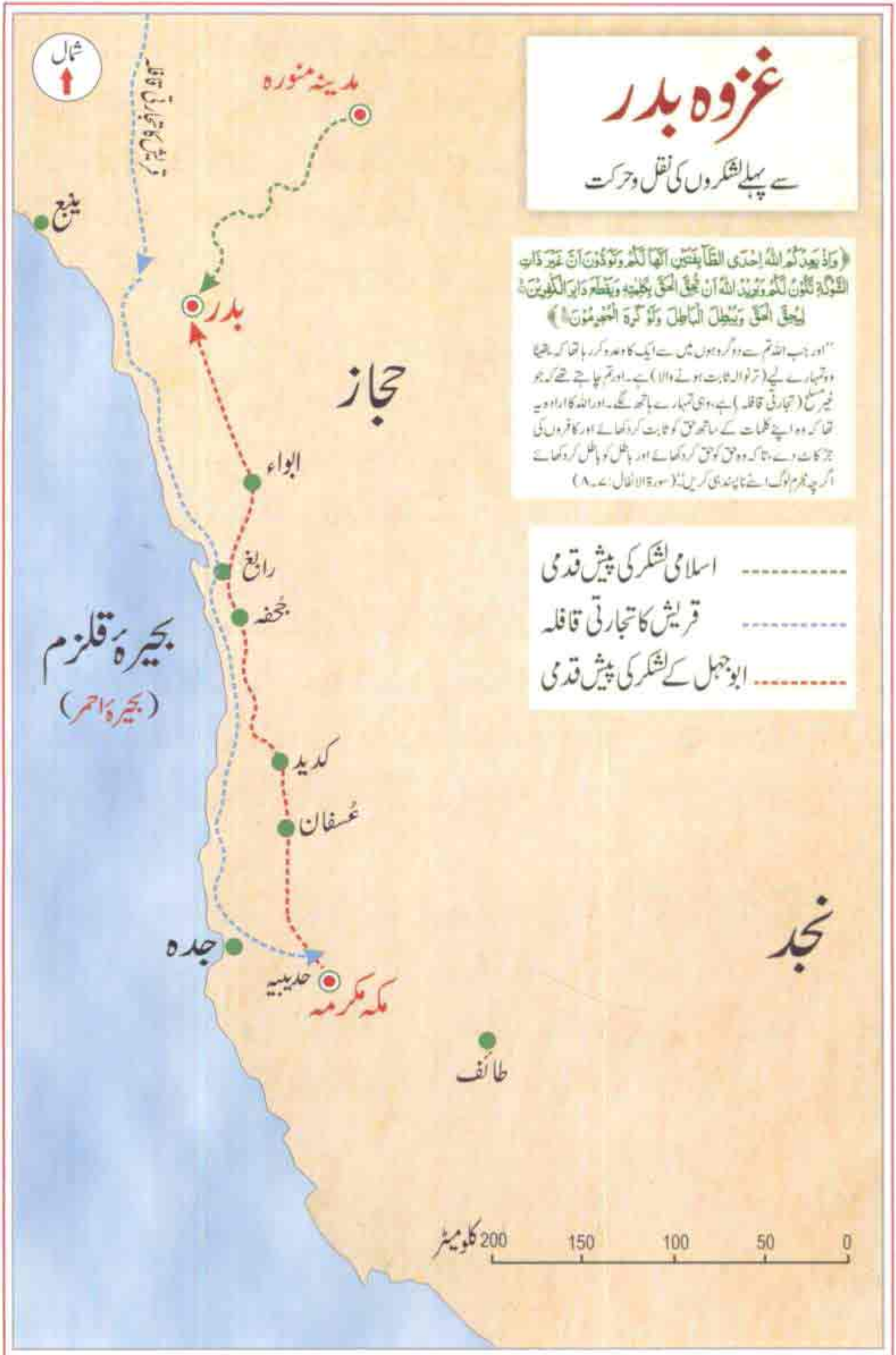
﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝﴾ (المآئدۃ 24:5)

''تم اور تمھارا رب جاؤ، پھر تم دونوں لڑو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔''

بلکہ ہم تو آپ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے سے آپ کا دفاع کرتے ہوئے مشرکین سے جنگ کریں گے۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی بات سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک خوشی سے دمکنے لگا۔[3]

ایک اور روایت میں ہے، حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم آپ سے وہ بات نہیں کریں گے

[1] الأنفال 8:5-8. [2] موسوعة الغزوات الكبرٰى :88/1. [3] صحيح البخاري :3952.



غزوہ بدر
سے پہلے لشکروں کی نقل و حرکت
﴿وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ۝﴾
"اور جب اللہ تم سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کر رہا تھا کہ یقینا وہ تمہارے لیے (ترنوالہ ثابت ہونے والا) ہے۔ اور تم چاہتے تھے کہ جو غیر مسلح (تجارتی قافلہ) ہے، وہی تمہارے ہاتھ لگے۔ اور اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ وہ اپنے کلمات کے ساتھ حق کو ثابت کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے، تاکہ وہ حق کو حق کر دکھائے اور باطل کو باطل کر دکھائے اگرچہ مجرم لوگ اسے ناپسند ہی کریں۔" (سورۃ الانفال: ۷۔۸)
اسلامی لشکر کی پیش قدمی
قریش کا تجارتی قافلہ
ابوجہل کے لشکر کی پیش قدمی
شمال
مدینہ منورہ
قریش کا تجارتی قافلہ
ینبع
بدر
حجاز
ابواء
رابغ
جحفہ
بحیرۂ قلزم
(بحیرۂ احمر)
کدید
عسفان
جدہ
حدیبیہ
مکہ مکرمہ
نجد
طائف
200 کلومیٹر
150
100
50
0

جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ آپ اور آپ کا رب جائیں اور لڑائی کریں، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ آپ قدم بڑھائیے، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ نبی ﷺ کو یوں محسوس ہوا جیسے ذہن سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہے۔[1]

ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! اللہ نے آپ کو جو راہ دکھائی ہے، اس پر رواں دواں رہیے، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ کی قسم! ہم آپ سے وہ بات نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی:

﴿فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ﴾ (المآئدة 5:24)

''تم اور تمھارا رب جاؤ، پھر تم دونوں لڑو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔''

بلکہ ہم یہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا پروردگار چلیں اور لڑیں، ہم بھی آپ کے شانہ بشانہ لڑیں گے۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! اگر آپ ہمیں برک غماد تک لے چلیں گے تو ہم راستے والوں سے لڑتے بھڑتے آپ کے ساتھ وہاں بھی جا پہنچیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں کلمۂ خیر ارشاد فرمایا اور دعا دی۔[2]

یہ تینوں اصحاب مہاجرین سے تھے جن کی تعداد لشکر میں کم تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی خواہش تھی کہ انصار کی رائے بھی معلوم کریں کیونکہ وہی لشکر میں اکثریت رکھتے تھے اور معرکے کا اصل بوجھ انھی کے کندھوں پر پڑنے والا تھا، حالانکہ بیعت عقبہ کی رُو سے ان پر لازم نہ تھا کہ وہ مدینے سے باہر بھی آپ کا دفاع کریں، اس لیے آپ ﷺ نے مذکورہ تینوں کمانڈروں کی گفتگو سننے کے بعد پھر فرمایا: «أَشِيرُوا عَلَيَّ أَيُّهَا النَّاسُ!» ''اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔''

نبیِ اکرم ﷺ کا اشارہ انصار کی طرف تھا کیونکہ بیعت عقبہ ثانیہ میں انھوں نے کہا تھا: اے اللہ کے رسول! مدینہ پہنچنے تک ہم آپ کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں۔ جب آپ مدینہ پہنچ جائیں گے تو ہمارے ذمے میں ہوں گے۔ ہم آپ کا ہر اس چیز سے دفاع اور حفاظت کریں گے جس سے ہم اپنے بیوی بچوں کی حفاظت اور دفاع کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ اندیشہ لاحق تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو انصار صرف اسی دشمن کا مقابلہ کریں جس سے مدینہ میں مڈبھیڑ ہو۔

رسول اللہ ﷺ کی بات سن کر انصار کے علمبردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے اشارے کو سمجھ لیا اور عرض کرنے لگے: اللہ کی قسم! شاید آپ ہم انصار کی طرف اشارہ کر رہے ہیں؟

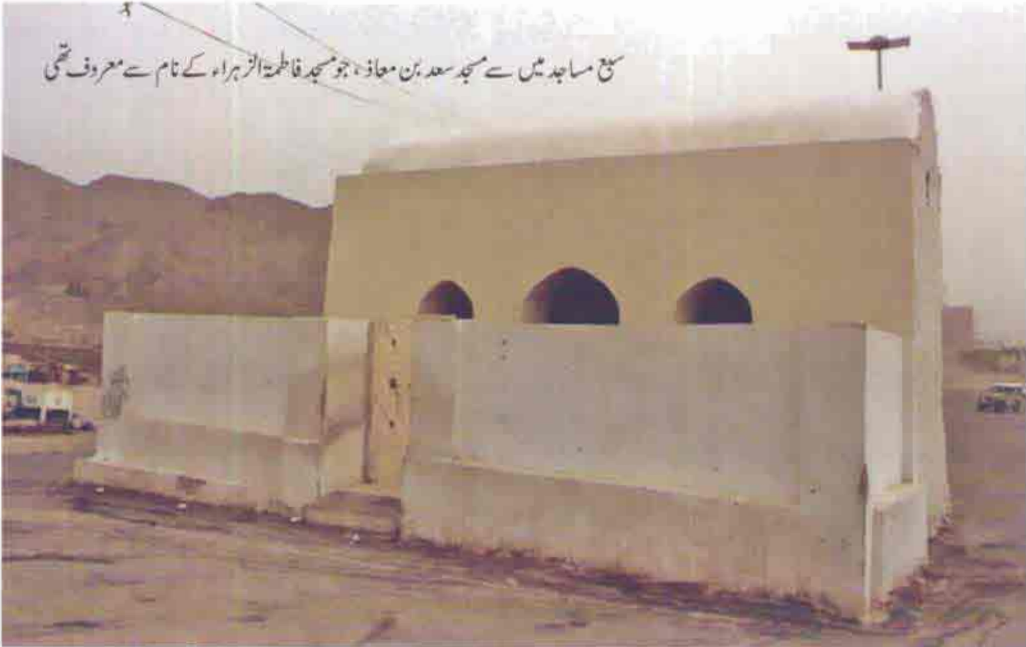
[1] صحيح البخاري: 4609. [2] السيرة لابن هشام: 615/2.

نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا: ''ہاں!'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی: بلاشبہ اے اللہ کے رسول! ہم آپ پر ایمان لائے، آپ کی تصدیق کی اور گواہی دی کہ جو پیغام آپ لے کر آئے ہیں، وہ برحق ہے۔ اسی طرح ہم نے اس پر سمع و طاعت کا عہد دیا ہے۔ اے اللہ کے رسول! آپ اپنی مرضی کے مطابق قدم بڑھایئے، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو برحق مبعوث فرمایا! اگر ہمارے راستے میں سمندر بھی آجائے تو ہم آپ کے ساتھ ہیں، ہم سمندر میں داخل ہونے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔ ہمارا ایک آدمی بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ ہم دشمن کے خلاف جنگ کو ناگوار نہیں سمجھتے۔ ہم تو جنگ میں صبر کرنے والے اور دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہنے والے ہیں۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ ہم سے ایسا کام لے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر و برکت کے ساتھ آگے بڑھیے۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی یہ گفتگو نبیِ کریم ﷺ کے لیے انتہائی خوش گوار تھی۔ اس سے آپ کے چہرہ مبارک پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«سِيرُوا وَأَبْشِرُوا فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ وَعَدَنِي إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ، وَاللّٰهِ! لَكَأَنِّي الْآنَ أَنْظُرُ إِلٰى مَصَارِعِ الْقَوْمِ»

''آگے بڑھو اور خوش ہو جاؤ، یقیناً اللہ تعالیٰ نے مجھ سے تجارتی قافلے یا جنگی گروہ دونوں میں سے ایک کا


سبع مساجد میں سے مسجد سعد بن معاذ، جو مسجد فاطمۃ الزہراء کے نام سے معروف تھی

وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ کی قسم! گویا کہ میں کفار کی قتل گاہیں دیکھ رہا ہوں۔‘‘ [1]

ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: شاید آپ کا خیال یہ ہے کہ انصار اپنا فرض صرف اس حد تک سمجھتے ہیں کہ وہ آپ کی مدد اپنے شہر تک محدود رہ کر ہی کریں گے، اس لیے میں انصار کی طرف سے ترجمانی کر رہا ہوں۔ عرض ہے کہ آپ جہاں چاہیں تشریف لے چلیں، جس سے چاہیں تعلق جوڑ لیں اور جس سے چاہیں توڑ لیں۔ ہمارے مال میں سے جو چاہیں لے لیں اور جو چاہیں چھوڑ دیں۔ جو آپ لے لیں گے، وہ ہمارے نزدیک اس سے زیادہ مسرت بخش ہوگا جسے آپ چھوڑ دیں گے۔ اس درپیش معاملے میں بھی آپ جو فیصلہ فرمائیں گے، ہمارا فیصلہ آپ ہی کے فیصلے کے تابع ہوگا۔ اللہ کی قسم! آپ اگر پیش قدمی کرتے ہوئے برک غماد تک جائیں گے تو ہم بھی آپ کے شانہ بشانہ چلیں گے اور اگر آپ ہمیں لے کر سمندر میں کودنا چاہیں تو ہم اس میں بھی کود پڑیں گے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’اللہ کے نام پر چلو، مجھے مشرکین کی قتل گاہیں دکھائی گئی ہیں۔‘‘ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بدر کا قصد فرمایا۔ [2]

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی یہ باتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ولولہ انگیز تھیں اور حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے بھی بڑی ہمت افزائی اور جوش کا باعث تھیں۔ ان الفاظ سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی روحانیت بلند ہوئی اور ان میں دشمن سے تصادم کا حوصلہ اور ولولہ پیدا ہوگیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جہاد کے میدانوں میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ طلب کرنا، مشورے کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ اور جنگیں قوموں کی منزل متعین کرتی ہیں، یا تو انھیں بلندیوں پر فائز کر دیتی ہیں یا پستیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل دیتی ہیں۔ [3]

اسلامی لشکر کا بقیہ سفر

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انصار و مہاجرین کی طرف سے مکمل اطمینان ہوگیا تو آپ وادی ذَفران کو چھوڑتے ہوئے آگے بڑھے اور چند پہاڑی موڑ عبور کرتے ہوئے جنھیں اصافر کہا جاتا ہے، الدبہ نامی جگہ پر اترے، پھر

[1] صحیح مسلم: 1779، السیرة لابن هشام: 615/2. صحیح مسلم کی یہ روایت مختصر ہے۔ اس میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بجائے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے لیکن تمام سیرت نگاروں نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ہی کا ذکر کیا ہے۔ [2] دلائل النبوة للبیهقي: 107/3. [3] غزوة بدر الکبرٰی لأبي فارس، ص: 37.



الحنان نامی پہاڑ نما تودے کو دائیں ہاتھ چھوڑ کر بدر کے قریب پڑاؤ ڈالا۔

بدر کا محل وقوع

دارالسلام انٹرنیشنل کے مینجنگ ڈائریکٹر مولانا عبدالمالک مجاہد ﷾ اپنے سفر نامے ''مقام بدر اور غزوۂ بدر'' میں لکھتے ہیں:

''بدر بڑا پرانا تجارتی شہر ہے۔ یہاں زمانۂ جاہلیت میں تجارتی قافلے آکر رکتے تھے۔ خرید وفروخت ہوتی تھی، شعراء اپنا کلام پڑھتے اور لوگوں سے داد سمیٹتے۔ قافلے چند دن یہاں گزارتے اور آگے چل دیتے تھے۔ یہاں پانی وافر تھا۔

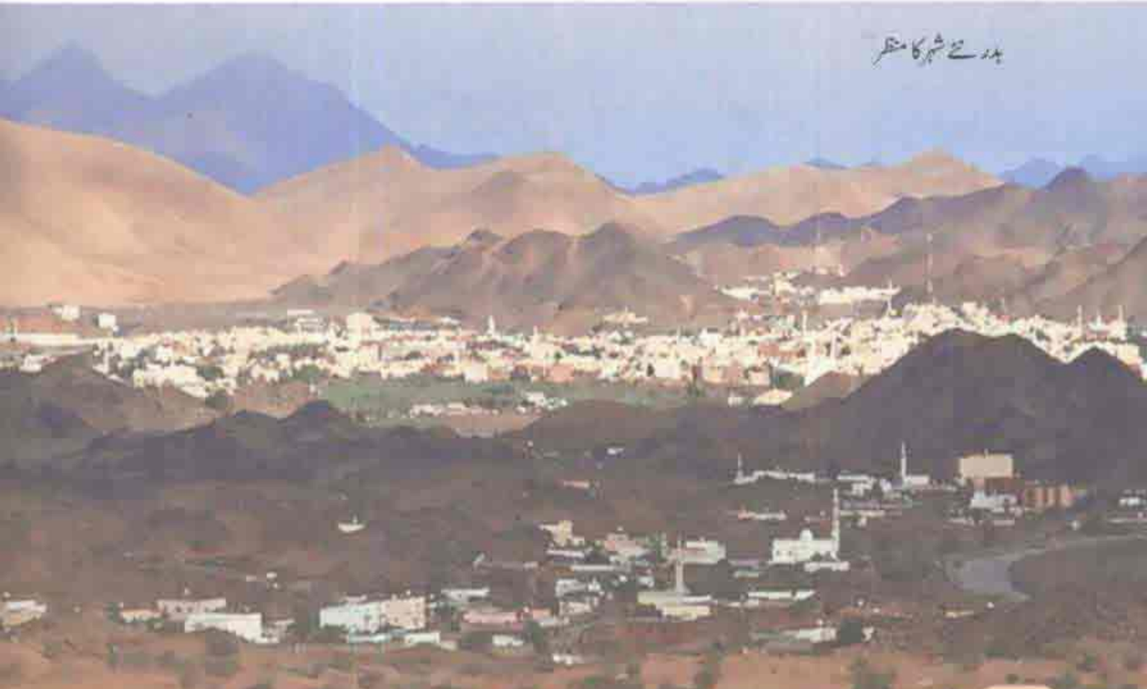
اس علاقے میں بنی غِفار صدیوں سے آباد تھے۔ اس قبیلے کی دور کی رشتہ داریاں قریش کے ساتھ بھی تھیں۔ اس لیے ان کی ہمدردیاں بھی قریش کے ساتھ تھیں۔ جنگ بدر کے موقع پر بنوغِفار نے انھیں دس اونٹ بطور ہدیہ ارسال کیے۔ ابوجہل نے ان کا یہ تحفہ قبول کیا بلکہ انھیں پیغام بھیجا کہ تم لوگوں نے صلہ رحمی کا حق ادا کر دیا ہے۔

بدر شہر کبھی بہت چھوٹا ہوتا تھا۔ محض سو سال پہلے یہاں شہر کے ارد گرد فصیل تھی۔ مغرب کے وقت شہر کا دروازہ بند ہو جاتا اور شہر پر ہو کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔ اگر ذرا سی تاخیر ہو جاتی تو قافلے کو شہر کے باہر ہی

رات گزارنی پڑتی۔ ماضی قریب میں تیس پینتیس سال پہلے تک یہاں پانی کا چشمہ موجود تھا جس سے دن کو مرد اور رات کو عورتیں پانی بھرتی تھیں۔ وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ اس شہر کے آثار و مظاہر نت نئی شکل اختیار کرتے گئے، خاص طور پر سعودی حکومت کے ترقیاتی منصوبوں کے نتیجے میں اس شہر نے بڑی ترقی کی۔ آج اس شہر میں ماضی کے دھندلے نشانات کے ساتھ ساتھ ارتقائی مناظر و مظاہر بھی پوری شان سے دکھائی دیتے ہیں۔ آج کل منطقہ بدر میں کم و بیش 76000 افراد بستے ہیں۔ صرف بدر شہر میں 120 مساجد ہیں۔ شہر کی آبادی 40 ہزار سے متجاوز ہے۔ بدر کے شمال میں کثیب الحنان نامی پہاڑی ٹیلہ واقع ہے۔ میدان بدر کی لمبائی تقریباً 8 کلومیٹر اور چوڑائی تقریباً 5 کلومیٹر ہے۔

بدر مدینے کے جنوب مغرب میں 155 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اسے ہر طرف سے بلند پہاڑوں نے گھیر رکھا ہے۔ آمد و رفت کے صرف تین راستے ہیں: ایک جنوب میں ہے جسے اَلْعُدْوَۃُ الْقُصْوٰی ''دور کا ناکہ'' کہا جاتا ہے، دوسرا شمال میں ہے جو اَلْعُدْوَۃُ الدُّنْیَا ''قریب کا ناکہ'' کہلاتا ہے۔ تیسرا، شمالی راستے کے قریب ہی مشرق میں ہے اور اس سے اہل مدینہ آتے جاتے ہیں۔

مکے سے شام آنے جانے والے قافلوں کا راستہ یہیں سے گزرتا تھا۔ اس میں کچھ مکانات، کنویں اور باغات بھی تھے۔ اسی لیے قافلے عموماً یہاں پڑاؤ ڈالتے تھے اور کئی گھنٹوں سے لے کر کئی دنوں تک یہاں



بدر نئے شہر کا منظر

قیام کرتے تھے، لہٰذا یہ بات بہت آسان تھی کہ یہاں قریش مکہ کا تجارتی قافلہ اترنے کے بعد مسلمان تینوں راستے بند کر دیں اور قافلہ اپنے آپ کو ان کے حوالے کرنے پر مجبور ہو جائے۔ لیکن اس تدبیر کا لازمی تقاضا یہ تھا کہ قافلے کو مسلمانوں کے نکلنے کا بالکل پتہ نہ چلتا اور وہ غفلت اور لاعلمی میں بدر کے میدان میں اتر پڑتے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے مدینے سے نکلتے وقت جو راستہ اختیار کیا، وہ بدر کے بجائے کہیں اور جاتا تھا، پھر آپ ﷺ نے بہت دھیمی رفتار سے بدر کی جانب پیش قدمی فرمائی۔'' [1]

بدر کی وجہ تسمیہ

بدر ایک مشہور بستی ہے۔ یہ بدر بن یَخْلُد (مخلد) بن نضر بن کنانہ کی طرف منسوب ہے جو یہاں قیام پذیر ہوا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ بدر بن حارث تھا جس نے یہاں کنواں کھدوایا تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ بدر ایک کنویں کا نام تھا جسے چودھویں کے چاند کی طرح گول ہونے کی وجہ سے بدر کہا جاتا تھا، یا اس وجہ سے کہ اس کا پانی اس قدر صاف شفاف تھا کہ اس میں بدر (چودھویں کا چاند) واضح نظر آتا تھا۔ [2]

رسول اللہ ﷺ خود جاسوسی کے لیے نکلے

نبی کریم ﷺ نے جب بدر کے قریب اپنے ساتھیوں کے ساتھ اُس جگہ پڑاؤ ڈالا جہاں قریب ہی مکی لشکر ڈیرے ڈالے پڑا تھا تو آپ نے اپنے یارِ غار سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لیا اور بیدار مغز سالاروں کے لیے شاندار مثال قائم کرتے ہوئے دشمن کی فوج کے حالات معلوم کرنے کے لیے بہ نفسِ نفیس جاسوسی کی کارروائی میں حصہ لیا تاکہ آپ کو ذاتی طور پر دشمن کی فوجی قوت اور اس کے نقل و حمل کا حقیقی علم ہو سکے اور ٹھیک ٹھیک معلوم ہو جائے کہ وہ کس جگہ پر ہیں۔

رسول اللہ ﷺ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکی لشکر کے آس پاس ٹوہ لگا رہے تھے کہ اچانک آپ کی ایک بوڑھے آدمی سے ملاقات ہوگئی۔ نبی ﷺ نے اس سے مشرکوں کے لشکر اور اسلامی لشکر دونوں کے بارے میں سوال کیا۔ اس نے جواب دیا: میں اس وقت تک تمھیں کچھ نہیں بتاؤں گا جب تک تم خود مجھے اپنے بارے میں نہ بتاؤ گے کہ تم کون ہو۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''پہلے ہمیں معلومات فراہم کرو، پھر ہم بھی تمھیں اپنے بارے میں بتا دیں گے۔'' اس نے کہا: گویا یہ تبادلہ ایک دوسرے کے عوض ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں۔'' وہ کہنے لگا: مجھے یہ خبر ملی ہے کہ محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھی فلاں دن مدینہ سے روانہ ہوئے تھے۔ اگر خبر دینے والے نے مجھ سے سچ بولا

[1] ماہنامہ ضیائے حدیث، اگست 2011ء۔ [2] المواهب اللدنية: 348/1، فتح الباري: 356/7.

ہے تو وہ لوگ آج فلاں مقام پر ہوں گے۔ اس بوڑھے آدمی نے بعینہٖ اس جگہ کی نشاندہی کر دی جہاں اسلامی لشکر خیمہ زن تھا۔

پھر اس نے مکی لشکر کے بارے میں بتایا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ قریشی لشکر فلاں دن مکہ سے روانہ ہوا اور اگر بتانے والے نے مجھے صحیح بتایا ہے تو وہ آج فلاں جگہ پر ہوں گے۔ یوں اس بڑھے نے ٹھیک اس جگہ کی نشاندہی کر دی جہاں مشرکین نے پڑاؤ ڈال رکھا تھا۔

اب بڑھے نے کہا: میں نے تمھاری ضرورت کے مطابق معلومات فراہم کر دی ہیں۔ اب تم بتاؤ کہ تم کون ہو؟ نبی ﷺ نے فرمایا: «نَحْنُ مِنْ مَّاءٍ» ''ہم پانی سے ہیں۔'' اتنی بات کہہ کر نبی ﷺ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ واپس چل دیے۔ بڑھا پوچھتا رہ گیا: پانی سے ہیں کیا مطلب؟ کیا عراق کے پانی سے ہیں؟

مدنی فوج کا ایک اور جاسوسی دستہ

اسی رات نبی ﷺ نے دشمن کے حالات کا مزید سُراغ لگانے کے لیے ایک اور جاسوسی دستہ روانہ فرمایا۔ اس کارروائی کے لیے مہاجرین میں سے علی بن ابی طالب، زبیر بن عوام اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم بدر کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں انھوں نے دو نوجوانوں کو دیکھا جو قریشی لشکر کے لیے پانی لینے آئے تھے۔ انھوں نے ان نوجوانوں کو گرفتار کر لیا اور نبی ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کیا۔ اس وقت نبی ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ان سے پوچھ گچھ کی۔ انھوں نے بتایا کہ ہم قریش کے سَقے (پانی بھرنے والے) ہیں۔ انھوں نے ہمیں پانی بھرنے کے لیے بھیجا ہے۔ صحابۂ کرام کو ان کے جواب کی صحت پر شک گزرا۔ ان کا خیال تھا کہ یہ ابوسفیان کے آدمی ہیں، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی پٹائی کی۔ آخر کار انھوں نے کہا: ہاں، ہم ابوسفیان کے آدمی ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے ہاتھ روک لیے۔ ادھر نبی ﷺ نماز سے فارغ ہوگئے۔ آپ ﷺ نے صحابہ پر ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ''جب یہ دونوں سچ بول رہے تھے تو تم نے انھیں مارا پیٹا، جب انھوں نے جھوٹ بولا تو تم نے انھیں چھوڑ دیا۔''

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ندامت ہوئی، پھر رسول اللہ ﷺ نے ان نوجوانوں سے پوچھا: ''مجھے قریش کے بارے میں خبر دو۔'' انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! وہ اس دور والے ٹیلے کے پیچھے ہیں۔ نبی ﷺ نے دریافت فرمایا: ''وہ کتنے لوگ ہیں؟'' انھوں نے کہا: وہ بہت زیادہ ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟'' انھوں نے جواب دیا: کبھی نو اور کبھی دس۔ یہ سُن کر آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان کی تعداد نو سو سے ہزار نفر تک ہے۔'' پھر آپ نے

پوچھا: ''ان میں قریش کے بڑے بڑے سردار کون کون سے ہیں؟'' انھوں نے بتایا: ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ، ابوجہل، امیہ بن خلف، ابوالبختری بن ہشام، حکیم بن حزام، نوفل بن خویلد، حارث بن عامر، طُعَیمہ بن عدی، نضر بن حارث، زمعہ بن اسود، حجاج کے دونوں بیٹے نُبَیہ اور منبہ، سہیل بن عمرو اور عمرو بن عبد وُدّ ۔ اب آپ ﷺ صحابۂ کرام ؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

«هٰذِهِ مَكَّةُ قَدْ أَلْقَتْ إِلَيْكُمْ أَفْلَاذَ كَبِدِهَا»

''یہ مکہ ہے، اس نے اپنے جگر کے ٹکڑے تمھارے سامنے ڈال دیے ہیں۔'' [1]

غزوات میں رسول اللہ ﷺ کا طریقۂ کار یہ ہوتا تھا کہ پہلے آپ دشمن کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرتے اور ان کے تمام مقاصد و اہداف جاننے کی کوشش کرتے تاکہ کوئی مناسب اور مربوط منصوبہ بندی کی جاسکے۔ غزوۂ بدر میں رسول اللہ ﷺ نے بلا واسطہ اور بالواسطہ دونوں طریقوں سے قریش کی حرکات و سکنات کا جائزہ لیا اور اپنی باتوں کو حد درجہ چھپائے رکھا۔ یہ ایک جنگی اصول ہے۔ قرآن کریم میں اس عسکری قانون کی اہمیت اجاگر کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۭ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝﴾

''اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی خبر آتی ہے تو اسے مشہور کر دیتے ہیں، حالانکہ اگر وہ اسے رسول اور اپنے میں سے کسی ذمہ دار حاکم کے حوالے کر دیتے تو ایسی باتوں کی تہ تک پہنچنے والے اس کی حقیقت جان لیتے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو چند ایک کے سوا تم ضرور شیطان کے پیچھے لگ جاتے۔'' [2]

رسول اللہ ﷺ نے عموماً تمام غزوات میں اپنی خبروں اور ارادوں کو چھپائے رکھا۔ حضرت کعب بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی غزوے کا ارادہ فرماتے تو جس طرف جانا ہوتا، اس کے سوا کسی اور طرف جانے کا اشارہ فرماتے تھے۔ [3]

غزوۂ بدر میں نبی ﷺ نے دشمن کی سرگرمیوں سے آگاہ ہونے اور اپنی خبروں کو صیغۂ راز میں رکھنے کے مندرجہ ذیل اقدامات کیے:

- بدر میں ملنے والے بوڑھے شخص سے اپنے لشکر اور قریشی لشکر کے بارے میں پوچھ گچھ۔

[1] السيرة لابن هشام: 617,616/2، الاكتفاء: 2/17-19. [2] النسآء 4:83. [3] صحيح البخاري: 2948,2947.

- بوڑھے آدمی کے اس سوال کے جواب میں کہ ''تم کون ہو؟'' آپ ﷺ کا فرمانا: ''ہم پانی سے ہیں۔'' یہ توریہ تھا اور یہی جواب موقع کے مطابق تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح دشمن سے تو اپنے حالات مخفی رکھے لیکن دشمن کے بارے میں مطلوبہ معلومات حاصل کر لیں۔

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے فرامین سے جنگ میں ''توریہ'' کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ اسے استحباب پر محمول کیا جائے گا۔ امام اپنے لشکروں کی پیش قدمی کی اطلاع اور منزلِ مقصود کی نشاندہی نہ کرے تاکہ یہ خبر عام نہ ہو اور خبر پا کر دشمن متنبہ نہ ہو جائیں۔ [1]

- اونٹوں کی گردنوں سے گھنٹیاں اتارنے کا حکم۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ نے بدر کے دن اونٹوں کی گردنوں سے گھنٹیاں اتارنے کا حکم جاری فرمایا تھا۔ [2]

- قریشی غلاموں سے لشکر کی تعداد اور سامانِ رسد کے بارے میں معلومات لینا۔ سیرت طیبہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں سری اور جہری دعوت کا دور ہو یا مدینہ میں اسلامی ریاست کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد کا دور، ہر جگہ حفاظتی اقدامات کا خاص اہتمام کیا گیا جو وقت کے ساتھ ساتھ، خصوصاً غزوات میں ترقی کرتا چلا گیا۔

قریش اور مسلمانوں کے پڑاؤ

قریش بڑے فخر اور تکبر سے بدر کے قریب عَقَنْقَلْ نامی ٹیلے کے پیچھے آ ٹھہرے۔ ان کا پڑاؤ وادی یلیل (بدر) کے اُدھر والے کنارے (اَلْعُدْوَةُ الْقُصْوٰی) پر تھا۔ اس جگہ زمین سخت تھی اور چلنا پھرنا آسان تھا لیکن اس جگہ

[1] شرح النووي على صحيح مسلم: 68/13. [2] مسند أحمد: 150/6، صحيح ابن حبان: 554/10.



لشکر کفار کے پڑاؤ کی جگہ (وادی یلیل)

پانی کی فراوانی نہیں تھی کیونکہ کنویں وادی یلیل کے دوسرے کنارے (اَلْعُدْوَةُ الدُّنْيَا) سے مدینہ منورہ کی طرف واقع تھے۔ دوسری طرف رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشاورت کے بعد لشکر کو بدر کی جانب سفر کا حکم دیا۔ اسلامی فوج نے بدر کے قریب ایک چشمے پر پڑاؤ ڈالا۔ اس جگہ زمین بہت نرم تھی۔ چلنا پھرنا بھی دشوار تھا۔

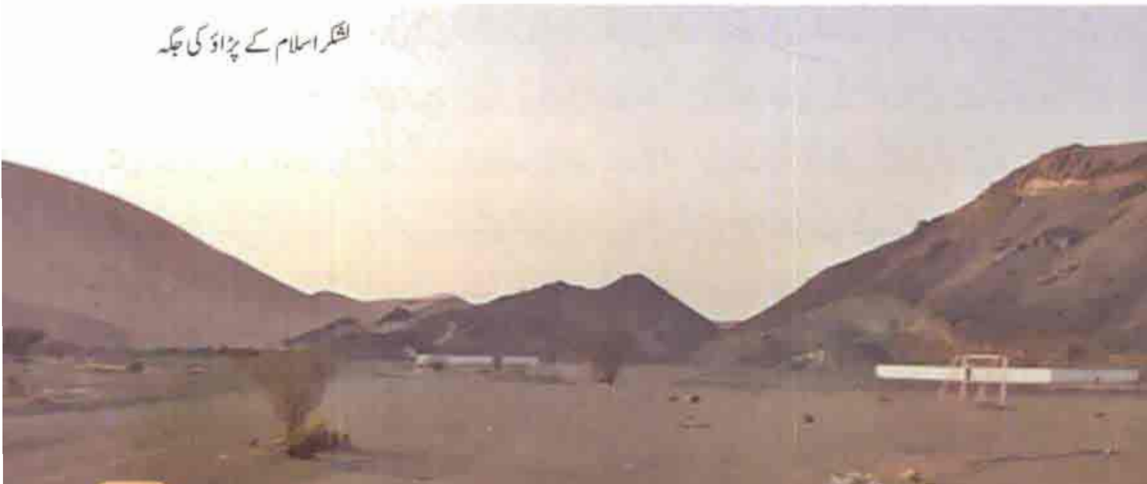
مسلمانوں اور مشرکوں کے ٹھکانوں کا ذکر قرآن میں

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ۚ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ ﴾ (الأنفال 42:8)

”جب تم (میدانِ بدر کے) قریب والے ناکے پر تھے اور وہ (کافر) دور والے ناکے پر تھے اور (قریش کا تجارتی) قافلہ تم سے بہت نیچے (بحیرۂ قلزم کے ساحل کی طرف) تھا۔ اور اگر تم (دونوں فریق جنگ کے لیے) آپس میں وعدہ کرتے تو مقررہ وقت پر ضرور اختلاف کرتے اور لیکن (ہوا یہ کہ دونوں گروہ آمنے سامنے آگئے) تاکہ اللہ اس کام کو پورا کر دے جو ہونے والا تھا تاکہ جو ہلاک ہو، وہ حجت (قائم ہونے) سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے، وہ دلیل سے حق پہچان کر زندہ رہے اور بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔“ [1]

[1] السيرة لابن هشام: 620,619/2، البداية والنهاية: 266,265/3.



لشکرِ اسلام کے پڑاؤ کی جگہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو اپنی نعمت یاد دلائی اور فرمایا: ﴿إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا﴾ یعنی اے اہلِ ایمان! وہ وقت یاد کرو جب تم مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور سفر طے کرتے ہوئے وادیِ بدر کے مدینہ منورہ سے قریب والے کنارے پر پہنچے جبکہ کفار دور والے کنارے پر تھے (اسے دور والا کنارہ اس لیے کہا گیا کہ یہ مدینہ کی نسبت دور تھا) اور ابوسفیان کا قافلۂ تجارت تم سے خاصے فاصلے پر بحیرۂ قلزم کے ساحل کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا۔ (بدر کا ساحلِ قلزم سے فاصلہ تیس پینتیس کلومیٹر ہے۔)


بحیرۂ قلزم کا ساحل، جہاں سے ابوسفیان کا تجارتی قافلہ گزرا

علاوہ ازیں اس آیت میں غزوۂ بدر کے مقاصد کی نشاندہی بھی کی گئی ہے اور ان مقاصد کو حاصل کرنے والی تدبیر کا تذکرہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا﴾ ''تاکہ اللہ اس کام کو پورا کردے جو ہونے والا تھا۔'' یعنی اپنے دین کو سربلندی سے نوازے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ساتھ دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ طیبہ سے قافلۂ تجارت کی جستجو میں نکلے تو قریش کو مسلمانوں کے اس اقدام نے مضطرب کر دیا جس کے نتیجے میں وہ مکہ سے قافلے کی حفاظت کے لیے نکلے، پھر اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب فراہم کر دیے کہ مسلمان وادی کے ایک کنارے اور کفار دوسرے کنارے پر خیمہ زن ہوئے اور وہ قافلہ ان سے ہٹ کر نکل گیا تھا جس کی حفاظت کے لیے وہ آئے تھے۔ ان حالات میں معرکۂ بدر پیش آگیا۔[1]

[1] تفسیر الکشاف، الأنفال 42:8.

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا﴾

''اور اگر تم (دونوں فریق، جنگ کے لیے) آپس میں وعدہ کرتے تو مقررہ وقت پر (پہنچنے میں) ضرور اختلاف کرتے، اور لیکن (ہوا یہ کہ دونوں گروہ آمنے سامنے آگئے) تاکہ اللہ اس کام کو پورا کردے جو ہونے والا تھا۔''[1]

اس آیت میں ذاتِ باری کی تدبیر اور اس کے لامحالہ نافذ ہونے والے ارادے کا بیان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم اور کفار پہلے سے جنگ کے لیے کوئی وقت اور جگہ متعین کرنا چاہتے تو متفق نہ ہو پاتے کیونکہ تم اپنی قلتِ تعداد اور جنگی ساز و سامان کی نایابی اور ساری توجہ تجارتی قافلے کی طرف مبذول کرنے کی وجہ سے جنگ کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔

اسی طرح قریش کے اکثر افراد کا ارادہ بھی بغیر جنگ کے محض قافلے کی حفاظت تھا کیونکہ وہ درحقیقت رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے سے گریز کرتے تھے۔ انھیں یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی ضرور مدد فرمائے گا۔ وہ تو صرف تکبر اور سرکشی کی وجہ سے نبوت کے منکر تھے۔

ان کا تصادم بنا کسی پیشگی چیلنج یا بغیر کسی لڑائی کے ارادے کی حالت میں ہوا تاکہ اللہ تعالیٰ اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچادے جو اس کے علم اور حکمت کے مطابق لامحالہ ہونے والا تھا اور یہ کام کفار کی رسوائی، مسلمانوں کی مدد، اسلام کے غلبہ اور اللہ کے رسول سے کیے ہوئے وعدے کا ایفا تھا۔[2]

علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ﴾ کا مطلب یہ ہوگا: جو مرے اور اپنی جان دے تو کسی ایسی حجت سے مرے جسے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے اور جو زندہ رہے، وہ بھی بصیرت پر زندہ رہے اور اسے یقین ہو کہ کثرتِ تعداد ہی کامیابی کا راز نہیں۔ معرکۂ بدر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نُصرتِ حق کی بڑی روشن دلیل بن گیا۔[3]

سیدنا حُباب بن منذر رضی اللہ عنہ کی دور اندیشی

رسول اللہ ﷺ لشکرِ اسلام کے ساتھ بدر کے قریب ایک چشمے کے پاس اترے تو سیدنا حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے ایک ماہر فوجی کی حیثیت سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ اس مقام پر اللہ کے حکم سے ٹھہرے ہیں کہ

[1] الأنفال 42:8. [2] السيرة النبوية للصلابي :695/1، نیز دیکھیے: تفسير الطبري، الأنفال 42:8. [3] تفسير روح المعاني، الأنفال 42:8.

ہمارے لیے اب اس سے آگے پیچھے ہونے کی کوئی گنجائش نہیں یا آپ نے محض جنگی حکمت عملی اختیار فرمائی ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: «بَلْ هُوَ الرَّأْيُ وَالْحَرْبُ وَالْمَكِيدَةُ» ''بلکہ یہ جگہ محض میری رائے اور جنگی نقطۂ نظر سے اختیار کی گئی ہے۔'' حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! پھر یہ جگہ مناسب نہیں، آپ مزید کچھ آگے تشریف لے جائیں اور جو چشمہ قریش کی جانب بالکل قریب ہے، وہاں فروکش ہوں، پھر ہم باقی تمام چشمے پاٹ دیں گے اور اپنے والے چشمے پر حوض بنا لیں گے اور پانی سے بھر لیں گے۔ جب ہماری دشمن سے ٹکر ہوگی تو ہم ایسی پوزیشن میں ہوں گے کہ جب ہمیں پیاس لگے گی، ہم سیر ہو کر پانی پئیں گے اور دشمن کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نصیب نہیں ہوگا۔ اس طرح ہم دشمن سے مصروفِ جہاد رہیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے مابین کوئی فیصلہ فرما دے۔

رسول اکرم ﷺ نے سیدنا حباب رضی اللہ عنہ کا مشورہ قبول فرما لیا۔ آپ ﷺ پورے لشکر کو لے کر آگے بڑھے اور دشمن کے قریب ترین چشمے پر پڑاؤ ڈالا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے وہاں حوض بنایا اور باقی چشموں کو بند کر دیا۔[1]

ایک روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میدان بدر کے قریب اترے۔ جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے دائیں جانب تھے۔ اچانک ایک فرشتہ آیا اور اس نے کہا: اے محمد! اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «هُوَ السَّلَامُ وَمِنْهُ السَّلَامُ وَإِلَيْهِ السَّلَامُ» ''وہ سراسر سلامتی ہے اور اسی کی طرف سے سلامتی ہے اور ساری سلامتی اس کی طرف منسوب ہے۔'' فرشتے نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے یہ حکم بھیجا ہے کہ آپ کے لیے حباب بن منذر کی رائے درست ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: جبریل! تم اسے پہچانتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا: میں تمام اہل آسمان کو نہیں جانتا، البتہ یہ سچ کہہ رہا ہے اور یہ شیطان نہیں۔ رسول اللہ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ وہاں سے اٹھے اور لشکر قریش کے قریب ترین چشمے پر جا ٹھہرے اور بقیہ تمام کنویں پاٹ دیے گئے۔ جس کنویں پر اسلامی لشکر نے پڑاؤ ڈالا وہاں انھوں نے حوض بنایا جو پانی سے بھر دیا گیا۔[2]

حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کا مشورہ اور نبیِ کریم ﷺ کا اسے قبول کرنا، آپ ﷺ کی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ گہری محبت، اخلاص اور بہترین تعلقات کی عمدہ مثال ہے۔ حالات چاہے کیسے ہی ہوں، اسلامی معاشرے کے ہر فرد کو اظہار رائے کا پورا حق حاصل ہے۔ عہدِ نبوی میں رائے کا اظہار کرنے والے کو اپنے سالارِ اعلیٰ کی ناراضی کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔ ہر کوئی بے روک ٹوک پوری بے باکی سے اپنے خیالات کا اظہار کرتا تھا۔ کسی کے دل میں یہ وسوسہ

[1] السيرة لابن هشام: 620/2، دلائل النبوة للبيهقي: 35/3. [2] البداية والنهاية: 267/3.

تک نہیں گزرتا تھا کہ میں اپنے مکرم سربراہ کی رائے کے خلاف مشورہ دوں گا تو وہ مجھ سے ناراض ہو کر میرے خلاف منفی اقدامات کرے گا، میرا مرتبہ گھٹا دے گا یا میری جان اور مال کو کوئی نقصان پہنچائے گا۔ جیسے آج کل کے اکثر سربراہانِ حکومت اپنے موقف کے برعکس آواز بلند کرنے والے کو طرح طرح سے رسوا کرتے اور اس کی زندگی اجیرن کر دیتے ہیں۔ مدینہ منورہ کی اسلامی سوسائٹی ایسی گراوٹ سے پاک تھی۔

نبیِ کریم ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو نہ صرف اظہار خیال کی مکمل آزادی مرحمت فرمائی بلکہ بے لاگ رائے دینے کی تربیت بھی فرمائی۔ اسی تربیت کے سبب معاشرے کے معقول رائے رکھنے والے باشعور افراد کی ذہانت و فطانت سے استفادہ ممکن ہوا اور ثابت ہوا کہ سالارِ اعلیٰ شورائی نظام کی بدولت عظیم کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ قائد کو چاہیے کہ وہ صرف اپنی یا کسی ایسے خاص فرد یا طبقے کی طرف سے پیش کردہ رائے پر نہ چلے جس کے اپنے مفادات اور ذہنی تحفظات ہوں۔ قائد تو اپنے تمام سپاہیوں اور کارکنوں کی رائے کا احترام کرنے والا ہوتا ہے، چاہے مشورہ دینے والا گمنام آدمی کیوں نہ ہو۔[1]

حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کے اس مشورے سے ہم ان کی شخصیت پر نبوی تربیت کا گہرا اثر بھی محسوس کر سکتے ہیں۔ انھوں نے انتہائی شائستہ اسلوب سے بات کی۔ ان سے مشورہ مانگا نہیں گیا تھا بلکہ وہ طلب کیے بغیر ہی مشورہ دینے کے لیے خود آگے بڑھے تھے۔ اظہار رائے سے پہلے انھوں نے ایک شاندار سوال کیا: ''اے اللہ کے رسول! کیا اس مقام پر ٹھہرنے کا حکم اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے کہ ہم اس سے آگے یا پیچھے نہیں سرک سکتے یا یہ صرف آپ کی اپنی جنگی تدبیر اور مصلحت کا فیصلہ ہے؟''

ایسا سوال سیدنا حباب رضی اللہ عنہ کی اعلیٰ قیادت کے حفظ مراتب سے آگہی کا پتہ دیتا ہے کہ اپنے عظیم قائد کے سامنے گفتگو کب کرنی چاہیے اور کتنی کرنی چاہیے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اگر یہ مقام بذریعۂ وحی منتخب ہوا ہے تب تو زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکالا جائے لیکن اگر یہ جنگی حکمت عملی ہے تو اس کے بجائے جنگی نقطۂ نظر سے ان کے پاس اس سے زیادہ مناسب لائحہ عمل موجود ہے۔

بلاشبہ اس بلند پایہ مشورے نے اظہار رائے کے لیے نئے اور اعلیٰ اصول متعارف کرائے اور نبی ﷺ کی سمع و طاعت، آپ سے گفتگو اور آپ کی رائے کے برعکس رائے کی حدود کو متعین کیا۔ نبی ﷺ نے اس رائے کو پوری توجہ سے سنا اور اپنے اس عظیم عسکری ساتھی کی پیش کردہ تجویز کو فوراً عملی شکل دے دی۔[2]

[1] التاريخ الإسلامي للحميدي: 110/4. [2] التربية القيادية للغضبان: 21/3.

بارانِ رحمت کا نزول

اسلامی لشکر جب بدر میں اترا تو وہاں کی نرم اور بُھر بُھری زمین کی وجہ سے چلنا پھرنا مشکل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی رات بارش نازل فرمائی جو مشرکین کی پیش قدمی میں رکاوٹ بن گئی لیکن مسلمانوں پر یہ بارش رحمتِ ربانی بن کر نازل ہوئی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم خوب نہائے۔ میل اور گرد و غبار سے پاک ہو گئے۔ شیطان کی گندگی (وسوسوں کی بزدلی) دور ہوئی اور زمین ہموار ہو گئی۔ بارش کی وجہ سے ریت جم گئی اور زمین چلنے پھرنے کے قابل ہو گئی۔ قیام خوشگوار ہو گیا اور دل مضبوط ہو گئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ﴾ (الأنفال 11:8)

''اور اللہ آسمان سے تم پر بارش برسا رہا تھا تاکہ اس کے ذریعے سے تمھیں پاک کر دے، تم سے شیطانی وسوسوں کو دور کر دے، تمھارے دلوں کو مضبوط کر دے اور تمھیں ثابت قدم رکھے۔''[1]

امام مجاہد رحمہ اللہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اونگھ سے پہلے بارش نازل کی جس سے گرد و غبار کے بادل چھٹ گئے، زمین سخت ہو گئی، مومنوں کے دل خوشی سے جھوم اٹھے اور انھیں ثابت قدمی نصیب ہوئی۔[2]

چھپر کی تعمیر

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے چشمے پر پڑاؤ ڈالا تو سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ تجویز پیش کی کہ کیوں نہ مسلمان نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک مرکز قیادت تعمیر کر دیں تاکہ اگر خدانخواستہ فتح کے بجائے شکست کا سامنا کرنا پڑے یا کوئی اور ہنگامی صورت حال پیش آ جائے تو ہم پہلے ہی سے اس کے لیے مستعد رہیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی گزند نہ پہنچنے پائے، چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے درخواست کی:

''اللہ کے نبی! کیوں نہ ہم آپ کے لیے ایک چھپر تعمیر کر دیں جس میں آپ تشریف رکھیں۔ ہم آپ کے پاس آپ کی سواریاں بھی تیار رکھیں گے۔ اس کے بعد دشمن سے ٹکر لیں گے۔ اگر اللہ نے ہمیں عزت بخشی اور فتح سے نوازا تو یہ وہ چیز ہے جسے ہم پسند کرتے ہیں اور اگر دوسری صورت پیش آ گئی تو آپ فوراً سوار ہو کر ہماری قوم کے ان لوگوں کے پاس تشریف لے جائیں جو پیچھے رہ گئے ہیں۔ اے اللہ کے نبی! درحقیقت

[1] السیرة لابن ہشام: 620/2 [illegible]

آپ کے پیچھے ایسے لوگ رہ گئے ہیں جو ہم سے بھی زیادہ آپ کی محبت سے سرشار ہیں۔ اگر انھیں یہ اندازہ ہوتا کہ آپ جنگ سے دوچار ہوں گے تو وہ ہرگز پیچھے نہ رہتے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے آپ کی حفاظت فرمائے گا۔ وہ آپ کے خیر خواہ ہوں گے اور آپ کے شانہ بشانہ جہاد کریں گے۔''

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف فرمائی اور ان کے لیے دعائے خیر کی، پھر مسلمانوں نے میدانِ جنگ کے شمال میں ایک اونچے ٹیلے پر چھپر بنایا جہاں سے پورا میدان جنگ دکھائی دیتا تھا۔ یہی چھپر مرکزی کمان کا ہیڈکوارٹر تھا۔ اس کی حفاظت کے لیے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی کمان میں ایک حفاظتی دستہ تعینات کر دیا گیا۔[1]

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا تجویز دینا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسے قبول فرما لینا دراصل جنگی سٹریٹجی کی اہمیت کا ایک نہایت اہم سبق ہے۔ یہ واقعہ ہمیں بتاتا ہے کہ سالارِ اعلیٰ کے لیے ایک ایسا مرکز ہونا چاہیے جہاں سے وہ پورے میدان جنگ کا مشاہدہ کر سکے۔ مرکز قیادت کے لیے مؤثر پہرے کا انتظام بھی ہونا چاہیے تاکہ وہ محفوظ رہ سکے، نیز سالارِ اعلیٰ کی جان کی فکر کرنا اور ہر ممکنہ خطرے سے اسے تحفظ فراہم کرنا بے حد ضروری ہے۔ جیسا کہ جنگِ قادسیہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینے میں اپنا قائم مقام مقرر کر کے خود سالارِ اعلیٰ کی حیثیت سے کوچ کا عزم کیا۔ چشمۂ ضرار پر پہنچے تو حضرت عثمان اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کا اصرار آڑے آ گیا۔ ان کا مشورہ تھا کہ

[1] السيرة لابن هشام: 621,620/2، الاكتفاء: 21/2.



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تیار کردہ چھپر کی جگہ ''مسجد العریش''

خلیفۂ وقت کا خود مدینہ سے تشریف لے جانا خطرے سے خالی نہیں کیونکہ اگر کسی دوسرے سالار کو شکست ہوئی تو خلیفہ اس کا فوری تدارک کر سکتے ہیں لیکن اگر خلیفہ کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تو مسلمانوں کے کام سنبھالنا دشوار ہو جائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ سے بلایا گیا تو ان کی رائے بھی اکابر صحابہ کے موافق تھی، لہٰذا وقت کی نزاکت کے پیشِ نظر خلیفۃ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ واپس آ گئے۔ علاوہ ازیں سالارِ اعلیٰ کے لیے ایک جداگانہ احتیاطی عسکری قوت ہونی چاہیے تاکہ اگر جنگ میں نقصان ہو تو قیادت کی نگرانی میں اس نقصان کی تلافی کی جا سکے۔

مکی لشکر میدانِ کارزار کی طرف

صبح کے وقت قریش کا لشکر عَقَنْقَل نامی ٹیلے کے پیچھے سے میدانِ کارزار کی طرف آیا۔ ان لوگوں کے سینے اسلام، پیغمبرِ اسلام اور فرزندانِ اسلام کے لیے غیظ و غضب سے بھرے ہوئے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے جب دیکھا کہ قریش کا لشکر کیل کانٹے سے لیس بڑی آن بان سے وادی بدر کی طرف آ رہا ہے تو آپ نے معاً دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! هٰذِهٖ قُرَيْشٌ قَدْ أَقْبَلَتْ بِخُيَلَائِهَا وَفَخْرِهَا تُحَادُّكَ وَتُكَذِّبُ رَسُولَكَ، اَللّٰهُمَّ! فَنَصْرَكَ الَّذِي وَعَدْتَنِي، اَللّٰهُمَّ! أَحِنْهُمُ الْغَدَاةَ»

''اے اللہ! یہ قریش کا لشکر ہے جو بڑے فخر اور تکبر سے چلا آ رہا ہے۔ یہ تیرے ساتھ جنگ کرتے اور تیرے رسول کو جھٹلا رہے ہیں۔ اے اللہ! اپنی وہ مدد بھیج جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔ اے اللہ! کل انھیں ہلاک کر دے۔'' [1]

قریشی جاسوس

قریش نے اسلامی قوت کا اندازہ لگانے کے لیے عمیر بن وہب جمحی کو روانہ کیا۔ عمیر نے گھوڑے پر سوار ہو کر لشکر گاہ کے پاس چکر لگایا، پھر واپس جا کر اطلاع دی کہ اسلامی لشکر میں تین سو سے کچھ زیادہ یا کم افراد ہیں۔ لیکن میں پھر بھی یہ دیکھنے جا رہا ہوں کہ ان کی کوئی کمین گاہ یا کمک تو نہیں جو جھڑپ کے وقت ان کی مدد کرے؟...... یہ کہہ کر وہ وادی میں گھوڑا دوڑاتا ہوا دور نکل گیا لیکن اسے کچھ دکھائی نہ دیا، چنانچہ اس نے واپس آ کر بتایا: مجھے کچھ نظر نہیں آیا۔

یثربی اونٹ اور موت کی بلائیں

عمیر نے ایک ماہر فوجی کی طرح مکہ کے لیڈروں کو صحیح مشورہ دیا۔ انھیں خبردار کرتے ہوئے فرزندانِ اسلام کے

[1] السیرۃ لابن ہشام: 621/2، زاد المعاد: 176/3.

اوصاف و مکارم بیان کیے، پھر انھیں انتباہ کرتے ہوئے کہنے لگا:

''اے قریش کے لوگو! سُن لو! میں نے وہ بلائیں دیکھی ہیں جو موت کی نشاندہی کرتی ہیں۔ یثربی اونٹ اپنے اوپر یقینی اور دائمی موت لادے ہوئے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کا ملجا و ماویٰ اور مکمل دفاع خود انھی کی تلواریں ہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ ان کا کوئی آدمی تمھارے آدمی کو قتل کیے بغیر نہیں مرے گا۔ اگر انھوں نے تمھارے چیدہ چیدہ سرداروں کو مار گرایا تو بھلا ان کے بعد ہمارا زندہ رہنا کس کام کا؟ اُن کے بعد جینے کا مزہ ہی نہیں رہے گا، اس لیے ذرا اچھی طرح سوچ بچار کر لو۔''

اسلامی لشکر کی ترتیب اور شب گزاری

رسول اللہ ﷺ کے لیے جب مرکز قیادت بن گیا تو آپ ﷺ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ چھپر میں تشریف لے گئے۔ بعدازاں آپ باہر تشریف لائے۔ لشکر کی ترتیب فرمائی، پھر میدان جنگ کی طرف تشریف لے گئے۔ اس موقع پر آپ ﷺ اپنے دستِ مبارک سے اشارہ فرماتے جاتے تھے کہ یہ جگہ کل فلاں کی قتل گاہ ہے، ان شاء اللہ! اور یہ کل فلاں کا مقتل ہے، ان شاء اللہ!

رسول اللہ ﷺ اسلامی فوج کا مورال بلند کر رہے تھے، ان کی ذہن سازی کر رہے تھے اور ان کے جوش و خروش میں اضافہ کرنے کے لیے مشرکین کے سرداروں کے مارے جانے کی پیشگی خوشخبری سنا رہے تھے۔ مزید اطمینان کے لیے ان کی قتل گاہوں کی نشاندہی بھی فرما رہے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر سے ایک رات پہلے ہمارے سامنے اہل بدر کی قتل گاہوں کی نشاندہی فرمائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ غَدًا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ»

''ان شاء اللہ، کل یہ جگہ فلاں شخص کی اور یہ فلاں آدمی کی قتل گاہ ہوگی۔''

عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر مبعوث فرمایا! نبیِ کریم ﷺ نے ان کی قتل گاہوں کی جو نشاندہی فرمائی تھی، اس سے کوئی بھی آگے یا پیچھے نہیں مرا۔ سب کے سب ٹھیک اُسی جگہ مارے گئے جو رسول اللہ ﷺ نے پیشگی بتا دی تھی۔[1]

مشرکین کے مقتل کی نشاندہی کے بعد آپ ﷺ نے وہیں ایک درخت کی جڑ کے پاس رات گزاری۔ مسلمانوں

1 صحيح مسلم: 2873.

نے بھی سکون و اطمینان کے ساتھ رات گزاری۔ ان کے دل توکل علی اللہ سے سرشار تھے۔ انھوں نے راحت و سکون سے اپنا کام کیا۔ انھیں کامل یقین تھا کہ صبح اپنی آنکھوں سے رب کی بشارتیں دیکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے لڑائی سے پہلے مسلمانوں پر اونگھ طاری کر دی اور بارش نازل فرما دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ۝﴾ (الأنفال 11:8)

”(یاد کرو) جب اللہ تم پر اپنی طرف سے امن و بے خوفی کے طور پر اونگھ طاری کر رہا تھا اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تاکہ تمھیں اس کے ذریعے سے پاک کر دے، تم سے شیطان کی گندگی دور کر دے، تمھارے دل مضبوط بنا دے اور تمھارے قدم جما دے۔“

یہ جمعہ 17 رمضان المبارک سن 2 ھ کی رات تھی۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ معرکۂ بدر سے پہلے رات کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر اونگھ طاری ہو گئی۔ ہر چند جنگ کے بادل منڈلا رہے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر اونگھ طاری کر کے ان کے دلوں کو تقویت بخشی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ بدر کی رات ہم سب سوئے ہوئے تھے۔ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم جاگ رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے نہایت گریہ وزاری کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔ اسی حالت میں صبح ہو گئی۔ اس رات اونگھ طاری ہونے کا فائدہ یہ ہوا کہ اگلی صبح پیش آنے والے معرکے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خوب تازہ دم ہو گئے۔ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کی رات خواب میں مشرکین کو کم مقدار میں دیکھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ خواب سنایا تو سب نے اسے نیک شگون خیال کیا۔ امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو خواب میں کافروں کی تعداد تھوڑی کر کے دکھائی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ خواب سنایا تو اس سے انھیں حوصلہ اور ثابت قدمی نصیب ہو گئی۔ [2]

اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝﴾

[1] تفسير القرطبي، الأنفال 11:8. [2] تفسير ابن أبي حاتم، تفسير عبدالرزاق، الأنفال 43:8.

''(اے نبی! یاد کریں) جب اللہ نے آپ کو خواب میں ان کی تعداد کم دکھائی اور اگر وہ آپ کو ان کی تعداد زیادہ دکھاتا تو تم ضرور ہمت ہار بیٹھتے اور اس معاملے میں آپس میں اختلاف کرتے لیکن اللہ نے (تمھیں) بچا لیا۔ بے شک وہ سینوں کے بھید خوب جانتا ہے۔'' [1]

امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ کے رسول ﷺ مشرکین کو خواب میں کثیر تعداد میں دیکھتے تو یہ بات سن کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم گھبرا جاتے، ہمت ہار بیٹھتے اور سستی دکھاتے اور یہ بحث شروع ہو جاتی کہ لڑائی ہونی چاہیے یا نہیں۔ [2]

جب رسول اللہ ﷺ نے اپنا خواب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو سنایا تو یہ خواب بلاشبہ ان کے لیے ثابت قدمی، بہادری اور دشمن کے خلاف جرأت مندی کا سبب بنا۔ جب لڑائی کا وقت آیا تو دونوں ہی گروہوں نے ایک دوسرے کو قلیل تعداد میں دیکھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَ اِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْۤ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّ يُقَلِّلُكُمْ فِيْۤ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ۠﴾

''اور (اے مسلمانو یاد کرو!) جب تم (کافروں کے) آمنے سامنے ہوئے تو اللہ نے انھیں تمھاری نظروں میں تھوڑا دکھایا اور ان کی نظروں میں تمھیں کم دکھایا تاکہ اللہ وہ کام پورا کر دے جو ہونے والا تھا اور سب کام اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔'' [3]

اہلِ ایمان کو جنگ کے وقت کفار کی تعداد کم نظر آئی جس سے ایک طرف تو نبی ﷺ کا خواب حقیقت بن کر سامنے آیا۔ دوسری طرف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو یقینِ محکم حاصل ہوا اور انھوں نے جاں نثاری سے قدم آگے بڑھائے اور ثابت قدم رہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن کافر ہمیں اتنی تھوڑی تعداد میں نظر آئے کہ اپنے ساتھ کھڑے آدمی سے میں پوچھ رہا تھا کیا کافروں کی تعداد ستر ہوگی؟ اس نے کہا: نہیں، ایک سو کی تعداد میں ہوں گے حتی کہ ہم نے ان میں سے ایک آدمی کو پکڑ کر پوچھا: بتاؤ تمھاری تعداد کتنی ہے؟ اس نے بتایا کہ ہماری تعداد ایک ہزار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَّ يُقَلِّلُكُمْ فِيْۤ اَعْيُنِهِمْ﴾ (الأنفال 44:8)

''اور وہ تمھیں ان کی نظروں میں تھوڑا دکھاتا تھا۔''

[1] الأنفال 43:8. [2] المستفاد من قصص القرآن لعبد الكريم زيدان: 125/2. [3] الأنفال 44:8.

اسی لیے کفار میں سے ایک نے کہا تھا کہ یہ مسلمان تو بس ایک اونٹنی کا نوالہ ہیں۔

اہل ایمان کے لیے مشرکین کی تعداد کم ظاہر کرنے میں حکمت اور نکتے کی بات یہ تھی کہ مسلمان مستعد ہو جائیں اور ثابت قدم رہیں اور ایسا ہی ہوا کہ مسلمانوں کے دلوں سے مشرکین کا خوف جاتا رہا اور وہ ان کے خلاف لڑائی پر آمادہ ہو گئے۔ مشرکین کے لیے اہل ایمان کی تعداد کم ظاہر کرنے میں حکمت یہ تھی کہ وہ جب مسلمانوں کو قلیل تعداد میں دیکھیں گے تو بے خوف ہو کر پیش قدمی کریں گے، نتیجتاً وہ قدرے بے احتیاط ہو جائیں گے۔ لیکن جب وہ آگے آئے تو حقیقت کھلی اور انھیں مسلمانوں کی تعداد زیادہ نظر آنے لگی۔ اب وہ ہکا بکا ہو گئے اور ڈر گئے۔ ان کا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ اسی وجہ سے ان کا غرور و تکبر خاک میں مل گیا اور مسلمان اللہ کی نصرت سے سرفراز ہوئے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں جماعتوں کو ایک دوسرے کے خلاف برانگیختہ کیا اور ایک دوسرے کو تھوڑی تعداد میں دکھایا تا کہ ہر ایک کو دوسرے پر چڑھ دوڑنے کی رغبت پیدا ہو جائے۔ تھوڑی تعداد میں دکھانے کا یہ عمل اس وقت تک کے لیے تھا جب دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے سامنے آئیں لیکن جب گھمسان کا رن پڑا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کی ایک ہزار فرشتوں کی کمک کے ساتھ مدد فرمائی تو کافروں کو یہ محسوس ہونے لگا کہ مومنوں کی تعداد ان سے دُگنی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَھُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ○﴾

(آل عمرٰن 13:3)

''یقیناً تمھارے لیے دو گروہوں میں جو (جنگ بدر کے دن) آپس میں بھڑ گئے (اللہ کی قدرت کی عظیم) نشانی تھی۔ ایک گروہ (مسلمانوں کا تھا وہ) اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ (کافروں کا تھا وہ) اپنی آنکھوں سے انھیں اپنے سے دوگنا دیکھ رہا تھا اور اللہ اپنی نصرت سے جس کو چاہتا ہے، مدد دیتا ہے۔ جو اہل بصیرت ہیں، ان کے لیے اس (واقعے) میں بڑی عبرت ہے۔'' [1]

قریش کا دوسرا جاسوس

مکی لشکر جب بدر کے پاس خیمہ زن ہوا تو ان کا آپس میں اختلاف ہو گیا اور ان کی صفوں میں دراڑیں پڑ گئیں۔ عمیر بن وہب کے بعد کفار نے ابوسلمہ جُشمی کو مسلمانوں کی طاقت کا اندازہ لگانے کے لیے بھیجا۔ اس نے بھی

[1] تفسیر ابن کثیر، الأنفال 44:8.

گھوڑے پر سوار ہو کر مدنی لشکر کا چکر کاٹا اور واپس آ کر کہنے لگا:

''اللہ کی قسم! میں نے ان کے پاس بالکل کوئی قوت اور طاقت نہیں دیکھی۔ نہ ان کے پاس اسلحہ کے انبار ہیں، نہ گھڑسواروں کے دستے، مگر ہاں! میں نے ایک ایسی قوم ضرور دیکھی ہے جو اپنے گھر والوں کی طرف لوٹنے کا ارادہ نہیں رکھتی۔ ایسی قوم جس نے اپنی جان کی بازی لگا دی ہے۔ ان کے پاس ان کی تلواروں کے سوا کوئی قوت اور کوئی جائے پناہ نہیں۔ ان کی آنکھیں نیلگوں ہیں جیسے چمڑے کی ڈھال کے نیچے کنکریاں رکھی ہوئی ہوں۔ میں نے تمھیں اپنی رائے سے آگاہ کر دیا۔ اب جیسے تم مناسب سمجھو، اُسی طرح کرو۔''

ابوجہل کا سیاہ کینہ

لیکن ابوجہل نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کے مکہ سے بچ کر نکل آنے کی وجہ سے غصے سے پھٹا جا رہا تھا۔ اس نے دونوں فوجوں کے ٹکراؤ کو بڑا سنہری موقع خیال کیا۔ اسے مسلمانوں اور کفار کی طاقت میں بہت واضح فرق کے پیشِ نظر یقین تھا کہ مسلمانوں پر حملہ کر کے انھیں نیست و نابود کر دیا جائے گا، لہٰذا اس نے وہ تمام کوششیں ناکام بنا دیں جو قریش نے جنگ سے بچنے کے لیے کیں، اور معرکہ آرائی کا حتمی فیصلہ کر لیا۔

مکی لشکر میدانِ جنگ میں

قریش نے وادی کے دہانے میں رات گزاری اور صبح ٹیلے سے اتر کر میدانِ بدر میں داخل ہوئے۔ ایک گروہ رسول اللہ ﷺ کے حوض کی جانب بڑھا۔ صحابہ کرام نے انھیں روکنا چاہا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''انھیں چھوڑ دو۔'' ان میں سے جس نے بھی اس حوض سے پانی پیا، وہ اس جنگ میں مارا گیا، سوائے حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے، وہ اس جنگ کے بعد مسلمان ہو گئے اور بہت اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔ ان کا معمول یہ تھا کہ جب بھی کسی کام کے لیے پختہ قسم کھانی ہوتی تو کہا کرتے تھے: لَا وَالَّذِي نَجَّانِي مِنْ يَوْمِ بَدْرٍ! ''قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے بدر کے دن نجات دی!''[1]

قریشی علمبردار

قریش کے تین جھنڈے تھے: ایک ابوعزیز کے پاس، دوسرا نضر بن حارث کے پاس اور تیسرا جھنڈا طلحہ بن ابوطلحہ نے سنبھال رکھا تھا۔[2]

[1] السیرة لابن هشام: 622/2، دلائل النبوة للبیهقي: 65,64/3. [2] الطبقات لابن سعد: 15/2.

مکی لشکر میں پھوٹ

قریشی جاسوسوں عمیر بن وہب اور ابوسلمہ جشمی کے تجزیے کے بعد مکی لشکر میں ایک اور جھگڑا کھڑا ہو گیا جب خود لشکرِ قریش میں سے ہی لوگوں نے مطالبہ کیا کہ ہمیں جنگ کے بغیر ہی مکہ واپس چلے جانا چاہیے۔ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے اس مطالبے کی تائید حاصل کرنے کے لیے مکی فوج کے سالاروں کے درمیان دوڑ دھوپ بھی کی۔

سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اسلام لانے سے پہلے بدر کے دن میں مشرکوں کی صفوں میں تھا۔ ہم مکہ سے آئے۔ اس کنارے پر پڑاؤ ڈالا جس کا قرآن نے تذکرہ کیا ہے۔ میں عتبہ بن ربیعہ کے پاس گیا اور اُس سے کہا: اے ابوالولید! تم قریش کے بڑے سردار ہو۔ تمھاری بات تسلیم کی جاتی ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ تم ایک ایسا کام کر گزرو جس سے زندگی بھر تمھارا ذکر خیر جاری رہے؟ عتبہ نے پوچھا: وہ کون سا کام ہے؟ میں نے کہا: تم لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عمرو بن حضرمی کا قصاص لینا چاہتے ہو کیونکہ وہ تمھارا حلیف تھا۔ یوں کرو تم اس کی دیت اپنے ذمے لے لو اور لوگوں کو واپس لے جاؤ۔ عتبہ نے کہا: مجھے منظور ہے۔ میری طرف سے اس کی ضمانت لے لو۔ میں اس کی دیت کا ذمہ دار ہوں۔ اب تم حنظلیہ کے پوت (ابوجہل) کے پاس جاؤ۔

میں ابوجہل کے پاس گیا اور اس سے کہا: کیا تم اپنے چچیرے بھائی کے خون سے دستبردار ہو کر لوگوں کو واپس نہیں لے جا سکتے؟ اس وقت ابوجہل کے پاس بہت سے لوگ جمع تھے۔ ابوجہل کہنے لگا: میں بنوعبدشمس اور بنومخزوم سے اپنا معاہدہ توڑتا ہوں۔ میں نے اس سے دوبارہ کہا: میں تیرے لیے عتبہ بن ربیعہ کا پیغام لے کر آیا ہوں کہ کیا تو اپنے چچیرے بھائی کے خون سے دستبردار ہو کر لوگوں کو لوٹا نہیں سکتا؟ وہ بولا: کیا تیرے سوا اسے کوئی سفیر نہیں ملا؟ میں نے کہا: نہیں۔ میں کسی اور کا سفیر بننا بھی نہیں چاہتا۔ پھر میں جلدی سے عتبہ کی طرف واپس چلا گیا تاکہ مجھے اس معاملے کی باقی خبریں بھی مل جائیں۔

مکی فوج میں عتبہ کی تقریر

عتبہ نے لوگوں کو اعتماد میں لینے کی کوشش کی۔ وہ کھڑا ہو گیا، پھر اس نے انتہائی جامع الفاظ میں یہ تقریر کی:

يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! إِنَّكُمْ وَاللّٰهِ! مَا تَصْنَعُونَ بِأَنْ تَلْقَوْا مُحَمَّدًا وَّ أَصْحَابَهُ شَيْئًا، وَاللّٰهِ! لَئِنْ أَصَبْتُمُوهُ لَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَنْظُرُ فِي وَجْهِ رَجُلٍ يَكْرَهُ النَّظَرَ إِلَيْهِ، قَتَلَ ابْنَ عَمِّهِ أَوِابْنَ خَالِهِ أَوْ رَجُلًا مِّنْ عَشِيرَتِهِ، فَارْجِعُوا وَ خَلُّوا بَيْنَ مُحَمَّدٍ وَّبَيْنَ سَائِرِ الْعَرَبِ، فَإِنْ أَصَابُوهُ فَذَاكَ

الَّذِي أَرَدْتُمْ وَإِنْ كَانَ غَيْرَ ذٰلِكَ أَلْفَاكُمْ وَلَمْ تَعَرَّضُوا مِنْهُ مَا تُرِيدُونَ.

''اے قریش کی جماعت! اللہ کی قسم! آخر تم محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں سے لڑائی کر کے کیا کرو گے؟ اللہ کی قسم! اگر تم نے انھیں مار دیا تو ہمیشہ ایک آدمی دوسرے آدمی کو ناگوار نظر سے دیکھے گا کیونکہ اس نے اس کے عم زاد، ماموں زاد یا اس کے قبیلے کے کسی آدمی کو قتل کیا ہوگا۔ جاؤ واپس چلے جاؤ۔ محمد (ﷺ) اور دیگر عربوں کو چھوڑ دو۔ اگر انھوں نے اسے مار دیا تو یہ وہی چیز ہوگی جو خود تمھاری بھی خواہش ہے اور اگر کوئی دوسری بات ہوئی (محمد ﷺ غالب آگئے) تو وہ تمھیں اس حالت میں پائیں گے کہ جو سلوک تم نے ان سے کرنا چاہا تھا، وہ نہیں کیا ہوگا۔'' [1]

سرخ اونٹ کا سوار

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب مسلمان بدر پہنچے اور مشرکین بھی وہاں آگئے تو نبی ﷺ نے عتبہ بن ربیعہ کو سرخ اونٹ پر سوار دیکھا اور فرمایا:

«إِنْ يَكُنْ عِنْدَ أَحَدٍ مِّنَ الْقَوْمِ خَيْرٌ فَهُوَ عِنْدَ صَاحِبِ الْجَمَلِ الْأَحْمَرِ، إِنْ يُطِيعُوهُ يَرْشُدُوا»

''اگر ان لوگوں میں سے کسی کے پاس بھلائی ہے تو وہ سرخ اونٹ والے کے پاس ہے۔ اگر یہ لوگ اس کی بات مان لیں تو بھلائی میں رہیں گے۔''

اس وقت عتبہ بن ربیعہ اپنے لشکر سے یہ کہہ رہا تھا: اے میری قوم کے لوگو! ان کے بارے میں میری بات مان لو۔ اگر تم نے ان سے جنگ کی تو ساری عمر تمھارے دل میں یہ لڑائی کھٹکتی رہے گی۔ ہر آدمی اپنے بھائی یا باپ کے قاتل کو دیکھتا رہے گا۔ اس معرکے کا بوجھ میرے سر پر ڈال دو اور واپس چلے جاؤ۔ [2]

سردارِ قریش کی ناکامی

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے جب ابوجہل کو عتبہ کا پیغام دیا تھا تو وہ عتبہ کی مصالحانہ دعوت کو سمجھے بغیر ہی غصے سے بھڑک اٹھا تھا۔ اس نے عتبہ پر بزدلی کا اتہام لگایا اور کہا کہ اس تدبیر سے وہ اپنے بیٹے کو قتل ہونے سے بچانا چاہتا ہے جو مسلمانوں کی صفوں میں موجود ہے، پھر وہ بولا: اللہ کی قسم! محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کو دیکھ کر عتبہ کا سینہ سوج گیا ہے۔ نہیں، ہرگز نہیں۔ اللہ کی قسم! ہم واپس نہیں جائیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور

[1] السيرة لابن هشام: 623,622/2، دلائل النبوة للبيهقي: 65,64/3. [2] مجمع الزوائد: 76/6، مسند البزار (البحر الزخار): 297,296/2.

محمد (ﷺ) کے درمیان فیصلہ کر دے۔ عتبہ نے جو کچھ کہا ہے، صرف اس لیے کہا ہے کہ وہ محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کو پورا اونٹ نگل جانے والے سمجھتا ہے اور خود عتبہ کا بیٹا بھی انھی کے درمیان ہے، اس لیے وہ تمھیں ان سے ڈراتا ہے۔

یہاں یہ واضح رہے کہ عتبہ کے صاحبزادے ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام تھے اور ہجرت کر کے مدینہ تشریف لا چکے تھے۔

ابوجہل غصے میں دیوانہ ہوگیا۔ اس نے حد سے بڑھی ہوئی دھڑے بندی میں اپنی تلوار سونت لی اور اپنے گھوڑے کی پشت پر ماری۔ ایماء بن رحضہ غفاری نے اس کے چہرے پر شر دیکھ کر کہا: یہ بہت بُری فال ہے۔ ادھر جب عتبہ کو پتا چلا کہ ابوجہل نے اس کے متعلق بہت ناروا الفاظ کہے ہیں تو اس نے ابوجہل کو گالی دے کر کہا: اس بزدل کو بہت جلد معلوم ہوجائے گا کہ کون بزدل ہے اور کس نے اپنی قوم کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے، میں نے یا اس نے؟ اللہ کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں، وہ تم لوگوں کو بری طرح مار رہے ہیں۔ کیا تمھیں نظر نہیں آ رہا کہ ان کے سر سانپوں کی طرح اٹھے ہوئے ہیں اور چہرے تلواروں کی طرح چمک رہے ہیں۔ اس کے بعد عتبہ اپنے سر پر خود رکھنے لگا۔ چونکہ عتبہ عظیم الجثہ آدمی تھا، اس لیے پورے لشکر میں اس کی جسامت کے مطابق کوئی خود نہیں ملا تو اس نے اپنا کپڑا سر پر لپیٹ لیا۔[1]

قریشی سردار عتبہ بن ربیعہ کو محمد ﷺ اور آپ کے اصحاب کے ساتھ جنگ کا کوئی جواز نظر نہ آتا تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو محمد ﷺ کے خلاف جنگ نہ کرنے کی نصیحت کرتے ہوئے کہا: اے لوگو! اگر وہ اپنی دعوت میں سچا ہے تو اس کی عزت قریش کی عزت ہے اور اس کی حکمرانی قریش ہی کی حکمرانی ہوگی۔ اس وجہ سے قریش سب سے زیادہ خوش بخت بن سکتے ہیں اور اگر بالفرض وہ جھوٹا نکلا تو عرب میں بے نام و نشان ہوجائے گا۔

لیکن جاہلیت کا تکبر اور ہٹ دھرمی ہمیشہ ہی سے حق کو پنپتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی کیونکہ حق کا ساتھ دینے کا صاف مطلب یہ تھا کہ آج کے بعد جاہلیت اور اس کا تکبر و غرور ختم ہوگیا اور اس کی جگہ حق نے لے لی۔[2]

ابوجہل کی جلد بازی

ابوجہل نے جنگ کیے بغیر واپس چلے جانے کے خواہشمند لیڈروں کو ڈانٹ ڈپٹ کرنے ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ

[1] مجمع الزوائد: 76/6، السيرة لابن هشام: 624,623/2، دلائل النبوة للبيهقي: 66,65/3. [2] مرويات غزوة بدر لأحمد باوزير، ص: 155.

اسے یہ خوف لاحق ہوگیا کہ کہیں یہ مطالبہ اتنا زور نہ پکڑ جائے کہ اور لوگ بھی سر اٹھائیں اور پھر سب کے سب واپس چلنے ہی کا مطالبہ کر بیٹھیں۔ اس وجہ سے گھبرا کر اس کے شیطان نے اسے فوراً جنگ کی طرف دھکیل دیا تا کہ لوگوں کے لیے امر واقعی دیکھ کر معرکے میں حصہ لیے بغیر واپس جانا مشکل ہو جائے۔ ابوجہل نے بغیر جنگ کیے مکہ لوٹ جانے کی پکار سنتے ہی جھٹ عامر بن حضرمی کو، جو سریہ عبداللہ بن جحش کے مقتول عمرو بن حضرمی کا بھائی تھا، بلا بھیجا اور کہا کہ یہ تمھارا حلیف عتبہ چاہتا ہے کہ لوگوں کو لڑے بغیر واپس لے جائے، حالانکہ تم نے اپنے بھائی کا انتقام بھی نہیں لیا، لہٰذا جلدی اٹھو، اپنی مظلومیت اور اپنے بھائی کے قتل کی دہائی دو۔

ابن حضرمی کا آگ بھڑکانا

سرکش سردار قریش کا ناپاک منصوبہ پورا ہوا۔ شیطان نے ابن حضرمی کے نتھنوں میں پھونک مار دی۔ اُس نے سرین سے کپڑا اٹھایا اور مکی فوج کے درمیان بلند آواز سے چیخنے لگا: وَاعَمْرَاه وَاعَمْرَاه ہائے عمرو! ہائے عمرو! اس پر قوم غضب ناک ہوگئی۔ ان کا معاملہ سنگین اور ارادۂ جنگ پکا ہوگیا۔ عتبہ نے جس سوجھ بوجھ کی دعوت دی تھی، وہ رائیگاں گئی۔ ہوش پر جوش غالب آ گیا۔ اس طرح لڑے بغیر واپس چلے جانے کا معاملہ ماند پڑ گیا۔ [1]

نبی ﷺ کی جنگی حکمت عملی

نبی ﷺ نے بدر کے دن دشمن کے خلاف ایسی حکمت عملی اور طریقہ اختیار فرمایا جو اس سے پہلے عرب میں متعارف ہی نہ تھا۔ آپ ﷺ نے صف بندی کا اسلوب اپنایا۔ قرآن کریم نے اس اسلوب کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ ۝﴾ (الصف 61:4)

''بے شک اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں صفیں باندھے لڑائی کرتے ہیں، گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں۔'' [2]

رسالت مآب ﷺ چاہتے تھے کہ پورا لشکر نماز کی طرح صف بندی کرے۔ صفوں کی کثرت یا قلت لشکر میں شامل ہونے والوں کی تعداد پر منحصر ہے۔ پہلی صف میں نیزہ باز ہوں گے جو گھڑ سواروں کے حملے روکیں گے۔ باقی صفوں میں تیر انداز ہوں گے جو حملہ آوروں کو دور سے روکیں گے تا کہ اُن کے حملے سے صفوں میں انتشار پیدا نہ ہو۔ دشمن غزوۂ بدر میں اس اسلوبِ صف بندی کو دیکھ کر مسلمانوں کے اعلیٰ عسکری نظام اور بہترین تربیت کی وجہ

[1] الرحيق المختوم، ص: 234. [2] القيادة العسكرية للدكتور محمد الرشيد، ص: 401.

سے ہیبت زدہ ہوگیا۔ اس اسلوب کو اپنانے سے لشکر کو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ کمانڈر انچیف کے پاس ریزرو فوجی دستے موجود رہتے ہیں جو پلٹ کر حملہ کرنے والوں اور گھات لگا کر حملہ کرنے والوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔ یہ دستے دشمن کے پیادہ اور شہسواروں کی طرف سے لشکر کے مختلف اطراف میں پیش آنے والے ممکنہ خطرات سے نبٹنے کے لیے بھی کارآمد ثابت ہوتے ہیں۔

یہ طریقہ کار جنگ بدر میں پہلی مرتبہ اپنایا گیا۔ اسلامی تربیت گاہ کی بدولت متعارف ہونے والے اس طریقۂ جنگ کو آج بھی بڑی اہمیت اور امتیازی حیثیت حاصل ہے۔[1]

علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ نبی ﷺ کی اس جدید جنگی حکمتِ عملی کے بارے میں فرماتے ہیں: اجتماعی طور پر صف بندی کے ساتھ پیش قدمی زیادہ بہتر اور پلٹ کر حملہ کرنے سے زیادہ مؤثر ثابت ہوتی ہے۔ اس طریقۂ جنگ میں صفوں کو مرتب اور منظم کیا جاتا ہے اور انھیں تیر کی طرح یا نماز کی صفوں کی طرح سیدھا رکھا جاتا ہے، پھر سارا لشکر صفوں کی شکل میں آگے بڑھتا ہے، اس لیے یہ جنگی اسلوب تصادم کے وقت زیادہ مؤثر، کارگر اور دشمن کے دل میں رعب پیدا کرنے والا ہوتا ہے کیونکہ فوج ایک لمبی اور مضبوط دیوار یا قلعے کے مانند ہو جاتی ہے جسے توڑنا تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔[2]

لشکر کی تنظیم

لشکر کی تنظیم اس طرح کی گئی کہ ایک گروہ مہاجرین کا بنایا گیا اور دوسرا انصار کا۔ مہاجرین کا جھنڈا سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ انصار کا پرچم حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو دیا گیا اور جنرل کمان کا علَم جس کا رنگ سفید تھا، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو دیا گیا۔ میمنہ (لشکر کے دائیں پہلو) کی کمان حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے سپرد کی گئی

[1] الرسول القائد ﷺ لمحمود شیت خطاب، ص: 111 و 117,116۔ [2] تاریخ ابن خلدون: 286/1۔



اور میسرہ (لشکر کے بائیں پہلو) پر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا گیا۔ ساقہ (لشکر کے پچھلے حصے) کی کمان حضرت قیس بن ابی صعصعہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھی اور سالارِ اعلیٰ کی حیثیت سے جنرل کمان خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنبھالی۔[1]

جبکہ ابن سعد کہتے ہیں: مہاجرین کا جھنڈا سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ تھامے ہوئے تھے اور خزرج کا جھنڈا حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ اوس کا جھنڈا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا۔ ابن سعد نے اسی کو ترجیح دی ہے۔[2] واللہ اعلم

سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے دن صف بندی فرما رہے تھے تاکہ صفیں سیدھی اور سیسہ پلائی دیوار کی طرح مضبوط ہو جائیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں بغیر پر کے ایک تیر تھا جس سے آپ مجاہدین کی صفیں سیدھی فرما رہے تھے۔ اسی دوران میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنو عدی بن نجار کے حلیف سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے۔ وہ صف سے کچھ آگے نکلے ہوئے تھے۔ آپ نے تیر ان کے پیٹ پر رکھا اور فرمایا: «اِسْتَوِ يَا سَوَادُ!» ''سواد! برابر ہو جاؤ۔'' انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق و انصاف کے ساتھ بھیجا ہے۔ مجھے قصاص دیجیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بطن مبارک سے کپڑا ہٹایا اور فرمایا: ''بدلہ لے لو۔'' سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بطنِ مبارک سے چمٹ گئے اور جسم اطہر کو بوسہ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

«مَا حَمَلَكَ عَلٰى هٰذَا يَا سَوَادُ؟»

''سواد! تمھیں اس ادا پر کس چیز نے اُکسایا؟''

انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! حالات و واقعات آپ کے سامنے ہیں، بس میں یہ چاہتا تھا کہ زندگی کے آخری لمحات میں میرا بدن آپ کے جسم اطہر کے ساتھ چھو جائے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعائے خیر کی۔[3]

حضرت سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ کے اس واقعے سے اسلام کے نظام عدل کا شاندار نمونہ ملتا ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اسلام نظم و نسق کو کس قدر اہمیت دیتا ہے۔ اسلام میں عدل و انصاف کا نظام بلاتفریق ہے حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش کر دیا۔[4]

---

[1] السيرة لابن هشام: 613,612/2، موسوعة الغزوات الكبرى: 80/1. [2] سبل الهدى والرشاد: 24/4. [3] السيرة لابن هشام: 626/2، السلسلة الصحيحة: 808/6، حديث: 2835. [4] غزوة بدر الكبرى لأبي فارس، ص: 52.

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جنگ پر ابھارنا

رسول اللہ ﷺ کی انتہائی کوشش تھی کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت ایسے نہج پر فرمائیں کہ وہ بلند و بالا اور مضبوط چٹانوں کی طرح ٹھوس ارادے کے حامل بن جائیں۔ ان کے دل بہادری سے لبریز اور دشمن کے خلاف اللہ تعالیٰ کی نصرت وحمایت کے یقین سے سرشار ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے اس مقصد کے حصول کے لیے ترغیب وترہیب کا اصول اپنایا۔ آپ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ثابت قدمی پر اجر اور غنیمت کی نوید سناتے تھے۔ پیٹھ پھیرنے اور لڑائی کے دن میدانِ جنگ سے بھاگنے والے کو برے انجام سے ڈراتے تھے۔ آپ ﷺ لشکرِ اسلام کے سامنے نصرتِ الٰہی کے حصول کے اسباب و ذرائع بیان فرماتے تھے تاکہ انھیں اختیار کیا جا سکے۔ اسی طرح شکست کے اسباب سے ڈراتے تھے تاکہ ان سے مکمل طور پر اجتناب کیا جا سکے۔[1]

نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جہاد پر ابھارتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ﴾

''اے نبی! مومنوں کو قتال پر ابھاریے۔''[2]

مزید ارشاد فرمایا:

﴿فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا﴾

''چنانچہ (اے نبی!) آپ اللہ کی راہ میں لڑیں، آپ کو اپنی ذات کے سوا کسی کا ذمہ دار نہیں بنایا گیا، اور آپ مومنوں کو (لڑائی پر) آمادہ کریں۔ امید ہے کہ اللہ ان لوگوں کو لڑائی سے روک دے جنھوں نے کفر کیا اور اللہ لڑائی میں بہت سخت ہے اور سزا دینے میں بھی نہایت شدید ہے۔''[3]

رسول اللہ ﷺ بدر کے دن لشکر میں تشریف لائے۔ اہلِ لشکر کو جہاد کی ترغیب دی اور فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَا يُقَاتِلُهُمُ الْيَوْمَ رَجُلٌ فَيُقْتَلُ صَابِرًا مُحْتَسِبًا، مُقْبِلًا غَيْرَ مُدْبِرٍ إِلَّا أَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ»

''قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! آج کے دن جو شخص جم کر، ثواب کی امید رکھتے ہوئے، آگے بڑھتے ہوئے، پیچھے نہ ہٹتے ہوئے لڑے اور شہید ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور جنت

[1] المدرسة النبوية العسكرية لأبي فارس، ص: 140. [2] الأنفال 65:8. [3] النسآء 84:4.

میں داخل کرے گا۔''[1]

آدابِ جنگ کی تعلیم

اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو جنگ کے آداب اور دشمنوں سے مقابلے کے وقت بہادری کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا﴾

''مومنو! جب (کفار کی) کسی جماعت سے ملو (تمھارا مقابلہ ہو) تو تم ثابت قدم رہو۔''[2]

رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو آداب جہاد اس طرح سکھائے:

«أَيُّهَا النَّاسُ! لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ، وَسَلُوا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ فَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاصْبِرُوا، وَاعْلَمُوا أَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ» ثُمَّ قَالَ: «اَللّٰهُمَّ! مُنْزِلَ الْكِتَابِ وَمُجْرِيَ السَّحَابِ وَهَازِمَ الْأَحْزَابِ! اهْزِمْهُمْ وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ»

''لوگو! دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے رہو اور جب تمھارا دشمنوں سے آمنا سامنا ہو جائے تو پھر ثابت قدم رہو اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔'' پھر نبی اکرم ﷺ نے یہ دعا کی: ''اے اللہ! کتاب کے نازل فرمانے والے، بادلوں کو چلانے والے، جماعتوں کو شکست دینے والے! ہمارے ان دشمنوں کو شکست دے اور ان کے مقابلے میں ہماری نصرت فرما۔''[3]

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ دشمنوں سے جہاد کرتے ہوئے ثابت قدم رہیں اور مبارزت کے وقت صبر کا مظاہرہ کریں۔ مومن فرار ہوں نہ منہ موڑیں اور نہ بزدلی کا مظاہرہ کریں بلکہ اس حال میں بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں۔ اللہ کو ہرگز نہ بھولیں، اس سے مدد طلب کریں، اسی کی ذاتِ گرامی پر توکل کریں اور اسی سے اپنے دشمنوں پر فتح و نصرت طلب کریں۔ اس حال میں بھی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا دامن نہ چھوڑیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے، اسے بجا لائیں اور جس سے منع فرمایا ہے، اس سے کنارہ کشی اختیار کریں اور آپس میں اختلاف بھی نہ کریں کیونکہ باہمی اختلاف ذلت و رسوائی اور شکست کا سبب بنے گا ﴿وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ﴾ (الأنفال 46:8)

''اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی۔'' یعنی قوت و سطوت جاتی رہے گی اور تمھاری پیش قدمی رک جائے گی۔[4]

---

[1] السيرة لابن هشام: 627/2. [2] الأنفال 45:8. [3] صحيح البخاري: 2966، صحيح مسلم: 1742. [4] تفسير ابن كثير، الأنفال 46,45:8.



مسجد عمیر بن حمام کا مینار (حفر الباطن۔ سعودی عرب)

عُمَیر بن حُمام انصاری رضی اللہ عنہ کا شوقِ شہادت

غزوۂ بدر کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

«قُومُوا إِلٰی جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ»

''کھڑے ہو جاؤ ایسی جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان و زمین کے برابر ہے۔''

عُمَیر بن حُمام انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! کیا جنت کی چوڑائی آسمان و زمین جتنی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں!'' عمیر رضی اللہ عنہ نے خوشی اور تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا: بَخٍ بَخٍ ...... ''بہت خوب! بہت خوب!''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا يَحْمِلُكَ عَلٰی قَوْلِكَ: بَخٍ بَخٍ؟»

''تمھیں بَخٍ بَخٍ کہنے پر کس چیز نے ابھارا؟''

انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! اس امید میں کہا کہ میں بھی اہلِ جنت میں سے ہو جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم انھی میں سے ہو۔'' پھر انھوں نے اپنے توشہ دان سے چند کھجوریں نکالیں اور کھانے لگے، پھر بولے: اگر میں کھجوریں کھانے میں مشغول رہا تو زندگی کی یہ گھڑیاں بہت لمبی ہیں (جبکہ مجھے جلد جنت میں جانے کی حرص ہے)، چنانچہ انھوں نے وہ کھجوریں وہیں چھوڑیں اور شیر کی طرح جھپٹ کر دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ خوب جوانمردی سے لڑے حتی کہ جام شہادت نوش کر گئے۔[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمیر رضی اللہ عنہ نے کھجوریں چھوڑیں اور یہ کہتے ہوئے میدانِ جنگ میں کود پڑے:

رَكْضًا إِلَی اللّٰهِ بِغَيْرِ زَادِ   إِلَّا التُّقٰی وَعَمَلَ الْمَعَادِ

وَالصَّبْرَ فِي اللّٰهِ عَلَی الْجِهَادِ   وَكُلُّ زَادٍ عُرْضَةُ النَّفَادِ

غَيْرَ التُّقٰی وَالْبِرِّ وَالرَّشَادِ

[1] صحیح مسلم: 1901.

"اللہ کے راستے میں بغیر توشہ کے نکلنا ہے مگر اللہ کے خوف اور اخروی عمل کا توشہ ضرور ساتھ ہونا چاہیے، اسی طرح اللہ کے راستے میں جہاد پر صبر کرنے کی صورت میں بھی توشہ ساتھ ہونا چاہیے اور تقویٰ، نیکی اور بھلائی کے سوا ہر توشہ آخر کار ختم ہونے والا ہے۔"

عمیر رضی اللہ عنہ دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور خوب دادِ شجاعت دیتے رہے حتی کہ جام شہادت نوش فرما گئے۔ [1]

اللہ تعالیٰ کس بات پر مسکراتا ہے؟

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سیدہ عفراء رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے عوف بن حارث رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی کس ادا پر مسکراتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب بندہ بے سروسامانی کے عالم میں دشمن کے اندر گھس جاتا ہے۔" انھوں نے زرہ پہنی ہوئی تھی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن کر زرہ اتار دی، پھر اپنی تلوار لے کر دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھے اور خوب پامردی سے لڑائی کی حتی کہ شہادت کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہوئے۔ [2]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اور سیدنا عوف بن حارث رضی اللہ عنہ کا مذکورہ عمل فرمان الٰہی: ﴿وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ﴾ "اور اُن (کافروں) کے خلاف مقدور بھر قوت تیار رکھو۔" کے متعارض نہیں ہے کیونکہ شوق شہادت اسباب سے ماوراء ہے۔ واضح رہے کہ صحابی نے صرف زرہ ہی اتاری تھی، تلوار ان کے پاس موجود تھی۔ (واللہ اعلم)

اسلامی لشکر کو جنگی ہدایات

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بدر میں مشرکین سے پہلے پہنچ گئے جبکہ مشرکین بعد میں پہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جانبازوں کو حکم دیا:

«لَا يَتَقَدَّمَنَّ أَحَدٌ مِّنْكُمْ إِلٰى شَيْءٍ حَتّٰى أَكُونَ أَنَا دُونَهُ»

"تم میں سے کوئی بھی کسی چیز کی طرف پیش قدمی نہ کرے جب تک کہ میں خود آگے نہ بڑھوں۔" [3]

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے لشکر کی صف بندی کرادی تو لشکر کو آخری ہدایات دیں اور فرمایا: "جب تک تمھیں میری طرف سے آخری احکام موصول نہ ہوں، جنگ شروع نہ کرنا۔ علاوہ ازیں جب مشرکین ہجوم کی صورت میں تمھیں گھیر لیں تو ان پر پتھراؤ کرنا اور اپنے تیروں کو بچانے کی کوشش کرنا۔ جب وہ کچھ قریب آجائیں تب تیر

[1] البداية والنهاية :3/277,276، شرح الزرقاني على الموطأ :3/60، صفة الصفوة لابن الجوزي :1/488. [2] السيرة لابن هشام :2/628,627. [3] صحيح مسلم :1901.

چلانا، دور ہی سے تیر اندازی کر کے اپنے تیر ضائع مت کرنا، پھر جب وہ تمھارے مزید قریب آ پہنچیں تب اپنی تلواریں نکالنا۔‘‘ [1]

دورانِ جنگ قدرتی وسائل سے استفادہ

نبیِ کریم ﷺ جنگ کے موقع پر بھی قدرتی وسائل سے غافل نہ ہوئے بلکہ آپ نے اپنے جاں نثاروں کے لیے قدرتی وسائل سے بھی خوب فائدہ اٹھایا۔ علامہ مقریزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ مکی لشکر سے پہلے ہی صبح سویرے میدان جنگ میں اتر آئے۔ آپ ﷺ نے طلوع شمس کے وقت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی صف بندی فرمائی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے چہرے مغرب کی طرف کیے اور سورج کو ان کے پیچھے کی جانب رکھا جبکہ کفار کا رخ سورج کی طرف تھا۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ اقدام آپ کے حسن تدبیر اور قدرتی وسائل سے بخوبی فائدہ اٹھانے کی بھرپور صلاحیتوں پر دلالت کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ قدرتی وسائل، مثلاً: سورج، ہوا اور جغرافیائی طور پر ناہموار زمین، ان سب کا جنگ میں اہم کردار ہوتا ہے۔ یہ ان اسباب میں شامل ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اگر تم اللہ کی نصرت اور کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہو تو انھیں اختیار کرو۔ [2]

ابوجہل کی دعا

مسلمان اللہ پر توکل کیے ہوئے، کلمۂ حق کی سربلندی کی خاطر، اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر اللہ تعالیٰ کی نصرت کے طلب گار تھے۔ دوسری طرف مشرکین کی صورت حال یہ تھی کہ ابوجہل نے اللہ سے فیصلے کی دعا کی۔ اس نے کہا: اے اللہ! ہم میں سے جو فریق قرابت کو زیادہ کاٹنے والا اور زیادہ غلط حرکتیں کرنے والا ہے، اسے تو آج توڑ دے۔ اے اللہ! ہم میں سے جو فریق تیرے نزدیک زیادہ محبوب اور زیادہ پسندیدہ ہے، آج اس کی مدد فرما۔ بعد میں اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ ۖ وَإِنْ تَنْتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ۖ وَإِنْ تَعُودُوا نَعُدْ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ○ ﴾ (الأنفال 19:8)

’’اگر تم فیصلہ چاہتے تھے تو تمھارے پاس فیصلہ آ گیا اور اگر تم باز آ جاؤ تو یہی تمھارے لیے بہتر ہے لیکن اگر تم (اپنی اس حرکت کی طرف) پلٹو گے تو ہم بھی (تمھاری سزا کی طرف) پلٹیں گے اور تمھاری جماعت

[1] صحيح البخاري: 3984، سنن أبي داود: 2664,2663، فتح الباري: 383/7. [2] القيادة العسكرية للدكتور محمد الرشيد، ص: 454,453.

اگرچہ زیادہ ہی کیوں نہ ہو تمھارے کچھ کام نہ آسکے گی اور یقیناً اللہ مومنوں کے ساتھ ہے۔"[1]

سیدنا عبداللہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوجہل نے معرکۂ بدر کے روز یہ دعا کی: اے اللہ! یہ شخص (محمد ﷺ) بہت زیادہ قطع رحمی کرنے والا ہے۔ ہمارے پاس غیر معروف (اجنبی) چیزیں لایا ہے، تو اسے کل ہلاک کردے۔ اے اللہ! ہم میں سے جو تیرا محبوب اور تیرے ہاں پسندیدہ ہے، اس کی مدد کر۔ اسی کے بارے میں اللہ کا مذکورہ بالا فرمان نازل ہوا۔ نتیجتاً ابوجہل قتل ہوا کیونکہ وہی سب سے زیادہ قطع رحمی کرنے والا تھا۔[2]

مشرکین نے مکہ سے نکلتے وقت غلافِ کعبہ کو پکڑ کر یہ دعا کی تھی: "اے اللہ! دونوں گروہوں میں سے جو گروہ راہِ راست پر اور اعلیٰ، معزز اور افضل دین والا ہے، اس کی مدد کر۔"

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور انھیں فیصلہ کن شکست سے دوچار کیا۔ ان کے بڑے بڑے سردار مارے گئے، ان کا غرور خاک میں مل گیا اور پورے عرب میں اسلام کی دھاک بیٹھ گئی۔

رسول اللہ ﷺ کا اسلامی لشکر کو خطاب

اس موقع پر جبکہ فریقین پوری مستعدی سے صفیں باندھ کر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑنے کے لیے تیار کھڑے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اسلامی لشکر سے خطاب فرمایا۔ آپ ﷺ کے اس خطاب سے مجاہدینِ اسلام کے حوصلے بلند ہوگئے۔ شجاعت و استقامت کو نئی زندگی مل گئی۔ اس خطاب سے اللہ کے نبی ﷺ کے نقطۂ نظر اور دنیا کے عام جرنیلوں کے فکر اور عمل میں بڑا واضح فرق نظر آتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر فرزندانِ اسلام کو ہدایات دیں، انھیں کفر کی جڑیں کاٹنے کے لیے ابھارا اور اجر کی ترغیب دلائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَإِنِّي أَحُثُّكُمْ عَلٰى مَا حَثَّكُمُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ أَنْهَاكُمْ عَمَّا نَهَاكُمُ اللّٰهُ عَنْهُ، فَإِنَّ اللّٰهَ عَظِيمٌ شَأْنُهُ، يَأْمُرُ بِالْحَقِّ وَيُحِبُّ الصِّدْقَ وَيُعْطِي عَلَى الْخَيْرِ أَهْلَهُ عَلٰى مَنَازِلِهِمْ عِنْدَهُ، بِهِ يُذْكَرُونَ وَبِهِ يَتَفَاضَلُونَ، وَإِنَّكُمْ قَدْ أَصْبَحْتُمْ بِمَنْزِلٍ مِّنْ مَّنَازِلِ الْحَقِّ، لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ فِيهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا مَا ابْتُغِيَ بِهِ وَجْهُهُ، وَإِنَّ الصَّبْرَ فِي مَوَاطِنِ الْبَأْسِ مِمَّا يُفَرِّجُ اللّٰهُ بِهِ الْهَمَّ، وَيُنَجِّي بِهِ مِنَ الْغَمِّ، وَتُدْرِكُونَ بِهِ النَّجَاةَ فِي الْآخِرَةِ، فِيكُمْ نَبِيُّ اللّٰهِ يُحَذِّرُكُمْ وَ يَأْمُرُكُمْ فَاسْتَحْيُوا الْيَوْمَ أَنْ يَّطَّلِعَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ أَمْرِكُمْ يَمْقُتُكُمْ عَلَيْهِ، فَإِنَّ اللّٰهَ يَقُولُ: ﴿لَمَقْتُ اللّٰهِ أَكْبَرُ

[1] السيرة لابن هشام: 628/2، أسباب نزول القرآن للواحدي: 83/1. [2] مسند أحمد: 431/5، دلائل النبوة للبيهقي: 74/3، الرحيق المختوم، ص: 235.

﴿ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ﴾ (المؤمن 10:40) أَنْظُرُوا إِلَى الَّذِي أَمَرَكُمْ بِهِ مِنْ كِتَابِهِ وَ أَرَاكُمْ مِنْ آيَاتِهِ وَ أَعَزَّكُمْ بَعْدَ ذِلَّةٍ فَاسْتَمْسِكُوا بِهِ يَرْضَ رَبُّكُمْ عَنْكُمْ، وَ أَبْلُوا رَبَّكُمْ فِي هٰذِهِ الْمَوَاطِنِ أَمْرًا، تَسْتَوْجِبُوا الَّذِي وَعَدَكُمْ بِهِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَمَغْفِرَتِهِ، فَإِنَّ وَعْدَهُ حَقٌّ وَقَوْلَهُ صِدْقٌ وَعِقَابَهُ شَدِيدٌ، وَ إِنَّمَا أَنَا وَ أَنْتُمْ بِاللّٰهِ الْحَيِّ الْقَيُّومِ إِلَيْهِ أَلْجَأْنَا ظُهُورَنَا، وَبِهِ اعْتَصَمْنَا، وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا، وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ، يَغْفِرُ اللّٰهُ لِي وَلِلْمُسْلِمِينَ»

”میں تمھیں اس بات پر ابھارتا ہوں جس پر اللہ تعالیٰ نے تمھیں ابھارا ہے اور ان کاموں سے تمھیں منع کرتا ہوں جن سے اللہ تعالیٰ نے تمھیں منع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان بہت بڑی ہے۔ وہ حق کا حکم دیتا ہے اور سچائی کو پسند کرتا ہے اور نیک کام کرنے والوں کو اپنی بارگاہ میں ان کی بلند منزلوں پر فائز کرتا ہے۔ اسی کے ساتھ ان کا ذکر بلند ہوتا ہے اور اسی سے انھیں ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ آج تم حق کی منزلوں میں سے ایک منزل پر کھڑے ہو۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ کسی سے کوئی عمل قبول نہیں کرے گا سوائے اس کے جو محض اس کی رضا کے لیے کیا جائے۔ جنگ کے موقع پر صبر ہی ایسی چیز ہے جس سے اللہ تعالیٰ پریشانی دور کرتا ہے اور اسی کی وجہ سے غم سے نجات دیتا ہے۔ اسی کے ذریعے سے تم آخرت میں بھی نجات پاؤ گے۔ میں اللہ کا نبی تم میں موجود ہوں۔ میں تمھیں بعض چیزوں سے منع کرتا ہوں اور بعض چیزوں کا حکم دیتا ہوں۔ آج تمھیں اس امر سے حیا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ تمھارے کسی ایسے عمل سے آگاہ ہو جس سے وہ تم پر ناراض ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”اللہ کی ناراضی تمھاری اپنے نفسوں پر ناراضی سے کہیں سخت ہے۔“ اس نے اپنی کتاب میں جن چیزوں کا تمھیں حکم دیا ہے، اپنی جو نشانیاں تمھیں دکھائی ہیں اور ذلت کے بعد تمھیں عزت بخشی ہے، انھیں غور سے دیکھو۔ اس کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لو، اس سے تمھارا رب تم سے راضی ہوگا۔ اس موقع پر آج تم اپنے رب کو کچھ کر کے دکھاؤ، تم اس کی رحمت اور اس کی مغفرت کے مستحق ہو جاؤ گے جس کا اس نے تم سے وعدہ کیا ہے۔ بے شک اس کا وعدہ حق ہے، اس کا قول سچا ہے اور اس کا عذاب بہت سخت ہے۔ بے شک میں اور تم اللہ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا اور ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔ اسی کو ہم نے اپنا پشت پناہ بنایا ہے اور اسی کا دامن پکڑا ہوا ہے۔ اسی پر ہم نے بھروسا کیا اور اسی کی طرف ہم لوٹ کر جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ میری اور سارے مسلمانوں کی مغفرت فرمائے۔“ [1]

[1] المغازي للواقدي :70,69/1.

رسولِ رحمت ﷺ کے اس عظیم الشان اور ایمان افروز خطاب پر غور کریں تو آپ ﷺ کے ایک ایک لفظ میں نبوت کے جلوے نظر آتے ہیں۔ دشمن پوری طرح مسلح ہو کر سامنے کھڑا ہے۔ شراب کے جام پر جام لنڈھائے جا رہے ہیں۔ عشوہ طراز کنیزیں اپنی نشیلی اداؤں اور رسیلی نواؤں سے دشمن فوجیوں کی آتش غضب بھڑکا رہی ہیں۔ اس کے برعکس لشکر اسلام کے سالارِ اعلیٰ ﷺ کا طرز عمل کیا ہے؟ آپ ﷺ صرف دشمن کو تہ تیغ کرنے کے لیے جوش نہیں دلا رہے بلکہ اس نازک مقام پر بھی بندوں کے رشتۂ عبدیت کو معبود برحق کے ساتھ استوار کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ یہ ایک نبی ہی کی شان تھی جو تمام اسباب و وسائل سے نظر ہٹا کر ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے طلب گار تھے اور اپنے پیروکاروں کے دلوں میں بھی رضائے الٰہی کی شمعِ شوق روشن کیے دے رہے تھے۔

پیغمبر امن ﷺ کے خطاب کے بعد مجاہدین اسلام کے دلوں میں یقین و ایمان کی جو شمعیں روشن ہوئیں، انھوں نے بے چینی کے اندھیروں کو کافور کر دیا۔ اب یہ جاں نثار اپنے رب کریم کے نام کو بلند کرنے کے لیے اور اس دین حنیف کے پرچم ہر طرف لہرانے کے شوق میں سر دھڑ کی بازی لگانے کا عزم کیے ہوئے ہیں۔ انھیں دشمن کی کثرت اور اسلحے کی فراوانی کا ذرا خوف نہیں۔ باطل کے سنگین قلعوں کو پاؤں کی ٹھوکر سے ریزہ ریزہ کر دینے کا عزم انھیں ماہئ بے آب کی طرح تڑپا رہا ہے۔ عددی کثرت اور مادی وسائل کی فراوانی کے باوجود کفار کی اکثریت اندر سے کھوکھلی ہوئی پڑی ہے۔ ان کے چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی ہیں اور حق کے رخِ زیبا پر سکون و طمانیت کی چاندنی چمک رہی ہے۔

آغاز جنگ اور معرکے کا پہلا ایندھن

اس معرکے کا پہلا ایندھن اسود بن عبدالاسد مخزومی تھا۔ یہ شخص بڑا اڑیل اور بداخلاق تھا۔ یہ میدان میں یہ کہتے ہوئے نکلا کہ میں اللہ تعالیٰ سے عہد کرتا ہوں کہ مسلمانوں کے حوض کا پانی پی کر رہوں گا ورنہ اسے ڈھا دوں گا یا اس کے لیے جان دے دوں گا۔ جب یہ ادھر سے نکلا تو اُدھر سے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نمودار ہوئے۔ دونوں میں حوض تک پہنچنے سے پہلے ہی مڈھ بھیڑ ہوئی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس طرح تلوار ماری کہ اس کا پاؤں آدھی پنڈلی سے کٹ کر اڑ گیا اور وہ پیٹھ کے بل گر پڑا۔ اس کے پاؤں سے خون کا فوارہ چھوٹ پڑا۔ اس کے باوجود وہ گھٹنوں کے بل گھسٹ کر حوض کی طرف بڑھا۔ وہ اپنی قسم پوری کرنے کے لیے اس میں داخل ہونے ہی والا تھا کہ اتنے میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے دوسری ضرب لگائی۔ اس طرح وہ حوض کے اندر ہی ڈھیر ہو گیا۔ یوں اس کی ہلاکت سے جنگ کا آغاز ہوا۔

دو بدو لڑائی

فریقین کے درمیان لڑائی کی ابتدا انفرادی مقابلوں سے ہوئی۔ مشرکین کی صفوں سے عرب کے دستور کے

مطابق تین بہترین شہسوار نکلے۔ قریش کا سردار عتبہ بن ربیعہ، اس کا بھائی شیبہ بن ربیعہ اور بیٹا ولید بن عتبہ۔ یہ تینوں ربیعہ بن عبدشمس بن عبدمناف کی اولاد تھے۔ جب یہ تینوں دونوں لشکروں کے درمیان آگئے تو انھوں نے اپنے مدمقابل کو للکارا اور لڑائی کی دعوت دی۔ ان کے مقابلے میں اسلام کے یہ تین جانباز نکلے: سیدہ عفراء ؓ کے دو صاحبزادے عوف بن حارث اور معوذ بن حارث ؓ اور تیسرے عبداللہ بن رواحہ ؓ۔ قریشیوں نے ان سے پوچھا: تم کون لوگ ہو؟ ان شاہینوں نے جواب دیا: ہم انصار کی جماعت ہیں۔ قریشیوں نے ان کی تعریف کی اور کہا: تم معزز اور ہم پلہ لوگ ہو لیکن ہمیں تم سے کوئی سروکار نہیں۔ ہم تو اپنے چچیرے بھائیوں سے لڑنا چاہتے ہیں، لہٰذا تم اپنی صفوں میں واپس چلے جاؤ۔

پھر ان کے منادی نے پکار لگائی: اے محمد! ہماری قوم سے ہمارے ہم پایہ مدمقابل بھیجو۔ جب رسول کریم ﷺ کو مشرکین کی یہ خواہش معلوم ہوئی تو آپ نے قریش سے تعلق رکھنے والے تین جوانمردوں کو حکم دیتے ہوئے فرمایا: عبیدہ بن حارث! اٹھو، حمزہ! اٹھو، علی! اٹھو۔ یہ تینوں جاں نثار ان کے قریب گئے تو انھوں نے پوچھا: تم کون لوگ ہو؟ حضرت عبیدہ ؓ نے اپنا تعارف کرایا۔ حضرت حمزہ ؓ نے اپنا نسب بیان کیا اور سیدنا علی ؓ نے بھی اپنا تعارف کرایا تو قریشی کہنے لگے: ہاں! تم ہمارے ہم پلہ اور معزز لوگ ہو۔

غزوۂ بدر میں مبارزت کے مقاتلین

موسیٰ بن عقبہ کے نزدیک



ابن اسحاق کے نزدیک



محدثین کے نزدیک



جنگِ مبارزت کے مقاتلین کے سلسلے میں اختلاف اس وجہ سے ہے کہ شیبہ کے مقابلے میں عبیدہ ؓ شدید زخمی ہو گئے تھے، چنانچہ حمزہ اور علی ؓ نے اپنے مقابل دشمنوں عتبہ اور ولید کو جہنم رسید کر کے شیبہ کے قتل میں حصہ لیا تھا۔

حافظ ابن حجر ؒ ابن اسحاق ؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ سیدنا عبیدہ ؓ نے عتبہ کو للکارا۔ سیدنا حمزہ ؓ نے شیبہ کو دعوتِ مبارزت

ں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ولید بن عتبہ کا مقابلہ کیا۔ سیدنا حمزہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما نے دیکھتے ہی دیکھتے اپنے مدمقابل کو ھیر کر دیا۔ سیدنا عبیدہ رضی اللہ عنہ اور عتبہ کے درمیان کوئی فیصلہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ سیدنا حمزہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما نے عتبہ پر ملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔

موسیٰ بن عقبہ کے نزدیک سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا مقابلہ عتبہ، سیدنا عبیدہ رضی اللہ عنہ کا مقابلہ شیبہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مقابلہ لید سے ہوا۔

علاوہ ازیں امام ابوداود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور عتبہ کا مقابلہ ہوا۔ میں نے یبہ کو واصل جہنم کیا جبکہ عبیدہ رضی اللہ عنہ اور ولید میں لڑائی ہو رہی تھی۔ عبیدہ رضی اللہ عنہ زخمی ہو گئے تو ہم دونوں نے مل کر ولید کو قتل کر دیا اور عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اٹھا لائے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہی روایت صحیح ترین ہے۔[1]

آغازِ جنگ کے انفرادی مقابلوں میں شریک ہونے والے ان چھ افراد کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ؗ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ۝ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ۝ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ۝ كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۗ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ؕ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ۝ وَهُدُوْۤا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۖۚ وَهُدُوْۤا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ۝﴾

(الحج 22:19-24)

”یہ دو گروہ ہیں جو اپنے رب کے بارے میں جھگڑے ہیں، چنانچہ جن لوگوں نے کفر کیا، ان کے لیے آگ کے کپڑے کاٹے جائیں گے، ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی انڈیلا جائے گا۔ اس سے وہ سب کچھ گل جائے گا جو ان کے پیٹوں میں ہے اور (ان کی) کھالیں بھی۔ اور ان (کو مارنے) کے لیے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے۔ وہ جب بھی مارے غم کے اس سے باہر نکلنے کا ارادہ کریں گے، پھر اس میں ڈال دیے جائیں گے اور (کہا جائے گا!) جلانے والے عذاب کا مزہ چکھو! بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، اللہ ان کو (ایسے) باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے دریا بہتے ہیں، وہاں انھیں

[1] فتح الباري :372,371/7، سنن أبي داود :2665، السيرة لابن هشام :625,624/2، المغازي للواقدي :78,77/1.

سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے، وہاں ان کا لباس ریشم کا ہوگا اور (دنیا میں) انھیں پاکیزہ بات (توحید) کی ہدایت دی گئی اور قابل تعریف (اللہ) کی راہ دکھائی گئی۔'' [1]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے (ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے) فرمایا:

«إِنَّ الْحَمِيمَ لَيُصَبُّ عَلٰى رُؤُوسِهِمْ، فَيَنْفُذُ الْحَمِيمُ (الْجُمْجُمَةَ) حَتّٰى يَخْلُصَ إِلٰى جَوْفِهِ، فَيَسْلِتَ مَا فِي جَوْفِهِ حَتّٰى يَمْرُقَ مِنْ قَدَمَيْهِ وَهُوَ الصَّهْرُ، ثُمَّ يُعَادُ كَمَا كَانَ»

''بلاشبہ کھولتا ہوا پانی ان (کافروں) کے سروں پر انڈیلا جائے گا تو وہ شدید گرم پانی کھوپڑیوں سے ہوتا ہوا ان کے پیٹ کے اندر چلا جائے گا اور پیٹ کے اندر کی ہر چیز کو سونت کر ان کے دونوں پاؤں سے نکل جائے گا۔ (اس آیت میں مذکور لفظ) يُصْهَرُ کے یہی معنی ہیں، پھر انھیں پہلی حالت میں لوٹا دیا جائے گا۔'' [2]

عام حملہ

اس مقابلے کا آغاز ہی مشرکین کے لیے بہت برا تھا کیونکہ وہ جنگ کے پہلے ہی مرحلے میں اپنے تین بہترین شہسواروں سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ ان تین شہسواروں کی موت بڑی دردناک ضرب تھی۔ اس سے ابوجہل کو یہ اندیشہ لاحق ہوگیا کہ کفار کہیں حوصلہ ہی نہ ہار دیں۔ اس نے بلند آواز سے یہ نعرہ لگایا: لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ

''ہمارے پاس عزیٰ ہے اور تمھارے پاس کوئی عزیٰ نہیں۔''

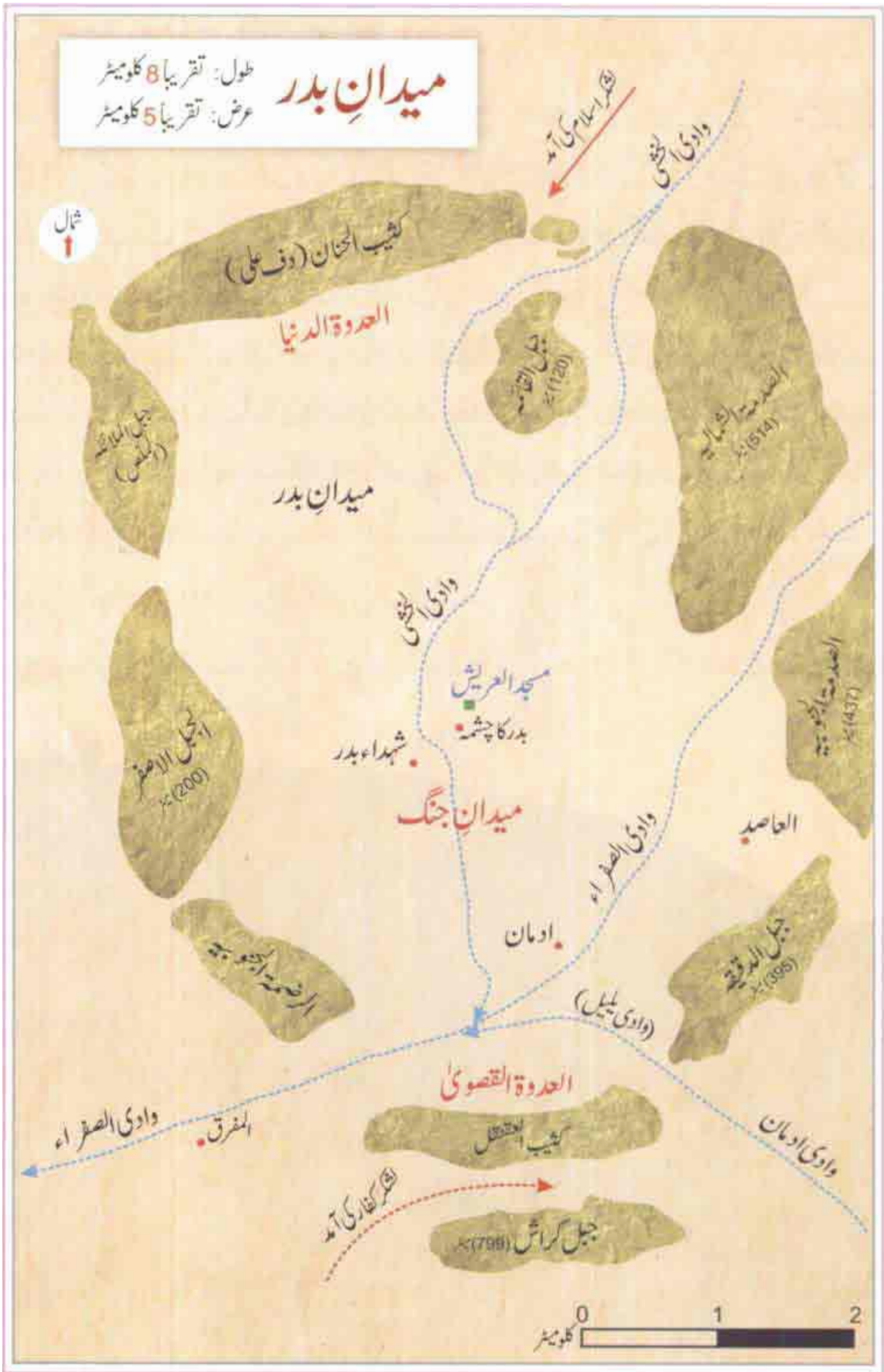
نبی کریم ﷺ نے کفر کے سرغنے کی یہ مکروہ چیخ سن کر مجاہدینِ اسلام سے کہا کہ تم یہ جواب دو:

«اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ، قَتْلَانَا فِي الْجَنَّةِ وَقَتْلَاكُمْ فِي النَّارِ»

''اللہ تعالیٰ ہمارا مددگار ہے اور تمھارا کوئی مددگار نہیں۔ ہمارے مقتول جنت میں جائیں گے اور تمھارے مقتول جہنم کا ایندھن بنیں گے۔'' [3]

مشرکین نے اپنے سالار کا نعرہ سن کر مسلمانوں کی صفوں پر اندھا دھند تیر اندازی شروع کر دی، پھر غیظ و غضب میں آ کر یکبارگی حملہ کر دیا۔ اس طرح جنگ کی آگ بھڑک اٹھی اور تلواریں یوں چمکنے لگیں جیسے اندھیرے میں بجلیاں چمکتی ہیں۔

[1] صحيح البخاري :4743. [2] تفسير الطبري، الحج 19:22، جامع الترمذي :2582. [3] سبل الهدى والرشاد :36/4.


میدانِ بدر
طول: تقریباً 8 کلومیٹر
عرض: تقریباً 5 کلومیٹر
لشکرِ اسلامی کی آمد
شمال
کثیب الحنان (دف علی)
العدوۃ الدنیا
میدانِ بدر
مسجد العریش
بدر کا چشمہ
شہداء بدر
میدانِ جنگ
ادمان
(وادی یلیل)
العدوۃ القصوی
وادی الصفراء
المفرق
کثیب العقنقل
وادی ادمان
لشکرِ کفار کی آمد
جبل کراش
0
1
2
کلومیٹر

مسلمانوں کا دفاعی محاذ

اِدھر مسلمان اپنے رب کے حضور میں نہایت خشوع وخضوع اور اخلاص کے ساتھ اپنے رب سے نصرت و مدد کی دعا کے بعد مشرکین کے تابڑ توڑ حملوں کو روک رہے تھے۔ ابھی تک مسلمانوں نے دفاعی موقف اپنایا ہوا تھا کیونکہ جنگ شروع ہونے سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے انھیں حکم دیا تھا کہ اگر وہ لوگ تمھارا گھیراؤ کر لیں تو انھیں تیروں سے دور ہٹا دو اور جب تک اجازت نہ ملے، حملہ نہ کرو۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ حکیمانہ جنگی منصوبہ مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنے اور مشرکین کو کمزور کر دینے میں بہت کارگر ثابت ہوا۔ وہ اس طرح کہ جب قریش کا حملہ اپنی شدت پر تھا اور مشرکین آتش غضب میں بھڑکے ہوئے تھے، انھوں نے مسلمانوں کی صفوں پر پے در پے کئی ناکام حملے کیے۔ ان حملوں میں مسلمانوں نے ثابت قدم رہ کر مشرکین کو شدید نقصان پہنچایا یہاں تک کہ دشمن کی ہمت جواب دے گئی۔ بدر کے دن مسلمانوں کا شعار ''اَحَد اَحَد'' تھا۔

سیدنا مہجع اور سیدنا حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہما کی شہادت

میدانِ بدر میں جس مجاہد نے سب سے پہلے جامِ شہادت نوش کیا، وہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے غلام مہجع رضی اللہ عنہ تھے۔

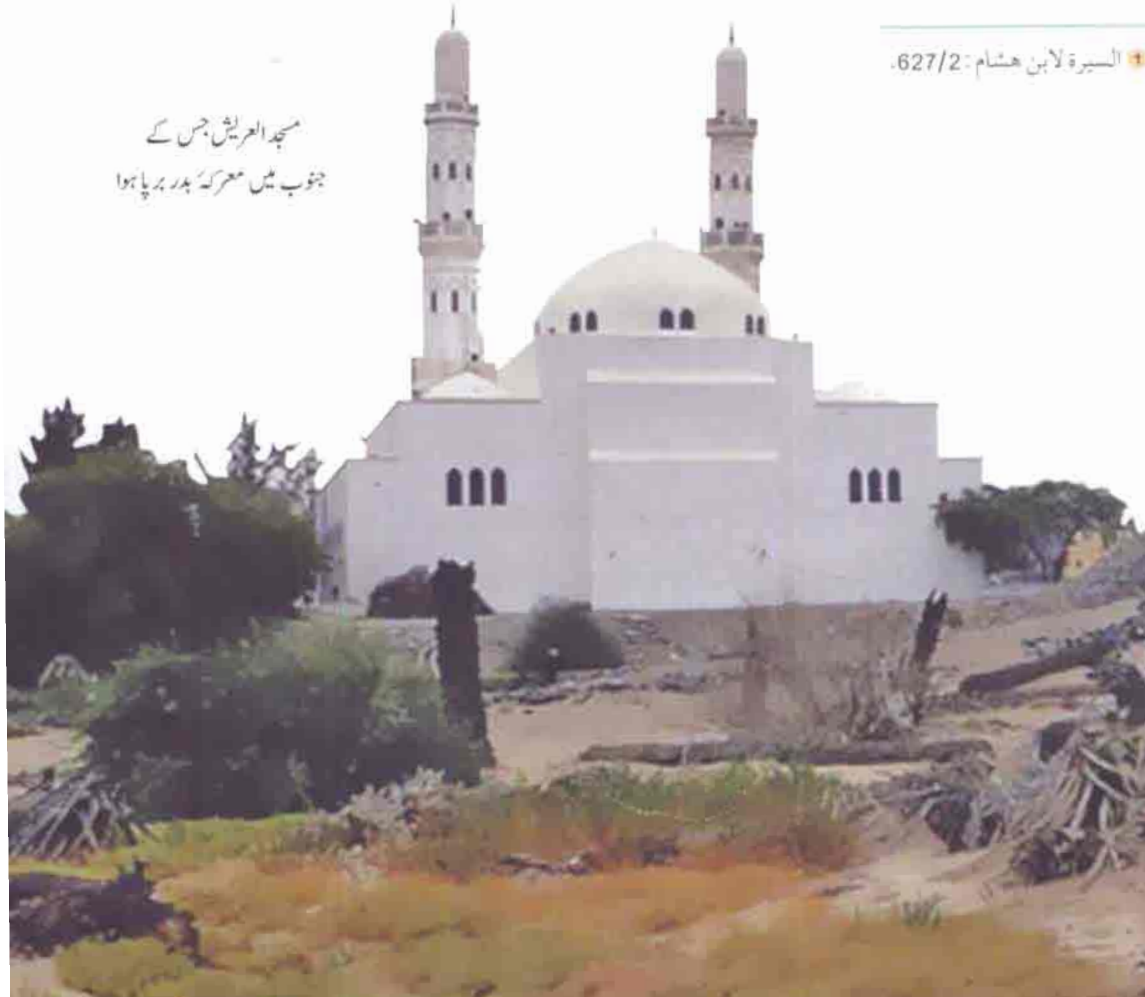


میں کسی تیر انداز نے اپنے تیر کا ہدف بنادیا جو جان لیوا ثابت ہوا۔ اس کے بعد بنوعدی بن نجار سے تعلق رکھنے والے سیدنا حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ کو تاجِ شہادت زیب سر کرنے کی سعادت ملی۔ آپ تالاب پر پانی پی رہے تھے کہ کسی کافر نے تاک کر انھیں تیر کا نشانہ بنایا۔ تیر ان کی گردن میں پیوست ہوگیا۔ اس طرح وہ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ [1]

رسول اللہ ﷺ نگرانی کے ہیڈ کوارٹر میں

بدر میں جہاں آج کل مسجد العریش بنی ہوئی ہے، اس جگہ اسلامی تاریخ کا سب سے پہلا جنگی مرکزِ قیادت بنایا گیا۔ یہ جگہ میدان جنگ میں خاصی اونچائی پر تھی۔ یہاں سے پورا میدانِ جنگ نظر آتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے معرکے سے پہلی پوری رات اللہ تعالیٰ سے دعا و مناجات میں گزار دی۔ صبح لشکر کی صف بندی کے بعد آپ ﷺ چھپر میں تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ صرف سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے۔

[1] السيرة لابن هشام: 627/2.



مسجد العریش جس کے
جنوب میں معرکۂ بدر برپا ہوا

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہاں ایک واقعہ بیان کیا ہے جس سے رسول اللہ ﷺ اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی باہمی ہم آہنگی اور ان کی جاں سپاری کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک روز سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے زمانۂ خلافت میں خطبہ ارشاد فرماتے فرماتے لوگوں سے پوچھنے لگے: لوگو! مجھے بتاؤ کہ سب سے بہادر آدمی کون ہے؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ آپ سب سے بہادر ہیں۔ انھوں نے فرمایا: میں تو وہ شخص ہوں کہ مجھے جس نے بھی للکارا، میں نے اپنی تلوار سے اس کے ساتھ انصاف کر دیا لیکن درحقیقت سب سے زیادہ بہادر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں کیونکہ جب ہم نے نبیِ کریم ﷺ کے لیے بدر کے میدان میں چھپر بنایا تو ہم نے اعلان کیا کہ اب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس مرکز قیادت میں کون رہے گا تاکہ کوئی مشرک آپ ﷺ پر حملے کی جسارت نہ کر سکے؟ پس اللہ کی قسم! اُس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی آدمی نے بھی لبیک نہ کہا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ فوراً اپنی تلوار لہراتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے سرمبارک کے پاس آ کھڑے ہوئے تاکہ اگر کوئی بدبخت آپ ﷺ پر حملے کی جسارت کرے تو وہ اسے منہ توڑ جواب دے سکیں۔ بلاشبہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی لوگوں میں سب سے بہادر شخص تھے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے رسول اللہ ﷺ پر جان چھڑکنے کا ایک اور واقعہ حاضرین کو سُنایا۔ کہنے لگے: ایک دفعہ کفارِ مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو پکڑ لیا۔ وہ آپ ﷺ کو تشدد کا نشانہ بنا رہے تھے اور کہہ رہے تھے: اچھا! وہ تمھی ہو جس نے بہت سارے معبودوں کو ایک معبود بنا دیا ہے۔ اللہ کی قسم! ہم میں سے کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ وہ آپ ﷺ کو مشرکین کے نرغے سے چھڑا سکے، اس وقت بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی آگے بڑھے۔ انھوں نے مشرکین کو پیچھے ہٹایا اور فرمایا:

وَيْلَكُمْ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللّٰهُ.

''تمھارا ستیاناس ہو! کیا تم اس شخص کو اس بات پر قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔''

پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی چادر اٹھائی جو انھوں نے اوڑھ رکھی تھی اور رونے لگے حتی کہ ان کی ڈاڑھی آنسوؤں سے بھیگ گئی، پھر انھوں نے لوگوں سے کہا: ''میں تمھیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، مجھے بتاؤ کہ آل فرعون کا مومن بہتر تھا یا ابوبکر؟'' مجمع پر سکوت طاری ہو گیا۔ تمام لوگوں نے چُپ سادھ لی۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

فَوَاللّٰهِ! لَسَاعَةٌ مِّنْ أَبِي بَكْرٍ خَيْرٌ مِّنْ مِّلْءِ الْأَرْضِ مِنْ مُّؤْمِنِ آلِ فِرْعَوْنَ، ذٰلِكَ رَجُلٌ يَكْتُمُ إِيْمَانَهُ وَهٰذَا رَجُلٌ أَعْلَنَ إِيْمَانَهُ.

''اللہ کی قسم! سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حیاتِ مبارک کا صرف ایک لمحہ آل فرعون کے مومن سے کہیں بہتر ہے، خواہ

ایسے مومنوں سے پوری زمین بھر جائے۔ آل فرعون کا مومن تو اپنے ایمان کو چھپاتا تھا لیکن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے ایمان کو علی الاعلان سب کے سامنے ظاہر کر دیا تھا۔''[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ الٰہی میں گریہ وزاری

قریشی لشکر بڑے تکبر سے میدان جنگ میں آیا تھا۔ ان مشرکوں کو پورا یقین تھا کہ مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں گے۔ انھوں نے اس قادرِ مطلق ہستی کو یکسر بھلا رکھا تھا جو ممولے سے باز کو ہلاک کرا دیتی ہے۔ مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے میدان میں اتری تھی۔ انھیں اللہ کی نصرت کا پورا یقین تھا۔ ان کے چہروں پر ذرا بھی پریشانی نہ تھی۔ وہ اللہ کی ذات پر کامل بھروسا رکھتے تھے۔ انھیں یقین تھا کہ اللہ اپنے نبی کی مدد ضرور کرے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے پروردگار کی بارگاہ میں انتہائی سوز و گداز کے ساتھ نصرت و فتح کی التجا کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ۝﴾

''(یاد کرو) جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمھاری فریاد قبول کر لی (اور کہا:) بے شک میں ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے ایک ہزار فرشتوں کے ذریعے سے تمھاری مدد کروں گا۔''[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر نصرتِ الٰہی کا وعدہ یاد دلاتے ہوئے یہ دعا کرنے لگے:

«اَللّٰهُمَّ! أَنْجِزْ لِي مَا وَعَدْتَنِي، اَللّٰهُمَّ! آتِ مَا وَعَدْتَنِي، اَللّٰهُمَّ! إِنْ تَهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةُ مِنْ أَهْلِ الْإِسْلَامِ لَا تُعْبَدْ فِي الْأَرْضِ»

''اے اللہ! تو نے جو مجھ سے وعدہ فرمایا تھا، اسے پورا فرما۔ اے اللہ! تو نے مجھ سے جس چیز کا وعدہ فرمایا تھا، وہ عطا فرما۔ اے اللہ! اگر آج اہل اسلام کا یہ مٹھی بھر گروہ ہلاک ہو گیا تو رُوئے زمین پر کبھی تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ رخ ہو کر ہاتھ پھیلائے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑا رہے تھے۔ اسی دوران میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں سے چادر مبارک گر گئی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر درست کی اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! بس کیجیے، آپ نے اپنے رب سے بڑے اصرار اور نہایت ہی تضرع سے دعا مانگی ہے۔

[1] البداية والنهاية: 271/3. [2] الأنفال 9:8.

اللہ تعالیٰ ضرور اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔ پھر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔ [1]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے بدر کے دن یہ دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ، اَللّٰهُمَّ! إِنْ شِئْتَ لَمْ تُعْبَدْ بَعْدَ الْيَوْمِ»

''اے اللہ! میں تجھے تیرے عہد اور وعدے کا واسطہ دیتا ہوں۔ اے اللہ! اگر تو چاہے تو آج کے بعد تیری عبادت نہ کی جائے گی۔''

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا دستِ مبارک تھام لیا اور عرض کی: بس آپ کو اتنا ہی کافی ہے، پھر آپ ﷺ چھپر سے باہر تشریف لائے۔ اس وقت آپ کی زبان مبارک پر یہ کلمات جاری تھے:

﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ﴾ (القمر 45:54)

''عنقریب یہ جتھا شکست کھا جائے گا اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے گا۔'' [2]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن جب جنگ شروع ہوئی تو میں کچھ دیر تک تو جنگ میں مشرکوں کا منہ پھیرتا رہا، پھر میں تیزی سے مرکز قیادت میں گیا تاکہ رسولِ اکرم ﷺ کو دیکھ لوں کہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی جبینِ نیاز بارگاہِ الٰہی میں جھکائی ہوئی ہے اور آپ برابر «يَاحَيُّ يَا قَيُّومُ! يَاحَيُّ يَاقَيُّومُ!» ''اے ہمیشہ زندہ رہنے والے! اے ہمیشہ قائم رہنے والے، اے ہمیشہ زندہ رہنے والے، اے ہمیشہ قائم رہنے والے!'' ہی پڑھتے جا رہے ہیں۔ میں پھر میدانِ مقتل کی طرف لوٹ گیا، کچھ دیر دشمن سے مقابلہ کرتا رہا۔ دل بے چین ہوا تو پھر چھپر کی طرف جا پہنچا۔ دیکھا کہ رسول اکرم ﷺ اسی حالت میں مسلسل ذکر الٰہی میں مشغول ہیں۔ میں پھر واپس میدانِ جنگ کی طرف پلٹا لیکن زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ دل میں پھر اضطراب پیدا ہوا کہ ایک دفعہ پھر ایک نظر اللہ کے رسول ﷺ کے رُخِ زیبا پر ڈال آؤں۔ اب بھی دیکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ پہلے والی حالت ہی میں ہیں اور بارگاہِ الٰہی میں متواتر رو رہے ہیں۔ میں اسی طرح پے در پے اللہ کے رسول ﷺ کی طرف پھیرے لگاتا رہا لیکن جب بھی گیا، آپ کو رب قدوس کی بارگاہ میں سر جھکائے نہایت عجز وانکسار کے ساتھ دعا مانگتے ہی پایا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب کر دی۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس قدر شدت اور قوت سے کسی کو اپنے حق کا واسطہ دیتے ہوئے نہیں سنا جس قدر شدت اور قوت سے اللہ کے رسول ﷺ کو بدر کے دن اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتے ہوئے

[1] صحیح مسلم: 1763، مسند أحمد: 30/1. [2] صحیح البخاري: 3953، مسند أحمد: 329/1.

سنا۔ نبی ﷺ بارگاہِ الٰہی میں رہ رہ کر یہی دعا کرتے رہے:

«اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَنْشُدُكَ وَعْدَكَ وَ عَهْدَكَ، اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ مَا وَعَدْتَنِي، اَللّٰهُمَّ! إِنْ تُهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةَ لَا تُعْبَدْ فِي الْأَرْضِ»

''اے اللہ! میں تجھے تیرے وعدے اور عہد کا واسطہ دیتا ہوں، اے اللہ! جو تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے، میں اس کا تجھ سے سوال کرتا ہوں، اے اللہ! اگر تو نے اس مٹھی بھر جماعت کو ہلاک کر دیا تو روئے زمین پر کبھی تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔''

دعا کے بعد جب آپ ﷺ نے اپنا رخِ انور پھیرا تو وہ چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''گویا میں کفار کی قتل گاہیں دیکھ رہا ہوں جہاں وہ گرے پڑے ہوں گے۔'' [1]

دنیا کے ہر مسلم قائد، حاکم اور سردار حتی کہ ہر مسلمان کے لیے شرعی حکم ہے کہ وہ اپنے آپ پر کلی اعتماد کرنے کے بجائے خالص نیت کرتے ہوئے اللہ وحدہ لاشریک کی پناہ میں آئے اور اس کے سامنے گریہ و زاری کرتے ہوئے سجدہ ریز ہو تاکہ مالک الملک کی مدد شامل حال ہو جائے۔

ذرا غور کیجیے! نبی ﷺ کے کندھوں سے چادر مبارک گر گئی۔ آپ ﷺ اسی حالت میں ہاتھ پھیلائے ہوئے انتہائی عاجزی کے ساتھ اللہ سے مدد کی التجا کر رہے تھے۔

نبی ﷺ میدان کارزار میں

جب جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے اور دونوں گروہوں کی تلواریں ٹکرانے لگیں تو رسول اللہ ﷺ بنفسِ نفیس اس معرکے میں شریک ہوگئے۔ اب اللہ کی نصرت اتر آئی۔ مجاہدینِ اسلام کے حوصلے بلند ہوئے۔ وہ مشرکین کی صفوں پر تابڑ توڑ حملے کرنے لگے۔ مشرکین نے جب مسلمانوں کے سالار ﷺ کو بنفس نفیس برسرِ پیکار دیکھا تو وہ سراسیمہ ہوگئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ آپ کا محافظ دستہ بھی تھا۔ اس وقت رسول کریم ﷺ فرما رہے تھے:

﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ۝ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهٰى وَأَمَرُّ ۝﴾

''عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور یہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ بلکہ قیامت ان کے وعدے کا وقت ہے اور قیامت زیادہ بڑی مصیبت اور زیادہ کڑوی ہے۔'' [2]

---

[1] البداية والنهاية :275/3. [2] القمر 46,45:54.

رسول اللہ ﷺ کا خاک اور کنکریاں پھینکنا

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ﴾

''(اے نبی!) جب آپ نے (مٹھی بھر خاک ان کی طرف) پھینکی تو وہ آپ نے نہیں پھینکی بلکہ وہ تو اللہ نے پھینکی تھی۔'' [1]

محمد بن عمر اسلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا تو آپ ﷺ نے مٹھی بھر کنکریاں اُٹھائیں اور مشرکین کی طرف پھینک دیں، ساتھ ہی فرمایا:

«شَاهَتِ الْوُجُوهُ، اَللّٰهُمَّ! أَرْعِبْ قُلُوبَهُمْ وَزَلْزِلْ أَقْدَامَهُمْ»

''چہرے بگڑ جائیں۔ اے اللہ! ان کے دلوں پر رعب ڈال دے اور ان کے قدموں پر لرزہ طاری کر دے۔''

اللہ کے دشمن شکست کھانے لگے۔ ان میں پیچھے مڑ کر کسی چیز کی طرف دیکھنے کی بھی جرأت نہیں تھی۔ انھوں نے اپنی زرہیں پھینک دیں اور مسلمان انھیں قتل کرنے لگے۔ مشرکوں میں سے کوئی نہ تھا جس کی آنکھ میں مٹی نہ گئی ہو۔ [2]

ابن ابی حاتم نے ابن زید سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین مٹھیاں کنکریاں لیں۔ ایک مٹھی کی لشکر

[1] الأنفال 17:8. [2] المغازي للواقدي: 88/1.



میدانِ بدر کا کشادہ منظر

کے دائیں جانب، دوسری مٹھی ان کے بائیں جانب اور تیسری ان کے سامنے پھینکی اور ساتھ ہی فرمایا: ''چہرے بگڑ جائیں۔'' پھر مکی لشکر کو بُری طرح شکست فاش ہوئی۔

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ جو مکی لشکر میں شامل تھے، بیان کرتے ہیں: ہم نے بدر کے دن ایک آواز سنی جو آسمان سے زمین کی طرف آئی۔ وہ آواز ایسی تھی جیسے کسی تھال میں کنکریاں گر رہی ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کنکریوں کو مشرکین کی طرف پھینکا اور یہ فرمایا: «شَاهَتِ الْوُجُوهُ» ''چہرے بگڑ جائیں۔'' اس کے بعد ہم شکست کھا گئے۔

عبداللہ بن ثعلبہ بن صُعیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے میرے پروردگار! اگر یہ مٹھی بھر جماعت ہلاک ہوگئی تو زمین میں کبھی تیرا نام نہ لیا جائے گا۔'' جبریل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: ''آپ مٹھی بھر مٹی لیں اور مشرکین کے چہروں پر پھینک دیں۔'' مشرکین میں سے کوئی بھی محفوظ نہیں رہا۔ سب کی آنکھوں، نتھنوں اور منہ میں مٹی گھس گئی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''ان پر مسلط ہو جاؤ، شکست ان کا مقدر بن گئی ہے۔'' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بعض سردار ہلاک کر دیے اور بعض کو قیدی بنا لیا، پھر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا:

﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ﴾ (الأنفال 17:8)

''(اے نبی!) جب آپ نے (مٹھی بھر خاک ان کی طرف) پھینکی تو وہ آپ نے نہیں پھینکی بلکہ وہ تو اللہ نے



پھینکی تھی۔“ [1]

ابن اسحاق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ نے سنگ ریزوں کی مٹھی لی، پھر قریش کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ”چہرے بگڑ جائیں۔“ پھر مشرکین کی طرف رُخ کر کے مٹھی پر پھونک ماری اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا: «شُدُّوا......» ”پوری قوت سے ٹوٹ پڑو۔“ شکست ان کا مقدر بن گئی۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے سرغنوں کو قتل کر دیا اور ان کے معزز سردار قید ہو گئے۔ جب لوگ کفار کو قیدی بنانے لگے تو رسول اللہ ﷺ چھپر میں تشریف فرما تھے۔ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ محافظ انصاری دستے کے ساتھ چھپر کے باہر پہرہ دے رہے تھے۔ انھیں ڈر تھا کہ کہیں دشمن مڑ کر آپ ﷺ پر حملہ نہ کر دے اور آپ کو کوئی گزند نہ پہنچائے۔ رسول اللہ ﷺ نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار دیکھے۔ لوگ دشمنوں کو قید کر رہے تھے، سعد کو یہ بات ناگوار گزر رہی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کی قسم! اے سعد! مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ لوگ جو کام کر رہے ہیں، وہ تم پر گراں گزر رہا ہے؟“ انھوں نے جواب دیا: جی ہاں، اے اللہ کے رسول! مشرکین کے ساتھ ہمارا یہ پہلا فیصلہ کن معرکہ ہے، اس لیے مشرکین کا خون بہانا ان کو قید کرنے کی نسبت مجھے زیادہ محبوب ہے۔ [2]

فرشتوں کا نزول

رسول اللہ ﷺ نے انتہائی عاجزی کے ساتھ دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو وحی کی کہ وہ اہلِ ایمان کو ثابت قدم رکھنے کے لیے ان کی مدد کو جائیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ﴾

”(اے نبی!) جب تمھارا رب فرشتوں کی طرف وحی کر رہا تھا کہ بے شک میں تمھارے ساتھ ہوں، چنانچہ تم انھیں ثابت قدم رکھو جو ایمان لائے ہیں۔ میں جلد ہی ان لوگوں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا جنھوں نے کفر کیا، چنانچہ تم (ان کی) گردنوں پر وار کرو اور ان کی ایک ایک پور پر ضرب لگاؤ۔“ [3]

اللہ تعالیٰ نے مزید ارشاد فرمایا:

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 1673,1672/5، تفسير الطبري، تفسير الكشاف، الدر المنثور، الأنفال 17:8، سبل الهدى والرشاد: 48/4، دلائل النبوة للبيهقي: 80/3. [2] السيرة لابن هشام: 628/2، الاكتفاء: 25/2. [3] الأنفال 12:8.

﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ○ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ○ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۗ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ○﴾

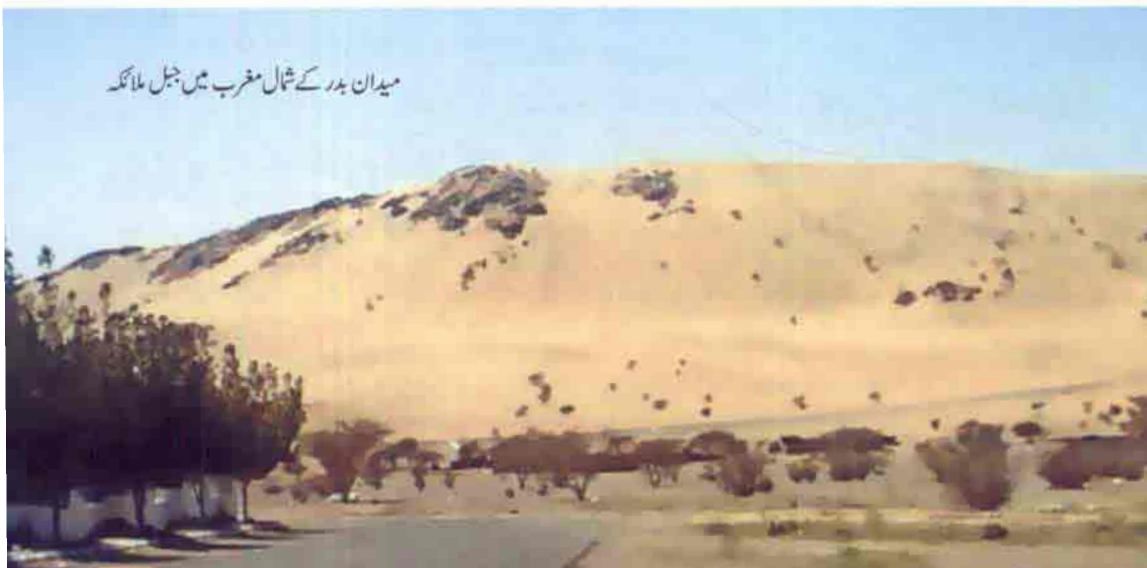
’’اور اللہ نے بدر میں عین اس وقت تمھاری مدد کی جب تم کمزور تھے، پس تم اللہ سے ڈرو تاکہ تمھیں شکر ادا کرنے کی توفیق ہو۔ (اے نبی!) جب آپ مومنوں سے کہہ رہے تھے: کیا تمھارے لیے کافی نہ ہوگا کہ تمھارا رب (آسمان سے) تین ہزار فرشتے اتار کر تمھاری مدد کرے؟ کیوں نہیں! اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور دشمن تم پر فوراً چڑھ دوڑے تو اسی لمحے تمھارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے تمھاری مدد کرے گا جن پر خاص نشان لگے ہوں گے۔ اور اللہ نے اسے تمھارے لیے خوش خبری بنا دیا اور تاکہ اس سے تمھارے دلوں کو تسلی ہو اور مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے جو بہت زبردست، نہایت حکمت والا ہے۔‘‘ [1]

جب نبی ﷺ اپنے مرکز قیادت میں اللہ تعالیٰ کے حضور گریہ و زاری میں مصروف تھے اور اللہ تعالیٰ سے مدد کی درخواست کر رہے تھے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی طرف وحی کی:

﴿اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ○﴾

’’جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمھاری فریاد قبول کر لی (اور کہا) کہ بے شک میں ایک

[1] آل عمرٰن 3:123-126.



میدان بدر کے شمال مغرب میں جبل ملائکہ

دوسرے کے پیچھے آنے والے ایک ہزار فرشتوں سے تمھاری مدد کروں گا۔'' [1]

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو ایک جھپکی آئی، پھر آپ ﷺ نے سر مبارک اٹھایا اور فرمایا:

«أَبْشِرْ يَا أَبَابَكْرٍ! أَتَاكَ نَصْرُ اللّٰهِ، هٰذَا جِبْرِيلُ آخِذٌ بِعَنَانِ فَرَسٍ يَقُودُهُ، عَلٰى ثَنَايَاهُ النَّقْعُ»

''ابوبکر! خوش ہو جاؤ۔ اللہ کی مدد آ گئی ہے۔ یہ جبریل علیہ السلام ہیں جو اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے ہیں اور ان کے سامنے کے دونوں دانت گرد و غبار میں اٹے ہوئے ہیں۔'' [2]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«هٰذَا جِبْرِيلُ آخِذٌ بِرَأْسِ فَرَسِهِ عَلَيْهِ أَدَاةُ الْحَرْبِ»

''یہ جبریل ہیں جو اپنے گھوڑے کو سر (لگام) سے پکڑے ہوئے ہیں اور ہتھیار بند ہیں۔'' [3]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ایک صحابی بدر کے دن اپنے آگے بھاگنے والے مشرک کے تعاقب میں بھاگ رہا تھا۔ اچانک اس نے اوپر سے کوڑے کی آواز سنی۔ اس کے ساتھ ہی ایک گھڑ سوار کی آواز بھی آئی جو کہہ رہا تھا: أَقْدِمْ حَيْزُومُ! ''حیزوم! آگے بڑھو۔'' مسلمان نے اچانک دیکھا کہ وہی بھاگنے والا مشرک شانوں کے بل چت گرا ہوا تھا۔ اس صحابی نے لپک کر دیکھا تو اس مشرک کی ناک زخمی اور چہرہ پھٹا ہوا تھا جیسے اُسے کسی نے کوڑا مارا ہو اور (کوڑے کے زہر آلود ہونے کی وجہ سے) اس کا سارا جسم سبز ہو چکا تھا۔ اس انصاری صحابی نے یہ واقعہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں گوش گزار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«صَدَقْتَ، ذٰلِكَ مِنْ مَّدَدِ السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ»

''تم نے سچ کہا، یہ تیسرے آسمان سے مدد آئی تھی۔'' [4]

سیدنا علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بدر کے دن ایک انصاری صحابی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو قید کر کے لایا۔ عباس رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! مجھے اس شخص نے قید نہیں کیا۔ مجھے تو ایک ایسے خوبصورت آدمی نے گرفتار کیا ہے جس کے سر کے سامنے کی طرف سے دونوں جانب بال نہیں تھے اور وہ ایک چتکبرے گھوڑے پر سوار تھا۔ اب وہ مجھے ان لوگوں میں نظر بھی نہیں آ رہا۔ انصاری صحابی نے کہا: نہیں، اللہ کے رسول! اسے تو میں نے ہی قید کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اُسْكُتْ، فَقَدْ أَيَّدَكَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِمَلَكٍ كَرِيمٍ»

[1] الأنفال 8:9. [2] السيرة لابن هشام: 627/2. [3] صحيح البخاري: 3995. [4] صحيح مسلم: 1763.

''تم چپ رہو۔ اللہ تعالیٰ نے ایک معزز فرشتے کے ذریعے سے تمھاری مدد فرمائی ہے۔'' [1]

سیدنا ابوداود مازنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن میں ایک مشرک کے تعاقب میں تھا کہ اسے مار گراؤں مگر میری تلوار اس تک پہنچنے بھی نہیں پائی تھی کہ پہلے ہی اس کا کام تمام ہوگیا اور اس کا سرتن سے جدا ہو کر زمین پر گر پڑا۔ میں سمجھ گیا کہ اسے میرے سوا کسی اور شخص نے قتل کیا ہے۔ [2]

نزولِ ملائکہ کی حکمت

بلاشبہ معرکۂ بدر میں فرشتوں کا اترنا یقینی امر ہے جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ مذکورہ بالا آیات و احادیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشاہدات اس پر شاہد عدل ہیں کہ اس امداد کی حکمت یہ تھی کہ مسلمانوں کے لیے کامیابی کے اسباب مہیا ہوں، چنانچہ فرشتوں نے یہ اسباب فراہم کیے، مثلاً: مدد آنے کی خوشخبری دینا، ان کے دلوں میں مدد آنے کا احساس پیدا کرنا تاکہ انھیں جنگ میں ثابت قدمی حاصل رہے اور لڑائی میں جوش و خروش پیدا ہو۔

بعض فرشتوں نے بالفعل لڑائی میں حصہ بھی لیا۔ بلاشبہ اُن کی شراکت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل مضبوط ہو گئے اور لڑائی میں تیزی اور گرمجوشی بھی آ گئی جیسا کہ مذکورہ دلائل سے واضح ہے۔

بہت سے فرشتوں سے مسلمانوں کی امداد کی کیا حکمت ہے، حالانکہ یہ کام تو ایک فرشتہ بھی کر سکتا تھا، جیسے جبریل علیہ السلام ہیں۔ وہ اکیلے ہی تمام کفار کی روحیں قبض کر لیتے اور انھیں تہس نہس کر دیتے! شیخ عبدالکریم زیدان فرماتے ہیں کہ ازل ہی سے حق کا باطل سے اور اہلِ حق کا اہلِ باطل سے تصادم رہا ہے۔ غلبہ ہمیشہ اہلِ حق کو حاصل ہوا لیکن اس کائنات میں اسباب اختیار کرنے کا قانون جاری و ساری ہے، لہٰذا آزمائش کے موقع پر تمام مطلوبہ مادی تقاضے پورے کرنا ضروری ہے جن سے اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت حاصل ہوتی ہے۔ [3]

فرشتوں کا نزول ایک طرف اہلِ ایمان کے لیے ثابت قدمی کا باعث تھا۔ دوسری طرف فرشتوں کا نزول کفارِ قریش کے حوصلے پست اور ان کا یقین متزلزل کر رہا تھا کیونکہ ان کی صفوں میں مسلمانوں کے لیے نزول ملائکہ کا مسلسل چرچا ہو رہا تھا اور بعض کافر فرشتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ مٹھی بھر مسلمانوں کے مقابلے میں کفار یقیناً بڑے طاقتور تھے اور وہ مسلمانوں کو ختم کرنے کا تہیہ کیے بیٹھے تھے لیکن ایک غیبی طاقت کے تصور نے انھیں ہلا کر رکھ دیا تھا اور ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب چھا گیا۔ [4]

[1] مسند أحمد: 117/1. [2] مسند أحمد: 450/5. [3] المستفاد من قصص القرآن لعبد الكريم زيدان: 131/2. [4] التاريخ الإسلامي للحميدي: 145/4.

بدری فرشتوں کی تعداد

اللہ تعالیٰ نے تو مسلمانوں کی ڈھارس بندھانے اور ان کے دل مضبوط کرنے کے لیے ایک ہزار فرشتے نازل فرمائے۔ اُدھر کفار نے لشکر اسلام میں یہ افواہ پھیلا دی کہ کُرز بن جابر بہت بڑی کمک لے کر قریشی لشکر کی مدد کو آرہا ہے۔ اس افواہ نے مسلمانوں کی صفوں میں اضطراب پیدا کر دیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ تم کفار کی کمک سے ڈرتے ہو تو یہ بے جا خوف اپنے دل سے نکال دو کیونکہ میں بھی آسمان سے فرشتوں کی مزید کمک بھیج دوں گا، تاہم کفار کی کمک محض ایک افواہ ہی تھی اور ان کی مدد کو حقیقتاً کوئی بھی نہ پہنچا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بھی تین ہزار یا پانچ ہزار فرشتے نہیں بھیجے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ تین ہزار اور پانچ ہزار فرشتوں کا نزول غزوۂ احد میں ہوا تھا لیکن صحیح روایات سے جنگ احد میں فرشتوں کا نزول ثابت نہیں، لہٰذا پہلی بات ہی ٹھیک ہے۔

مشرکین کو فرشتوں کا نظر آنا

یہ میدان بدر ہی کا معرکہ ہے جس میں فرشتوں نے لڑائی میں باقاعدہ حصہ لیا جیسا کہ خطیب قریش سیدنا سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ (اس وقت یہ مشرک تھے) فرماتے ہیں کہ میں نے بدر کے دن آسمان و زمین کے درمیان چتکبرے گھوڑوں پر سوار سفید آدمیوں کے لشکر دیکھے جو قریشی لشکر کے کچھ افراد کو قتل کرتے اور کچھ کو قید کرتے رہے۔ سیدنا ابواُسید ساعدی رضی اللہ عنہ نابینا ہو گئے تھے۔ وہ فرماتے تھے: اگر آج میری بینائی بحال ہوتی تو میں تمھیں میدانِ بدر کی وہ گھاٹی دکھاتا جہاں سے فرشتے نکلے تھے، مجھے اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں۔

فرشتوں کی ترتیب

سیدنا ابورُہم غِفاری رضی اللہ عنہ اپنے چچا زاد سے بیان کرتے ہیں کہ معرکۂ بدر کے دوران میں ایک دفعہ میں اور میرا چچا زاد بدر کے چشمے پر تھے۔ محمد ﷺ کے لشکر کی قلت اور قریشی لشکر کی کثرت دیکھی تو ہم نے منصوبہ بنایا کہ جب دونوں جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں گی تو ہم محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں سے جا ملیں گے۔ ہم مجاہدینِ اسلام کی بائیں صفوں کی طرف چل پڑے۔ ہم آپس میں کہہ رہے تھے کہ یہ تو قریش کے مقابلے میں صرف ایک چوتھائی ہیں۔ ہم لشکر اسلام کے میسرہ ہی میں چل رہے تھے کہ ایک بدلی چھا گئی اور اس نے ہمیں ڈھانپ لیا۔ ہم نے اس کی طرف دیکھا تو آدمیوں اور جنگی آلات کی آوازیں سنیں۔ ایک آدمی اپنے گھوڑے سے کہہ رہا تھا: أَقْدِمْ حَيْزُوم! ''حیزوم! آگے بڑھو۔'' پھر ہم نے انھیں یہ کہتے ہوئے سنا کہ ٹھہرو! ابھی تمھارے باقی ماندہ ساتھی بھی آجائیں،

چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے میمنہ (دائیں پہلو) کی طرف اترے، پھر اس جیسا ایک اور گروہ آ گیا اور وہ بھی نبی ﷺ کے ساتھ شامل ہوگیا۔ اب ہم نے نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ کی طرف دیکھا تو ان کی تعداد کفار قریش سے دگنی ہوگئی تھی۔ میرا چچا زاد تو خوف کے مارے وہیں ہلاک ہوگیا اور میں نے ضبط سے کام لیا، پھر میں نے نبی ﷺ کو یہ واقعہ سنایا۔ بعد ازاں یہ مسلمان ہو گئے اور خوب اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بدر کے دن دو آدمی دیکھے۔ ان میں سے ایک نبی ﷺ کے دائیں جانب تھا اور دوسرا بائیں جانب۔ وہ بڑی جوانمردی سے لڑ رہے تھے، پھر ایک تیسرا آدمی بھی آپ ﷺ کے پیچھے آ گیا، پھر چوتھا آدمی آیا اور آپ ﷺ کے آگے آ کر لڑنے لگا۔

فرشتوں نے کفار کو قتل اور قید کیا

سائب بن ابی حبیش اسدی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بیان کرتے تھے: اللہ کی قسم! بدر کے دن مجھے لوگوں میں سے کسی نے بھی قید نہیں کیا تھا۔ ان سے پوچھا جاتا: پھر آپ کو کس نے قید کیا تھا؟ وہ کہتے کہ جب قریش کے قدم اکھڑے اور انھوں نے پسپائی اختیار کی تو میں بھی ان شکست خوردہ افراد میں شامل تھا، اچانک میں نے ایک چتکبرا گھوڑا دیکھا۔ اس پر سفید رنگ کا ایک لمبا چوڑا آدمی سوار تھا۔ اس نے مجھے دبوچ لیا اور خوب مضبوطی سے باندھ دیا۔ ادھر سے عبدالرحمٰن بن عوف آ گئے، انھوں نے مجھے بندھا ہوا پایا۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے لشکر میں آواز لگائی: اسے کس نے قید کیا ہے؟ کسی نے بھی کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ وہ مجھے اللہ کے رسول ﷺ کے پاس لے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا: ابن ابی حبیش! تجھے کس نے قید کیا؟ میں نے کہا: میں اسے نہیں پہچانتا۔ اس وقت مجھے یہ بات اچھی نہیں لگی کہ میں آپ ﷺ کو اپنی آپ بیتی سناؤں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسے ایک معزز فرشتے نے قید کیا تھا۔ ابن عوف! جاؤ اپنے قیدی کو لے جاؤ، چنانچہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مجھے لے گئے۔ سائب کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں ہمیشہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد یاد کرتا رہا۔ میں نے کافی دیر بعد اسلام قبول کیا۔[1]

ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ فرشتوں نے بنفسِ نفیس جنگ بدر میں حصہ لیا اور کفار کو قتل اور قید کرنے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کی۔

بدر کے دن فرشتوں کی رنگ برنگ پگڑیاں

ابن سعد رحمہ اللہ نے ہشام بن عروہ کے حوالے سے عباد بن حمزہ بن زبیر سے روایت کی ہے کہ بدر کے دن فرشتے

[1] المغازي للواقدي: 1/84-86.

نازل ہوئے تھے۔ ان کے سروں پر زرد رنگ کی پگڑیاں تھیں۔ زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس بھی بدر کے دن زرد رنگ کی چادر تھی۔ اسی سے انھوں نے ڈھاٹا باندھ رکھا تھا۔[1]

ابن ابی شیبہ اور ابن جریر نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ بدر کے دن سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے سر پر زرد رنگ کی پگڑی تھی، اسی سے انھوں نے ڈھاٹا باندھ رکھا تھا۔ اس دن دیگر فرشتے بھی اترے تو ان کی پگڑیاں بھی زرد رنگ کی تھیں۔

امام طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ عروہ رحمہ اللہ سے بیان کیا ہے: جبریل علیہ السلام بدر کے دن زبیر رضی اللہ عنہ کی ہیئت کے مطابق آئے۔ انھوں نے زرد رنگ کی پگڑی سے ڈھاٹا باندھ رکھا تھا۔[2]

ابن اسحاق رحمہ اللہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا: بدر کے دن فرشتوں کی نشانی سفید عمامے تھے جن کے پلّے انھوں نے اپنی پشتوں پر لٹکا رکھے تھے اور حنین کے دن انھوں نے سرخ پگڑیاں باندھ رکھی تھیں۔

ابن ہشام رحمہ اللہ نے سیدنا علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کی ہے کہ بدر کے دن فرشتوں نے سفید پگڑیاں باندھ رکھی تھیں جن کے پلّے انھوں نے اپنی پشتوں پر ڈالے ہوئے تھے، سوائے جبریل علیہ السلام کے، انھوں نے زرد رنگ کی پگڑی باندھ رکھی تھی۔[3]

ابلیس کا میدان جنگ سے فرار

سیدنا رفاعہ بن رافع اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار فرشتے نازل فرما کر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں کی مدد کی۔ جبریل علیہ السلام پانچ سو فرشتوں کا لشکر لے کر ایک پہلو پر اترے اور دوسری جانب میکائیل علیہ السلام پانچ سو فرشتوں کی جماعت کے ساتھ شامل ہوئے۔ کفار کے لشکر میں ابلیس بھی اپنا جھنڈا لیے اپنے لاؤ لشکر سمیت شامل تھا۔ اس کے چیلوں نے بنومدلج کے نوجوانوں کی شکل اختیار کر رکھی تھی جبکہ شیطان نے سراقہ بن مالک بن جعشم کا روپ دھار رکھا تھا۔ شیطان نے مشرکین سے کہا: آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ میں تمھارے ساتھ ہوں۔ جب گھمسان کا رن پڑا اور جبرئیل علیہ السلام ابلیس کی طرف بڑھے تو اُسے اپنے سر پر موت کے سائے منڈلاتے نظر آئے۔ اس وقت اس کا ہاتھ ایک مشرک کے ہاتھ میں تھا، اُس نے فوراً اپنا ہاتھ چھڑایا اور پیٹھ

[1] الطبقات لابن سعد: 26/2. [2] المعجم الكبير للطبراني: 193/11 و 120/1، المصنف لابن أبي شيبة: 160/5، حديث: 24743، المستدرك للحاكم: 361/3. [3] السيرة لابن هشام: 633/2.

پھیر کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس مشرک فوجی نے کہا: اے سراقہ! تم نے تو کہا تھا کہ میں تمھارے ساتھ رہوں گا، اب کہاں بھاگ رہے ہو؟ اس نے جواب دیا: میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تمھیں نظر نہیں آتا۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔

اسی موقع پر حارث بن ہشام نے دیکھا کہ سراقہ بن مالک میدان چھوڑ کر بھاگ رہا ہے۔ حارث نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ شیطان جو سراقہ کی شکل میں تھا، اس نے حارث کے سینے پر گھونسا مارا۔ وہ زمین پر گر پڑا۔ شیطان پیچھے دیکھے بغیر دُم دبا کر بھاگتا رہا اور سمندر میں کود پڑا۔ اس نے اپنے ہاتھ بلند کیے اور دعا کرنے لگا: ''اے رب! اپنے اس وعدے کا لحاظ رکھنا جو تو نے مجھ سے کیا تھا۔ اے اللہ! میں تجھ سے مہلت کا سوال کرتا ہوں۔'' اس وقت شیطان کو یہ خطرہ لاحق ہوگیا تھا کہ جبریل علیہ السلام اسے قتل کر دیں گے۔ [1]

ابوجہل کا تکبر

طاغوتی لشکر کے سالار ابوجہل نے جب اپنی صفوں میں اضطراب دیکھا تو اس نے محسوس کرلیا کہ اس کے لشکر میں پسپائی کے آثار نمودار ہو رہے ہیں۔ مسلمان کشتوں کے پُشتے لگائے جا رہے ہیں اور مشرکین مکہ پر خوف و ہراس طاری ہو رہا ہے تو اس نے اپنے لشکر کو للکارا اور بڑے تکبر سے کہنے لگا: سراقہ کی کنارہ کشی سے تمھیں پست ہمت نہیں ہونا چاہیے۔ اس نے محمد (ﷺ) کے ساتھ پہلے ہی ساز باز کر رکھی تھی۔ تم پر عتبہ، شیبہ اور ولید کے قتل ہو جانے کا ہول بھی سوار نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ان لوگوں نے جلد بازی سے کام لیا تھا۔ لات اور عُزّیٰ کی قسم! جب تک ہم محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کو رسیوں سے نہ جکڑ دیں، اُس وقت تک ہم واپس نہیں جائیں گے۔ دیکھو! تم میں سے کوئی شخص ان کے کسی آدمی کو قتل نہ کرے بلکہ انھیں گرفتار کرو تاکہ ہم انھیں ان کی بری حرکت کا مزہ چکھائیں۔

ایک روایت میں ہے کہ بدر میں شکست کے بعد جب مشرکین مکہ واپس جا رہے تھے تو انھوں نے سراقہ بن مالک کو دیکھا۔ انھوں نے کہا: اے سراقہ! تو نے ہماری صفوں میں پھوٹ ڈال دی، ہمارا جنگی نظام درہم برہم کر دیا، ہمیں شکست سے دوچار کیا اور ہماری شکست کا ذمہ دار تو ہی ہے۔ سراقہ نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے تو تمھارے کسی معاملے کا علم نہیں۔ مجھے تو اس جنگ کا بھی تمھاری شکست کے بعد پتہ چلا ہے۔ میں اس جنگ میں شریک ہوا نہ مجھے اس کا علم ہے۔ انھوں نے اس کی بات کا یقین نہیں کیا حتی کہ جب یہ لوگ مسلمان ہوئے اور انھوں نے اس

[1] تفسير الطبري، تفسيرابن كثير، الأنفال 48:8، المعجم الكبير للطبراني : 48,47/5، دلائل النبوة للبيهقي : 79/3، المغازي للواقدي :79/1.

واقعے کی حقیقت قرآن مجید میں پڑھی تو انھیں پتہ چلا کہ یہ ساری کارستانی شیطان کی تھی۔ اسی ملعون نے سراقہ رضی اللہ عنہ کا روپ دھار کر انھیں دھوکا دیا تھا۔[1]

ابوجہل کی ہلاکت

ابوجہل اب بھی اپنے گرد مشرکین کا ایک غول لیے جما ہوا تھا۔ اس غول نے ابوجہل کے چاروں طرف تلواروں کی باڑھ اور نیزوں کا حصار قائم کر رکھا تھا لیکن اسلامی لشکر کی یلغار نے اس سارے جتھے کے قدم اکھاڑ دیے۔ اس کے بعد یہ طاغوتِ اکبر متحرک دکھائی دیا۔ مسلمانوں نے دیکھا کہ ابوجہل ایک گھوڑے پر چکر کاٹ رہا ہے۔ ادھر اس کی موت دو انصاری نوجوانوں کے ہاتھوں اس کی تاک میں تھی۔

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے دن میں صف میں کھڑا تھا۔ میرے دائیں بائیں دو نوعمر لڑکے تھے۔ میرے دل میں خیال آیا: کاش! میں مضبوط جوان آدمیوں کے درمیان ہوتا! میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ان میں سے ایک لڑکے نے مجھ سے چپکے سے پوچھا: چچا جان! کیا آپ ابوجہل کو جانتے ہیں؟ میں نے کہا: بھتیجے! میں اسے خوب جانتا ہوں مگر تمھیں اس سے کیا کام ہے؟ وہ کہنے لگا:

أُخْبِرْتُ أَنَّهُ يَسُبُّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَئِنْ رَأَيْتُهُ لَا يُفَارِقُ سَوَادِي سَوَادَهُ حَتّٰى يَمُوتَ الْأَعْجَلُ مِنَّا.

”مجھے پتہ چلا ہے کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کے خلاف ہرزہ سرائی کرتا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر میں نے اسے دیکھ لیا تو میرا وجود اس کے وجود سے اُس وقت تک الگ نہیں ہوگا جب تک کہ ہم میں سے جس کی موت پہلے لکھی ہے، وہ مر نہ جائے۔“

اس نے بمشکل اپنی بات ختم ہی کی تھی کہ دوسرے نوجوان نے بھی قریب آ کر آہستگی سے وہی بات پوچھی جو پہلے نے پوچھی تھی۔ اچانک میں نے دیکھا کہ ابوجہل لوگوں کے درمیان چکر لگاتے ہوئے یہ رجز پڑھ کر انھیں جوش دلا رہا ہے:

مَا تَنْقِمُ الْحَرْبُ الْعَوَانُ مِنِّي بَازِلُ عَامَيْنِ حَدِيثٌ سِنِّي
لِمِثْلِ هٰذَا وَلَدَتْنِي أُمِّي

[1] المعجم الكبير للطبراني : 48,47/5، الروض الأنف : 116,115/3، البداية والنهاية : 280/3، سبل الهدٰى والرشاد : 43/4.

''یہ شدید جنگ مجھ سے کیا انتقام لے سکتی ہے۔ میں تو نوجوان طاقتور اونٹ ہوں جو اپنے عنفوانِ شباب میں ہو۔ میری ماں نے مجھے ایسی جنگوں ہی کے لیے جنم دیا ہے۔''

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے ان لڑکوں سے کہا: ارے! دیکھو، وہ رہا تمھارا شکار جس کے بارے میں تم پوچھ رہے تھے۔ بس یہ کہنے کی دیر تھی۔ وہ دونوں اپنی تلواریں لے کر عقاب کی طرح ابوجہل پر جھپٹ پڑے۔ انھوں نے اسے قتل کر دیا اور پلٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا: «أَيُّكُمَا قَتَلَهُ؟» ''تم دونوں میں سے کس نے اسے قتل کیا ہے؟'' دونوں نے کہا: میں نے اسے قتل کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: «هَلْ مَسَحْتُمَا سَيْفَيْكُمَا؟» ''کیا تم نے اپنی تلواریں صاف کر لی ہیں؟'' وہ بولے: جی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «كِلَاكُمَا قَتَلَهُ» ''تم دونوں ہی نے اسے قتل کیا ہے۔'' البتہ ابوجہل کا سامان معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمایا۔ دونوں شاہینوں کے نام معاذ بن عمرو بن جموح اور معاذ ابن عفراء رضی اللہ عنہم ہیں۔[1]

ابن اسحاق رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ جس وقت ابوجہل گھنے درختوں کی طرح نیزوں اور تلواروں کی باڑھ کے حصار میں تھا، میں نے مشرکین کو یہ کہتے سُنا: ابوالحکم تک کسی کی رسائی نہ ہو۔ معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے جونہی یہ بات سنی، اس کی طرف ہولیا اور جیسے ہی موقع ملا میں نے حملہ کر دیا اور تلوار کی ایسی ضرب لگائی کہ اس کی نصف پنڈلی اڑ گئی۔ اللہ کی قسم! اس کی پنڈلی یوں اُڑی کہ میں اس کی تشبیہ صرف اس گٹھلی سے دے سکتا ہوں جو موسل کی ضرب پر اوکھلی سے باہر جا پڑے۔

اسی اثنا میں ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے میرے کندھے پر تلوار چلائی جس سے میرا بازو کٹ گیا مگر اس کی کھال لٹکی رہی۔ یہ بازو لڑائی میں مخل ہو رہا تھا۔ میں اسے گھسیٹتے ہوئے دن بھر لڑتا رہا۔ جب وہ مجھے حد سے زیادہ اذیت پہنچانے اور لڑائی میں مخل ثابت ہونے لگا تو میں نے اس پر اپنا پاؤں رکھا اور اسے زور سے کھینچ کر الگ کر دیا۔ اس کے بعد ابوجہل کے پاس معوذ ابن عفراء رضی اللہ عنہما پہنچے، وہ زخمی تھا۔ انھوں نے اسے ایسی ضرب لگائی کہ وہ وہیں ڈھیر ہوگیا، پھر اُس کا سانس اُکھڑنے لگا۔ اس کے بعد معوذ ابن عفراء رضی اللہ عنہما خود بھی لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔[2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن اعلان فرمایا:

«مَنْ يَنْظُرُ لَنَا مَا صَنَعَ أَبُو جَهْلٍ؟»

---

1 صحیح البخاري: 3141 و 3988، صحیح مسلم: 1752، السيرة لابن هشام: 634/2. 2 السيرة لابن هشام: 635,634/2، المغازي للواقدي: 92/1.

''کون ہے جو ہمیں ابوجہل کے بارے میں آگاہ کرے کہ اس کا کیا بنا؟''

اس کام کے لیے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ انھوں نے اسے مقتولین میں دیکھا تو اس حالت میں پایا کہ عفراء کے دونوں بیٹوں نے اسے مار گرایا تھا لیکن ابھی اس میں زندگی کی رمق موجود تھی۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے ڈاڑھی سے پکڑا اور کہا: تو ہی ابوجہل ہے؟ اس نے کہا: جس شخص کو اس کی قوم نے قتل کیا ہے، کیا کوئی اس سے بڑھ کر بلند پایہ آدمی بھی ہے؟ [1]

ابوجہل کے قاتل؟

ابوجہل کا قاتل کون تھا؟ اسے کس نے گرایا؟ اس کے بارے میں روایات میں اختلاف ہے۔ بعض روایات میں معاذ بن عمرو بن جموح اور معاذ ابن عفراء اور بعض میں معاذ ابن عفراء اور معوذ ابن عفراء رضی اللہ عنہم کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے اسے قتل کیا اور یہ بات بھی ملتی ہے کہ انجام کار ابوجہل کو جہنم رسید کرنے والے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ ان اقوال کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ممکن ہے صحیح بخاری کی (گزشتہ) روایت کے مطابق معاذ بن عمرو بن جموح اور معاذ ابن عفراء رضی اللہ عنہم نے مل کر حملہ کیا ہو اور بعد میں معوذ ابن عفراء رضی اللہ عنہما نے بھی تلوار کا وار کیا اور اسے ڈھیر کر دیا۔ لیکن ابھی جبکہ اس کا سانس اکھڑ رہا تھا اور اس میں زندگی کی کچھ رمق باقی تھی تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا سر قلم کر دیا۔ [2]

رہی یہ بات کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کا مال معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ ہی کو دیا۔ اس کے متعلق ڈکتور صلابی لکھتے ہیں: سلب شدہ مال کا مستحق وہی ہوتا ہے جو خون بہائے ہرچند اس کے ساتھ مارنے میں دوسرا بھی شریک ہو۔ سیدنا معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے ابوجہل کو خون میں لت پت کیا تھا جبکہ ان کا ساتھی صرف ضرب لگانے میں ان کا شریک تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دلجوئی کے لیے فرمایا: ''تم دونوں ہی نے اسے قتل کیا ہے۔'' نیز معاذ ابن عفراء اس جنگ میں شہید ہو گئے تھے جبکہ معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہما حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فوت ہوئے۔ [3]

برلبِ مرگ دشمنِ اسلام کا تکبر

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے بدر کے دن ابوجہل کو زخمی حالت میں گرا ہوا پایا۔ وہ اپنی زندگی کے آخری سانس گن رہا تھا۔ میں نے اس کا سر کاٹنے کے لیے اس کی گردن پر پاؤں رکھا۔ اس کی ڈاڑھی

[1] صحيح البخاري: 3963,3962، صحيح مسلم: 1800. [2] فتح الباري: 370,369/7. [3] السيرة النبوية للصلابي: 719,718/1.

پکڑی اور کہا: او اللہ کے دشمن! آخرکار اللہ نے تجھے رسوا کیا؟ وہ کہنے لگا: مجھے کاہے کو رسوا کیا؟ تم نے جس شخص کو قتل کیا ہے، کیا اس سے بلند پایہ آدمی بھی کوئی ہے؟ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میرے پاس اپنی تلوار تھی۔ میں نے اس کے ہاتھ پر وار کیا۔ اس کا سارا جسم فولادی زرہ میں چھپا ہوا تھا۔ اس نے اپنی تلوار اپنے زانو پر رکھی ہوئی تھی۔ وہ نقاہت کے باعث اپنے کسی عضو کو جنبش نہیں دے سکتا تھا۔ جب میں نے اس پر وار کیا تو اس کی تلوار دور جا گری جو میں نے قبضے میں لے لی۔

ابوجہل کہنے لگا: کاش! مجھے کسانوں کے بجائے کسی اور نے قتل کیا ہوتا، پھر اُس نے پوچھا: مجھے بتاؤ آج فتح کس کی ہوئی؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی۔ اس کے بعد میں نے اس کے سینے پر پاؤں رکھ دیا تو وہ کہنے لگا: او بکریوں کے چرواہے! تو بڑی اونچی اور دشوار جگہ پر چڑھ گیا ہے۔ واضح رہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مکے میں بکریاں چرایا کرتے تھے۔

اس کے بعد سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا سر کاٹ لیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ رہا اللہ کے دشمن ابوجہل کا سر! آپ ﷺ نے تین بار فرمایا: ''واقعی! اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں!'' اس کے بعد فرمایا:

«اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِي صَدَقَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ»

''اللہ اکبر، تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تنہا سارے گروہوں کو شکست دی۔''

پھر فرمایا: چلو مجھے اس کی لاش دکھاؤ۔ ہم آپ ﷺ کو ساتھ لے گئے اور اس کی لاش دکھائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«كَانَ هٰذَا فِرْعَوْنَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ»

''یہ اس امت کا فرعون تھا۔''

آپ ﷺ نے اس کی لاش کے پاس کھڑے ہو کر تین بار کہا:

«اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِي أَعَزَّ الْإِسْلَامَ وَأَهْلَهُ»

''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اسلام اور مسلمانوں کو عزت بخشی۔'' [1]

[1] سنن أبي داود: 2709، مسند أحمد: 403/1 و444، السيرة لابن هشام: 636/2، فتح الباري: 368,367/7، البداية والنهاية: 289/3.

ابن ابی دنیا نے امام شعبی ؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: میں بدر کے پاس سے گزرا۔ میں نے ایک آدمی کو دیکھا، وہ زمین سے نکلتا ہے تو اسے ایک دوسرا آدمی اپنے چابک سے مارتا ہے حتی کہ وہ پھر زمین میں دھنس جاتا ہے، پھر نکلتا ہے تو اس کے ساتھ دوبارہ ایسا ہی معاملہ ہوتا ہے۔ اسی طرح بار بار لگاتار اس سے یہی سلوک ہو رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ ابوجہل ہے۔ اُسے قیامت تک اسی طرح عذاب ہوتا رہے گا۔'' [1]

امام طبرانی نے المعجم الأوسط میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے، انھوں نے کہا: ایک دفعہ میں بدر کے نواح میں چل رہا تھا کہ اچانک ایک گڑھے سے ایک آدمی نکلا۔ اس کی گردن میں زنجیر تھی۔ اس نے مجھے آواز دی: ''اے عبداللہ! مجھے پانی پلاؤ۔'' مجھے نہیں معلوم کہ اسے میرا نام پہلے سے معلوم تھا یا عرب کے عام دستور کے مطابق اس نے مجھے آواز دی تھی۔ اسی گڑھے سے ایک اور آدمی بھی نکلا، اس کے ہاتھ میں کوڑا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا: اے عبداللہ! اسے پانی نہ پلانا، یہ کافر ہے۔ اس نے پھر اس کو کوڑا مارا تو وہ اسی گڑھے میں واپس چلا گیا۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں جلدی سے اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تم نے اسے دیکھا تھا؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ اللہ کا دشمن ابوجہل تھا۔ اسے قیامت تک اسی طرح عذاب ہوتا رہے گا۔'' [2]

انصاری نوجوان ابوجہل کے قتل پر اس لیے تل گئے تھے کہ ابوجہل نبی ﷺ کی شان میں گستاخیاں کرتا تھا۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرام اللہ کے رسول ﷺ سے کس قدر والہانہ محبت کرتے تھے۔ جو بھی بدبخت اللہ کے رسول ﷺ کی شان میں ہرزہ سرائی کرتا، وہ اسے کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے تن من دھن کی بازی لگا دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے انداز بھی نرالے ہیں۔ کیسے کیسے ماہر جنگ آزماؤں نے ابوجہل پر تلواروں کے پے در پے وار کیے لیکن وہ نہیں مرا۔ وہ عاجز ہو گیا۔ بے دست و پا ہو گیا، جنبش کرنے کی بھی سکت نہ رہی لیکن اس بدبخت کا دماغ آخر دم تک کام کرتا رہا اور اس کے ہوش و حواس سلامت رہے۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ اس پیکر نخوت و رعونت کو ایک ایسے مسلمان کے ہاتھوں واصل جہنم کرانا مقصود تھا جو مالی لحاظ سے بالکل کنگال، جسمانی اعتبار سے نحیف و نزار اور قبیلے کے لحاظ سے بے یار و مددگار تھا۔ ابوجہل اس غریب آدمی کو اسلام قبول کرنے کی پاداش میں بُری طرح ستاتا تھا۔ اس کے سر کے بال پکڑ کر اسے طمانچے مارا کرتا تھا اور گالیاں دیتا تھا۔ اس وقت اس مسکین کلمہ گو میں اتنی

[1] كتاب القبور لابن أبي الدنيا، ص: 18. [2] المعجم الأوسط للطبراني: 54,53/5، حديث: 6560.

سکت نہیں تھی کہ کوئی جوابی کارروائی کر سکتا۔ آج وہی نادار اور ناتواں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اُسے اپنے پاؤں تلے روند رہے تھے اور اپنی شمشیر جوہر دار سے اس کی گردن کاٹ رہے تھے۔ خاص بات یہ کہ ابوجہل بے ہوش نہیں تھا، ہوش میں تھا۔ اپنی تذلیل اور اپنا حشر خود دیکھ رہا تھا۔ لیکن اسے دم مارنے کی مجال نہیں تھی حتی کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس طاغوت اکبر کا سر اٹھا کر لے آتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں رکھ دیتے ہیں۔ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا عملی ثبوت پیش کر دیتے ہیں:

﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾

"اور عزت (اور غلبہ) اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور مومنوں کے لیے ہے۔"[1]

ابوجہل نہایت متکبر اور خود غرض انسان تھا۔ رسی جل گئی مگر بل نہیں گئے۔ وہ مرتا مر گیا مگر غرور کے نشے سے اُس کا دماغ آخر دم تک خالی نہیں ہوا۔ اس کا ثبوت اُس کا یہ آخری جملہ ہے جو مرتے مرتے اس نے کہا: او بکریوں کے حقیر چرواہے! تو بڑی اونچی اور دشوار جگہ پر چڑھ گیا ہے۔[2]

امیہ بن خلف کا قتل

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے امیہ بن خلف سے ایک تحریری معاہدہ کر رکھا تھا کہ وہ مکہ میں میرے اہل وعیال اور مال کی حفاظت کرے گا۔ اس کے بدلے میں مدینہ میں اس کے مال اور اہل کی حفاظت

[1] المنٰفقون 8:63. [2] التاريخ الإسلامي للحميدي: 158/4، السيرة لابن هشام: 636/2.

مسجد عبداللہ بن مسعود (بن غازی، لیبیا)

کروں گا۔ جب میں نے معاہدے میں اپنا نام عبدالرحمٰن لکھا تو اس نے کہا: میں الرحمٰن کونہیں جانتا، میرے ساتھ اپنا جاہلی نام عبدعمرو لکھ کر معاہدہ کرو۔ میں نے اس کی بات مان لی۔

بدر کے دن جب سب سو گئے تو میں اسے ساتھ لے کر ایک پہاڑ کی طرف بڑھا تا کہ اسے محفوظ مقام تک پہنچا دوں۔ بلال رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ لیا۔ وہ لپک کر انصار کی ایک مجلس کے پاس پہنچے اور بلند آواز سے کہا: وہ رہا امیہ بن خلف، اگر وہ بچ گیا تو پھر میں نجات نہیں پاؤں گا۔ یہ سن کر انصار کے ایک گروہ نے ہمارا تعاقب شروع کر دیا۔ مجھے یقین ہوگیا کہ وہ ہمیں آلیں گے تو میں نے یہ کیا کہ اس کے بیٹے کو پیچھے چھوڑ دیا تا کہ وہ اسی کی پکڑ دھکڑ میں لگ جائیں اور ہمارا پیچھا چھوڑ دیں لیکن انصار نے بڑی تیزی دکھائی۔ امیہ کے بیٹے کو چشم زدن میں قتل کر دیا اور دوبارہ ہمارا تعاقب شروع کر دیا۔ امیہ بن خلف بھاری بھرکم آدمی تھا۔ جب انھوں نے ہمیں آلیا تو میں نے امیہ سے کہا: تم گھٹنوں کے بل بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھ گیا۔ میں نے اس کی حفاظت کی غرض سے اپنے آپ کو اس کے اوپر ڈال دیا لیکن وہ پھر بھی نہ بچ سکا۔ لوگوں نے اسے تلواریں مار مار کر قتل کر دیا حتی کہ اسی دوران میں کسی کی تلوار سے میرا پاؤں بھی زخمی ہوگیا۔ راوی کہتے ہیں کہ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ ہمیں اپنے زخم کا نشان دکھلایا کرتے تھے۔[1]

امام ابن اسحاق سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں: انھوں نے بتایا کہ امیہ بن خلف میرا گہرا دوست تھا۔ میرا نام عبدعمرو تھا۔ جب میں نے اسلام قبول کیا تو اپنا نام عبدالرحمٰن رکھ لیا۔ قیامِ مکہ کے دوران امیہ مجھ سے اکثر ملتا رہتا تھا اور کہتا تھا: اے عبدعمرو! کیا تم نے اس نام سے منہ پھیر لیا ہے جو تمھارے ماں باپ نے تجویز کیا تھا؟ میں جواب دیتا: ہاں، پھر جب بھی وہ مجھ سے ملتا اور مجھے عبدعمرو کہہ کر پکارتا تو میں اسے کوئی جواب نہ دیتا۔ بالآخر ایک دن اس نے کہا: عبدعمرو! میں تمھیں عبدالرحمٰن کہہ کر نہیں پکاروں گا کیونکہ میں ''الرحمٰن'' کو نہیں جانتا، لہٰذا میں تمھیں اس کی طرف منسوب نہیں کروں گا، تم خود ہی کوئی ایسا نام بتاؤ جس سے میں تمھیں پکاروں کیونکہ میں تمھیں عبدعمرو کہہ کر پکارتا ہوں تو تم مجھے جواب ہی نہیں دیتے۔

سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب وہ مجھے میرے جاہلی نام سے پکارتا، میں اسے جواب ہی نہ دیتا اور نہ اس کی طرف کوئی توجہ کرتا۔ ایک دن میں نے اس سے کہا: اے ابوعلی! تیرے جی میں جو نام آئے، وہ تجویز کر لے تو اس نے کہا: پھر تو عبدالالہ ہے۔ میں نے تسلیم کر لیا کہ یہ ٹھیک ہے۔ اس کے بعد جب وہ میرے قریب سے گزرتا اور مجھے عبدالالہ کہہ کر پکارتا تو میں اس کا جواب دیتا اور پھر وہ مجھ سے باتیں کرنے لگتا تھا۔

[1] صحيح البخاري :2301.

بدر کے دن میں اس کے قریب سے گزرا۔ دیکھا کہ وہ اور اس کا بیٹا علی کھڑے ہیں۔ میرے پاس کچھ زرہیں تھیں جو میں دشمن سے چھین کر لا رہا تھا۔ امیہ نے مجھے دیکھا تو بولا: اے عبد عمرو! میں نے کوئی جواب نہ دیا، پھر اس نے کہا: اے عبدالالٰہ! تو میں اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔ وہ کہنے لگا: کیا تمھیں میری کوئی ضرورت نہیں؟ کیا میں تمھاری ان زرہوں سے زیادہ قابلِ ترجیح نہیں۔ آج جیسا منظر تو میں نے کبھی دیکھا ہی نہیں۔ کیا تمھیں دودھ کی ضرورت نہیں؟ اس کا مطلب یہ تھا کہ جو مجھے قید کرے گا، میں اسے فدیے میں خوب دودھیل اونٹنیاں دوں گا۔ یہ سن کر میں نے زرہیں پھینک دیں اور اسے اور اس کے بیٹے کو لے کر آگے چل دیا۔ اسی دوران میں امیہ نے پوچھا: آپ لوگوں میں وہ آدمی کون ہے جس نے اپنے سینے پر شتر مرغ کا پر لگا رکھا تھا؟ میں نے بتایا کہ وہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ تھے۔ امیہ نے کہا: یہی شخص ہے جس نے ہماری صفوں میں تباہی مچا رکھی تھی۔

پھر اس نے پوچھا: وہ پست قد اور بڑے پیٹ والا آدمی کون تھا؟ میں نے بتایا کہ وہ سماک بن خرشہ انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ اس نے کہا: اس نے بھی بڑی تباہی مچا رکھی تھی۔ ابھی ہماری یہ گفتگو جاری تھی کہ بلال رضی اللہ عنہ نے امیہ بن خلف کو دیکھ لیا۔ امیہ مکہ میں بلال رضی اللہ عنہ پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑا کرتا تھا۔

جونہی بلال رضی اللہ عنہ نے امیہ کو دیکھا تو اونچی آواز سے انصار کو بلایا اور کہا: ارے انصاریو! یہ رہا کفر کا سرغنہ امیہ بن خلف۔ اگر یہ بچ گیا تو میں نجات نہیں پاؤں گا۔ بلال رضی اللہ عنہ کی آواز سن کر انصاری امیہ پر یوں ٹوٹ پڑے جیسے زچہ اونٹنی کسی خطرے کی بُو پا کر فوراً اپنے بچے کی طرف لپکتی ہے۔ لوگوں نے ہمیں گھیرے میں لے لیا۔ میں اُمیہ کا بچاؤ کر رہا تھا۔ میں نے اس کی حفاظت کی غرض سے اپنے آپ کو اس کے اوپر ڈال دیا۔ ادھر حضرت حُباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے اس کے بیٹے علی پر تلوار کا وار کر کے اس کی ٹانگ اڑا دی۔ وہ تیورا کر گر گیا۔ امیہ نے یہ ہولناک منظر دیکھ کر ایسے زور کی چیخ ماری کہ اتنی زوردار چیخ میں نے کبھی نہیں سنی، پھر عمار رضی اللہ عنہ نے علی بن امیہ کو قتل کر دیا۔

اب امیہ میرے نیچے تھا لیکن حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے نیچے ہی سے تلوار گھسا کر امیہ کی ناک کاٹ دی۔ امیہ کی ناک کٹ گئی تو وہ چلایا اور کہنے لگا: ذرا ہٹ جاؤ، میں ان سے نمٹ لوں۔ میں نے کہا: امیہ بھاگ جاؤ مگر آج بھاگنے کی گنجائش بھی نہیں۔ اب میں تمھارے کسی کام نہیں آ سکتا۔ وہ نکلنے لگا تو خبیب بن یساف رضی اللہ عنہ سے ٹکراؤ ہوگیا۔ امیہ مکہ میں ان پر بھی ظلم و ستم ڈھاتا تھا۔ انھوں نے اس پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ وہ اسی جگہ ڈھیر ہوگیا۔

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بعد میں کہا کرتے تھے:

يَرْحَمُ اللّٰهُ بِلَالًا! ذَهَبَتْ أَدْرَاعِي وَ فَجَعَنِي بِأَسِيرَيَّ.

''اللہ بلال پر رحم فرمائے! میری زرہیں بھی گئیں اور بلال رضی اللہ عنہ نے مجھے قیدیوں سے بھی محروم کردیا۔'' [1]



مسجد بلال بن رباح (بیت لحم) جسے یہود قبہ راحیل کہتے ہیں

اس واقعے سے مندرجہ ذیل چیزیں واضح ہوتی ہیں:

1 حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جب اپنے جانی دشمن امیہ بن خلف کو عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی قید میں دیکھا تو بلند آواز سے کہا: اب یہ زندہ رہے گا یا میں زندہ رہوں گا کیونکہ امیہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو مکہ میں انتہائی وحشیانہ طریقے سے ظلم وتشدد کا نشانہ بنایا کرتا تھا۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا یہ طرزِ عمل اللہ کے دشمنوں کو ملیامیٹ کرکے کامل اطمینان حاصل کرنے کے لیے تھا تاکہ دنیا کی زندگی میں بڑے بڑے کافروں سے نجات مل جائے اور سکون حاصل ہوجائے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے سرکش کفار کے ہاتھوں ظلم کی چکی میں پسنے والے مومنوں کو راحت عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قَٰتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ۝ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ ۗ وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝﴾

''تم ان سے لڑائی کرو۔ اللہ انھیں تمھارے ہاتھوں سے عذاب دے گا اور انھیں رسوا کرے گا اور ان کے خلاف تمھاری مدد کرے گا اور مومنوں کے سینوں کو شفا (ٹھنڈک) بخشے گا اور وہ ان کے دلوں کا غصہ دور کرے گا اور اللہ جس پر چاہے توجہ فرماتا ہے اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے۔'' [2]

2 امیہ بن خلف کا ہولناک انجام متکبر اور سرکش لوگوں کے لیے درس عبرت ہے جو اپنی طاقت کے نشے میں چور اور مقام ومرتبہ کی غلط فہمیوں کا شکار ہوکر کمزور لوگوں پر ظلم کرتے اور ان کے حقوق سلب کرتے ہیں۔ آخرت میں ان کا انتہائی برا انجام ہوگا۔ کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کمزور افراد کو مغرور ظالموں پر قدرت عطا فرما دیتا ہے۔

عائشہ بنت قدامہ بیان کرتی ہیں کہ امیہ بن خلف کی بیوی ام صفوان رضی اللہ عنہا اسلام لانے کے بعد ایک دن مکہ مکرمہ

[1] السيرة لابن هشام: 632,631/2، المغازي للواقدي: 90,89/1. [2] التوبة 9:14،15.

میں حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ ان سے کہا گیا: یہ حباب وہی شخص ہے جنھوں نے بدر کے دن آپ کے لختِ جگر علی کے پاؤں کاٹ ڈالے تھے۔ وہ کہنے لگیں: ہمیں حالتِ شرک میں مرنے والوں کے تذکرے سے کیا حاصل؟ اللہ تعالیٰ نے میرے بیٹے علی کو حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ذلت سے دوچار اور حباب کو عزت سے ہم کنار کیا۔ علی جب مکہ سے نکلا تھا تو اس کا دل مسلمان تھا۔ افسوس کہ اس نے اپنی جان کسی اور دین پر فدا کر دی۔[1]

ام صفوان رضی اللہ عنہا کے یہ الفاظ ان کی قوت ایمانی اور یقین کامل کا مظہر ہیں۔ وہ مسلمانوں اور اسلام سے محبت رکھتی تھیں۔ کافروں سے سخت نفرت کرتی تھیں، ہرچند وہ کافر ان کے اپنے ہی عزیز اور قبیلے کے لوگ تھے۔

ام صفوان رضی اللہ عنہا کا یہ کہنا کہ علی جب مکہ سے نکلا تو مسلمان تھا مگر اس نے جان کسی اور دین پر فدا کر دی...... اس کا مطلب یہ ہے کہ علی بن امیہ ان لوگوں میں سے تھا جن کے بارے میں یہ معروف ہو چکا تھا کہ وہ مسلمان ہیں۔ یہ لوگ بدر کے دن اپنی قوم کے ساتھ مجبوراً نکلے تھے، پھر جب غزوۂ بدر کے دن دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو یہ مسلمانوں کی قلیل تعداد دیکھ کر فتنے میں مبتلا ہو گئے اور کہنے لگے: ان مسلمانوں کو ان کے دین نے دھوکے میں مبتلا کر رکھا ہے۔ ان لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا:

﴿ إِذْ يَقُولُ الْمُنٰفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِينُهُمْ ۗ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَإِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ ﴾

''جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ تھا، یہ کہتے تھے کہ ان (مسلمانوں) کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال دیا ہے اور جو شخص اللہ پر بھروسا کرے تو بے شک اللہ زبردست، خوب حکمت والا ہے۔''[2]

3 بلال رضی اللہ عنہ نے جب انصاری بھائیوں کی مدد سے اللہ اور اس کے رسول کے دشمن کو قتل کیا تو سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا: ''اللہ تعالیٰ بلال پر رحم فرمائے! میری زرہیں بھی گئیں اور اس نے مجھے قیدیوں سے بھی محروم کر دیا۔'' یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی باہمی اخوت اور مستحکم تعلق کا مظہر ہے۔[3]

ابوذات الکرش کا قتل

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بدر کے دن میں عبیدہ بن سعید بن عاص کے مقابلے میں آیا جو آہن پوش تھا۔ صرف اس کی آنکھیں ہی نظر آ رہی تھیں۔ اس کی کنیت ابوذات الکرش تھی۔ اس نے مجھے دیکھا تو للکار کر کہا:

---

[1] المغازي للواقدي : 91/1، التاريخ الإسلامي للحميدي : 154/4. [2] الأنفال 49:8. [3] السيرة النبوية للصلابي : 723,722/1.

میں ابو ذات الکرش ہوں، ہمت ہے تو آؤ میرے مقابلے میں۔ میں نے اُس کا چیلنج قبول کر لیا اور پھر تاک کر اس طرح برچھی ماری کہ وہ سیدھی اس کی آنکھ میں گھس گئی۔ بس اسی ایک ضرب سے اس کا کام تمام ہوگیا۔ لیکن میری برچھی اس کی آنکھ میں اس طرح پیوست ہوگئی کہ میں نے اسے نکالنے کی بڑی کوشش کی مگر وہ نہ نکلی، پھر میں نے اس کی گردن پر اپنا پاؤں رکھا اور برچھی کو بار بار بہت زور سے کھینچا۔ اس طرح میں نے بڑی مشکل سے اپنی برچھی باہر نکالی تھی۔ برچھی تو نکل آئی لیکن اس طرح نکلی کہ اس کا پھل ٹیڑھا ہوگیا تھا۔

عروہ بن زبیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ بعد ازاں نبی ﷺ نے زبیر رضی اللہ عنہ سے وہ برچھی طلب فرمائی تو انھوں نے وہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دی۔ نبی ﷺ کی وفات کے بعد انھوں نے یہ برچھی واپس لے لی، پھر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے طلب فرمایا تو انھوں نے یہ برچھی ان کے حوالے کر دی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے طلب کی تو برچھی انھیں دے دی۔ جب وہ شہید ہوگئے تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے یہ برچھی پھر واپس لے لی، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ طلب فرمائی تو اُن کو دے دی۔ ان کی شہادت کے بعد یہ برچھی آلِ علی رضی اللہ عنہ کے پاس رہی، پھر یہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے قبضے میں آگئی اور مدت تک انھی کے پاس رہی تا آنکہ وہ فتنہ حجاج بن یوسف میں شہید ہوگئے۔[1]

مذکورہ قصے سے نشانہ بازی میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی مہارت کا پتہ چلتا ہے۔ انھوں نے بڑے مشکل ہدف پر ٹھیک ٹھیک نشانہ لگایا اور نیزہ اس کی آنکھ میں اتار دیا۔ زبردست اسلحے سے لیس اس مشرک کو قتل کرنا انتہائی مشکل تھا مگر مجاہد اسلام سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی ضرب اتنی کاری تھی کہ اس کی وجہ سے اُس دشمنِ دین کا کام تمام ہوگیا۔[2]

ابوالبختری عاص بن ہاشم (ہشام) کا قتل

رسولِ اکرم ﷺ نے بدر کے دن ابوالبختری کو قتل کرنے سے منع فرمایا تھا کیونکہ مکہ میں یہ شخص رسول اللہ ﷺ کو ایذا رسانی سے اپنا ہاتھ روکے ہوئے تھا۔ آپ ﷺ کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچاتا تھا، نہ کبھی اس کی طرف سے کوئی ناگوار بات سننے میں آئی تھی۔ جب قریش مکہ نے نبی ﷺ کے گھرانے کا بائیکاٹ کر دیا اور بائیکاٹ کی دستاویز لکھ کر خانہ کعبہ میں لٹکا دی تو اس دستاویز کو چاک کرنے میں ابوالبختری عاص بن ہاشم (ہشام) ہی پیش پیش تھا۔

ان ساری باتوں کے باوجود ابوالبختری کو قتل کر دیا گیا۔ ہوا یوں کہ حضرت مُجَذَّر بن ذیاد بلوی رضی اللہ عنہ سے اس کی

[1] صحيح البخاري : 3998، الاستيعاب، ص : 453، التاريخ الإسلامي للحميدي : 154/4. [2] التاريخ الإسلامي للحميدي : 163/4.

مڈبھیڑ ہوگئی۔ ابوالبختری کے ساتھ اس کا ساتھی جنادہ بن مُلَیحہ لیثی بھی تھا۔ دونوں ساتھ ساتھ لڑ رہے تھے۔ مجذر رضی اللہ عنہ نے کہا: ابوالبختری! رسول اللہ ﷺ نے ہمیں آپ کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس نے کہا: اور میرے ساتھی کا کیا بنے گا؟ مجذر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! ہم آپ کے ساتھی کو نہیں چھوڑیں گے۔ اس نے کہا: لیکن میں تو اس کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا۔ اللہ کی قسم! ہم دونوں اکٹھے ہی مریں گے مبادا مکہ کی عورتیں یہ کہیں کہ ابوالبختری نے اپنی جان بچانے کے لیے اپنے ساتھی کو قربان کر دیا۔ اس کے بعد وہ یہ رجز پڑھتے ہوئے مقابلے پر اتر آیا:

لَنْ يُسْلِمَ ابْنُ حُرَّةٍ زَمِيلَهُ حَتَّى يَمُوتَ أَوْ يَرَى سَبِيلَهُ

''آزاد (شریف) عورت کا بیٹا اپنے ساتھی کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتا حتی کہ وہ مر جائے یا اپنی راہِ نجات دیکھ لے۔''

اس کے بعد دونوں میں بھرپور مقابلہ ہوا۔ سیدنا مُجَذَّر رضی اللہ عنہ نے ابوالبختری کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور یہ اشعار کہے:

إِمَّا جَهِلْتَ أَوْ نَسِيتَ نَسَبِي فَأَثْبِتِ النِّسْبَةَ أَنِّي مِنْ بَلِيّ

الطَّاعِنِينَ بِرِمَاحِ الْيَزَنِي وَالضَّارِبِينَ الْكَبْشَ حَتَّى يَنْحَنِي

بَشِّرْ بِيُتْمٍ مَنْ أَبُوهُ الْبَخْتَرِي أَوْ بَشِّرَنْ بِمِثْلِهَا مِنِّي بَنِي

أَنَا الَّذِي يُقَالُ أَصْلِي مِنْ بَلِيّ أَطْعَنُ بِالصَّعْدَةِ حَتَّى تَنْثَنِي

وَأَعْبِطُ الْقِرْنَ بِعَضْبٍ مَشْرَفِي أُرْزِمُ لِلْمَوْتِ كَإِرْزَامِ الْمَرِي

فَلَا تَرَى مُجَذَّرًا يَفْرِي فَرِي

''اگر تو میرا نسب نامہ بھول گیا ہے یا بے خبر ہے تو میرا نسب نامہ جان لے، میں بنو بلیّ سے ہوں جو یزنی نیزوں سے نیزہ بازی کرتے ہیں اور قبیلے کے سردار پر وار کرتے ہیں حتی کہ وہ بچھڑ جاتا ہے۔ ابوالبختری کی اولاد کو یتیمی کی خبر دے دو یا اس جیسی خبر میری اولاد کو سنا دو۔ میں وہ شخص ہوں جس کی اصل بلیّ ہے۔ میں نیزے سے وار کرتا ہوں حتی کہ وہ مڑ جاتا ہے۔ میں اپنے مدمقابل کو مشارف بستی کی بنی ہوئی قاطع تلوار سے قتل کرتا ہوں۔ میں موت (شہادت) سے ایسے محبت کرتا ہوں جیسے دودھیل اونٹنی اپنے بچوں کی طرف شفقت کے مارے بلبلاتی ہوئی بھاگتی ہے۔ تو کسی ایسے جڑ کاٹنے والے کو نہیں دیکھے گا جو میری طرح

حملہ آور ہو۔'' [1]

مجذر بن ذیاد بن عمرو بن اخزم بلوی رضی اللہ عنہ قحطانی قبیلے بنو قضاعہ کی شاخ بلیّ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا نام عبداللہ ہے مگر مجذر کے نام سے معروف ہوئے۔ بنو بلیّ کے ڈیرے مدینہ منورہ اور وادی القریٰ کے درمیان تھے۔ مجذر رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ انھوں نے زمانہ جاہلیت میں سوید بن صامت کو قتل کیا تھا۔ احد کے دن حارث بن سوید نے انھیں دھوکے سے قتل کر دیا، حالانکہ وہ اسلامی لشکر میں شریک تھا۔ بعدازاں مرتد ہو کر مکہ بھاگ گیا، پھر فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مجذر رضی اللہ عنہ کے قصاص میں قتل کرا دیا۔ [2]

نوفل بن خویلد کا قتل

بدر کے دن کفار کو جنگ پر بھڑکانے والوں میں سے ایک شریر آدمی نوفل بن خویلد بھی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حوالے سے اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! اكْفِنِي نَوْفَلَ بْنَ خُوَيْلِدٍ»

''اے اللہ! تو مجھے نوفل بن خویلد سے کافی ہو جا۔''

بدر کے دن جب اس نے اپنے ساتھیوں کو قتل ہوتے دیکھا تو اس پر شدید رعب طاری ہوگیا۔ پہلے پہل جب

[1] السيرة لابن هشام: 630,629/2. [2] أسد الغابة: 587/2 و 48,47/4.



مدینہ منورہ اور وادی قریٰ کے درمیان بنو بلیّ کا علاقہ

کفار اور مسلمانوں کی مڈ بھیڑ ہوئی تو اس نے مکی لشکر کو للکارا: اے قریش کی جماعت! آج برتری اور شان و شوکت جمانے کا دن ہے۔ لیکن اس نے جلد ہی اپنے غرور کو خاک میں ملتا دیکھا۔ اس نے جب دیکھا کہ مشرکین گاجر مولی کی طرح کٹ رہے ہیں تو وہ چلا چلا کر کہنے لگا: او انصاریو! تمھیں ہمارے خون سے کیا سروکار؟ تم دیکھ نہیں رہے کہ تم کن لوگوں کو قتل کر رہے ہو؟ کیا تمھیں دودھ کی حاجت نہیں؟ (یعنی تم انھیں قتل کرنے کے بجائے قید کر لو تاکہ تمھیں فدیے میں دودھیل اونٹنیاں ملیں۔)

جبار بن صخر رضی اللہ عنہ نے نوفل کو قید کر لیا۔ وہ اسے باندھ کر لے جا رہے تھے۔ اسی اثنا میں اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی طرف آتے دیکھا تو اس نے جبار رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اے انصاری! یہ شخص کون ہے؟ لات و عُزّیٰ کی قسم! یقیناً یہ شخص مجھے قتل کرنے آ رہا ہے۔ جبار رضی اللہ عنہ نے اسے بتایا کہ یہ علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس نے کہا: میں نے آج تک اس شخص سے بڑھ کر برق رفتار آدمی کوئی نہیں دیکھا۔ اتنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پر حملہ کر دیا۔ حضرت علی کی تلوار اس کی ڈھال میں پھنس گئی۔ انھوں نے اسے کھینچا، پھر وار کیا تو تلوار زرہ کاٹتے ہوئے اس کی دونوں پنڈلیوں کو کاٹ گئی، پھر اس پر تیسرا وار کر کے اسے قتل کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کسی کو نوفل بن خویلد کے بارے میں کوئی علم ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: جی ہاں، اللہ کے رسول! میں نے اسے قتل کر دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر بلند کی اور کہا:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَجَابَ دَعْوَتِي فِيهِ»

''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اس (نوفل) کے بارے میں میری دعا قبول فرمائی۔''[1]

مقتولین مکہ اندھے کنویں میں

جب مسلمانوں نے دشمن کو مار بھگایا، ان کا مالِ غنیمت اکٹھا کر لیا اور قیدیوں کو بیڑیوں میں ڈال دیا تو اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالموں کی لاشوں کو ایک بے آباد گندے کنویں میں پھینک دینے کا حکم دیا جو میدانِ کارزار کے قریب ہی تھا۔ تمام اسلامی لشکر، مشرکین کی لاشیں گھسیٹ گھسیٹ کر لانے اور کنویں میں پھینکے جانے کا عبرت ناک منظر دیکھ رہا تھا۔

جب ابوجہل کو گھسیٹ کر اس کنویں میں پھینکا جانے لگا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر آج ابوطالب زندہ ہوتے تو جان لیتے کہ ہماری تلواروں نے سردارانِ قریش کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔'' اس ارشاد میں ان اشعار کی

[1] المغازي للواقدي: 96/1.

طرف اشارہ تھا جو سردار ابوطالب نے کہے تھے:

كَذَبْتُمْ وَبَيْتِ اللّٰهِ نُخْلِي مُحَمَّدًا وَلَمَّا نُطَاعِنْ حَوْلَهُ وَنُنَاضِلِ

وَنُسْلِمُهُ حَتّٰى نُصَرَّعَ حَوْلَهُ وَنَذْهَلَ عَنْ أَبْنَائِنَا وَالْحَلَائِلِ

وَإِنَّا لَعَمْرُ اللّٰهِ إِنْ جَدَّ مَا أَرٰى لَتَلْتَبِسَنْ أَسْيَافُنَا بِالْأَمَاثِلِ

''اللہ کے گھر کی قسم! تم جھوٹ کہتے ہو کہ ہم محمد (ﷺ) کا ساتھ چھوڑ دیں گے، حالانکہ ابھی تک ہم نے آپ کے اردگرد گھیرا ڈال کر نیزوں اور تلواروں سے جنگ نہیں کی۔''

''ہم انھیں تمھارے حوالے نہیں کریں گے یہاں تک کہ ہماری لاشیں ان کے اردگرد بکھری پڑی ہوں اور ہم اپنے بیوی بچوں سے بے خبر ہو گئے ہوں۔''

''اور اللہ کی قسم! جو میں دیکھ رہا ہوں اگر وہ پروان چڑھا تو ہماری تلواریں ان کے سرداروں کو کاٹ رہی ہوں گی۔'' [1]

کنویں والوں سے خطاب

سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے حکم سے بدر کے روز قریش کے چوبیس بڑے بڑے سرداروں کی لاشیں بدر کے ایک گندے کنویں میں پھینک دی گئیں۔ آپ ﷺ کا دستور تھا کہ آپ جب کسی قوم پر فتح یاب

[1] سبل الهدٰى والرشاد: 56/4، الرحيق المختوم، ص: 243.



وتے تو تین دن میدانِ جنگ ہی میں قیام فرماتے۔ جب میدانِ بدر میں فتح کے بعد تیسرا دن آیا تو آپ ﷺ نے کوچ کا حکم دیا۔ آپ کی سواری پر پالان کس دیا گیا۔ اس کے بعد آپ پیدل چلے اور پیچھے پیچھے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی چلے یہاں تک کہ آپ کنویں کے کنارے پر کھڑے ہوگئے، پھر آپ ﷺ نے سردارانِ قریش کو ان کے باپوں کا نام لے لے کر پکارا:

«يَا فُلَانُ بْنَ فُلَانٍ، وَيَا فُلَانُ بْنَ فُلَانٍ، أَيَسُرُّكُمْ أَنَّكُمْ أَطَعْتُمُ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ؟ فَإِنَّا قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا، فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا؟»

''اے فلاں بن فلاں اور اے فلاں بن فلاں! کیا تمھیں یہ بات اچھی لگتی ہے کہ تم نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی؟ کیونکہ ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ فرمایا تھا، اسے ہم نے برحق پایا۔ پس تم سے تمھارے رب نے جو وعدہ کیا تھا، کیا تم نے اسے برحق پایا؟''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اظہارِ تعجب

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ مردہ لاشوں سے خطاب فرما رہے ہیں تو انھوں نے بڑے تعجب کا اظہار کیا اور پوچھا: اللہ کے رسول! آپ ان جسموں سے خطاب فرما رہے ہیں جن میں روح ہی نہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَا أَقُولُ مِنْهُمْ»

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، اسے تم لوگ ان

قلیب بدر سے منسوب جگہ

سے زیادہ نہیں سن رہے۔" [1]

ایک روایت میں ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا یہ لوگ سن رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ اسی طرح سن رہے ہیں جیسے تم سنتے ہو لیکن یہ لوگ جواب نہیں دے سکتے۔" ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: "لیکن وہ آج جواب نہیں دے سکتے۔"

انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے جب آپ ﷺ کی بات سنی کہ آپ کنویں والوں سے خطاب فرما رہے ہیں تو انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! آپ تین دن کی مردہ لاشوں سے خطاب کر رہے ہیں، کیا یہ لوگ سن رہے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ﴾ (النمل 27:80) "بلاشبہ آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے؟" آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَا أَقُولُ مِنْهُمْ لٰكِنْ لَا يَسْتَطِيعُونَ أَنْ يُجِيبُوا»

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم لوگ ان سے زیادہ نہیں سن رہے جو میں ان سے کہہ رہا ہوں لیکن یہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔" [2]

ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّهُمُ الْآنَ يَسْمَعُونَ مَا أَقُولُ» "بلاشبہ اس وقت میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، یہ لوگ اسے سن رہے ہیں۔"

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ان تمام سرداروں کے نام لے کر پکارا: "اے عتبہ بن ربیعہ! اے شیبہ بن ربیعہ! اے امیہ بن خلف! اے ابوجہل بن ہشام! اسی طرح بنو عبدشمس بن عبدمناف میں سے عبیدہ اور عاص، سعید بن عاص بن امیہ، حنظلہ بن ابوسفیان، ولید بن عتبہ بن ربیعہ۔" اسی طرح آپ ﷺ نے بنونوفل بن عبدمناف سے حارث بن عامر بن نوفل اور طعیمہ بن عدی کو اور دیگر قریشی قبائل سے نوفل بن خویلد بن اسد، زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد اور اس کے بھائی عقیل، ابوجہل کے بھائی عاص بن ہشام، خالد بن ولید کے بھائی ابوقیس بن ولید، حجاج سہمی کے دونوں بیٹے نُبیہ اور مُنَبِّہ، علی بن امیہ بن خلف، عمرو بن عثمان، ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھائی مسعود بن ابی امیہ، قیس بن فاکہ بن مغیرہ، ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے بھائی اسود بن عبدالاسد، ابوالعاص بن قیس بن عدی سہمی اور امیمہ بن رفاعہ بن ابورفاعہ کو مخاطب کیا تھا۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے کنویں کے کنارے پر کھڑے ہو کر مشرکین سے کہا:

[1] صحيح البخاري: 3976. [2] فتح الباري: 7/377-379.

«يَاأَهْلَ الْقَلِيبِ! بِئْسَ عَشِيرَةُ النَّبِيِّ كُنْتُمْ لِنَبِيِّكُمْ، كَذَّبْتُمُونِي وَصَدَّقَنِي النَّاسُ وَ أَخْرَجْتُمُونِي وَآوَانِي النَّاسُ وَقَاتَلْتُمُونِي وَنَصَرَنِي النَّاسُ» ثُمَّ قَالَ: «هَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَكُمْ رَبُّكُمْ حَقًّا؟»

''اے کنویں والو! تم اپنے نبی کے بہت برے رشتہ دار تھے۔ تم نے مجھے جھٹلایا اور لوگوں نے میری تصدیق کی۔ تم نے مجھے میرے وطن سے نکالا، اوروں نے مجھے پناہ دی۔ تم نے میرے ساتھ جنگ کی، اوروں نے میری مدد کی۔'' پھر فرمایا: ''تم سے تمھارے رب نے جو وعدہ کیا تھا کیا تم نے اسے برحق پایا؟'' [1]

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اشعار

مسلمانوں کی عظیم الشان فتح اور سردارانِ قریش کو کنویں میں پھینکے جانے پر حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے انتہائی ایمان افروز درج ذیل اشعار کہے:

وَ خَبِّرْ بِالَّذِي لَا عَيْبَ فِيهِ ... بِصِدْقٍ غَيْرِ إِخْبَارِ الْكَذُوبِ
بِمَا صَنَعَ الْمَلِيكُ غَدَاةَ بَدْرٍ ... لَنَا فِي الْمُشْرِكِينَ مِنَ النَّصِيبِ
غَدَاةَ كَأَنَّ جَمْعَهُمْ حِرَاءٌ ... بَدَتْ أَرْكَانُهُ جُنْحَ الْغُرُوبِ
فَلَاقَيْنَاهُمْ مِنَّا بِجَمْعٍ ... كَأُسْدِ الْغَابِ مُرْدَانٍ وَ شِيبِ
أَمَامَ مُحَمَّدٍ قَدْ وَازَرُوهُ ... عَلَى الْأَعْدَاءِ فِي لَفْحِ الْحُرُوبِ
بِأَيْدِيهِمْ صَوَارِمُ مُرْهَفَاتٌ ... وَكُلُّ مُجَرَّبٍ خَاظِي الْكُعُوبِ
بَنُو الْأَوْسِ الْغَطَارِفُ وَازَرَتْهَا ... بَنُو النَّجَّارِ فِي الدِّينِ الصَّلِيبِ
فَغَادَرْنَا أَبَا جَهْلٍ صَرِيعًا ... وَعُتْبَةَ قَدْ تَرَكْنَا بِالْجَبُوبِ
وَشَيْبَةَ قَدْ تَرَكْنَا فِي رِجَالٍ ... ذَوِي حَسَبٍ إِذَا نُسِبُوا حَسِيبِ
يُنَادِيهِمْ رَسُولُ اللّٰهِ لَمَّا ... قَذَفْنَاهُمْ كَبَاكِبَ فِي الْقَلِيبِ

[1] فتح الباري: 378,377/7، السيرة لابن هشام: 639/2.

أَلَمْ تَجِدُوا كَلَامِي كَانَ حَقًّا وَ أَمْرُ اللّٰهِ يَأْخُذُ بِالْقُلُوبِ؟

فَمَا نَطَقُوا، وَلَوْ نَطَقُوا لَقَالُوا: صَدَقْتَ وَكُنْتَ ذَا رَأْيٍ مُصِيبِ

''اور اس چیز کے بارے میں سچائی کے ساتھ خبر دے جس میں جھوٹ کا شائبہ بھی نہ ہو۔''

''کہ قادرِ مطلق نے بدر کی صبح مشرکین کو ہمارے ہاتھوں شکست سے دو چار کر کے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا۔''

''اس صبح ان (مشرکین) کا لشکر اتنا بڑا تھا گویا وہ حراء پہاڑ ہو جس کے پہلو شام کے وقت بھی بالکل واضح نظر آتے ہیں۔''

''ہم انھیں ایسے لشکر کے ساتھ ملے جیسے جنگل کے بوڑھے اور نوجوان شیر ہوں۔''

''وہ محمد ﷺ کے شانہ بشانہ لڑے اور گھمسان کی جنگ میں دشمن کے خلاف آپ ﷺ کی مدد کی۔''

''ان کے ہاتھوں میں کاٹ دار تلواریں اور آزمودہ لچک دار نیزے تھے۔''

''وہ بنو اوس (انصار) کے خوبرو اور بہادر جوان تھے۔ ان کے معاون بنو نجار تھے جو دین میں پختہ ہیں۔''

''ہم نے ابوجہل کو پچھڑا ہوا چھوڑا اور عقبہ کو سطحِ زمین پر گرایا۔''

''اور ہم نے شیبہ کو اونچے حسب و نسب والے افراد میں پچھاڑا کہ جب ان کا نسب بیان کیا جائے تو وہ بڑے اونچے حسب والے ہیں۔''

''جب ہم نے انھیں اکٹھے گھسیٹ کر کنویں میں پھینکا تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں پکارا۔''

''کیا تم نے میری بات اور اللہ کے حکم کو برحق پایا جو دلوں کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے؟''

''وہ کوئی جواب نہ دے پائے۔ اگر وہ بول سکتے ہوتے تو یقیناً کہتے: آپ بالکل سچے ہیں اور آپ ہی کی بات صحیح ہے۔'' [1]

سیدنا ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کا ایمانی جذبہ

سیدنا ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ ان خوش نصیب صحابہ میں سے ہیں جنھیں ابتدا ہی میں اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہوگیا تھا۔ آپ مکہ کے سربرآوردہ خاندان کے چشم و چراغ، یعنی عتبہ بن ربیعہ کے بیٹے تھے۔ وہ عتبہ جو خاندانی

[1] السيرة لابن هشام: 640/2، البداية والنهاية: 295,294/3.

وجاہت، دولت وثروت اور اپنے ذاتی فضائل کے اعتبار سے قریش کے تمام خاندانوں میں ایک نمایاں مقام رکھتا تھا لیکن ان خوبیوں کے باوجود وہ اسلام اور مسلمانوں کا سخت دشمن تھا۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجیب کرشمے ہیں۔ اس خانوادے میں جہاں دولت، ریاست، شہرت اور دینِ حق سے عداوت اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی، وہیں سے اللہ تعالیٰ نے ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کو آغوشِ نبوت میں ڈال دیا تھا۔ باپ، چچا، بھائی اور سارے خاندان والے لات وہبل کے پرستار تھے۔ معبودانِ باطلہ کے خلاف ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کا علمِ بغاوت بلند کرنا معمولی بات نہیں تھی۔ اس سے سارے خاندان میں کہرام مچ گیا۔ انھیں اپنے آبائی دین کی طرف لوٹانے کے لیے ہر طرح کا حیلہ اور حربہ استعمال کیا گیا۔

ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ جو پیدائش سے اب تک ناز ونعم کے خوگر تھے، اب ایمان لانے کے بعد ان کی ساری بساط ہی الٹ گئی۔ انھیں طرح طرح سے ستایا گیا۔ نت نئی اذیتوں سے ان کا دل دکھایا گیا لیکن اس مردِ حق پسند کے پائے استقلال میں کوئی لغزش نہیں آئی۔ جب مکہ کی سرزمین تنگ کر دی گئی تو انھوں نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی، پھر دینِ حق کی خاطر طرح طرح کی مصیبتیں جھیلتے ہوئے مرکزِ ایمان مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ اور اب بدر میں اسلام اور کفر کا فیصلہ کن معرکہ پیش آیا جس میں ان کے ایمان کی آزمائش آپڑی۔

جب مشرکین کی لاشوں کو کنویں میں ڈالنے کا حکم دیا گیا تو سردارانِ قریش کی لاشیں گھسیٹ گھسیٹ کر لائی جانے لگیں۔ اسی دوران میں ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے باپ عتبہ کی لاش لائی گئی جسے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تلوار نے دو ٹکڑے کر کے پھینک دیا تھا۔ اب اس کی لاش کنویں میں پھینک دی گئی۔ یہ غمناک منظر دیکھ کر سیدنا ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہرے پر نظر ڈالی تو انھیں غمزدہ پایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے ابوحذیفہ! شاید تمھارے دل میں اپنے والد کے بارے میں کچھ تأثرات ہیں؟''

انھوں نے کہا:

لَا، وَاللّٰهِ! يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَا شَكَكْتُ فِي أَبِي وَلَا فِي مَصْرَعِهِ وَلٰكِنْ كُنْتُ أَعْرِفُ مِنْ أَبِي رَأْيًا وَّحِلْمًا وَّ فَضْلًا، وَقَدْ كُنْتُ أَرْجُو أَنْ يَّهْدِيَهُ ذٰلِكَ لِلْإِسْلَامِ، فَلَمَّا رَأَيْتُ مَا أَصَابَهُ وَذَكَرْتُ مَا مَاتَ عَلَيْهِ مِنَ الْكُفْرِ بَعْدَ الَّذِي كُنْتُ أَرْجُو لَهُ أَحْزَنَنِي ذٰلِكَ.

''نہیں، اللہ کی قسم! اللہ کے رسول! میرے دل میں اپنے باپ یا ان کے قتل کے بارے میں خفیف سی لرزش بھی نہیں، البتہ میں اپنے باپ کے متعلق یہ ضرور جانتا تھا کہ ان میں سوجھ بوجھ، دور اندیشی اور فضل وکمال

ہے، اسی لیے میں آس لگائے بیٹھا تھا کہ یہ خوبیاں انھیں اسلام تک پہنچا دیں گی لیکن اب ان کا انجام اور اپنی توقع کے خلاف کفر پر ان کا خاتمہ دیکھ کر مجھے ملال ہو رہا ہے۔''

اس پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمائی اور ان سے بھلی بات کہی۔ [1]

وہ جو گردن زدنی نہیں تھے

جب میدانِ جنگ میں گھمسان کا رن پڑ رہا تھا تو نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

«إِنِّي قَدْ عَرَفْتُ أَنَّ أُنَاسًا مِّنْ بَنِي هَاشِمٍ وَّ غَيْرِهِمْ قَدْ أُخْرِجُوا كَرْهًا لَا حَاجَةَ لَهُمْ بِقِتَالِنَا، فَمَنْ لَّقِيَ مِنْكُمْ أَحَدًا مِّنْهُمْ - أَيْ مِنْ بَنِي هَاشِمٍ - فَلَا يَقْتُلْهُ، وَمَنْ لَّقِيَ أَبَا الْبَخْتَرِيِّ بْنَ هِشَامٍ فَلَا يَقْتُلْهُ، وَمَنْ لَّقِيَ الْعَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَلَا يَقْتُلْهُ، فَإِنَّهُ إِنَّمَا أُخْرِجَ مُسْتَكْرَهًا»

''مجھے معلوم ہے کہ بنو ہاشم وغیرہ کے کچھ لوگ زبردستی میدانِ جنگ میں ہانک کر لائے گئے ہیں۔ انھیں ہماری جنگ سے کوئی سروکار نہیں، لہٰذا بنو ہاشم کا کوئی آدمی کسی کی زد میں آجائے تو وہ اسے قتل نہ کرے۔ اگر ابوالبختری کسی کی زد میں آجائے تو وہ اسے قتل نہ کرے اور عباس بن عبدالمطلب اگر کسی کی زد میں آجائے تو وہ اسے قتل نہ کرے کیونکہ وہ جبراً لائے گئے ہیں۔''

اس پر عتبہ کے صاحبزادے ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

نَقْتُلُ آبَاءَنَا وَ إِخْوَانَنَا وَ عَشِيرَتَنَا وَنَتْرُكُ الْعَبَّاسَ؟ وَاللّٰهِ! لَئِنْ لَّقِيتُهُ لَأُلْجِمَنَّهُ بِالسَّيْفِ.

''کیا ہم اپنے باپ، بھائیوں اور اپنے قبیلے کے لوگوں کو قتل کریں اور عباس کو چھوڑ دیں؟ اللہ کی قسم! اگر میری اس سے مڈ بھیڑ ہوگئی تو میں اسے اپنی تلوار کا مزہ چکھائے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔''

یہ خبر جب رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپ نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

«يَا أَبَا حَفْصٍ! أَيُضْرَبُ وَجْهُ عَمِّ رَسُولِ اللّٰهِ بِالسَّيْفِ؟»

''اے ابوحفص! کیا اللہ کے رسول کے چچا کے چہرے پر تلوار کی ضرب لگائی جائے گی؟''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجیے کہ میں ابوحذیفہ کی گردن تن سے جدا کر دوں۔ اللہ کی قسم! یہ منافق ہوگیا ہے۔

[1] السيرة لابن كثير، ص: 262.

حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کہنے کو تو یہ بات جذبات کی رو میں بہ کر کہہ گئے لیکن پھر وہ عمر بھر اس پر پریشان رہے اور اظہارِ افسوس کرتے رہے۔ کہا کرتے تھے: اس دن میں نے جو بات کہہ دی تھی، اس کی وجہ سے میں مطمئن نہیں، برابر خوف لگا رہتا ہے۔ بس ایک ہی صورت ہے کہ میری شہادت اس کا کفارہ بن جائے۔ بالآخر وہ جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے۔ [1]

پیکرِ وفا سیدنا ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کا ملال

جس شخص کی آنکھوں کے سامنے اس کے باپ، چچا اور بھائی کو بیک وقت تہ تیغ کر دیا گیا ہو، اس کا رنجیدہ خاطر ہونا ایک قدرتی بات ہے۔ ان حالات میں سیدنا ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کی زبان سے ایسے کلمات نکلنا بعید از قیاس نہیں لیکن جونہی ان کے ہوش و حواس بحال ہوئے، انھیں اپنی غلطی کا احساس تڑپانے لگا۔ وہ ہر دم یہی سوچتے تھے کہ اس غلطی کے کفارے کی صرف ایک صورت ہے کہ میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دوں۔ بالآخر ان کا یہ جذبہ قبول ہو گیا۔

ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے اس واقعے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا ایمان یقین کی بلندیوں کو چھو رہا تھا اور وہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حد درجہ وفادار تھے، تاہم بشری تقاضوں کے زیر اثر کچھ احساسات ان میں دیکھے گئے۔ ایمان بشری تقاضوں کو ختم نہیں کرتا بلکہ انھیں مہذب بنا دیتا ہے۔ ایمان لوگوں کو جعلی تعصب سے نکال کر وفا کا ایسا پیکر بنا دیتا ہے جو عملی صورت میں قانونِ الٰہی کی ہرگز مخالفت نہیں کرتا۔ سیدنا ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کا ایمان اتنا پختہ تھا کہ بڑے بڑے حوادثات اسے ہلا نہیں سکے۔ باپ کو کنویں میں گرتا دیکھ کر بیٹا ہونے کے ناتے محبت پدری کی رگ ضرور پھڑکی لیکن ان کا ایمان بلند ترین پہاڑوں کی طرح مضبوط تھا۔ صرف اپنی توقع کے خلاف اپنے باپ کے کفر کی حالت میں مر جانے کا انھیں رنج ہوا۔ [2]

باپ بیٹے کا ٹکراؤ

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بدر کے دن اپنے بیٹے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے اچانک ٹکراؤ ہو گیا۔ ان دنوں عبدالرحمٰن شرک پر تھے، مسلمان نہیں ہوئے تھے اور مکی لشکر میں شامل تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اُن سے کہا: او خبیث! میرا مال کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا:

[1] تفسیر ابن کثیر، الأنفال 8:70،71، السیرۃ لابن ہشام: 629/2، السیرۃ لابن کثیر، ص: 259. [2] محمد رسول اللّٰہ ﷺ لصادق عرجون: 446/3.

لَمْ يَبْقَ غَيْرُ شِكَّةٍ وَّ يَعْبُوبٌ ... وَ صَارِمٌ يَقْتُلُ ضُلَالَ الشَّيْبِ

''ہتھیار، تیز رو گھوڑے اور اس تلوار کے سوا کچھ باقی نہیں جو بڑھاپے کی گمراہی کا خاتمہ کرتی ہے۔''[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عاص بن ہشام کو قتل کرنا

معرکۂ بدر میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بڑے درخشاں نقوش رقم کیے۔ اس معرکے میں عقیدے پر ثابت قدمی کی جو شاندار مثالیں سامنے آئیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کر دیا۔[2]

قومیت کے پروپیگنڈے کی جڑ کٹ گئی

بدر میں رونما ہونے والے ان فقید المثال نمونوں کو سامنے رکھتے ہوئے بتائیں کہ قومیت کا پروپیگنڈہ کرنے والے کہاں ہیں جو اس زعمِ باطل میں مبتلا ہیں کہ خون اور زبان کا تعلق عقیدے اور دین کے تعلق سے زیادہ قوی ہے؟ کیا یہ وہ پہلا ایندھن نہیں جس سے بدر کا فیصلہ کن معرکہ گرم ہوا۔ یہ اقرباء کا خون تھا جسے ایک ہی خاندان کی تلواروں نے بے دریغ بہایا تھا۔ کیا ہاشم بن عبدمناف کی آل میں سے حمزہ، عبیدہ اور علی رضی اللہ عنہم نے اپنے بھائیوں عتبہ، شیبہ اور ولید کا خون نہیں بہایا جو آلِ عبدشمس بن عبدمناف تھے۔ انھوں نے اپنے چچیرے بھائیوں کا خون قومیت کی قربان گاہ کے بجائے عقیدے اور دین کے راستے میں بہایا۔

یہ اصول اور عقائد کی جنگ تھی، قومیت اور مفاخر کی جنگ نہ تھی۔ اس میں اسلام کے لشکر نے شوق اور ثابت قدمی کا عدیم النظیر مظاہرہ کیا۔ اس جنگ میں اسلام نے دور ترین لوگوں کے درمیان محبت، مودت اور بھائی چارہ پیدا کر دیا اور کفر نے سگے بھائیوں اور اقرباء میں فاصلے پیدا کر دیے۔[3]

حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حارثہ ابھی چھوٹی عمر کے تھے کہ بدر میں شہید ہو گئے۔ ان کی والدہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ بخوبی جانتے ہیں کہ حارثہ سے مجھے کتنا پیار ہے۔ اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کرتی ہوں اور ثواب کی امید رکھتی ہوں اور اگر وہ کسی اور جگہ ہے تو آپ

[1] السيرة لابن هشام: 638/2. [2] السيرة لابن هشام: 637/2، السيرة لابن حبان: 157/1. [3] موسوعة الغزوات الكبرى: 109,108/1.

دیکھیں میں کیا کرتی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَيْحَكِ أَوَ هَبِلْتِ أَوَجَنَّةٌ وَّاحِدَةٌ هِيَ؟ إِنَّهَا جِنَانٌ كَثِيرَةٌ، وَإِنَّهُ فِي جَنَّةِ الْفِرْدَوْسِ»

''اللہ تجھ پر رحم کرے! کیا تو دیوانی ہوگئی ہے؟ کیا وہ محض ایک جنت ہے؟ وہ تو کئی جنتیں ہیں اور تیرا بیٹا جنت الفردوس میں ہے۔'' [1]

ایک روایت میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا أُمَّ حَارِثَةَ! إِنَّهَا جِنَانٌ فِي الْجَنَّةِ وَ إِنَّ ابْنَكَ أَصَابَ الْفِرْدَوْسَ الْأَعْلٰى»

''ام حارثہ! وہ تو ایسی جنت ہے جس میں بہت سے باغات ہیں اور تیرا بیٹا تو فردوسِ بریں میں ہے۔'' [2]

اس سے معلوم ہوا صحابۂ کرام ﷺ کا آخرت پر کس قدر محکم اور ناقابلِ تسخیر یقین تھا اور انھیں اللہ کی رضا حاصل کرنے کی کتنی تڑپ تھی۔ اسلامی معاشرے نے لوگوں کے خیالات تبدیل کردیے تھے اور انھیں آخرت سے منسلک کردیا تھا۔ اب وہ صرف رضائے الٰہی کے طلب گار بن گئے تھے جبکہ اس سے پہلے ان کی خواہش یہی ہوتی تھی کہ ان کی بہادری کے قصے عورتوں کی زبان پر ہوں۔ ان کے قبیلے کا سردار ان سے راضی ہوجائے اور ان کی شجاعت و دلیری پر اشعار کہے جائیں۔ [3]

سعد اور ان کے والد خیثمہ رضی اللہ عنہما کا شوقِ شہادت

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ موسیٰ بن عقبہ اور ابن شہاب رحمہما اللہ سے بیان فرماتے ہیں کہ بدر کے دن سعد رضی اللہ عنہ اور ان کے والدِ گرامی خیثمہ رضی اللہ عنہ نے جنگ میں شریک ہونے کے لیے آپس میں قرعہ اندازی کی۔ قرعہ بیٹے کے نام کا نکلا۔ باپ نے کہا: اے میرے پیارے بیٹے! آج تو بدر میں شریک نہ ہو بلکہ میرے حق میں دستبردار ہو جا۔ سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ابا جان! اگر جنت کے علاوہ کوئی اور معاملہ ہوتا تو میں ضرور آپ کو ترجیح دیتا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بدر میں شریک ہوئے اور شہادت سے سرفراز ہوئے۔ اس کے بعد ان کے والد خیثمہ رضی اللہ عنہ اُحد میں شریک ہوئے اور جام شہادت نوش فرمایا۔ [4]

یہ واقعہ صحابۂ کرام ﷺ کے قابلِ رشک کردار کی روشن مثال پیش کرتا ہے کہ ان میں اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کی کس قدر رغبت اور مسابقت پائی جاتی تھی۔ سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہما اور ان کے والدِ گرامی دونوں اکٹھے بدر میں

[1] صحيح البخاري: 3982. [2] صحيح البخاري: 2809. [3] التربية القيادية للغضبان: 31/2. [4] أسد الغابة: 292,291/2، الإصابة: 47,46/3.


مسجد قباء کے جنوب میں دار سعد بن خیثمہ کی جائے وقوع

شریک نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ دونوں میں سے ایک کا گھر کی دیکھ بھال کے لیے پیچھے موجود رہنا ضروری تھا۔ کوئی بھی دوسرے کے حق میں دستبردار ہونے کے لیے تیار نہ تھا۔ نوبت قرعہ اندازی تک جا پہنچی۔ بالآخر یہ سعادت بیٹے کے حصے میں آئی، حالانکہ وہ اپنے والد کا حد درجہ احترام کرتے تھے لیکن حصولِ جنت کے شوق نے انھیں یہ جواب دینے پر مجبور کر دیا: ''اے اباجان! اگر جنت کے علاوہ کوئی اور معاملہ ہوتا تو میں ضرور آپ کو ترجیح دیتا۔'' [1]

ٹہنی تلوار بن گئی

غزوۂ بدر میں سیدنا عکاشہ بن محصن اسدی رضی اللہ عنہ اپنی بہادری کے جوہر دکھا رہے تھے کہ ان کی تلوار ٹوٹ گئی۔ وہ دوڑے دوڑے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کی: اللہ کے رسول! میری تلوار ٹوٹ گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ٹہنی پڑی ہوئی تھی۔ آپ نے انھیں وہی ٹہنی تھما دی اور کہا: ''عکاشہ! جاؤ اس ٹہنی کے ساتھ لڑائی کرو۔''

سیدنا عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ نے وہ ٹہنی لے لی، اور اسے ہلایا تو وہ مضبوط، چمکتی ہوئی تلوار بن گئی، پھر انھوں نے اس سے لڑائی کی یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی۔ اس تلوار کا نام اَلْعَوْن یعنی ''مدد'' رکھا گیا۔ پھر یہ تلوار ہمیشہ ان کے پاس رہی۔ وہ باطل کے خلاف تمام لڑائیوں میں اسے ہی استعمال فرماتے تھے یہاں تک کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب فتنۂ ارتداد کا ظہور اور مرتدین کے خلاف جہاد شروع ہوا تو ایک مرتد کذاب طلیحہ اسدی نے انھیں شہید کر دیا۔ اس وقت بھی یہ تلوار ان کے پاس تھی۔ جب طلیحہ نے انھیں شہید کیا تو یہ اشعار کہے:

فَمَا ظَنُّكُمْ بِالْقَوْمِ إِذْ تَقْتُلُونَهُمْ   أَلَيْسُوا وَإِنْ لَمْ يُسْلِمُوا بِرِجَالِ

فَإِنْ تَكُ أَذْوَادٌ أُصِبْنَ وَنِسْوَةٌ   فَلَنْ تَذْهَبُوا فِرْغًا بِقَتْلِ حِبَالِ

[1] التاريخ الإسلامي للحميدي: 87/4.

نَصَبْتُ لَهُمْ صَدْرَ الْجِمَالَةِ إِنَّهَا ۔۔۔ مُعَاوِدَةٌ قِيلَ الْكُمَاةِ نَزَالِ

فَيَوْمًا تَرَاهَا فِي الْجِلَالِ مَصُونَةً ۔۔۔ وَيَوْمًا تَرَاهَا غَيْرَ ذَاتِ جِلَالِ

عَشِيَّةَ غَادَرْتُ ابْنَ أَقْرَمَ ثَاوِيًا ۔۔۔ وَعُكَّاشَةَ الْغَنَمِيَّ عِنْدَ حِجَالِ

''تم نے ان لوگوں کو سمجھا کیا ہے! تم انھیں قتل کرنے کے درپے ہو؟ ٹھیک ہے یہ لوگ مسلمان نہیں، مگر کیا یہ لوگ انسان بھی نہیں؟ اونٹ ہتھیا لیے گئے اور عورتیں قید کر لی گئیں۔ دیکھو تم حبال (طلیحہ کا بیٹا یا بھتیجا) کو قتل کر کے زندہ سلامت نہیں جا سکو گے۔ میں نے جمالہ (گھوڑی) کا سینہ ان کے آگے کر دیا ہے۔ یہ گھوڑی بڑی شاندار ہے۔ اس نے بارہا بہادروں کی للکاریں سُنی ہیں۔ کبھی یہ کپڑوں میں زرہیں پہنی نظر آتی ہے اور کبھی بغیر زرہ کے دکھائی دیتی ہے۔ یہ اس رات کا واقعہ ہے جب میں نے ابن اقرم کو گھٹنوں کے بل گرا پڑا چھوڑا اور عکاشہ غنمی کو حجال کے قریب پچھاڑ دیا۔''[1]

عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے بشارت دی کہ میری امت سے ستر ہزار (70,000) افراد بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے اور ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک

[1] السيرة لابن هشام: 637/2، دلائل النبوة للبيهقي: 99,98/3.

مسجد عکاشہ بن محصن (الریاض ۔ سعودی عرب)

رہے ہوں گے۔ سیدنا عکاشہ رضی اللہ عنہ نے درخواست کی: اللہ کے رسول ﷺ! اللہ سے دعا کریں کہ میں بھی ان میں سے ہو جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم انھی میں سے ہو۔'' یا آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! اسے بھی ان میں داخل فرما۔'' انصار میں سے ایک اور آدمی کھڑا ہوگیا اور اس نے بھی درخواست کی کہ اللہ کے رسول ﷺ! دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں داخل کر دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ» ''عکاشہ تم سے سبقت لے گیا ہے۔'' [1]

جنگ بدر کے ایک اور مجاہد سلمہ بن اسلم بن حریش رضی اللہ عنہ کی تلوار بھی جنگ کرتے کرتے ٹوٹ گئی۔ نبی ﷺ نے انھیں کھجور کی ایک خشک ٹہنی دے دی اور فرمایا: ''اس سے دشمن پر وار کرو۔'' انھوں نے وہ ٹہنی ہاتھ میں لی تو وہ شمشیر خارا شگاف بن گئی۔ جنگ کے اختتام تک وہ اس سے دشمن پر تابڑ توڑ حملے کرتے رہے اور انھیں موت کی نیند سلاتے رہے۔ یہ تلوار ہمیشہ ان کے پاس رہی حتی کہ انھوں نے حضرت ابوعبید ثقفی رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت لڑی جانے والی جنگ جسر (عراق) میں شہادت پائی۔ [2]

نبی کریم ﷺ کے لعاب اور ہاتھ کی برکت

خبیب بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ بدر کے دن خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ پر کسی نے وار کیا تو اُن کا ایک پہلو لٹک گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا لعاب مبارک اس پر لگا کر اسے ٹھیک کرکے اس کی جگہ پر رکھا تو وہ پہلے کی طرح بالکل صحیح سلامت ہوگیا۔

سیدنا قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں کسی نے تیر مارا۔ وہ میری آنکھ پر لگا جس سے میری آنکھ کا ڈھیلا میرے رخسار پر بہنے لگا۔ لوگوں نے چاہا کہ اسے کاٹ کر الگ کر دیا جائے۔ انھوں نے اس کے بارے میں نبی ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے مجھے اپنے پاس بلایا اور اپنے دست مبارک سے اس بہتے ہوئے ڈھیلے کو دوبارہ میری آنکھ میں ڈال دیا، پھر اس پر اپنا بابرکت ہاتھ پھیر دیا۔ معا میری تکلیف دُور ہوگئی۔ اس کے بعد یہ بھی یاد نہیں رہا کہ میری کون سی آنکھ پھوٹی تھی۔

رفاعہ بن رافع بیان کرتے ہیں کہ بدر کے دن مجھے تیر لگا جس سے میری آنکھ پھوٹ گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر اپنا لعاب مبارک لگایا اور میرے لیے دعا کی تو اس کے بعد مجھے کبھی تکلیف نہیں ہوئی۔ [3]

[1] صحيح البخاري: 5705، صحيح مسلم: 216، واللفظ له. [2] دلائل النبوة للبيهقي: 99/3. [3] دلائل النبوة للبيهقي: 97/3-100، سبل الهدى والرشاد: 53/4.

جنگِ بدر کا انجام

رمضان 2 ھ میں برپا ہونے والا یہ معرکہ مشرکین کی شکست فاش اور مسلمانوں کی فتح مبین پر ختم ہوا۔ اس میں چودہ مجاہدینِ اسلام شہید ہوئے۔ چھ مہاجرین میں سے اور آٹھ انصار میں سے۔ مشرکین کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ ان کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر قیدی بنے جو بڑے نامی گرامی سردار تھے۔

جن کے بارے میں قرآن نازل ہوا

مشرکین کے ستر مقتولین میں سے چند وہ آدمی بھی تھے جو ابتدا میں اسلام لے آئے تھے۔ جب رسولِ اکرم ﷺ نے ہجرت کی تو وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح ہجرت نہ کر سکے۔ انھیں ان کے آباء و اجداد اور کنبے قبیلے والوں نے روک لیا اور آزمائش میں مبتلا کر دیا تھا، چنانچہ وہ فتنے میں پڑ گئے یہاں تک کہ جب جنگ بدر کا موقع آیا تو یہ مکی لشکر کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے میں نکلے اور بدر میں ہلاک ہو گئے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾

”بے شک وہ لوگ جن کی فرشتے اس حال میں جان قبض کرتے ہیں کہ وہ (جان بوجھ کر کافروں میں رہ کر) اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ہوں تو فرشتے پوچھتے ہیں: تم کس حال میں تھے؟ وہ کہتے ہیں: ہم زمین میں کمزور تھے۔ تب فرشتے کہتے ہیں: کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟ چنانچہ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔“ [1]

ابن ہشام رحمہ اللہ نے ان لوگوں کے یہ نام ذکر کیے ہیں: بنو اسد بن عبدالعزیٰ سے حارث بن زمعہ بن اسود، بنومخزوم سے ابوقیس بن فاکہ بن مغیرہ اور ابوقیس بن ولید بن مغیرہ، بنو جمح میں سے علی بن امیہ بن خلف اور بنو سہم میں سے عاص بن مُنَبِّہ بن حجاج بن عامر۔ [2]

مکہ میں شکست کی خبر

ابوجہل کی قیادت میں اہل مکہ کا جو لشکر اپنے تجارتی قافلے کو مسلمانوں کی دست برد سے بچانے کے لیے نکلا تھا، اسے بہت دن گزر چکے تھے۔ اہلِ مکہ اپنے لشکر کی خیر خبر جاننے کے لیے بے حد بے چین تھے۔ وہ شہر سے باہر نکل

[1] النسآء 4:97. [2] السيرة لابن هشام: 641/2، البداية والنهاية: 296/3.

کر کسی قاصد کا انتظار کرتے رہتے۔ جس دن فرزندانِ اسلام نے کفر کو شکست دی۔ اس روز مکہ والوں نے ایک غیبی آواز سنی۔ اس وقت انھیں یہ اشعار سنائی دے رہے تھے لیکن بولنے والا نظر نہیں آ رہا تھا، وہ کہہ رہا تھا:

أَزَارَ الْحَنِيفِيُّونَ بَدْرًا وَقِيعَةً　　سَيَنْقَضُ مِنْهَا رُكْنُ كِسْرٰى وَ قَيْصَرَا

أَبَادَتْ رِجَالًا مِّنْ لُؤَيٍّ وَ أَبْرَزَتْ　　خَرَائِدَ يَضْرِبْنَ التَّرَائِبَ حُسَّرَا

فَيَا وَيْحَ مَنْ أَمْسٰى عَدُوَّ مُحَمَّدٍ　　لَقَدْ جَارَ عَنْ قَصْدِ الْهُدٰى وَ تَحَيَّرَا

''کیا ملتِ حنیفیہ کے پیروکاروں نے بدر کے واقعے کا مشاہدہ کیا ہے؟ یہ ایسا سانحہ ہے جس نے کسریٰ اور قیصر کے محلات کی دیواریں گرا دی ہیں۔ اس واقعے نے لؤی خاندان کے بہت سے مردوں کو ہلاک کر دیا اور بہت سی پردہ دار خواتین کو اس حالت میں ظاہر کر دیا کہ وہ اپنی برہنہ چھاتیاں پیٹ رہی تھیں۔ پس کتنا بد بخت ہے وہ شخص جو محمد (ﷺ) کا دشمن بن گیا۔ اس نے ہدایت کے درمیانی راستے کو چھوڑ دیا اور حیران و سراسیمہ ہو گیا۔''

سننے والے ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ یہ حنیفیون کون ہیں؟ تو کسی نے بتایا: محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی ہیں کیونکہ وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ابراہیم حنیف کے دین پر ہیں۔ یہی دن تھا جب مسلمانوں نے کفار کا کچومر نکال دیا تھا اور ان کا غرور خاک میں ملا دیا تھا۔

یہ اشعار سن کر کفارِ مکہ میں سراسیمگی پھیل گئی۔ ادھر مشرکین میدانِ بدر سے غیر منظم شکل میں بھاگتے ہوئے تتر بتر ہو گئے۔ انھیں گھبراہٹ کے عالم میں یہ سجھائی نہیں دیتا تھا کہ وہ مکہ میں کس رُخ سے داخل ہوں۔ شرم و ندامت کے سبب وہ زمین میں گڑے جا رہے تھے۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: مکہ میں سب سے پہلے جو شخص داخل ہوا، وہ حیسمان بن عبداللہ خزاعی تھا۔ لوگوں نے اس سے دریافت کیا کہ پیچھے کی کیا خبر ہے؟ اس نے عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالحکم (ابوجہل) بن ہشام، امیہ بن خلف اور مزید کچھ سرداروں کا نام لیتے ہوئے بتایا کہ یہ سب سردار قتل کر دیے گئے ہیں۔ جب اس نے مقتولین کی فہرست میں اشراف قریش کے نام گنوانا شروع کیے تو صفوان بن امیہ نے جو حطیم میں بیٹھا تھا، کہا: اللہ کی قسم! اگر یہ ہوش میں ہے تو اس سے میرے متعلق پوچھو۔ لوگوں نے دریافت کیا: صفوان بن امیہ کا کیا بنا؟ اس نے بتایا: اُدھر دیکھو وہ تو حطیم میں بیٹھا ہے۔ بخدا! اس کے باپ اور بھائی (علی بن امیہ) کو قتل ہوتے میں نے خود دیکھا ہے۔

ابولہب کی عبرتناک موت

رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام ابورافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا غلام تھا۔ ہمارے گھر میں اسلام داخل ہو چکا تھا۔ حضرت عباس اور ام الفضل رضی اللہ عنہا مسلمان ہو چکی تھیں۔ حضرت عباس مال دار آدمی تھے۔ ان کا بہت سارا مال لوگوں کے پاس تھا۔ انھوں نے قوم کے ڈر سے اپنا اسلام ظاہر نہ کیا اور قوم کی مخالفت کرنا مناسب نہ سمجھا۔ انھیں خطرہ تھا مبادا میں اپنے اسلام کا اعلان کردوں اور لوگ میری رقم ہضم کر جائیں۔

ابورافع کہتے ہیں: ابولہب جو جنگ بدر میں شریک نہ ہوا، جب اسے شکست کی خبر ملی تو اللہ تعالیٰ نے اس پر ذلت اور روسیاہی طاری کر دی اور ہمیں اپنے اندر قوت و عزت محسوس ہوئی۔ میں کمزور آدمی تھا۔ تیر بنایا کرتا تھا اور زمزم کے حجرے میں بیٹھا تیر چھیلتا رہتا تھا۔ اللہ کی قسم! اس وقت میں حجرے میں بیٹھا تیر چھیل رہا تھا۔ میرے پاس ام الفضل بیٹھی ہوئی تھیں اور جو خبر آئی تھی، اس سے ہم بے حد خوش تھے۔ اتنے میں ابولہب شکست خوردگی کی حالت میں پاؤں گھسیٹتا ہوا چلا آیا اور حجرے کے کنارے بیٹھ گیا۔ اس کی پیٹھ میری پیٹھ کی طرف تھی۔

ابھی ابولہب بیٹھا ہی تھا کہ شور اٹھا: ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب آ گیا ہے۔ ابولہب نے اس سے کہا: بھتیجے! میرے پاس آؤ! میری عمر کی قسم! تیرے پاس ضرور کوئی خبر ہے۔ وہ ابولہب کے پاس بیٹھ گیا اور لوگ کھڑے رہے۔ ابولہب نے کہا: بھتیجے! سناؤ لوگوں کا کیا حال رہا؟ اس نے کہا:

وَاللّٰهِ! مَا هُوَ إِلَّا أَنْ لَقِينَا الْقَوْمَ فَمَنَحْنَاهُمْ أَكْتَافَنَا يَقْتُلُونَنَا كَيْفَ شَاءُوا وَ يَأْسِرُونَنَا كَيْفَ شَاءُوا، وَأَيْمُ اللّٰهِ! مَعَ ذٰلِكَ مَا لُمْتُ النَّاسَ، لَقِينَا رِجَالًا بِيضًا عَلٰى خَيْلٍ بُلْقٍ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، وَاللّٰهِ! مَا تُلِيقُ شَيْئًا وَّلَا يَقُومُ لَهَا شَيْءٌ.

”اللہ کی قسم! لوگوں سے ہماری مڈبھیڑ ہوئی تو ہم نے اپنے کندھے ان کے حوالے کر دیے۔ وہ ہمیں جیسے چاہتے تھے، قتل کرتے تھے اور جیسے چاہتے تھے، قیدی بناتے تھے۔ اللہ کی قسم! میں اس کے باوجود لوگوں کو ملامت نہیں کرتا۔ دراصل ہماری مڈبھیڑ ایسے گورے چٹے لوگوں سے ہوئی تھی جو آسمان و زمین کے درمیان چتکبرے گھوڑوں پر سوار تھے۔ اللہ کی قسم! نہ وہ کسی چیز کو چھوڑتے تھے، نہ کوئی چیز ان کے مقابل ٹھہرتی تھی۔“

ابورافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے اپنے ہاتھ سے خیمے کا کنارہ اٹھایا، پھر کہا: اللہ کی قسم! وہ فرشتے تھے۔ یہ سن کر

ابولہب نے اپنا ہاتھ اُٹھایا اور میرے چہرے پر زوردار تھپڑ رسید کیا۔ میں اس سے لڑ پڑا لیکن اس نے مجھے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا، پھر میرے اوپر بیٹھ کر مجھے پیٹنے لگا۔ میں کمزور آدمی تھا۔ اتنے میں ام الفضل اٹھیں، انھوں نے خیمے کی ایک لکڑی اٹھائی اور اس کے سر پر اتنے زور سے ماری کہ اس ظالم کے سر پر شدید چوٹ آئی۔ ام الفضل نے اس سے کہا: اس کا مالک گھر پر نہیں، اس لیے تو نے اسے کمزور سمجھ رکھا ہے؟ چنانچہ ابولہب رسوائی کا دامن سمیٹ کر چلتا بنا۔ اس کے بعد اللہ کی قسم! سات راتیں گزری تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عدسہ (ایک قسم کے طاعون کی) بیماری میں مبتلا کر دیا۔ اس طرح یہ لعین ٹھکانے لگا۔ عدسہ کے پھوڑے کو لوگ بہت منحوس سمجھتے تھے، چنانچہ اس کے بیٹوں نے اسے یوں ہی بے گور وکفن چھوڑ دیا۔ اس کی لاش تین دن تک اسی طرح پڑی گلتی سڑتی رہی، کوئی اس کے قریب نہیں پھٹکتا تھا، نہ اس کی تدفین کی کوشش کرتا تھا۔ جب اس کی لاش سے بدبو کے بھبکے اٹھنے لگے تو قریش میں سے ایک آدمی نے اس کے بیٹوں سے کہا: تمھارا ناس ہو، تمھیں شرم نہیں آتی۔ تمھارے باپ کی لاش سے تعفن اٹھ رہا ہے، تم اسے دفناتے کیوں نہیں؟ اس کے بیٹوں نے کہا: ہمیں خدشہ ہے کہیں اس کا پھوڑا ہم پر اثر انداز نہ ہو جائے۔ اس نے کہا: جاؤ تمھیں کچھ نہیں ہوگا، اسے دفن کرو۔

اللہ کی قسم! اس ملامت کے بعد انھوں نے اسے غسل تک نہ دیا بلکہ دور سے اس پر پانی پھینکا، پھر اس سے دور رہتے ہوئے اُسے کسی چیز سے دھکیلتے ہوئے مکہ کے بالائی علاقے کی طرف لے گئے۔ ایک دیوار کے ساتھ اس کی ٹیک لگا دی اور دیوار کے پیچھے سے اس پر پتھر پھینک کر اس کی لاش چھپا دی۔

ایک روایت میں ہے کہ جب اس کی لاش سے تعفن اٹھنے لگا تو اس کے بیٹوں نے لوگوں کے لعن طعن کے ڈر سے ایک گڑھا کھودا اور ابولہب کی لاش کو لکڑی سے ٹہوکے مار مار کر آگے دھکیلا اور اس گڑھے میں پھینک دیا اور دور سے پتھر پھینک پھینک کر اُسے چھپا دیا۔[1]

مکہ میں صف ماتم بچھ گئی

اہل مکہ کو جونہی اپنے مقتولین کی خبر ملی، گھر گھر صف ماتم بچھ گئی۔ پورے مکہ میں کہرام مچ گیا۔ ہر طرف سے گریہ وزاری اور آہ وفغاں کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ دل دوز اور جگر سوز چیخوں نے مکہ کی ساری فضا کو سوگوار بنا دیا۔ عورتوں نے اپنے سروں کے بال منڈوا دیے۔ مقتول عزیز کی سواری کا جانور لایا جاتا اور ان کے درمیان کھڑا کر دیا جاتا۔ وہ ان کے اردگرد حلقہ باندھ کر کھڑی ہو جاتیں اور سینہ کوبی کرتیں، پھر اس سواری کو مکہ کی گلیوں میں گھمایا

[1] البداية والنهاية :309,308/3، سبل الهدٰى والرشاد : 67,66/4.

جاتا۔ اس پر وہ پردہ ڈال دیتیں اور اس کے گرد نوحہ و فریاد کرتیں، بال نوچتیں، منہ پر طمانچے مارتیں اور سینہ کوبی کرتے ہوئے گریبان پھاڑ ڈالتیں۔ یہ شرمناک سلسلہ ایک ماہ تک جاری رہا۔ [1]

مکہ میں نوحہ پر پابندی

اہل مکہ کو بدر کی شکست کا زبردست جھٹکا لگا۔ انھوں نے مقتولینِ بدر کے گھوڑوں اور اونٹوں کی کونچیں کاٹ دیں۔ وہ سب بے زبان قیمتی جانور تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ ایک ماہ بعد انھیں ہوش آیا کہ مسلمان تو ہماری اس نوحہ گری اور گریہ و زاری پر خوش ہو رہے ہوں گے، اس لیے ہمیں ایسی حرکتوں سے باز آنا چاہیے جس سے ہمارے دشمنوں کو خوشی ہو۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ آج کے بعد کوئی بھی اپنے مقتول پر آہ و فغاں نہیں کرے گا۔ انھوں نے یہ بھی طے کر لیا کہ وہ اپنے قیدیوں کی رہائی کے لیے کوئی فوری قدم نہیں اٹھائیں گے۔

انھوں نے اعلان کرایا کہ آج کے بعد کوئی بھی اپنے مقتول پر نوحہ نہیں کرے گا۔ اگر محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کو ہمارے اس ماتم اور نوحہ گری کا پتہ چل گیا تو وہ خوش ہوں گے۔ اپنے قیدیوں کے حوالے سے بھی کوئی پیش رفت نہ کرے ورنہ مسلمان گراں بار فدیے کا مطالبہ کریں گے۔ انھیں فی الوقت فراموش کر دو۔ مسلمان آخر کب تک ان کے خور و نوش کا بوجھ اٹھائیں گے۔ تنگ آ کر وہ خود ہی انھیں چھوڑ دیں گے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ اللہ کی طرف سے ان کے زندہ افراد پر عذاب تھا کہ وہ اپنے مقتولین پر رونے بھی نہ پائیں جبکہ میت پر رونے سے غم زدہ آدمی کا دل ہلکا ہو جاتا ہے۔ ان پر رونے کی پابندی لگا کر سردارانِ مکہ نے انھیں اپنے غم میں گھلنے کے لیے چھوڑ دیا۔

ایک دشمنِ رسالت کا حشر

جنگ بدر میں اسود بن مطلب کے تین بیٹے: زمعہ، عقیل اور حارث مارے گئے، اس لیے وہ ان پر رو کر اپنا غم ہلکا کرنا چاہتا تھا۔ وہ اندھا تھا۔ اچانک ایک رات اس نے نوحہ کرنے والی عورت کی آواز سنی۔ جھٹ اپنے غلام کو بھیجا اور کہا: ذرا دیکھو، کیا نوحہ کرنے کی اجازت مل گئی ہے؟ کیا قریش اپنے مقتولین پر رو رہے ہیں؟ تاکہ میں بھی اپنے بیٹے ابوحکیمہ (زمعہ) پر روؤں کیونکہ میرا سینہ اس کے غم سے جل رہا ہے۔

غلام دیکھ کر واپس آیا تو اس نے بتایا کہ یہ عورت اپنے گمشدہ اونٹ پر رو رہی ہے۔ اسود یہ سن کر اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا اور بے اختیار کہہ اٹھا:

---

[1] المغازي للواقدي: 120/1، سبل الهدى والرشاد: 67/4.

أَتَبْكِي أَنْ يَضِلَّ لَهَا بَعِيرٌ وَ يَمْنَعُهَا مِنَ النَّوْمِ السُّهُودُ
فَلَا تَبْكِي عَلَى بَكْرٍ وَّلٰكِنْ عَلَى بَدْرٍ تَقَاصَرَتِ الْجُدُودُ
عَلَى بَدْرٍ سَرَاةِ بَنِي هُصَيْصٍ وَمَخْزُومٍ وَرَهْطِ أَبِي الْوَلِيدِ
وَبَكِّي إِنْ بَكَيْتِ عَلَى عَقِيلٍ وَبَكِّي حَارِثًا أَسَدَ الْأُسُودِ
وَبَكِّيهِمْ وَلَا تَسِمِي جَمِيعًا وَمَا لِأَبِي حُكَيْمَةَ مِنْ نَدِيدِ
أَلَا قَدْ سَادَ بَعْدَهُمْ رِجَالٌ وَلَوْلَا يَوْمُ بَدْرٍ لَمْ يَسُودُوا

''کیا وہ اس بات پر روتی ہے کہ اس کا اونٹ گم ہوگیا ہے اور اس بات پر اس کی نیند حرام ہوگئی ہے؟ تو اونٹ پر مت رو بلکہ بدر پر رو جہاں قسمتیں پھوٹ گئیں۔ ہاں ہاں! بدر پر رو جہاں بنوہصیص، بنومخزوم اور ابوالولید کے خاندان کے سردار مارے گئے تھے۔ اگر رونا ہی ہے تو عقیل پر رو، حارث پر رو جو شیروں کا شیر تھا۔ ان سب پر رو مگر ہم سب کو آزردہ نہ کر اور ہاں! ابوحکیمہ کا تو کوئی ہمسر ہی نہیں تھا۔ دیکھو! ان کے بعد کیسے کیسے لوگ سردار ہوگئے اگر بدر کا دن نہ ہوتا تو یہ لوگ کبھی سردار نہیں بن سکتے تھے۔'' [1]

اسود بن مطلب کا یہ حشر اس لیے ہوا کہ اس کی اذیت رسانیوں سے تنگ آ کر ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے اس کے خلاف یہ بددعا کی:

«أَنْ يُّعْمِيَ اللّٰهُ بَصَرَهُ وَ يُثْكِلَهُ وَلَدَهُ»

''اے اللہ تعالیٰ! اس کور باطن شخص کو اندھا کر دے اور اس سے اس کی اولاد چھین لے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی دعا قبول فرمائی۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے اس کی بصارت چھین لی، پھر بدر کے دن اس کے جواں سال بیٹے قتل ہوگئے۔ اب وہ ان پر روتا پھرتا تھا۔ [2]

نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کا قتل

نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط دونوں اسلام کے خلاف جنگ کی آگ بھڑکانے والوں میں سے تھے اور

[1] السيرة لابن هشام : 648,647/2، البداية والنهاية :310,309/3. [2] الاكتفاء : 40/2، سبل الهدٰى والرشاد : 461/2 و 68/4.

مسلمانوں پر مصائب و آلام کے پہاڑ توڑنے والوں کے سرغنے تھے۔ اسلامی دعوت جن پُر خطر حالات سے گزر رہی تھی، اس کے پیش نظر ضروری تھا کہ انھیں راستے سے ہٹا دیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے وادی صفراء ہی میں حکم جاری فرمایا کہ نضر بن حارث کو قتل کر دیا جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم کی تعمیل کی اور نضر بن حارث کی گردن تن سے جدا کر دی۔ جب آپ ﷺ عرق الظبیہ پہنچے تو آپ ﷺ نے عقبہ بن ابی معیط کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ عقبہ نے جب اپنے قتل کا حکم سنا تو کہنے لگا: میرے لیے تباہی ہو، اے گروہ قریش! ان موجودہ لوگوں میں مجھی کو کیوں قتل کیا جا رہا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «لِعَدَاوَتِكَ لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ» ''اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے تیری دشمنی کی بنا پر (تجھے ٹھکانے لگایا جا رہا ہے)۔'' اس نے کہا: مجھ پر آپ کا احسان بہتر ہوگا۔ مجھے بھی میری قوم ہی کا ایک فرد باور کیجیے۔ اگر ان کو قتل کریں تو مجھے بھی قتل کر دیجیے۔ اگر ان پر احسان کریں تو مجھ پر بھی احسان فرما دیجیے۔ اگر ان سے فدیہ قبول کریں تو مجھے بھی ان میں شمار کر لیجیے۔ اے محمد! میرے بچوں کے لیے کون (والی وارث) ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَلنَّارُ، يَاعَاصِمُ بْنَ ثَابِتٍ! قَدِّمْهُ فَاضْرِبْ عُنُقَهُ»

''آگ، (پھر عاصم رضی اللہ عنہ کو حکم دیا) عاصم بن ثابت! اسے آگے کرو اور اس کی گردن مار دو۔'' [1]

امام شعبی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب عُقبہ بن ابی معیط کو قتل کرنے کا حکم دیا تو وہ کہنے لگا: اے محمد! قریش کی ساری جماعت میں سے کیا آپ مجھے ہی قتل کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«نَعَمْ! أَتَرَوْنَ مَا صَنَعَ هٰذَا بِي؟ جَاءَ وَ أَنَا سَاجِدٌ خَلْفَ الْمَقَامِ، فَوَضَعَ رِجْلَهُ عَلٰى عُنُقِي وَ غَمَزَهَا فَمَا رَفَعَهَا حَتّٰى ظَنَنْتُ أَنَّ عَيْنَيَّ سَتَنْدُرَانِ، وَجَاءَ مَرَّةً أُخْرٰى بِسَلَا شَاةٍ فَأَلْقَاهُ عَلٰى رَأْسِي وَ أَنَا سَاجِدٌ، فَجَاءَتْ فَاطِمَةُ فَغَسَلَتْهُ عَنْ رَأْسِي»

''ہاں! (پھر مسلمانوں سے مخاطب ہو کر فرمایا) کیا تم جانتے ہو، اس نے میرے ساتھ کیا سلوک روا رکھا تھا؟ ایک دن میں مقامِ ابراہیم کے پیچھے سربسجود تھا تو یہ شخص آیا۔ اس نے اپنا پاؤں میری گردن پر رکھا اور میری گردن بُری طرح دبائی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری آنکھیں باہر نکل پڑیں گی۔ پھر ایک دفعہ میں حالت سجدہ میں تھا، اس نے بکری کی آلائش لا کر میرے سر پر رکھ دی یہاں تک کہ فاطمہ آئی، اس نے آلائش اتار پھینکی اور میرا سر دھویا۔''

[1] السنن الكبرى للبيهقي: 65,64/9، السيرة النبوية للصلابي: 15/2.

کہا جاتا ہے: اسے عاصم بن ثابت نجاری رضی اللہ عنہ کے بجائے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔[1]
جب نضر بن حارث کے قتل کی خبر اس کی بہن قتیلہ کو پہنچی تو اس نے اپنے بھائی کے غم میں درج ذیل اشعار پڑھے:

يَا رَاكِبًا! إِنَّ الْأُثَيْلَ مَظِنَّةٌ مِنْ صُبْحِ خَامِسَةٍ وَأَنْتَ مُوَفَّقُ
أَبْلِغْ بِهَا مَيْتًا بِأَنَّ تَحِيَّةً مَا إِنْ تَزَالُ بِهَا النَّجَائِبُ تَخْفِقُ
مِنِّي إِلَيْكَ وَعَبْرَةً مَسْفُوحَةً جَادَتْ بِوَاكِفِهَا وَأُخْرَى تَخْنُقُ
هَلْ يَسْمَعَنِّي النَّضْرُ إِنْ نَادَيْتُهُ أَمْ كَيْفَ يَسْمَعُ مَيِّتٌ لَا يَنْطِقُ
أَمُحَمَّدٌ يَا خَيْرَ ضَنْءِ كَرِيمَةٍ فِي قَوْمِهَا وَالْفَحْلُ فَحْلٌ مُعْرِقُ
مَا كَانَ ضَرَّكَ لَوْ مَنَنْتَ وَرُبَّمَا مَنَّ الْفَتَى وَهُوَ الْمَغِيظُ الْمُحْنَقُ
أَوْ كُنْتَ قَابِلَ فِدْيَةٍ فَلْيُنْفِقَنْ بِأَعَزِّ مَا يَغْلُو بِهِ مَا يُنْفِقُ
فَالنَّضْرُ أَقْرَبُ مَنْ أَسَرْتَ قَرَابَةً وَأَحَقُّهُمْ إِنْ كَانَ عِتْقٌ يُعْتَقُ
ظَلَّتْ سُيُوفُ بَنِي أَبِيهِ تَنُوشُهُ لِلّٰهِ أَرْحَامٌ هُنَاكَ تُشَقَّقُ
صَبْرًا يُقَادُ إِلَى الْمَنِيَّةِ مُتْعَبًا رَسْفَ الْمُقَيَّدِ وَهُوَ عَانٍ مُوثَقُ

''اے سوار! پانچویں دن کی صبح تک منزل ''اثیل'' تک کا سفر طے ہو جاتا ہے اور تجھے اس کی توفیق دی گئی ہے۔''
''وہاں ایک مردے کو پیغام پہنچا دے کہ جب تک اونٹنیاں آتی جاتی ہیں، تجھے سلام پہنچتا رہے گا۔''
''میری طرف سے تمھاری خدمت میں بے تحاشا بہائے ہوئے آنسوؤں میں سے ایک ٹپکا ہوا آنسو اور دوسرا گلے میں اٹک جانے والا آنسو بھیجا ہے۔''
''اگر میں آواز دوں تو کیا نضر میری آواز سن لے گا؟ وہ تو مُردہ ہے وہ کیا سنے گا، وہ تو بات ہی نہیں کر سکتا۔''
''اے محمد! آپ اپنی قوم کی عظیم ترین خاتون کی اولاد ہیں اور نہایت شریف خاندانی مرد ہیں۔''

[1] السيرة لابن هشام: 644/2، السيرة لابن كثير، ص: 267.

''اگر آپ احسان کر دیتے تو یہ بات آپ کے لیے نقصان دہ نہیں تھی۔ بعض اوقات نوجوان غصے کی حالت میں بھی احسان کر دیتا ہے۔''

''یا آپ فدیہ قبول کر لیتے تو عزیز ترین اور نہایت گراں قدر چیزیں دے دی جاتیں۔''

''جن لوگوں کو آپ نے قید کیا ہے، نضر ان سب میں آپ کا زیادہ قریبی تھا اور اگر کسی کو آزاد کیا جانا ہے تو وہ ان سب سے زیادہ آزادی کا حقدار تھا۔''

''اس کے بھائیوں کی تلواریں اسے پھاڑنے لگیں۔ اللہ کی قسم! وہاں کیسے کیسے رشتے قطع کر دیے گئے۔''

''اسے سختی کے ساتھ موت کی طرف آزردہ حالت میں کھینچا گیا، اسے بیڑیوں میں باندھ کر کھینچا گیا، حالانکہ وہ پہلے ہی بندھا ہوا قیدی تھا۔'' [1]

قتیلہ بنت حارث کو ابن اثیر رحمہ اللہ نے صحابیہ شمار کیا ہے۔ اس کے مرثیے کی خبر جب رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو آپ رو دیے حتی کہ آنسوؤں سے آپ کی ڈاڑھی بھیگ گئی اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر اس کے قتل سے پہلے یہ شعر مجھ تک پہنچ جاتے تو میں اسے قتل نہ کراتا۔'' [2]

فتح کی خوشخبری سن کر منافقوں کو یقین نہیں آیا

رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ سے بدر روانہ ہوئے تھے تو آپ ﷺ کی صاحبزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں۔ آپ ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی نگہداشت کے لیے مدینہ ہی میں رہنے کا حکم دیا اور ان کی معاونت کے لیے سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو مامور فرمایا۔

اسلامی لشکر جب فتح و کامرانی کے پھریرے لہراتا ہوا اُثیل کے مقام پر پہنچا تو آپ ﷺ نے اہل مدینہ کو جلد از جلد

1 السيرة لابن هشام: 45/3، البداية والنهاية: 307,306/3. 2 أسد الغابة لابن الأثير: 380,379/5.



وادی اُثیل کا منظر

فتح کی خوشخبری دینے کے لیے دو قاصد روانہ فرمائے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو عوالی (بالائی مدینہ) کے باشندوں کے پاس بھیجا اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کو زیریں مدینہ والوں کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ دوپہر کے وقت مدینہ پہنچے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اونٹ پر بیٹھے بیٹھے ہی باآواز بلند فتح کا اعلان کیا: اے گروہِ انصار! آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سلامتی کی خوش خبری ہو۔ بہت سے مشرک قتل کر دیے گئے اور بہت سے قیدی بنا لیے گئے ہیں۔ ربیعہ کے دونوں بیٹے اور حجاج کے دونوں بیٹے، ابوجہل، زمعہ بن اسود اور امیہ بن خلف قتل کر دیے گئے ہیں۔ سہیل بن عمرو اور اس کے ساتھ بہت سے اشرافِ مکہ گرفتار کر لیے گئے ہیں۔

لوگوں کے لیے اس اعلان کو صحیح تسلیم کرنا بہت مشکل تھا کیونکہ مدینہ میں منافقین اور یہود نے جھوٹا پروپیگنڈہ کر کے ہلچل مچا رکھی تھی یہاں تک کہ یہ خبر پھیل گئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیے گئے ہیں۔ عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں فتح کا اعلان سن کر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور انھیں الگ لے جا کر پوچھا: اے رواحہ کے بیٹے! کیا تم جو کچھ کہہ رہے ہو، سچ کہہ رہے ہو؟ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں سچ کہتا ہوں۔ کل صبح اللہ کے رسول تشریف لا رہے ہیں۔ ان کے ساتھ جنگی قیدی بھی پابہ زنجیر ہوں گے، تم خود ان کا مشاہدہ کر لینا۔ انھوں نے فوراً انصار کے گھر گھر جا کر یہ خوش خبری سنائی۔ بچے بھی خوشی سے ان کے ساتھ ہی گلیوں میں دوڑتے پھرتے تھے اور یہ اعلان کر رہے تھے کہ فاسق و فاجر ابوجہل قتل کر دیا گیا۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قصواء نامی اونٹنی پر سوار ہو کر مدینہ منورہ کے نشیبی محلوں میں فتح کی خوشخبری سنانے کے لیے پہنچے تھے۔ وہ رہ رہ کر اعلانِ مسرت کرتے چلے جا رہے تھے۔ جب عیدگاہ پہنچے تو اعلان کیا: عتبہ، شیبہ، حجاج کے دونوں بیٹے، ابوجہل، ابوالبختری، زمعہ اور امیہ وغیرہ ہلاک کر دیے گئے۔ ان کے بڑے بڑے



مسجد قباء کے شمال میں عوالی مدینہ کا منظر



مسجد غمامہ (مدینہ منورہ)

سرداروں کو بیڑیاں پہنا دی گئیں۔ بعض لوگوں نے منافقین اور یہودیوں کی افواہوں سے متاثر ہو کر اس اعلان کو صحیح ماننے سے انکار کر دیا اور بعض کہنے لگے: زید تو خود بھگوڑا ہے۔ میدان کارزار سے بھاگ کر یہاں چلا آیا ہے۔ بعض لوگوں کو زید رضی اللہ عنہ کے اعلان پر سخت غصہ آیا اور بہت سے منافقین خوفزدہ بھی ہو گئے۔



مسجد نبوی کے مشرقی جانب قبرستان البقیع

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: جب زید رضی اللہ عنہ فتح کی خوشخبری لے کر پہنچے، اس وقت ہم قبرستان بقیع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی رقیہ رضی اللہ عنہا کو دفنا کر فارغ ہوئے تھے۔ منافقین دل ہی دل میں بہت خوش ہو رہے تھے کہ مکہ کا لشکرِ جرار ان مٹھی بھر مجاہدین کا صفایا کر دے گا اور مسلمانوں سے ہماری جان چھوٹ جائے گی۔ ایک منافق نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی پر سوار دیکھا تو اس سے رہا نہ گیا، وہ بول اٹھا: واقعی محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دیے گئے ہیں۔ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اونٹنی ہے۔ ہم اسے پہچانتے ہیں۔ زید شکست کھا کر بھاگ آیا ہے اور اس قدر مرعوب ہو گیا ہے کہ اس کی عقل ماری گئی ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا کہ اب کیا کرے۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد سے پوچھا: ابا جان! کیا وہ واقعی سچ ہے جو کچھ آپ نے کہا؟ زید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اللہ کی قسم! میں سچ کہتا ہوں۔ یہ سن کر مجھے پوری تسلی ہو گئی اور میں نے افواہ پھیلانے والے منافق سے کہا: تم جھوٹ بولتے ہو۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے تو میں تمھیں ان کے حوالے کروں گا، وہ تمھیں قتل کر دیں گے۔ یہ سن کر منافق گھبرا گیا اور کہنے لگا: میں نے تو سنی سنائی بات کہی ہے۔[1]

معرکۂ بدر میں فریقین کے مقتولین

معرکۂ بدر میں چودہ مسلمان شہادت کے مرتبے سے ہمکنار ہوئے۔ ان میں سے چھ مہاجرین اور آٹھ انصار تھے۔

[1] السیرۃ لابن ہشام: 643,642/2، البدایۃ والنہایۃ: 305,304/3، سبل الہدیٰ والرشاد: 58,57/4.

مہاجرین شہداء

(ا) بنومطلب بن عبدمناف سے ایک آدمی عبیدہ بن حارث بن مطلب بن عبدمناف بن قصی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ وہ مبارزت کے دوران عتبہ بن ربیعہ بن عبدشمس کا مقابلہ کرتے ہوئے زخمی ہوئے۔ واپسی پر وادیِ صفراء میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔

(ب) بنوزہرہ بن کلاب کے دو آدمی شہید ہوئے: **1** عمیر بن ابی وقاص بن اُہیب بن عبدمناف رضی اللہ عنہ نے 16 سال کی عمر میں شہادت پائی۔ **2** عمیر بن عبدعمرو بن نضلہ رضی اللہ عنہ۔ ان کی کنیت ابومحمد اور لقب ذوالشمالین تھا۔

(ج) بنوعدی بن کعب بن لؤی میں سے دو آدمی شہید ہوئے: **1** عاقل بن بکیر بن عبدیالیل رضی اللہ عنہ۔ یہ بنوعدی بن کعب کے حلیف تھے اور بنوسعد بن لیث بن عبدمناۃ بن کنانہ سے ان کا تعلق تھا۔ **2** مَہْجَعْ بن صالح رضی اللہ عنہ کا قوم عک سے تعلق تھا۔ وہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ معرکۂ بدر میں سب سے پہلے یہی شہادت کے مرتبے پر فائز ہوئے۔

(د) بنوحارث بن فہر میں سے ایک صحابی صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔



لوحِ شہدائے بدر

انصاری شہداء

(ا) بنوعمرو بن عوف میں سے دو آدمی شہید ہوئے: 1 سعد بن خیثمہ انصاری رضی اللہ عنہ۔ 2 مبشر بن عبدالمنذر بن زنبر انصاری رضی اللہ عنہ۔

(ب) بنوحارث بن خزرج سے ایک صحابی یزید بن حارث بن قیس بن مالک رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔

(ج) بنوسلمہ سے عمیر بن حُمام بن جموح بن زید بن حرام انصاری رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔

(د) بنوحبیب سے رافع بن مُعلّٰی بن لَوذان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔

(ہ) بنونجار سے حارث (حارثہ) بن سراقہ بن حارث رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ ان کے حلق پر تیر لگا اور وہ جاں بحق ہو گئے۔

(و) بنوغنم سے دو آدمی شہید ہوئے: 1 عوف بن حارث بن رفاعہ بن سواد ابن عفراء رضی اللہ عنہما۔ 2 معوذ بن حارث بن رفاعہ ابن عفراء رضی اللہ عنہما۔

مشرکین کے مقتولین

معرکۂ بدر میں مشرکین اپنے ستر (70) مقتولین کی لاشیں چھوڑ کر بھاگے۔ ان کے نام یہ ہیں:

(ا) بنوعبدشمس بن عبد مناف سے بارہ آدمی واصل جہنم ہوئے: 1 عتبہ بن ربیعہ بن عبدشمس۔ اسے عبیدہ بن حارث بن مطلب رضی اللہ عنہ نے زخمی کیا اور حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما نے قتل کیا تھا۔ 2 شیبہ بن ربیعہ بن عبدشمس۔ اسے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے ٹھکانے لگایا۔ 3 ولید بن عتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تلوار کا لقمہ بنا۔ 4 حنظلہ بن ابوسفیان بن حرب۔ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما نے قتل کیا۔ 5 حارث بن حضرمی۔ یہ بنوعبدشمس کا حلیف تھا۔ اسے نعمان بن عصر رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ 6 عامر بن حضرمی۔ یہ بھی بنوعبدشمس کا حلیف تھا۔ اسے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے موت کی نیند سلا دیا۔ 7 عمیر بن ابوعمیر 8 اور اس عمیر کا بیٹا۔ یہ دونوں بنوعبدشمس کے موالی میں سے ہیں۔ عمیر کو ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام سالم رضی اللہ عنہ نے جہنم واصل کیا۔ 9 عبیدہ بن سعید بن عاص۔ اسے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے موت کے گھاٹ اتارا۔ 10 عاص بن سعید بن عاص۔ اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مار ڈالا۔ 11 عقبہ بن ابی مُعَیط۔ اسے عاصم بن ثابت بن ابی اقلح رضی اللہ عنہ نے عِرقُ الظَّبْیہ نامی مقام پر باندھ کر قتل کیا۔ 12 عامر بن عبداللہ نمری۔ یہ بنوعبدشمس کا حلیف تھا۔ اسے حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ نے ہلاک کیا۔

(ب) بنونوفل بن عبدمناف میں سے دو آدمی قتل ہوئے: 1 حارث بن عامر بن نوفل۔ یہ خُبیب بن اساف (یساف) رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں لقمۂ اجل بنا۔ 2 طُعَیمہ بن عدی بن نوفل۔ یہ حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

(ج) بنواسد بن عبدالعزیٰ کے سات آدمی قتل ہوئے: 1 زمعہ بن اسود بن مطلب۔ اسے ثابت بن جذع رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ ایک قول کے مطابق اس کے قتل میں حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما شریک تھے۔ 2 ابوالبختری عاص بن ہشام بن حارث۔ اسے سیدنا مُجَذَّر بن زیاد بلوی رضی اللہ عنہ نے موت کی نیند سلایا۔ 3 حارث بن زمعہ۔ اسے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے قتل کیا۔ 4 نوفل بن خویلد بن اسد۔ یہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بھائی تھا لیکن شیاطین قریش میں سرفہرست تھا۔ اسے حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ نے واصل جہنم کیا۔ 5 عقیل بن اسود بن مطلب کو حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے قتل کیا۔ 6 عقبہ بن زید، یمن سے تعلق رکھتا تھا اور بنواسد کا حلیف تھا۔ 7 بنواسد کا غلام عمیر۔

(د) بنوعبدالدار بن قصی کے چار آدمی قتل ہوئے: 1 نضر بن حارث بن کلدہ۔ یہ مشرکین کا علمبردار تھا۔ اسے لشکرِ اسلام کی مدینہ واپسی پر اُثیل نامی جگہ پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ یہ بڑے بڑے جنگی مجرموں میں سے ایک تھا۔ 2 زید بن مُلَیص۔ یہ عمیر بن ہاشم بن عبدمناف بن عبدالدار کا غلام تھا۔ اسے سیدنا بلال بن رباح رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ 3 نبیہ بن زید بن مُلَیص تمیمی۔ یہ بنوعبدالدار کا حلیف تھا۔ 4 عبید بن سلیط قیسی۔ یہ بھی بنوعبدالدار کا حلیف تھا۔

(ہ) بنوتیم بن مرہ کے چار آدمی قتل ہوئے: 1 مالک بن عبیداللہ بن عثمان۔ یہ سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کا بھائی تھا۔ قید ہوا اور قید ہی میں مرگیا۔ 2 عمرو بن عبداللہ بن جُدعان۔ 3 عثمان بن مالک بن عبیداللہ بن عثمان۔ اسے حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ نے جہنم رسید کیا۔ 4 عمیر بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد۔ اسے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔

(و) بنومخزوم اور ان کے حلیفوں میں سے چوبیس آدمی کیفر کردار کو پہنچے: 1 مکی فوج کا سالار اعلیٰ ابوجہل عمرو بن ہشام بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم۔ اسے معاذ بن عمرو بن جموح، معاذ ابن عفراء اور معوذ ابن عفراء رضی اللہ عنہم نے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ ابھی کچھ رمق باقی تھی کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سر قلم کیا تھا۔ 2 عاص بن ہشام بن مغیرہ بن عبداللہ۔ یہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ماموں تھا اور انھی کے ہاتھوں قتل ہوا۔ 3 یزید بن

عبداللہ۔ یہ بنومخزوم کا حلیف تھا اور بنوتمیم سے تھا۔ اسے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے موت کے گھاٹ اتارا۔ 4 مسعود بن ابوامیہ بن مغیرہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ 5 حرملہ بن عمرو۔ یہ بنواسد سے تھا اور بنومخزوم کا حلیف تھا۔ اسے حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ 6 ابومسافع اشعری بھی ان کا حلیف تھا۔ اسے حضرت ابودجانہ ساعدی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ 7 ابوقیس بن ولید بن مغیرہ۔ یہ سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ 8 ابوقیس بن فاکہ بن مغیرہ۔ سیدنا علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کی تلوار سے مارا گیا۔ 9 رفاعہ ابی رفاعہ بن عابد (عائذ) بن عبداللہ بن عمرو کو سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے تہ تیغ کیا۔ 10 منذر بن ابی رفاعہ بن عابد کو معن بن عدی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ 11 سائب بن ابی سائب بن عابد کو حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے ہلاک کیا۔ سائب بن ابی سائب کے متعلق ابن ہشام رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ قتل نہیں ہوئے تھے بلکہ مسلمان ہو گئے تھے اور بہت اچھے مسلمان ثابت ہوئے تھے۔[1]

12 اسود بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ 13 حاجب بن سائب بن عویمر بن عمرو کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہلاک کیا۔ 14 عویمر بن سائب بن عویمر کو نعمان بن مالک قوقلی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ 15 عمرو بن سفیان قبیلہ بنوطے سے تھا اور ان کا حلیف تھا۔ اسے یزید بن رُقَیش رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ 16 جابر بن سفیان۔ یہ بھی قبیلہ بنوطے سے تھا اور بنومخزوم کا حلیف تھا۔ اسے ابوبردہ رضی اللہ عنہ نے ہلاک کیا۔ 17 عبداللہ بن منذر بن ابورفاعہ کو علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ 18 حذیفہ بن ابوحذیفہ بن مغیرہ کو سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جہنم رسید کیا۔ 19 ہشام بن ابوحذیفہ بن مغیرہ، صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ 20 زہیر بن ابورفاعہ کو ابواُسید مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کی تلوار چاٹ گئی۔ 21 سائب بن ابورفاعہ کو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ 22 عائذ بن سائب بن عویمر کو سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے زخمی کیا۔ بعدازاں یہ قید ہو گیا اور فدیہ دے کر رہا ہوا لیکن جنگ میں لگنے والا زخم کاری تھا، اسی زخم کی وجہ سے مر گیا۔ 23 طے قبیلے کا ایک آدمی جس کا نام عمیر تھا اور اس قبیلے کا حلیف تھا۔ 24 بنوقارہ سے تعلق رکھنے والا خیار نامی ایک آدمی جو اس قبیلے کا حلیف تھا، نامعلوم مجاہد کے ہاتھوں ہلاک ہوا۔

(ز) قبیلہ بنوسہم بن عمرو بن ہُصیص کے سات آدمی قتل ہوئے: 1 منبہ بن حجاج بن عامر بن حذیفہ بن سعد بن سہم۔ اسے قبیلہ بنوسلمہ کے ابوالیسر رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ 2 نبیہ بن حجاج۔ اسے حمزہ بن عبدالمطلب اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما نے مل کر ٹھکانے لگایا۔ 3 عاص بن منبہ بن حجاج۔ اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔

[1] السيرة لابن هشام: 712,711/2.

4 ابوالعاص بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم۔ اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے، ایک قول کے مطابق نعمان بن مالک قوقلی رضی اللہ عنہ نے اور ایک روایت کے مطابق ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ 5 عاصم بن عوف بن ضبیرہ۔ اسے ابوالیسر رضی اللہ عنہ نے موت کے گھاٹ اُتارا۔ 6 حارث بن منبہ بن حجاج کو صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ 7 عامر بن عوف بن ضبیرہ کو عبداللہ بن سلمہ عجلانی رضی اللہ عنہ اور ایک قول کے مطابق ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے ہلاک کیا۔

(ح) قبیلہ بنوعامر بن لؤی کے دو آدمی قتل ہوئے: 1 معاویہ بن عامر۔ یہ قبیلہ عبدالقیس سے بنوعامر کا حلیف تھا۔ اسے عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ نے تہ تیغ کیا۔ 2 معبد بن وہب کلبی بھی اسی قبیلے کا حلیف تھا۔ اسے بکیر کے دو بیٹوں خالد اور ایاس رضی اللہ عنہما نے جہنم رسید کیا۔

(ط) بنوجمح بن عمرو بن ہصیص کے چار آدمی تہ تیغ ہوئے: 1 امیہ بن خلف بن وہب کو گروہ انصار نے مل کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ 2 علی بن امیہ بن خلف کو عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے تہ تیغ کیا۔ 3 اوس بن معیر بن لَوذان کو علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ اور ایک قول کے مطابق حصین بن حارث بن مطلب اور عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم نے قتل کیا۔ 4 سبرہ بن مالک۔ یہ اسی قبیلے کا حلیف تھا۔ اس کے قاتل کا علم نہیں ہو سکا۔

مشرکین مکہ جو قید ہوئے

جنگ بدر میں قید ہونے والے مشرکین کی تعداد بھی ستر تھی۔ قیدیوں کی تفصیل یہ ہے:

(ا) بنوہاشم کے چار آدمی قید ہوئے: 1 عباس بن عبدالمطلب۔ 2 عقیل بن ابوطالب۔ 3 نوفل بن حارث بن مطلب۔ 4 عتبہ نامی ایک شخص جو بنوہاشم کا حلیف تھا۔

(ب) بنومطلب بن عبدمناف کے پانچ آدمی قید ہوئے: 1 سائب بن عبید بن عبدیزید۔ 2 نعمان بن عمرو بن علقمہ بن مطلب۔ 3 بنومطلب کا حلیف عقیل بن عمرو۔ 4 عقیل کا بھائی تمیم۔ یہ ان کا حلیف تھا۔ 5 تمیم کا بیٹا۔ اس کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ یہ بھی اس قبیلے کا حلیف تھا۔

(ج) بنوعبدشمس بن عبدمناف کے نو آدمی پکڑے گئے: 1 عمرو بن ابوسفیان بن حرب۔ 2 حارث بن ابووجزہ۔ 3 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ابوالعاص بن ربیع۔ یہ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ 4 ابوریشہ بن عمرو۔ یہ اس قبیلے کا حلیف تھا۔ 5 عمرو بن ازرق۔ یہ بھی اس قبیلے کا حلیف تھا۔ 6 عقبہ بن عبدالحارث بن حضرمی، اسی قبیلے کا حلیف تھا۔ 7 ابوالعاص بن نوفل بن عبدشمس۔ 8 خالد بن اُسید بن ابوالعیص۔ 9 ابوالعریض، یسار (یاسر) یہ عاص بن امیہ کا غلام تھا۔

(ہ) بنونوفل بن عبدمناف کے چار لوگ گرفتار ہوئے: 1 عدی بن خیار بن عدی بن نوفل۔ 2 عثمان بن عبدشمس مازنی۔ یہ ان کا حلیف تھا۔ 3 ابوثور۔ یہ بھی اسی قبیلے کا حلیف تھا۔ 4 نبہان۔ یہ اس قبیلے والوں کا غلام تھا۔

(و) بنوعبدالدار بن قصی کے یہ تین لوگ قید ہوئے: 1 ابوعزیز بن عمیر بن ہاشم (مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا بھائی) 2 اسود بن عامر۔ یہ ان کا حلیف تھا۔ 3 عقیل یمنی۔ یہ بھی حلیف تھا۔

(ز) بنواسد بن عبدالعزیٰ کے یہ چار افراد قید ہوئے: 1 سائب بن ابی حبیش بن مطلب بن اسد۔ 2 حویرث بن عباد بن عثمان۔ 3 سالم بن شماخ۔ یہ ان کا حلیف تھا۔ 4 عبداللہ بن حمید بن زہیر بن حارث۔

(ح) بنومخزوم کے دس افراد پابہ زنجیر ہوئے: 1 خالد بن ہشام بن مغیرہ۔ 2 امیہ بن ابوحذیفہ بن مغیرہ۔ 3 عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ۔ 4 ابوالمنذر بن ابورفاعہ۔ 5 ابوعطاء عبداللہ بن ابوالسائب۔ 6 مطلب بن حطب بن حارث۔ 7 خالد بن اعلم۔ یہ ان کا حلیف تھا اور یہ پہلا شخص تھا جو میدانِ کارزار سے شکست کھا کر نکل بھاگا، حالانکہ اسے ثابت قدمی میں ضرب المثل کے طور پر بیان کیا جاتا تھا۔ درج ذیل مشہور شعر اسی شخص نے کہا تھا:

وَلَسْنَا عَلَى الْأَعْقَابِ تَدْمٰى كُلُومُنَا ۝ وَلٰكِنْ عَلٰى أَقْدَامِنَا يَقْطُرُ الدَّمُ

''ہمارے زخم ہماری ایڑیوں پر خون نہیں بہاتے بلکہ خون ہمارے قدموں پر ٹپکتا ہے۔''

8 خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا بھائی ولید بن ولید بن مغیرہ۔ 9 صیفی بن ابورفاعہ بن عابد۔ 10 قیس بن سائب۔

(ط) بنوسہم بن عمرو کے پانچ افراد کو بیڑیاں پہنائی گئیں: 1 ابووداعہ بن ضبیرہ بن سعید۔ 2 وَفرہ بن قیس بن عدی۔ 3 حنظلہ بن قبیصہ بن حذافہ۔ 4 حجاج بن قیس بن عدی۔ 5 نبیہ بن حجاج سہمی کا غلام اسلم۔

(ی) بنوجمح بن عمرو بن ہصیص سے گیارہ آدمی قید ہوئے: 1 عبداللہ بن ابی بن خلف بن وہب۔ 2 ابوعزہ (عمرو بن عبد بن عثمان)۔ 3 امیہ بن خلف کا غلام فاکہ۔ 4 وہب بن عمیر۔ 5 ربیعہ بن دراج بن عنبس۔ 6 عمرو بن ابی بن خلف۔ 7 ابورہم بن عبداللہ۔ یہ ان کا حلیف تھا۔ 8 ایک آدمی جوان کا حلیف تھا، اس کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔ 9 امیہ بن خلف کا غلام نِسطاس۔ 10 امیہ کا ایک اور غلام اس کا نام بھی معلوم نہیں ہوا۔ 11 ابورافع، امیہ بن خلف کا غلام۔

(ک) بنوعامر بن لوی کے پانچ افراد قید ہوئے: 1 سہیل بن عمرو۔ 2 عبد بن زمعہ بن قیس۔ 3 عبدالرحمٰن بن مَشنُوء بن وقدان۔ 4 حبیب بن جابر۔ 5 سائب بن مالک۔

(ل) بنوحارث بن فہر کے چار آدمی گرفتار ہوئے: 1 طفیل بن ابی قَنیع۔ 2 عتبہ بن عمرو بن جحدم۔ 3 شافع،

اس شخص کا تعلق یمن سے تھا اور یہ ان کا حلیف تھا۔ 4 شفیع، یہ بھی یمن کا تھا اور ان کا حلیف تھا۔ [1]

لشکرِ اسلام کی مدینہ واپسی

رسول اللہ ﷺ اپنے جانباز صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ واپسی کے لیے عازم مدینہ ہوئے۔ جنگی قیدیوں کا جم غفیر ساتھ تھا۔ عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث بھی قیدیوں میں شامل تھے۔ بہت سارا مالِ غنیمت اونٹوں پر لدا ہوا تھا۔ ایک سو پچاس اونٹ، مختلف قسم کا سامانِ تجارت، چمڑے کے دستر خوان، پارچات، کثیر مقدار میں رنگا ہوا چمڑا، دس گھوڑے، بڑی مقدار میں اسلحہ اور ابوجہل کا مشہور اونٹ تھا۔ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے قبضے میں دے دیں۔ یہ اونٹ نبی ﷺ کے پاس رہا اور غزوات میں آپ اسی پر سواری کرتے رہے۔ حدیبیہ میں قربانی کے جانور لائے گئے تو ان میں یہ اونٹ بھی شامل تھا۔ بدر کے مالِ غنیمت پر سیدنا خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کو نگران مقرر کیا گیا تھا۔ جب آپ وادی صفراء کے درے سے باہر نکلے تو آپ ﷺ نے درے اور النازیہ کے درمیان ایک ٹیلے پر پڑاؤ کیا اور وہیں مالِ غنیمت میں سے خُمس (پانچواں حصہ) نکال کر بقیہ مال تقسیم کیا گیا۔ [2]

1 السيرة لابن هشام: 3/3-8، موسوعة الغزوات الكبرى: 1/111-121. 2 السيرة لابن هشام: 2/643، المغازي للواقدي: 1/102، الاكتفاء: 2/35، الرحيق المختوم، ص: 247، سبل الهدى والرشاد: 4/62.



وادی صفراء کا ایک خوبصورت منظر

مقام الروحاء

مبارکباد کے وفود مدینہ میں

اس کے بعد جب رسول اللہ ﷺ مقام الروحاء پہنچے تو سرکردہ مسلمانوں سے ملاقات ہوئی جو زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہما سے فتح کی خوشخبری سن کر رسول اللہ ﷺ کا استقبال کرنے اور مبارکباد پیش کرنے کے لیے مدینے سے نکل پڑے تھے۔ جب انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو مبارکباد دی تو حضرت سلمہ بن سلامہ رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ لوگ ہمیں کاہے کی مبارکباد دے رہے ہیں، اللہ کی قسم! ہمارا ٹکراؤ تو گنجے سر کے بوڑھوں سے ہوا تھا جو بندھے ہوئے اونٹوں جیسے تھے، ہم نے انھیں ذبح کر دیا۔ یہ سُن کر رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور فرمایا: بھتیجے! یہی سرداران قوم تھے۔ [1]

اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ عرض پرداز ہوئے: اے اللہ کے رسول! تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے آپ کو کامیابی عطا کی اور آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک بخشی۔ اللہ کی قسم! میں یہ خیال کر کے بدر سے پیچھے نہیں رہا کہ آپ کا ٹکراؤ دشمن سے ہوگا۔ میں تو سمجھا تھا بس قافلے کا معمولی سا معاملہ ہے۔ اگر میں سمجھتا کہ دشمن سے مقابلہ ہوگا تو میں ہرگز پیچھے نہ رہتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم سچ کہتے ہو۔'' [2]

پابہ زنجیر کفر کے سرغنے

دو معتبر قاصدوں کی زبانی فتح کی خبر مدینہ کے بچے بچے کو معلوم ہو چکی تھی، مگر پھر بھی یہود اور منافقین اس خبر پر

[1] السيرة لابن هشام: 644,643/2. [2] البداية والنهاية: 305/3.

یقین کرنے کو تیار نہیں تھے۔ جب انھوں نے اسلامی لشکر کو اس حال میں فاتحانہ شان سے آتے دیکھا کہ ان کے آگے آگے ظالم و سرکش قیدی بیڑیوں میں جکڑے گرتے پڑتے چلے آرہے تھے اور ان کے چہروں پر شکست کی ذلت چھائی ہوئی تھی تو وہ بہت شرمندہ ہوئے۔

یہودیوں اور منافقوں نے سہیل بن عمرو، عمرو بن ابوسفیان، عباس بن عبدالمطلب، نوفل بن حارث اور ولید بن ولید کو بندھی ہوئی مشکوں کے ساتھ پابہ زنجیر دیکھا تو انھیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔

حق بات یہ ہے کہ معرکۂ بدر کا اختتام جزیرہ نمائے عرب کا عجیب اور عظیم واقعہ تھا جس سے پورا عرب ہل گیا اور سارے عرب پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔[1]

قیدیوں سے حسنِ سلوک کی وصیت

رسول اللہ ﷺ اسلامی لشکر اور قیدیوں کے پہنچنے سے ایک دن پہلے ہی مدینہ تشریف لا چکے تھے۔ آپ کے جنگی محافظ دستے نے آپ کا احاطہ کر رکھا تھا۔

مدینہ آکر آپ ﷺ نے تمام قیدی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم فرما دیے اور نصیحت فرمائی: «اِسْتَوْصُوا بِهِمْ خَيْرًا» ''ان لوگوں کے ساتھ بھلائی کی وصیت قبول کرو۔''

ابوعزیز بن عمیر رضی اللہ عنہ سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے سگے بھائی تھے۔ وہ بتاتے ہیں: بدر کے دن ایک انصاری آدمی مجھے قید کرنے کے لیے باندھ رہا تھا کہ میرے پاس سے میرا بھائی مصعب گزرا۔ اس نے میری طرف داری کے بجائے اس انصاری سے کہا: اسے اچھی طرح کس کر باندھو، اس کی ماں بڑی دولتمند ہے، خوب فدیہ دے گی۔ کہتے ہیں: جب ہم مدینہ پہنچے تو مجھے ایک انصاری کے حوالے کر دیا گیا۔ صبح شام جب اس انصاری کے اہل خانہ کھانا کھانے لگتے، وہ مجھے روٹی پیش کرتے اور خود کھجوروں پر گزارا کرتے۔ ان میں سے جب بھی کسی کے ہاتھ روٹی کا ٹکڑا لگتا تو وہ مجھے دے دیتے۔ مجھے بڑی شرم محسوس ہوتی اور میں وہ لینے سے انکار کر دیتا لیکن ان کا اصرار غالب رہتا کیونکہ قیدیوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے بھلائی کی تاکید فرمائی تھی۔[2]

ایک اور قیدی ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں انصار کے ایک گروہ میں تھا۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ صبح شام وہ جب بھی کھانا کھاتے، روٹی مجھے دیتے اور خود کھجور کھاتے جبکہ روٹی بہت کم ہوتی تھی اور مدینہ میں عموماً کھجور ہی میسر ہوتی تھی بلکہ کبھی کبھار ایسا بھی ہوا کہ کسی کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا آگیا تو اس نے

[1] موسوعة الغزوات الكبرٰى: 142/1. [2] المعجم الكبير للطبراني: 393/22، السيرة لابن هشام: 645/2.

وہ ٹکڑا خود نہیں کھایا بلکہ مجھی کو عطا کر دیا۔

ولید بن ولید بن مغیرہ بھی بدر کے قیدیوں میں سے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ جن کے پاس ہمیں بطورِ قیدی رکھا گیا تھا، وہ اتنے بلند اخلاق تھے کہ خود پیدل چلتے تھے اور ہمیں سواری کی سہولت مہیا کرتے تھے۔ [1]

قیدیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا سلوک رحمت، عدل، احتیاط اور دعوتی مقاصد کا آئینہ دار تھا۔ اسی بنا پر آپ ﷺ نے اس سلسلے میں مختلف طریقے اختیار فرمائے۔ کچھ مشرکوں کو قتل کیا، کچھ سے فدیہ قبول کیا، کسی کو احسان کا مستحق سمجھا اور بعض قیدیوں پر احسان کرتے ہوئے مسلمانوں کے دس دس بچوں کو تعلیم دینے کی شرط عائد فرمائی۔

مطعم بن عدی کا اعزاز

رسول اللہ ﷺ نے اسیرانِ بدر کے متعلق فرمایا:

«لَوْ كَانَ الْمُطْعِمُ بْنُ عَدِيٍّ حَيًّا ثُمَّ كَلَّمَنِي فِي هٰؤُلَاءِ النَّتْنٰى لَتَرَكْتُهُمْ لَهُ»

''اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور ان بدبودار لوگوں کے بارے میں مجھ سے سفارش کرتا تو میں اس کی خاطر انھیں (فدیہ لیے بغیر) چھوڑ دیتا۔'' [2]

یہ حدیث حُسنِ کردار کی بہترین مثال ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنابِ رسالت مآب ﷺ اپنے ساتھ نیکی کرنے والوں کا کس قدر لحاظ فرماتے تھے۔ ہر چند مطعم بن عدی مسلمان نہیں ہوا، پھر بھی آپ نے انسانیت کے ناتے اُس کا حسنِ سلوک یاد رکھا۔ طائف سے واپسی پر آپ ﷺ اسی کی پناہ لے کر مکہ میں داخل ہوئے تھے۔ بنوہاشم اور مسلمانوں کے خلاف قریش نے جو معاہدہ کیا تھا، اسے کالعدم کرنے کے لیے بھی مطعم بن عدی ہی نے سب سے زیادہ آؤ بھگت کی تھی۔

قیدیوں کی قسمت کا فیصلہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ جب قیدی قید کر لیے گئے تو آپ ﷺ نے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت فرمایا:

«مَا تَرَوْنَ فِي هٰؤُلَاءِ الْأُسَارٰى؟»

''ان قیدیوں کے متعلق تمھاری کیا رائے ہے؟''

---

[1] المغازي للواقدي: 117/1. [2] صحيح البخاري: 4024.

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے نبی! یہ اپنی ہی برادری کے لوگ اور اپنے ہی خاندان والے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ان سے فدیہ لے کر انھیں رہا کر دیجیے۔ اس طرح ہمیں کافروں پر قوت حاصل ہوگی، پھر یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا کر دے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

«مَا تَرٰی یَا ابْنَ الْخَطَّابِ؟»

''خطاب کے بیٹے! تمھاری کیا رائے ہے؟''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: نہیں، اللہ کی قسم! میری وہ رائے نہیں جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ انھیں ہمارے حوالے کر دیں تاکہ ہم ان کی گردنیں مار دیں۔ عقیل کو علی رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیجیے تاکہ وہ اس کی گردن ماریں۔ میرے فلاں عزیز کو میرے حوالے کر دیجیے تاکہ میں اسے قتل کر دوں۔ یہ لوگ کفر کے سرغنے ہیں۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری بات نہیں مانی بلکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے قبول فرمائی۔

دوسرے دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ بیٹھے رو رہے تھے۔ میں نے پوچھا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اور آپ کے ساتھی (ابوبکر) کس لیے رو رہے ہیں؟ اگر مجھے رونا آیا تو میں بھی روؤں گا اور اگر رونا نہ آیا تو آپ کے رونے کی وجہ سے میں رونے والی شکل ہی بنالوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَبْكِي لِلَّذِي عَرَضَ عَلَيَّ أَصْحَابُكَ مِنْ أَخْذِهِمُ الْفِدَاءَ، لَقَدْ عُرِضَ عَلَيَّ عَذَابُهُمْ أَدْنٰى مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ»

''میں اس بات پر رو رہا ہوں جو تمھارے ساتھیوں کے مشورے پر قیدیوں سے فدیہ لینے کی وجہ سے مجھے پیش آئی۔ (پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قریبی درخت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:) میرے سامنے (تمھارے) ان (ساتھیوں کو ہونے والا ممکنہ) عذاب اس درخت سے بھی قریب تر لایا گیا۔''

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ۭ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ڰ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا﴾ (الأنفال 8:67-69)

"کسی نبی کے لائق نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں یہاں تک کہ وہ زمین میں خوب خون ریزی (انھیں قتل) کرے۔ (مسلمانو!) تم سامانِ دنیا چاہتے ہو اور اللہ (تمھاری) آخرت چاہتا ہے اور اللہ زبردست، خوب حکمت والا ہے۔ اگر اللہ کی طرف سے پہلے ہی بات لکھی ہوئی نہ ہوتی تو تم نے (قیدیوں سے) جو کچھ لیا، اس کے بدلے میں تمھیں بڑا عذاب آ پکڑتا، پھر جو حلال، پاکیزہ غنیمت تم نے حاصل کی ہے، اس میں سے کھاؤ۔" [1]


مسجد عبداللہ بن رواحہ (دمشق)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کے بارے میں مشورہ کیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! یہ آپ ہی کی قوم اور آپ ہی کے خاندان والے ہیں، انھیں باقی رکھیے اور مہلت دیجیے، کیا عجب اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمالے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ان لوگوں نے آپ کو نکال باہر کیا اور آپ کی تکذیب کی، ان کی گردنیں اڑا دیجیے۔ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اللہ کے رسول! وافر ایندھن والی وادی دیکھیے اور انھیں اس میں دھکیل کر آگ لگا دیجیے۔ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ نے تو قطع رحمی والی بات کی ہے۔ اس دوران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر چلے گئے اور انھیں کوئی جواب نہیں دیا۔ اس موقع پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں باتیں کرنے لگے۔ بعض حضرات نے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے اختیار فرمائیں گے۔ بعض نے کہا: عمر رضی اللہ عنہ کی رائے قبول فرمائیں گے۔ کسی نے کہا: عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی بات مانیں گے۔ تھوڑی دیر بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ لَيُلَيِّنُ قُلُوبَ رِجَالٍ فِيهِ حَتّٰى تَكُونَ أَلْيَنَ مِنَ اللَّبَنِ، وَإِنَّ اللّٰهَ لَيَشُدُّ قُلُوبَ رِجَالٍ فِيهِ حَتّٰى تَكُونَ أَشَدَّ مِنَ الْحِجَارَةِ، وَإِنَّ مَثَلَكَ يَا أَبَا بَكْرٍ! كَمَثَلِ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: ﴿فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي ۖ وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (إبرٰهيم 14:36) وَمَثَلَكَ يَا أَبَا بَكْرٍ! كَمَثَلِ

[1] صحيح مسلم: 1763.

عِيسٰى، قَالَ: ﴿إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (المآئدة 118:5) وَإِنَّ مَثَلَكَ يَا عُمَرُ! كَمَثَلِ نُوحٍ، قَالَ: ﴿رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِينَ دَيَّارًا﴾ (نوح 26:71) وَإِنَّ مَثَلَكَ يَا عُمَرُ! كَمَثَلِ مُوسٰى، قَالَ: رَبِّ ﴿اشْدُدْ عَلٰى قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ﴾ (یونس 88:10) أَنْتُمْ عَالَةٌ فَلَا يَنْفَلِتَنَّ مِنْهُمْ أَحَدٌ إِلَّا بِفِدَاءٍ أَوْ ضَرْبَةِ عُنُقٍ»

''اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے دلوں کو اتنا نرم کر دیتا ہے کہ وہ دودھ سے بھی زیادہ نرم ہوجاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بعض کے دلوں کو اتنا سخت کر دیتا ہے کہ وہ پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو جاتے ہیں۔ ابوبکر! بے شک تمھاری مثال ابراہیم علیہ السلام کی سی ہے۔ انھوں نے کہا تھا:

''پس جو کوئی میری پیروی کرے، بلاشبہ وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو تُو بہت زیادہ بخشنے والا ہے۔''

اور ابوبکر! تمھاری مثال عیسیٰ علیہ السلام جیسی ہے، انھوں نے کہا تھا:

''(اے اللہ!) اگر تو انھیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انھیں بخش دے تو یقیناً تو ہی غالب، حکمت والا ہے۔''

اور اے عمر! بے شک تمھاری مثال نوح علیہ السلام جیسی ہے، انھوں نے کہا تھا:



یارانِ نبی کے مرقد جوارِ رسول ﷺ میں

''اے میرے رب! زمین پر بسنے والے کافروں میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑ۔''
اے عمر! بلاشبہ تمھاری مثال موسیٰ علیہ السلام کی سی ہے، انھوں نے کہا تھا:
''اے ہمارے پروردگار! ان کے دل سخت کر دے، پس یہ لوگ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک اذیت ناک عذاب نہ دیکھیں۔''
پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم اس وقت کنگال ہو، تمھیں ضرورت در پیش ہے، لہٰذا ان میں سے کوئی قیدی فدیہ ادا کیے بغیر رہا نہ ہو، بصورتِ دیگر اس کی گردن مار دی جائے۔''
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! سہیل بن بیضاء کو اس سے مستثنیٰ کر دیا جائے۔ میں نے اسے اسلام کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا ہے۔ آپ ﷺ خاموش ہوگئے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اس دن سے زیادہ مجھے کبھی ڈر نہیں لگا، مبادا مجھ پر آسمان سے پتھر گرا دیے جائیں، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے سہیل بن بیضاء کو ان سے مستثنیٰ قرار دے دیا۔ اس وقت (سورۃ الانفال کی مندرجہ بالا) آیات مبارک نازل ہوئیں۔[1]
یہ آیت مبارکہ حکومت سازی کا ایک اہم ترین قاعدہ اُجاگر کر رہی ہے۔ جب حکومت ابھی اپنی تشکیل کے ابتدائی اور اساسی مراحل میں ہو تو وہ چاہے کتنی ہی ضرورت مند ہو، اسے ایسا نرم پہلو نہیں رکھنا چاہیے کہ دشمن اسے مرعوب کر سکے۔ اس آیت میں اس قاعدے کی جزئیات تک بیان فرما دی گئی ہیں۔

قیدیوں کا فدیہ

چونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق معاملہ طے ہو چکا تھا، اس لیے مشرکین سے فدیہ لیا گیا۔ فدیے کی مقدار ایک ہزار سے چار ہزار درہم تک تھی۔ قیدیوں میں سے کچھ لوگ لکھنا پڑھنا بھی جانتے تھے، اس لیے یہ طے کیا گیا جس کے پاس فدیہ نہ ہو، وہ مدینے کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے۔ جب یہ بچے اچھی طرح لکھنا پڑھنا سیکھ جائیں گے تو یہی ان کا فدیہ ہوگا۔[2]
مکہ والے ایک عرصے تک خوف وغم کی حالت میں رہے۔ جب ان کے دلوں سے غم کا بوجھ کچھ ہلکا ہوا تو مشرکین مکہ اپنے ستر قیدیوں کے بارے میں غور وفکر کرنے لگے۔ اسی دوران میں انھیں مسلمانوں کے اُس فیصلے کی اطلاع مل گئی جو قیدیوں کے لیے کر لیا گیا تھا۔ اس فیصلے کی رُو سے انھیں اختیار مل گیا تھا کہ چاہے وہ اپنے قیدیوں کی سزائے موت قبول کر لیں اور چاہے تو فدیہ ادا کر کے چھڑا لیں۔ مکہ والوں نے مدینہ منورہ اپنے نمایندوں کے

[1] جامع الترمذي: 1714 و 3084، مسند أحمد: 384,383/1. [2] الرحيق المختوم، ص: 248.

ہاتھ قیدیوں کی رہائی کے لیے زرِ فدیہ روانہ کیا۔

پہلے قیدی کی رہائی

اسیرانِ جنگ میں ایک قیدی ابو وداعہ بن ضبیرہ سہمی بھی تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ لَهُ بِمَكَّةَ ابْنًا كَيِّسًا تَاجِرًا ذَا مَالٍ، لَكَأَنَّكُمْ بِهِ قَدْ جَاءَ نِي فِي فِدَاءِ أَبِيهِ»

''مکہ میں اس کا بیٹا بڑا زیرک، تاجر اور مالدار ہے۔ معلوم ہوتا ہے وہ اپنے باپ کا فدیہ ادا کرنے میرے پاس آرہا ہے۔''

جب قریش نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ اپنے عزیزوں کا فدیہ ادا کرنے اور انھیں چھڑانے کے لیے جلد بازی سے کام نہیں لیں گے تو اس کے بیٹے نے جس کا نام مطلب تھا، ان کی تائید کی اور کہا: تم فدیہ ادا کرنے میں جلدی نہ کرنا۔ لیکن رات کو یہ نوجوان وہاں سے کھسک آیا اور بھاگم بھاگ مدینہ آپہنچا۔ اس نے چار ہزار درہم فدیہ دے کر اپنے باپ کو آزاد کرایا اور اپنے ساتھ لے آیا۔ یہ پہلا قیدی تھا جسے مسلمانوں نے زرِ فدیہ لے کر رہا کیا۔ [1]

چچا بزرگوار کے لیے بے قراری

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بدر کے دن جنگی قیدی رسیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ اس رات رسول اللہ ﷺ رات کے ابتدائی حصے میں بہت بے چین تھے۔ آپ ﷺ کو نیند ہی نہیں آ رہی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھانپ لیا کہ آپ ﷺ کو کوئی پریشانی لاحق ہے۔ انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ کو نیند نہیں آ رہی۔ (اس وقت عباس رضی اللہ عنہ رسیوں میں جکڑے ہوئے تھے اور انھیں ایک انصاری نے اپنی قید میں رکھا ہوا تھا۔)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے چچا عباس رسیوں میں جکڑے ہوئے ہیں اور اس حالت میں، میں نے ان کے رونے کی آواز سنی ہے۔'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی رسیاں کھول دیں تو وہ خاموش ہوگئے۔ جب وہ چپ ہوگئے تب اللہ کے رسول ﷺ پرسکون ہوکر سو گئے۔

عمِ رسول عباس رضی اللہ عنہ کا فدیہ

قریش نے اپنے اپنے قیدیوں کا فدیہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں روانہ کیا۔ ہر قیدی کا فدیہ اس کی حیثیت

[1] مسند أحمد: 9/6، السيرة لابن هشام: 649,648/2، سبل الهدٰى والرشاد: 69/4.

کے مطابق تھا۔

جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی باری آئی تو انصار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی: اے اللہ کے رسول! اگر آپ کی اجازت ہوتو ہم اپنے بھانجے عباس (کیونکہ ان کی دادی بنونجار سے تھیں جو قبیلہ خزرج کی شاخ ہے) کا فدیہ معاف کردیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! ان پر ایک درہم بھی نہیں چھوڑنا۔'' [1]

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں تو پہلے ہی مسلمان تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«اَللّٰهُ أَعْلَمُ بِإِسْلَامِكَ، فَإِنْ يَّكُنْ كَمَا تَقُولُ، فَإِنَّ اللّٰهَ يُجْزِيكَ بِذٰلِكَ، وَ أَمَّا ظَاهِرُ أَمْرِكَ قَدْ كَانَ عَلَيْنَا، فَافْدِ نَفْسَكَ وَابْنَيْ أَخَوَيْكَ عَقِيلَ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَنَوْفَلَ بْنَ الْحَارِثِ وَحَلِيفَكَ عُتْبَةَ بْنَ عَمْرِو بْنِ جَحْدَمٍ فَإِنَّكَ ذُو مَالٍ»

''اللہ تعالیٰ آپ کے اسلام کو خوب جانتا ہے۔ اگر بات اسی طرح ہے جیسا کہ آپ کہہ رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بدلہ عطا فرمائے گا۔ رہا آپ کا ظاہر تو وہ ہمارے خلاف تھا، لہٰذا آپ اپنا، اپنے دونوں بھتیجوں عقیل بن ابوطالب، نوفل بن حارث اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو بن جحدم کا فدیہ ادا کریں کیونکہ آپ مال دار آدمی ہیں۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ عرض پرداز ہوئے: ''اللہ کے رسول! میرے پاس تو مال نہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] صحيح البخاري: 4018.


مسجد عباس بن عبدالمطلب (طرابلس۔ لیبیا)

«فَأَيْنَ الْمَالُ الَّذِي وَضَعْتَهُ بِمَكَّةَ؟، حَيْثُ خَرَجْتَ عِنْدَ أُمِّ الْفَضْلِ، وَلَيْسَ مَعَكُمَا أَحَدٌ غَيْرُكُمَا، فَقُلْتَ: إِنْ أُصِبْتُ فِي سَفَرِي هٰذَا فَلِلْفَضْلِ كَذَا وَلِقُثَمَ كَذَا وَلِعَبْدِ اللّٰهِ كَذَا»

''آپ کا وہ مال کہاں ہے جو آپ آتے آتے مکہ میں ام الفضل کے پاس رکھ آئے تھے؟ اس وقت صرف آپ دونوں افراد تھے، آپ کے پاس اور کوئی شخص موجود نہیں تھا۔ اس وقت آپ نے یہ بھی کہا تھا: اگر میں اس سفر میں کام آجاؤں تو فضل کے لیے اتنا (مال) ہے، قُثم کے لیے اتنا اور عبداللہ کے لیے اتنا ہے۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں خوب جانتا ہوں آپ اللہ کے رسول ہیں کیونکہ اس دفینے کا میرے اور ام فضل کے سوا کسی اور کو مطلق علم نہ تھا۔ میرے پاس جو 20 اوقیہ مال تھا، وہ آپ کو مل چکا ہے۔ آپ اس میں سے فدیہ رکھ لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ تو وہ مال ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمھاری طرف سے ہمیں عطا کیا ہے۔'' پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا، اپنے دونوں بھتیجوں اور حلیف کا فدیہ ادا کیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝﴾ (الأنفال 8:70، 71)

''اے نبی! جو قیدی آپ کے ہاتھوں گرفتار ہیں، آپ ان سے کہہ دیں: اگر اللہ تمھارے دلوں میں بھلائی جان لے گا تو تمھیں اس (فدیے) سے کہیں بہتر عطا کرے گا جو تم سے لیا گیا ہے اور تمھیں بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے اور (اے نبی!) اگر وہ آپ سے خیانت (دغا) کرنا چاہیں تو وہ پہلے ہی اللہ سے خیانت کر چکے ہیں، پھر اس نے انھیں آپ کے قبضے میں دے دیا اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پھر اللہ تعالیٰ نے اسلام (کے سایۂ رحمت) میں مجھے بیس اوقیہ کی جگہ 20 غلام عطا کر دیے۔ ہر غلام کے پاس اتنا مال تھا کہ وہ اس سے تجارت کرتا تھا۔ مزید برآں میں اللہ تعالیٰ سے بخشش کی امید رکھتا ہوں۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں: اسیرانِ بدر میں سب سے زیادہ فدیہ عباس رضی اللہ عنہ سے وصول کیا گیا کیونکہ یہ مال دار آدمی تھے۔ ان سے سو اوقیہ سونا لیا گیا۔

موسیٰ بن عقبہ نے بیان کیا ہے کہ ان کا فدیہ چالیس اوقیہ سونا تھا۔ ابونعیم نے حسن سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے کہ ہر ایک قیدی کا فدیہ چالیس اوقیہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عباس رضی اللہ عنہ پر ایک سو اوقیہ اور عقیل پر اَسّی (80) اوقیہ مقرر کیے تو عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ رشتے داری کی بنا پر یہ سلوک کر رہے ہیں؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت نازل فرما دی۔ عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ أُخِذَ مِنكُمْ﴾ (الأنفال 70:8) جان کر میرے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ مجھ سے جو فدیہ لیا گیا ہے، کاش! اس سے دوگنا لیا جاتا۔“ [1]

سہیل بن عمرو کی حراست

عبدالرحمٰن بن اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: جب غزوۂ بدر کے قیدی مدینہ منورہ لائے گئے تو اس وقت ام المؤمنین سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا آل عفراء کے محلے میں تشریف فرما تھیں۔ یہ بات پردے کے احکام نازل ہونے سے پہلے کی ہے۔ سودہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں وہیں تھی کہ قیدیوں کی آمد کا پتہ چلا، میں گھر واپس آئی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ میں نے دیکھا کہ ابویزید سہیل بن عمرو کے ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے ہیں اور وہ کمرے کے ایک کونے میں پڑا ہوا ہے۔ ابویزید کی یہ حالت دیکھ کر میری زبان سے بے ساختہ یہ جملہ نکلا: ”ابویزید! اس قید کی بجائے عزت کی موت کیوں نہ مر گئے؟“ اچانک اسی وقت مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنائی دی:

«يَا سَوْدَةُ! أَعَلَى اللّٰهِ وَعَلٰى رَسُولِهِ تُحَرِّضِينَ؟»

”اے سودہ! کیا اے اللہ اور اس کے رسول کے خلاف بھڑکا رہی ہو؟“

میں نے عرض کی: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے! ابویزید کو اس حال میں دیکھ کر بے ساختہ میری زبان سے یہ الفاظ نکل گئے ہیں۔ [2]

سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کے فدیے کے لیے مکرز بن حفص بن اخیف آ گیا۔ اس نے مسلمانوں سے سہیل بن عمرو کے فدیے کے متعلق بات کی حتی کہ مسلمانوں نے رضامندی کا اظہار کیا۔ اب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے مطالبہ کیا کہ طے شدہ فدیہ پیش کرو۔ مکرز نے کہا: اس کی جگہ میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دو اور اسے چھوڑ دو تاکہ یہ اپنا فدیہ بھیج سکے۔

---

[1] مسند أحمد: 353/1، دلائل النبوة للبيهقي: 3/141-143، فتح الباري: 402/7، سبل الهدٰى والرشاد: 4/69-71، البداية والنهاية: 299/3. [2] السنن الكبرٰى للبيهقي: 89/9، السيرة لابن كثير، ص: 268، السيرة النبوية للصويباني: 139/2.

چنانچہ مکرز کو قید کر کے سہیل کو چھوڑ دیا گیا۔[1]

ایک روایت میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! سہیل کے سامنے والے دو دانت نکال دیے جائیں تاکہ اس کی زبان بے قابو ہو جائے۔ یوں وہ آپ کے خلاف لوگوں کو کبھی نہیں بھڑکا سکے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا أُمَثِّلُ بِهِ فَيُمَثِّلَ اللّٰهُ بِي وَ إِنْ كُنْتُ نَبِيًّا»

''میں اس کا مثلہ نہیں کروں گا ورنہ اللہ تعالیٰ میرا مثلہ کر دے گا، ہر چند میں نبی ہوں۔''

ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ کو جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«إِنَّهُ عَسٰى أَنْ يَّقُومَ مَقَامًا لَا تَذُمُّهُ»

''امید ہے یہ کبھی ایسا کردار بھی ادا کرے گا جسے تم ناپسند نہیں کرو گے۔''[2]

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے یہ کردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقع پر مکہ مکرمہ میں اس وقت ادا کیا جب عرب عموماً ارتداد کا شکار ہو گئے تھے اور مدینہ اور گرد و نواح کے علاقوں میں نفاق بھڑک اٹھا تھا۔ سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے مکہ میں دینِ حنیف پر قائم دائم رہنے کے لیے خطبہ ارشاد فرمایا۔ انھوں نے کہا:

''اے قریشیو! تم ایسے نہ بنو کہ اسلام لانے میں تو تم نے تاخیر کی مگر ارتداد کا شکار ہونے میں تم سبقت لے جاؤ۔ جو شخص ہمیں اپنے دینِ حق کے بارے میں شک و شبہ میں ڈالے گا، ہم اس کی گردن اڑا دیں گے۔''[3]

عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں اہلِ بدر کا اعزاز

سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ بڑے راست گو آدمی تھے۔ ایک دفعہ لوگ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دروازے پر حاضر ہوئے۔ ان میں سہیل بن عمرو، ابوسفیان اور دیگر سردارانِ قریش بھی تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دربان اہلِ بدر کو اجازت دینے لگا، یعنی صہیب رومی رضی اللہ عنہ، بلال حبشی رضی اللہ عنہ اور دیگر اہلِ بدر کو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے محبت رکھتے تھے اور انھوں نے ان کی تکریم و ترجیح کا حکم بھی دے رکھا تھا۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں نے تو آج جیسی صورتِ حال کبھی نہیں دیکھی، وہ ان غلاموں کو اجازت دے رہے ہیں اور ہم بیٹھے ہوئے ہیں، ہماری طرف التفات ہی نہیں فرماتے۔ یہ بات سُن کر سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اے لوگو! اللہ کی قسم! میں نے تمھارے چہروں کے تاثرات

[1] السيرة لابن هشام: 650,649/2. [2] [ضعيف] السيرة لابن هشام: 649/2، البداية والنهاية: 311/3. [3] السيرة لابن كثير، ص: 271، التاريخ الإسلامي للحميدي: 181/4.

پہچان لیے ہیں۔ اگر تم ناراض ہوتے ہو تو اپنے آپ پر ناراض ہو۔ ان لوگوں کو اور تمھیں دعوتِ حق دی گئی۔ انھوں نے جلدی کی اور تم نے دیر لگا دی۔ اللہ کی قسم! جو فضل و کمال انھوں نے تم سے پہلے حاصل کر لیا ہے اور جو تمھیں دربارِ خلافت میں اجازت نہیں مل رہی، اس پر ناگواری کے بجائے اسلام قبول کرنے میں تاخیر پر زیادہ افسوس ہونا چاہیے۔'' پھر کہا: ''اے لوگو! تمھیں معلوم ہے کہ ان لوگوں نے قبولِ حق میں تم سے سبقت کی ہے۔ اللہ کی قسم! جس معاملے میں وہ تم سے سبقت لے گئے ہیں، اس تک پہنچنے کے لیے تمھارے پاس کوئی راستہ نہیں۔ دیکھو! جہاد ہو رہا ہے، اس میں شامل ہو جاؤ، شاید اللہ تعالیٰ تمھیں شہادت سے سرفراز فرمائے۔'' پھر وہ اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے اُٹھے اور جہاد کے لیے شام جا پہنچے۔ وہ اپنی بیٹی ہند کے سوا، اپنے تمام اہلِ خانہ کے ساتھ شام ہی کے علاقے میں جہاد کرتے رہے اور سب کے سب وہیں اللہ کو پیارے ہو گئے۔[1]


باب بلال (مسجد نبوی)


مسجد صہیب الرومی (دمشق)

عمرو بن ابوسفیان کی رہائی

بدر کے جنگی قیدیوں میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا بیٹا عمرو بھی تھا۔ اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قید کیا تھا۔ لوگوں نے ابوسفیان سے کہا: سب لوگ فدیہ دے کر اپنے قیدی چھڑا رہے ہیں، تم بھی اپنے بیٹے عمرو کا فدیہ ادا کر کے اُسے چھڑا لاؤ۔ وہ کہنے لگا: کیا مجھ پر میرا مال اور میرا خون دونوں اکٹھے ہو گئے؟ انھوں نے میرے لختِ جگر حنظلہ کو قتل کر دیا اور اب میں عمرو کا فدیہ ادا کروں؟ اسے انھی کے ہاں قید رہنے دو۔ ان کا جب تک جی چاہے اسے قید میں رکھیں، تنگ آ جائیں گے تو خود ہی چھوڑ دیں گے۔

1 الاستیعاب، ص: 345,344، أسد الغابة: 490/1.



اتفاقاً سعد بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کے ساتھ عمرے کی غرض سے مکہ روانہ ہوئے۔ انھیں وہم و گمان بھی نہ تھا کہ انھیں راستے میں قید کر لیا جائے گا۔ یہ بنوعمرو بن عوف قبیلے کے ایک فرد تھے۔ مدینے کے نواح میں "النقیع" نامی بستی میں اپنی بکریوں کے ریوڑ کے ساتھ رہتے تھے۔ کسی نے ان سے کہا کہ قریش مکہ کسی عمرہ کرنے والے یا حج کرنے والے کو پریشان نہیں کرتے، چنانچہ یہ بے خوف و خطر عمرے کی غرض سے مکہ جا پہنچے تو ابوسفیان بن حرب نے انھیں اپنے بیٹے عمرو کے بدلے میں قید کر لیا۔

جب ان کے قبیلے بنوعمرو بن عوف کو سعد رضی اللہ عنہ کے قید ہونے کی خبر ملی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا ماجرا سنایا اور عرض کی کہ آپ عمرو کو ہمارے حوالے کر دیں تاکہ ہم اپنے ساتھی سعد کو چھڑا سکیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو کو ابوسفیان کے پاس بھیج دیا۔ بعدازاں ابوسفیان نے سعد بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ کو آزاد کر دیا۔[1]

دامادِ رسول ابوالعاص بیڑیوں میں

اسیرانِ بدر میں ابوالعاص بن ربیع بھی تھے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی اور لختِ جگر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ان کے عقد میں تھیں۔ انھیں بنوحرام کے ایک آدمی خراش بن صمہ رضی اللہ عنہ نے قید کیا تھا۔

ابوالعاص مکہ کے اُن چند افراد میں سے تھے جو مال داری، امانت و دیانت اور تجارت میں بے مثال تھے۔ یہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہالہ کے بیٹے تھے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ ہم زینب کی شادی

[1] السيرة لابن هشام: 651,650/2، البداية والنهاية: 312,311/3.

ہالہ کے بیٹے ابوالعاص سے کر دیں؟ آپ ﷺ خدیجہ ؓ کی بات ٹالا نہیں کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے یہ رشتہ منظور کر لیا۔ سیدہ خدیجہ ؓ انھیں اپنے فرزند کی طرح عزیز رکھتی تھیں۔ یہ آپ ﷺ پر وحی نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نبوت کے منصب پر سرفراز فرمایا تو سیدہ خدیجہ اور ان کی صاحبزادیوں ؓ نے آپ کی نبوت کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لے آئیں لیکن ابوالعاص اپنے آبائی شرکیہ عقیدے پر ڈٹے رہے۔

جب نبی ﷺ نے دینِ حنیف کا پرچار شروع کیا تو قریش مکہ نے مجلسِ مشاورت منعقد کی اور کہا کہ تم لوگوں نے محمد (ﷺ) کی بچیوں کے رشتے لے کر انھیں بے فکر کر دیا ہے، اب وہ فارغ ہو کر تمھارے معبودوں کی بیخ کنی کر رہے ہیں۔ ان کی بیٹیوں کو طلاق دے دو۔ جب وہ اپنی جوان بیٹیوں کو طلاق پاتے دیکھیں گے تو خود ہی ان کے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔ (نعوذ باللہ)

ان لوگوں کا ایک وفد ابوالعاص بن ربیع کے پاس بھی گیا، انھوں نے کہا: تم زینب کو طلاق دے دو، اس کے بدلے میں قریش کی جس دوشیزہ سے کہو گے، تمھاری شادی کر دی جائے گی۔ ابوالعاص نے فوراً دوٹوک جواب دیا: میں اپنی بیوی کو چھوڑنے کو ہرگز تیار نہیں۔ رسول اللہ ﷺ ان کے اس طرز عمل پر ان کی تعریف فرمایا کرتے تھے۔ پھر وہ وفد عتبہ بن ابولہب کے پاس گیا اور اسے بھی یہی پیش کش کی۔ اس نے کہا: اگر تم مجھے ابان بن سعید بن عاص کی بیٹی یا بہن کا رشتہ دو تو میں بنت محمد (ﷺ) کو چھوڑنے کو تیار ہوں۔ قریش نے اس کی شادی سعید بن عاص کی بیٹی سے کر دی تو اس بدبخت نے آپ ﷺ کی صاحبزادی کو طلاق دے دی۔ ابھی دختر نیک اختر کی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں مشرک سسرال کے چنگل سے خود بخود رہائی نصیب فرما دی، پھر ان کی شادی سیدنا عثمان ؓ سے ہوگئی۔ یہ سیدہ رقیہ ؓ تھیں۔

ابوالعاص کا فدیہ

سیدہ زینب مسلمان ہوگئی تھیں اور ابوالعاص اپنے شرکیہ عقیدے پر تھے لیکن رسول اللہ ﷺ ان میاں بیوی کو جُدا نہیں کر سکے حتی کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کی اور بدر کے میدان میں مشرکین سے فیصلہ کن معرکہ آرائی ہوئی۔ اس جنگ کے قیدیوں میں ابوالعاص بن ربیع بھی تھے۔ مشرکین اپنے قیدیوں کا فدیہ ادا کر کے اپنے قیدی چھڑا رہے تھے، سیدہ زینب ؓ نے بھی اپنے خاوند کا تاوانِ جنگ ادا کرنے کے لیے کچھ مال اور وہ ہار بھیجا جو ان کی والدہ سیدہ خدیجہ ؓ نے انھیں رخصتی کے وقت پہنایا تھا۔ آپ ﷺ نے یہ ہار دیکھا تو آپ پر رقت طاری ہوگئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنْ رَأَيْتُمْ أَنْ تُطْلِقُوا لَهَا أَسِيرَهَا وَتَرُدُّوا عَلَيْهَا الَّذِي لَهَا»

''اگر مناسب سمجھو تو میری بیٹی کے قیدی کو آزاد کردو اور اس کا مال بھی واپس کردو۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فوراً عمل کیا اور آپ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے ابوالعاص کو آزاد کر دیا اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا مال اور ہار بھی واپس کر دیا۔[1]

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی ہجرتِ مدینہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالعاص کو رہا کرتے وقت یہ وعدہ لیا تھا کہ جب وہ مکہ پہنچ جائے تو زینب کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ منورہ بھیج دے۔ جب ابوالعاص مکہ چلے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ ایک انصاری کو بھیجا کہ وہ زینب رضی اللہ عنہا کو لے آئیں۔ آپ نے انھیں تاکید فرمائی:

«كُونَا بِبَطْنِ يَأْجِجَ حَتَّى تَمُرَّ بِكُمَا زَيْنَبُ فَتَصْحَبَاهَا حَتَّى تَأْتِيَا بِهَا»

''تم دونوں وادی یَأجِج میں ٹھہر جانا یہاں تک کہ جب تمھارے پاس سے زینب کا گزر ہو تو تم اس کے ساتھ ہو لینا اور اسے میرے پاس لے آنا۔''[2]

ہند بنت عتبہ کی پیش کش

ابوالعاص مکہ پہنچ گئے۔ انھوں نے حسب وعدہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ روانگی کا پیغام دیا تو وہ سفر کی تیاری کرنے لگیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ابھی میں تیاری میں مصروف تھی کہ ہند بنت عتبہ میرے پاس آئی اور

[1] سنن أبي داود: 2692، السيرة لابن هشام: 2/651-653. [2] سنن أبي داود: 2692، مسند أحمد: 6/276.


وادی یأجج

کہنے لگی: اے محمد کی بیٹی! مجھے پتہ چلا ہے کہ تم اپنے باپ کے پاس جا رہی ہو؟ میں نے اس کی یہ بات سنی تو اس کے روبرو اپنا راز افشا کرنا مناسب نہ سمجھا۔ میں نے ہند سے کہا: ایسی تو کوئی بات نہیں۔ اس نے کہا: اے بھتیجی! ایسا نہ کرو۔ اگر تمھیں کسی چیز کی ضرورت ہے، مال درکار ہے یا زادِراہ کی ضرورت ہے تو مجھے بتاؤ، شرماؤ نہیں، میں تمھاری ضرورت پوری کر سکتی ہوں۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اللہ کی قسم! اس کی پیش کش سچی تھی، وہ مجھے کوئی دھوکہ نہیں دینا چاہتی تھی لیکن میں نے اپنے معاملے کو راز میں رکھنے کی خاطر ہند کو ٹال دیا اور سفر کی تیاری مکمل کر لی۔

زینب رضی اللہ عنہا کی روانگی اور قریش کا گھیراؤ

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے سفر کی تیاری مکمل کر لی تو ان کا دیور کنانہ بن ربیع سواری کے لیے ایک اونٹ لے آیا۔ سیدہ زینب اس پر سوار ہوگئیں۔ کنانہ نے اپنی تلوار اور ترکش حمائل کیا اور دن کے اجالے میں انھیں مکہ سے لے کر سفر پر روانہ ہوگیا۔ قریش کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو انھوں نے چہ میگوئیاں شروع کر دیں اور چند جوان ان کے تعاقب میں نکل پڑے۔ ذی طوی مقام پر انھوں نے انھیں جالیا۔ ان میں ہبار بن اسود بن مطلب سب سے پیش پیش تھا۔ جس ہودج میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سوار تھیں، وہ اس کے قریب آکر اپنا نیزہ لہرانے لگا اور سیدہ کو خوفزدہ کرنے لگا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا حالتِ حمل میں تھیں۔ سراسیمگی کی وجہ سے ان کا حمل ساقط ہوگیا۔ ان کے دیور کنانہ نے یہ صورت حال دیکھی تو اونٹ کو بٹھا دیا۔ اپنے ترکش سے تیر نکال کر سامنے رکھ دیے اور قریش کو للکار کر کہا: اللہ کی قسم! تم میں سے جو شخص میرے قریب آنے کی جرأت کرے گا، میں اپنا تیر اس کے سینے میں اتار دوں گا۔ تعاقب کرنے والوں پر خوف طاری ہوگیا اور وہ پیچھے ہٹ گئے۔

ابوسفیان کا حکیمانہ مشورہ

اسی دوران میں ابوسفیان اشرافِ مکہ کو ساتھ لے کر وہاں پہنچ گیا۔ اس نے کنانہ سے کہا: ٹھہرو، تیر نہ چلانا، ہم تم سے بات کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ وہ رک گیا۔ ابوسفیان آگے بڑھا اور کہنے لگا: تم نے اچھا نہیں کیا، تم دن دہاڑے سب لوگوں کے سامنے علی الاعلان اس خاتون کو لے کر چل پڑے ہو، حالانکہ تم جانتے ہو کہ محمد (ﷺ) کی طرف سے ہم پر کیسی زبردست آفت ٹوٹی ہے۔ ان حالات میں جب تم علانیہ ان کی بیٹی کو لے جاؤ گے تو لوگ یہی سمجھیں گے کہ ہم بالکل گئے گزرے، عاجز، درماندہ اور ناکارہ ہیں۔ یہ بات ہمارے زخموں پر نمک چھڑکنے کے برابر ہے۔ مجھے میری عمر کی قسم! ہمیں اس خاتون کو روکنے سے کوئی سروکار نہیں، نہ اس بات سے ہماری آتش انتقام ٹھنڈی ہوگی۔ تم یوں کرو کہ انھیں اس وقت تو واپس لے چلو، جب چند دن گزر جائیں گے اور موجودہ ہنگامہ ٹھنڈا پڑ جائے

گا تو تم رات کے اندھیرے میں انھیں لے جانا۔ اب لوگ یہ دیکھ کر مطمئن ہو جائیں گے کہ ہم انھیں واپس لے آئے ہیں۔ کنانہ نے یہ تجویز مان لی اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو گھر واپس لے آیا۔ چند دن بعد معاملہ ٹھنڈا ہوا تو یہ رات کے اندھیرے میں اپنی بھاوج کو لے کر نکلے اور وادی یَأجَج میں پہنچے۔ وہاں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما اپنے ساتھی کے ساتھ پہلے ہی ان کے انتظار میں تشریف فرما تھے۔ کنانہ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے سپرد کیا اور واپس چلا گیا۔ بعدازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ دونوں فدائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کو لے کر آپ کی خدمت میں پہنچ گئے۔

ہبار بن اسود اور اس کے ساتھی کو قتل کر دو

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ روانہ کیا۔ میں بھی اس لشکر میں شریک تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا:

«إِنْ ظَفِرْتُمْ بِهَبَّارِ بْنِ الْأَسْوَدِ أَوِ الرَّجُلِ (الْآخَرِ) الَّذِي سَبَقَ مَعَهُ إِلٰى زَيْنَبَ فَحَرِّقُوهُمَا بِالنَّارِ»

”اگر تم ہبار بن اسود یا اس کے اُس دوسرے ساتھی کو جس نے زینب کو اذیت پہنچائی تھی، پکڑنے میں کامیاب ہو جاؤ تو ان دونوں کو آگ میں جلا دو۔“

دوسری صبح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیا حکم بھیجا:

«إِنِّي كُنْتُ أَمَرْتُكُمْ بِتَحْرِيقِ هٰذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ إِنْ أَخَذْتُمُوهُمَا، ثُمَّ رَأَيْتُ أَنَّهُ لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يُعَذِّبَ بِالنَّارِ إِلَّا اللّٰهُ، فَإِنْ ظَفِرْتُمْ بِهِمَا فَاقْتُلُوهُمَا»

”بے شک میں نے تمھیں حکم دیا تھا کہ اگر تم ان دونوں کو پکڑ لو تو انھیں جلا دینا، پھر میں نے سوچا کہ آگ میں جلا کر عذاب دینا تو صرف اللہ ہی کا حق ہے اور کسی کا نہیں، پس اگر تم انھیں پکڑنے میں کامیاب ہو جاؤ تو ان دونوں کو قتل کر دینا۔“

ابن ہشام کہتے ہیں: ابن اسحاق نے دوسرے آدمی کا نام نافع بن عبدقیس بیان کیا ہے۔

شوہر زوجہ کی پناہ میں

ابوالعاص مکہ ہی میں مقیم تھے اور زینب رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ میں تشریف فرما تھیں۔ اسلام نے ان دونوں کے مابین خطِ امتیاز کھینچ کر جدائی ڈال دی تھی۔ ابوالعاص نہایت دانشمند اور امانت دار تاجر تھے۔ فتح مکہ سے

کچھ عرصہ پہلے انھوں نے شام کی طرف تجارتی کارواں لے جانے کی تیاری کی۔ لوگوں کو معلوم ہوا تو بہت سے لوگوں نے ان کے ساتھ سرمایہ کاری کی۔ جب وہ شام میں خرید و فروخت سے فارغ ہوئے تو واپس مکہ روانہ ہوگئے۔ راستے میں اُن کا ٹکراؤ مسلمانوں کے ایک لشکر سے ہوگیا۔ مسلمانوں نے ان کا سارا مال و اسباب اپنے قبضے میں لے لیا اور وہ مکہ کی طرف بھاگ نکلے۔

مسلمانوں کا لشکر ابوالعاص کے قافلے کا چھینا ہوا مال لے کر مدینہ پہنچا تو رات کی تاریکی میں وہ بھی مدینہ آ گئے۔ وہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے اور ان سے پناہ کی درخواست کی۔ سیدہ نے انھیں اپنی پناہ میں لے لیا۔ ابوالعاص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں فریاد کرنے اور اپنے مال کی واپسی کی درخواست کرنے آئے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز کے لیے تشریف لائے اور آپ ﷺ نے تکبیر تحریمہ کہی تو تمام نمازیوں نے بھی تکبیر تحریمہ کہی، اسی دوران میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی آواز آئی:

أَيُّهَا النَّاسُ! إِنِّي قَدْ أَجَرْتُ أَبَا الْعَاصِ بْنَ الرَّبِيعِ.

''اے لوگو! بلاشبہ میں نے ابوالعاص بن ربیع کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے جب سلام پھیرا تو دریافت فرمایا: ''لوگو! جو کچھ میں نے سنا ہے، کیا تم نے بھی سُن لیا ہے؟'' انھوں نے عرض کیا: جی ہاں! ہم نے بھی یہ آواز سنی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَا وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! مَا عَلِمْتُ بِشَيْءٍ مِّنْ ذٰلِكَ حَتّٰى سَمِعْتُ مَا سَمِعْتُمْ، إِنَّهُ يُجِيرُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ أَدْنَاهُمْ»

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! مجھے اس واقعے کے بارے میں کوئی علم

وہ جگہ جہاں مسلمانوں نے ابوالعاص کا مال چھینا

نہیں۔ میں نے بھی یہ بات اُسی وقت سنی جس وقت تم نے سنی ہے۔ بلاشبہ مسلمانوں میں سے ادنیٰ درجے کا فرد بھی کسی کو پناہ دے سکتا ہے۔''

پھر رسول اللہ ﷺ مسجد سے اُٹھے اور اپنی بیٹی کے پاس تشریف لائے۔ فرمایا: ''بیٹی! اس کی عزت و تکریم کرنا، اس کے رہنے سہنے کا عمدہ انتظام کرنا لیکن یہ خیال رہے کہ وہ تمھارے قریب نہ پھٹکنے پائے کیونکہ تم اس کے لیے حلال نہیں ہو۔''

دامادِ رسول کا مال واپس کر دیا گیا

رسول اللہ ﷺ نے اس سریّے کے مجاہدین کو جو ابوالعاص کا مال چھین کر لائے تھے، بُلا بھیجا۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''بے شک اس آدمی کا ہمارے ساتھ جو رشتہ ہے، وہ تمھیں معلوم ہے۔ تم نے اس کا مال لے لیا ہے۔ اگر تم اس پر احسان کرو اور اس کا مال لوٹا دو تو ہمیں بہت خوشی ہوگی۔ اگر تم انکار کرو تو یقیناً یہ مالِ غنیمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمھیں دیا ہے۔ تم اس کے زیادہ حقدار ہو۔'' صحابۂ کرام ﷺ نے عرض کی: اللہ کے رسول! ہم اس کا مال ابھی واپس کرتے ہیں، چنانچہ انھوں نے ابوالعاص کو اُن کا سارا مال واپس کر دیا۔ کوئی ڈول لا رہا تھا۔ جس کے پاس ڈول کی بوسیدہ رسی تھی، وہ رسی تک لے آیا۔ جس کے پاس لوٹا تھا، وہ لوٹا لے آیا۔ جس کے پاس مشکیزے کا منہ بند کرنے کے لیے لکڑی کا ڈاٹ تھا، وہ لے آیا حتی کہ مجاہدین نے ان کے مال کی ایک ایک چیز واپس کر دی۔

ابوالعاص کا قریش کے رُوبرو اعلانِ اسلام

ابوالعاص رضی اللہ عنہ تمام اموالِ تجارت لے کر مکہ پہنچے اور ہر صاحبِ حق کو اس کا حق ادا کر دیا۔ اس کے بعد بآواز بلند پوچھا: ''اے قریشیو! کیا کسی کا کوئی مال میرے ذمے رہ گیا ہے جو اس نے لے نہ لیا ہو؟'' سب نے کہا: نہیں، اللہ تمھیں جزائے خیر دے۔ بے شک ہم نے تمھیں حقوق کو بحسن و خوبی ادا کرنے والا اور کریم النفس پایا ہے۔ جب تمام قریش نے ان کی امانت و دیانت کی تصدیق کر دی تو ابوالعاص نے بھرے مجمع میں اعلان کیا:

فَأَنَا أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ.

''میں اس حقیقت کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی برحق معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔''

اللہ کی قسم! میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنے اسلام کا اعلان صرف اس لیے نہیں کیا مبادا تم یہ گمان کرو کہ میں نے تمھارا مال ہڑپ کرنے کی غرض سے یہ کام کیا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے تمھارے اموال تم تک پہنچا دیے ہیں اور میں اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوگیا ہوں تو اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کرتا ہوں۔ پھر وہ وہاں سے رخصت ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔

مجسم دیانت شوہر کے پاس زینب رضی اللہ عنہا کی واپسی

ابوعبیدہ بیان کرتے ہیں کہ ابوالعاص رضی اللہ عنہ اتنے مخلص اور شریف الطبع انسان تھے کہ جب وہ مشرکین کے اموال لے کر واپس مکہ پہنچے تو کسی نے انھیں مشورہ دیا کہ تم اسلام قبول کرنے کا اعلان کردو، اس طرح مشرکین کے تمام اموال تمھیں مل جائیں گے۔ ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اگر میں اپنے اسلام کا آغاز امانت میں خیانت کے ساتھ کروں تو یہ بہت برا آغاز ہوگا۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کو چھ سال بعد پہلے نکاح ہی کی بنیاد پر ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے پاس واپس بھیج دیا، نیا نکاح نہیں پڑھایا۔[1]

فدیے کے بغیر رہائی پانے والے

رسول اللہ ﷺ نے بعض لوگوں پر احسان فرمایا اور انھیں بلا فدیہ آزاد کر دیا۔ ان میں دامادِ رسول ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ ہیں جن کا تعلق بنوعبد شمس سے تھا۔ بنومخزوم سے مطلب بن حنطب بن حارث بن عبیدہ کو بھی فدیہ لیے بغیر چھوڑ دیا گیا۔ صیفی بن ابورفاعہ بن عابد (عائذ) بن عبداللہ مخزومی کو بھی رہا کر دیا گیا کیونکہ اس کا فدیہ دینے کے لیے کوئی نہیں آیا۔ ابوعزہ عمرو بن عبداللہ جُمَحی کو بھی احسان فرماتے ہوئے چھوڑ دیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ کی شفقت اور ابوعزہ کی بدبختی

ابوعزہ عمرو بن عبداللہ غریب اور ناتواں ہونے کے ساتھ ساتھ کئی بیٹیوں کا باپ بھی تھا۔ عرض کرنے لگا: اے اللہ کے رسول! آپ جانتے ہیں، میں محتاج، قلاش اور بڑے کنبے والا ہوں، مجھ پر احسان فرما دیجیے۔ رحمۃ للعالمین (ﷺ) نے اس پر احسان فرماتے ہوئے اس سے یہ وعدہ لیا کہ آیندہ ہمارے خلاف کسی سے تعاون نہیں کرے گا۔ اس موقع پر ابوعزہ نے آپ ﷺ کے لطف و کرم سے سرشار ہوکر فی البدیہہ یہ اشعار کہے:

[1] سنن أبي داود: 2246، السيرة لابن هشام: 2/653-660، البداية والنهاية: 3/312,313.

مَنْ مُبْلِغٌ عَنِّي الرَّسُولَ مُحَمَّدًا ... بِأَنَّكَ حَقٌّ وَالْمَلِيكُ حَمِيدُ
وَأَنْتَ امْرُؤٌ تَدْعُوا إِلَى الْحَقِّ وَالْهُدٰى ... عَلَيْكَ مِنَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ شَهِيدُ
وَأَنْتَ امْرُؤٌ بُوِّئْتَ فِينَا مَبَاءَةً ... لَهَا دَرَجَاتٌ سَهْلَةٌ وَصُعُودُ
فَإِنَّكَ مَنْ حَارَبْتَهُ لَمُحَارَبٌ ... شَقِيٌّ وَمَنْ سَالَمْتَهُ لَسَعِيدُ
وَلٰكِنْ إِذَا ذُكِّرْتُ بَدْرًا وَأَهْلَهُ ... تَأَوَّبَ مَا بِي حَسْرَةٌ وَقُعُودُ

''محمد رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں میری طرف سے یہ بات کون پہنچائے گا کہ آپ سچے ہیں اور مالک مطلق (اللہ) ہی قابلِ ستائش ہے۔ آپ وہ عظیم انسان ہیں جو حق اور ہدایت کی طرف بلاتے ہیں، اس بات پر بے پایاں عظمت والے اللہ کی گواہی موجود ہے۔ آپ وہ شخصیت ہیں جو ہمارے مابین عظمت و عروج کی سب سے اونچی مسند پر فائز ہیں۔ آپ جس سے جنگ کرتے ہیں، وہ دشمن بڑا بدبخت ہوتا ہے اور جس سے صلح فرمالیں، وہ بڑا خوش قسمت ہوتا ہے۔ لیکن جب میرے سامنے جنگِ بدر اور اس میں شریک ہونے والوں کا تذکرہ ہوگا تو حسرت وافسوس کے ریلے میں میرے تمام خیالات معدوم ہو جائیں گے۔''

بعدازاں اس شخص کی بدبختی نے پھر سر اٹھایا۔ مشرکین نے ابوعزہ کو جھانسا دیا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے کیا ہوا عہد توڑ ڈالا اور مشرکین کی صف میں شامل ہوکر غزوۂ احد میں مسلمانوں کے مقابلے میں آ پہنچا۔ اب کی بار وہ پھر قید ہوا اور حسب سابق رسول اللہ ﷺ سے پھر احسان کا سوال کرنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا أَدَعُكَ تَمْسَحُ عَارِضَيْكَ بِمَكَّةَ، وَتَقُولُ: خَدَعْتُ مُحَمَّدًا مَرَّتَيْنِ، اِضْرِبْ عُنُقَهُ يَا زُبَيْرُ!»

''(اب) میں تجھے نہیں چھوڑوں گا مبادا تو مکہ میں اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہے: میں نے محمد (ﷺ) کو دو مرتبہ دھوکہ دیا ہے۔ زبیر! اس کی گردن اڑا دو۔''[1]

زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کا سر قلم کردیا۔

فتح بدر پر نجاشی کی خوشی اور عاجزی

ہجرت مدینہ سے پہلے بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مشرکینِ مکہ کے ظلم وستم سے تنگ آکر حبشہ چلے گئے تھے۔ اس مناسبت سے شاہ حبشہ نجاشی رسول اللہ ﷺ کی تحریکِ دعوتِ اسلام سے بخوبی آگاہ تھا اور اسلام کی حقانیت سے

[1] السيرة لابن هشام: 661/2، دلائل النبوة للبيهقي: 281,280/3، البداية والنهاية: 313/3.


نجاشی سے منسوب بستی (حبشہ)

متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا تھا۔ جب نجاشی کو بدر میں اسلام اور مسلمانوں کی فتح کی خوشخبری ملی تو وہ خوشی سے نہال ہو گیا۔ اس نے مہاجرین حبشہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کو بلوا بھیجا۔ اس کے پیغام پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا پورا گروہ آیا اور دیکھا کہ نجاشی نے پرانے کپڑے پہن رکھے ہیں اور مٹی پر بیٹھا ہوا ہے۔ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب ہم نے اسے اس حالت میں دیکھا تو ہم ڈر گئے۔ اس نے ہمارے تأثرات کا جائزہ لیتے ہی ہماری پریشانی بھانپ لی اور بولا: میں تمھیں ایسی خوشخبری سنانے لگا ہوں جسے سن کر تم سب کا دل خوشی کے مارے باغ باغ ہو جائے گا۔ سنو: تمھاری سرزمین سے میرا ایک جاسوس آیا ہے۔ اس نے مجھے اطلاع دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائی ہے اور ان کے دشمنوں کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ فلاں فلاں سردار قتل ہو گئے اور فلاں فلاں قیدی بن گئے ہیں۔ ان کی بکثرت جھاؤ والی وادی میں مڈبھیڑ ہوئی۔ میں وہ منظر نگاہِ تصور سے یوں دیکھ رہا ہوں جیسے میں اپنے آقا کے اونٹ چرا رہا ہوں اور میرے آقا بنوضمرہ کے ایک فرد ہیں۔

جعفر رضی اللہ عنہ نے نجاشی سے پوچھا: آپ نے اپنی یہ حالت کیوں بنا رکھی ہے؟ آپ بوسیدہ لباس زیب تن کیے زمین پر کیوں بیٹھے ہیں، آپ کے نیچے تو کوئی چٹائی بھی نہیں؟ اس نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام پر جو کلام نازل کیا ہے، اُس میں فرمایا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کوئی احسان کرے تو بندوں پر لازم ہے کہ وہ عجز و انکسار کا اظہار کریں۔ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ خوشخبری دی کہ اس نے اپنے نبی کی مدد فرما کر انھیں فتحیاب فرمایا ہے تو میں اس عجز و انکسار کا مظاہرہ کر رہا ہوں۔[1]

[1] دلائل النبوة للبیهقي :3/133، 134، البداية والنهاية :3/308.

عمیر بن وہب اور صفوان بن امیہ کی سازش

سیدنا عروہ بن زبیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ بدر میں شکست کھانے کے بعد عمیر بن وہب جُمَحی حطیم میں صفوان بن امیہ کے ساتھ بیٹھا تھا۔ عمیر مکہ کے ان بڑے شرپسند عناصر میں سے تھا جنھوں نے نبی ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اذیت پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔ اب عمیر بن وہب کا بیٹا وہب بن عمیر بدر کے قیدیوں میں شامل تھا۔ اسے بنو زُریق کے ایک فرد رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ نے قید کیا تھا۔

بہرحال صفوان بن امیہ اور عمیر بن وہب کے مابین بدر کے دن کنویں میں ڈالے گئے مقتولین کفار اور دیگر نقصانات کا تذکرہ چل نکلا۔ صفوان نے کہا: اللہ کی قسم! ان سرداروں کے بعد زندگی میں کوئی لطف باقی نہیں رہا۔ عمیر نے کہا: سچ کہتے ہو۔ اللہ کی قسم! اگر مجھ پر ان قرضوں کا بوجھ نہ ہو جنھیں ادا کرنے کے لیے میرے پاس کچھ نہیں اور ان بچوں کا فکر بھی نہ ہو جن کا مجھے اپنے بعد ضائع ہو جانے کا خدشہ ہے تو میں ابھی سفر کروں اور (نعوذ باللہ) محمد (ﷺ) کو قتل کر دوں کیونکہ وہاں جانے کے لیے میرے پاس یہ بہانہ بھی موجود ہے کہ وہاں میرا بیٹا قید ہے۔

صفوان جس کے سینے میں آتشِ انتقام کے شعلے بھڑک رہے تھے، اس کے باپ، بھائی اور چچا کی بدر میں ہلاکت کی وجہ سے اس کی نیند حرام ہو گئی تھی۔ اس نے موقع غنیمت جانا اور فوراً کہا: تیرا قرض میرے ذمے رہا۔ رہے تیرے بچے تو میں زندگی بھر ان کی کفالت کروں گا۔ جو چیز بھی مجھے میسر ہو گی، وہ اس سے کبھی محروم نہیں رہیں گے۔ عمیر نے کہا: اچھا! تو پھر یہ معاملہ راز میں رکھو۔ اس نے جواب دیا: ٹھیک ہے۔ میں ایسا ہی کروں گا۔

عمیر کی آمد پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ردِ عمل

عروہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: پھر عمیر نے اپنی تلوار تیز کر کے زہر آلود کی اور مدینہ کی طرف چل دیا۔ جب وہ مدینہ پہنچا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ اس مجلس میں بدر کے دن اللہ تعالیٰ کی کرم فرمائیوں اور دشمنوں کی شکست و ذلت کا تذکرہ چل رہا تھا۔ اچانک عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہ عمیر بن وہب پر پڑی۔ وہ اس حالت میں آیا تھا کہ اس نے اپنے گلے میں ننگی تلوار ڈال رکھی تھی۔ اس نے مسجد کے اندرونی دروازے پر اپنی سواری بٹھا دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے: اللہ کی قسم! اللہ کا یہ دشمن لازماً برے ارادے سے آیا ہے۔ یہی تھا جس نے بدر کے موقع پر دشمن کو ہماری تعداد کم بتا کر انھیں ہمارے خلاف بھڑکایا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے نبی! اللہ کا دشمن عمیر بن وہب تلوار سونت کر آیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے میرے پاس لے آؤ۔'' انھوں نے واپس آ کر اُسے اس کی

گردن میں لٹکی ہوئی تلوار کے پر تلے سے پکڑ کر کھینچا اور وہاں موجود انصاریوں سے کہا: تم سب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چلو اور آپ ہی کے پاس بیٹھے رہو۔ اس خبیث آدمی سے محتاط رہنا مبادا یہ آپ ﷺ کو کوئی نقصان پہنچائے کیونکہ اس کا کوئی اعتبار نہیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔

عمیر بارگاہِ رسول اللہ ﷺ میں

جب رسول اللہ ﷺ نے عمیر کو اس حالت میں دیکھا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اسے گردن میں لٹکی ہوئی تلوار کے پر تلے سے پکڑ رکھا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: «أَرْسِلْهُ يَا عُمَرُ!» ''عمر! اسے چھوڑ دو۔'' اور عمیر سے فرمایا: «اُدْنُ يَا عُمَيْرُ!» ''عمیر! قریب آجاؤ۔'' عمیر نے آپ ﷺ کے قریب ہوتے ہوئے کہا: صبح بخیر! یہ اہلِ جاہلیت کا آپس میں سلام (دعا کا کلمہ) تھا۔ آپ ﷺ نے جواباً فرمایا:

«أَكْرَمَنَا اللّٰهُ بِتَحِيَّةٍ خَيْرٍ مِّنْ تَحِيَّتِكَ يَا عُمَيْرُ! بِالسَّلَامِ، تَحِيَّةُ أَهْلِ الْجَنَّةِ»

''اے عمیر! اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمھارے اس سلام سے بہتر سلام سے نوازا ہے، یعنی السلام (علیکم) سے۔ یہ اہل جنت کا سلام ہے۔''

عمیر نے کہا: اے محمد! اللہ کی قسم! مجھے اس سلام کا پتہ نہیں تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَمَا جَاءَ بِكَ يَا عُمَيْرُ؟»

''عمیر! تم کس نیت سے آئے ہو؟''

اس نے کہا: آپ کے پاس ایک قیدی ہے، اس کے لیے حاضر ہوا ہوں، اس پر احسان فرمایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «فَمَا بَالُ السَّيْفِ فِي عُنُقِكَ ؟» ''یہ تمھارے گلے میں تلوار کس مقصد کے لیے لٹک رہی ہے؟'' اس نے جواب دیا: اللہ اس کا ستیاناس کرے، ان تلواروں نے ہمیں کیا دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «اُصْدُقْنِي، مَا الَّذِي جِئْتَ لَهُ؟» ''مجھے سچ سچ بتاؤ تم کس غرض سے آئے ہو؟''

اس نے کہا: صرف اپنے قیدی کو چھڑانے آیا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«بَلْ قَعَدْتَ أَنْتَ وَصَفْوَانُ بْنُ أُمَيَّةَ فِي الْحِجْرِ، فَذَكَرْتُمَا أَصْحَابَ الْقَلِيبِ مِنْ قُرَيْشٍ، ثُمَّ قُلْتَ: لَوْلَا دَيْنٌ عَلَيَّ وَعِيَالٌ عِنْدِي، لَخَرَجْتُ حَتّٰى أَقْتُلَ مُحَمَّدًا، فَتَحَمَّلَ لَكَ صَفْوَانُ بْنُ أُمَيَّةَ بِدَيْنِكَ وَعِيَالِكَ، عَلٰى أَنْ تَقْتُلَنِي لَهُ، وَاللّٰهُ حَائِلٌ بَيْنَكَ وَبَيْنَ ذٰلِكَ»

''وہ کیا معاملہ ہے جب تم اور صفوان بن امیہ حطیم میں اکٹھے بیٹھے تھے اور کنویں میں پھینکے جانے والوں کا تذکرہ کر رہے تھے، پھر تم نے کہا: مجھ پر اگر قرض اور بچوں کا بوجھ نہ ہوتو میں محمد (ﷺ) کو لازماً قتل کر آؤں گا، چنانچہ صفوان نے تمھیں میرے قتل کے بدلے تمھارے قرض چکانے اور بچوں کی کفالت کی ضمانت دی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تمھارے اور تمھارے اس منصوبے کے درمیان رکاوٹ ڈال دی ہے۔''

مسافر کی کایا پلٹ گئی

عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس حقیقت کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے پاس آسمانی خبریں لاتے رہے، ہم ان کا انکار کرتے رہے۔ ہم وحی کے بھی منکر تھے مگر اس مشورے میں میرے اور صفوان کے سوا کوئی موجود نہیں تھا۔ اللہ کی قسم! مجھے اب یقین ہے کہ آپ کو یہ خبر صرف اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے مجھے اسلام کی ہدایت عطا کی اور مجھے آپ کی خدمت میں لے آیا، پھر انھوں نے کلمۂ شہادت پڑھ کر حق کی گواہی دے دی۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

«فَقِّهُوا أَخَاكُمْ فِي دِينِهِ وَأَقْرِءُوهُ الْقُرْآنَ وَأَطْلِقُوا لَهُ أَسِيرَهُ»

''اپنے بھائی کو دین سکھاؤ، قرآن پڑھاؤ اور اس کا قیدی چھوڑ دو۔''

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس حکم کی فوری تعمیل کی۔

عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں اب تک دین کی شمع گل کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ کا دین قبول کرنے والوں کو سخت تکلیفیں پہنچاتا رہا۔ اب میری آرزو ہے کہ آپ مجھے اجازت دیں تاکہ میں مکہ مکرمہ جاؤں اور وہاں کے باشندوں کو اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور اسلام کی طرف دعوت دوں۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت عطا فرمائے۔ بصورتِ دیگر میں انھیں اسی طرح اذیتیں دوں گا جس طرح آپ کے ساتھیوں کو ان کے دین کی بنا پر اذیتیں دیتا تھا۔ نبی ﷺ نے انھیں اجازت دے دی۔

عمیر رضی اللہ عنہ کی مکہ میں دعوتی سرگرمیاں

رسول اللہ ﷺ کا اذن پا کر عمیر رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ روانہ ہوگئے۔ اُدھر عمیر رضی اللہ عنہ کی مدینہ کی طرف روانگی کے بعد صفوان بن امیہ نے لوگوں سے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ چند دنوں میں تمھیں ایک بہت بڑی خوشخبری ملنے والی ہے۔ وہ خوشخبری تمھیں بدر کا غم بھلا دے گی۔



صفوان ہر آنے والے قافلے سے بڑی بے تابی سے عمیر رضی اللہ عنہ کے متعلق پوچھتا تھا۔ بالآخر وہ دن آگیا کہ جو مسافر مکہ سے انتہائی مذموم ارادہ لے کر نکلا تھا، وہ اپنی زندگی کی کایا پلٹ کر مکہ واپس آیا۔ انھوں نے اپنے بارے میں سنایا کہ میں اسلام قبول کر چکا ہوں۔ یہ سننا تھا کہ صفوان ہکا بکا رہ گیا۔ اُس نے قسم کھائی کہ نہ اس سے کبھی کلام کرے گا، نہ اسے کبھی کوئی فائدہ پہنچائے گا۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ کا بیان ہے: جب عمیر رضی اللہ عنہ مکہ آئے تو اہلِ مکہ کو اسلام کی دعوت دینے لگے۔ جو بھی اسلام کی مخالفت کرتا، وہ اسے شدید اذیت میں مبتلا کر دیتے تھے۔ ان کے ہاتھ پر بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔[1]

عمیر رضی اللہ عنہ کے قصے سے چند اسباق

سیدنا عمیر بن وہب جُمَحی رضی اللہ عنہ کے اس انقلابی سفر سے ہمیں چند اہم اسباق اور بہت قیمتی نصیحتیں ملتی ہیں:

کفار و مشرکین مسلمانوں کی نسل کشی کے درپے: مشرکین داعیانِ اسلام کی نسل کشی کے درپے رہتے ہیں۔ یہ لوگ کسی صورت مسلمانوں کے دوست نہیں ہوسکتے۔ صفوان اور عمیر رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے پر اتفاق بتاتا ہے کہ مشرکین صرف دعوت ترک کرنے، اس کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کرنے اور لوگوں کو اس سے دور رکھنے ہی پر اکتفا یا اتفاق نہیں کرتے بلکہ وہ داعیانِ اسلام کو نیست و نابود کرنے کے لیے گٹھ جوڑ کیے بیٹھے ہیں۔ وہ لوگ اس مذموم مقصد کی تکمیل کے لیے گھٹیا سے گھٹیا حربہ استعمال کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔ اس سلسلے میں وہ کرائے کے قاتل بھی حاصل کر لیتے ہیں۔

اسی طرح مال دار لوگ فقراء کی ضرورت اور مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہیں، انھیں اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے گراں قدر مال دے کر آمادۂ جرم کرتے ہیں۔ صفوان نے عمیر رضی اللہ عنہ کی ضرورت اور مجبوری سے فائدہ اٹھایا

[1] السيرة لابن هشام: 2/661-664، المعجم الكبير للطبراني: 17/56,57.

اور انھیں کتنے ناپاک مقصد کے لیے مدینہ منورہ کی طرف بھیجا۔

امن و سلامتی کے لیے صحابۂ کرام کی ہوشمندی: امن و سلامتی اور تحفظ و مدافعت کے لیے دور اندیشی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا خصوصی وصف تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عمیر رضی اللہ عنہ کے آتے ہی محتاط ہو گئے۔ عمر رضی اللہ عنہ ان کی سابقہ زندگی سے واقف تھے، اس لیے انھوں نے محتاط انداز اختیار کرتے ہوئے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع کے لیے آپ کے پاس بھیج دیا اور خود ان کی تلوار کا پرتلا پکڑ کر انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا اور تلوار کا ممکنہ استعمال ناممکن بنا دیا۔

اسلامی تعلیمات اور اقدار کی جلوہ گری: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانۂ جاہلیت کے دعائیہ کلمات مسترد کر کے عمیر رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ اسلام جاہلیت کے اطوار ختم کر کے سچی اور بابرکت تعلیمات پیش کرتا ہے۔

معلم انسانیت کے اخلاق عالیہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمیر رضی اللہ عنہ سے نہایت مہذب برتاؤ کیا، درگزر سے کام لیا اور اُسے معاف کر دیا، حالانکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے آیا تھا، پھر عمیر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے بعد ان کے بیٹے کو بھی آزاد کر دیا اور ان کی تعلیم و تہذیب کا انتظام کیا۔

عمیر رضی اللہ عنہ کی ایمانی قوت: عمیر رضی اللہ عنہ نے سارے مکہ میں اپنے اسلام کے اظہار اور تبلیغ و دعوتِ دین کا عزم صمیم کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خواہش کا احترام کیا اور انھیں مکہ جانے کی اجازت دے دی، چنانچہ انھوں نے مکہ میں اپنے اسلام کا اعلان کیا اور لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دی۔

عمیر رضی اللہ عنہ نے نہ صرف اپنے اسلام کا اعلان کیا بلکہ سب کو چیلنج دیا جس کی بازگشت مدینہ بھی پہنچی۔ مکہ میں بہت سے لوگ ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔[1]

مال غنیمت کا مسئلہ

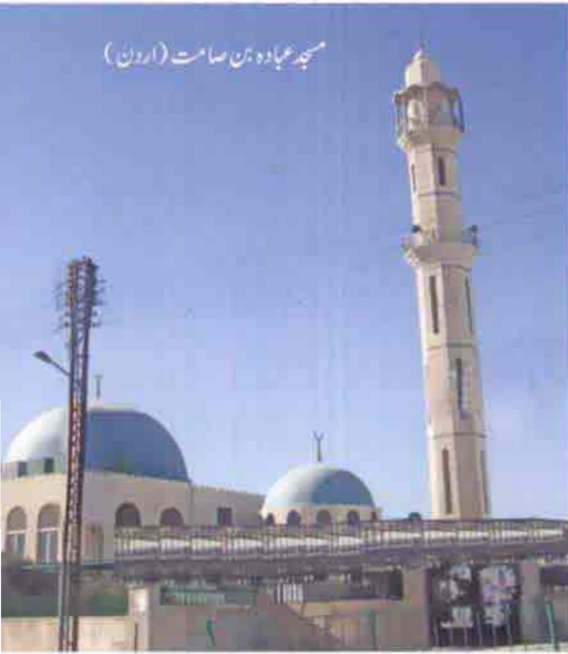
بدر کی جنگ کفر و اسلام کی پہلی فیصلہ کن جنگ تھی۔ وہ نت نئے مسائل جن سے مسلمان پہلے آشنا نہ تھے، ان کا وقوع پذیر ہونا قدرتی عمل تھا۔ جب نصرت ربانی نے مٹھی بھر نہتے مسلمانوں کے ہاتھوں کفر کا غرور خاک میں ملا دیا اور وہ اپنے ستر سورماؤں کی لاشیں اور ستر قیدیوں کو چھوڑ کر بھاگے تو بعض مجاہدین دور تک ان کا تعاقب کرتے چلے گئے جبکہ بعض مسلمانوں نے آگے بڑھ کر اس سامان پر قبضہ کر لیا جو مشرکوں کا لشکر چھوڑ کر فرار ہو گیا تھا۔ اب سوال پیدا ہوا کہ اسے تقسیم کس طرح کیا جائے۔ کیا عرب کا وہی پُرانا رواج چالو رکھا جائے جس کے مطابق جو چیز جس کے ہاتھ

[1] السيرة النبوية للصلابي: 31,30/2.

لگے، وہی اس کا مالک ٹھہرے اور دوسرے اس کا منہ تکتے رہیں یا اب اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں مالِ غنیمت کی تقسیم کا نیا طریقہ نافذ ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ نے معرکہ ختم ہونے کے بعد تین دن تک بدر میں قیام فرمایا۔ ابھی آپ نے کوچ نہیں فرمایا تھا کہ مالِ غنیمت کے بارے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین اختلاف پیدا ہوگیا۔ جب یہ اختلاف شدت اختیار کر گیا تو آپ ﷺ نے حکم جاری کیا کہ جس شخص کے پاس جو کچھ بھی ہے، وہ سب ایک جگہ اکٹھا کر دیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس حکم کی فوراً تعمیل کی۔

غنائم میں اختلاف کا سبب اور نزولِ قرآن



مسجد عبادہ بن صامت (اردن)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم لوگ نبیِ کریم ﷺ کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور میدان بدر میں پہنچے۔ مکی لشکر سے جنگ کی۔ اللہ تعالیٰ نے کفر کو شکست دی، پھر ایک گروہ ان کے تعاقب میں چل دیا اور انھیں قتل کرنے لگا۔ ایک گروہ مالِ غنیمت سمیٹنے لگا۔ ایک گروہ نے رسول اللہ ﷺ کے گرد حفاظتی گھیرا ڈالے رکھا مبادا دشمن دھوکے سے آپ پر حملہ کرے اور آپ کو اذیت پہنچائے۔ جب رات ہوئی اور لوگ پلٹ کر ایک دوسرے کے پاس پہنچے تو مالِ غنیمت جمع کرنے والوں نے کہا: یہ مال تو ہم نے جمع کیا ہے، لہٰذا اس میں کسی اور کا کوئی حصہ نہیں۔ دشمن کا تعاقب کرنے والوں نے کہا: تم لوگ ہم سے بڑھ کر اس مال کے حقدار نہیں ہو سکتے کیونکہ دشمن کی پٹائی تو ہم لوگوں نے کی جس کی وجہ سے دشمن اپنا مال چھوڑ کر بھاگ گیا، اس لیے یہ مال ہمارا ہے۔ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کر رہے تھے، انھوں نے کہا: ہمیں خطرہ تھا کہیں دشمن آپ لوگوں کو غفلت میں پا کر رسالت مآب ﷺ کو کوئی اذیت نہ پہنچا دے، اس لیے ہم آپ ﷺ کی حفاظت میں مشغول رہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی:

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ

﴿وَرَسُولَهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ (الأنفال 1:8)

''لوگ آپ سے مالِ غنیمت کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دو: غنیمت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے، پس اللہ سے ڈرو اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرلو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر واقعی تم لوگ مومن ہو۔''[1]

ایک روایت میں ہے، جب حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے سورۂ انفال کی شانِ نزول پوچھی گئی تو وہ کہنے لگے: یہ آیات ہمارے، یعنی اہلِ بدر ہی کے متعلق نازل ہوئی تھیں۔ جب ہم نے مالِ غنیمت کے سلسلے میں اختلاف اور باہمی جھگڑے کا مظاہرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ غنائم ہم سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں دے دیے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ہم میں برابر برابر تقسیم فرما دیے۔[2]

سورۂ انفال میں غزوۂ بدر کا تذکرہ فرما کر اللہ تعالیٰ نے اسے دوام بخش دیا ہے۔ ان آیات مبارکہ کے انداز بیان سے اجتماعی ملکیت کی تعبیر، محکم ایمان کے ذریعے سے نفسِ انسانی کا علاج اور بڑے لطیف انداز سے کردار سازی کی تعلیم ملتی ہے۔ مالِ غنیمت کا پایا جانا اس جنگ کا نتیجہ تھا، لہٰذا اس کے متعلق احکام کا آغاز کیا گیا اور واضح فرما دیا گیا کہ یہ غنائم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ملکیت ہیں۔ ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے تابع ہیں۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو تین احکام صادر فرمائے:

1 تقویٰ 2 باہمی جھگڑوں کی اصلاح 3 اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت۔

جہاد کے متعلق یہ تینوں باتیں انتہائی اہم ہیں کیونکہ اگر جہاد کی بنیاد تقویٰ پر نہیں ہوگی تو وہ جہاد نہیں ہوگا، کوئی اور چیز ہوگی۔ اسی طرح جہاد اتحاد و یگانگت کا متقاضی ہے، لہٰذا آپس کے جھگڑوں اور اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔ مزید برآں احکام و قوانین کی پابندی ہی جہاد کی روح اور اساس ہے۔ اس کے بغیر جہاد کا تصور بھی ناممکن ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اتباع ہی ایمان کی پہچان ہے۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اطاعت اور ایمان کامل کی اعلیٰ منازل تک رسائی حاصل کرنے کا حکم دیا ہے۔ جہاد کے تمام لوازم اختیار کرنے کے لیے ارادوں کو مہمیز لگائی ہے۔ غنیمتوں کے بارے میں اختلاف یا کسی بھی حکم کی مخالفت کے نتیجے میں پلے پڑنے والی رسوائی کے عوامل کی نفی کی ہے اور اسی پر سورت کا مقدمہ اختتام پذیر ہوتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

[1] مسند أحمد: 324,323/5. [2] مسند أحمد: 323,322/5.

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ○ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ○﴾

(الأنفال 8:1-4)

”(اے نبی!) وہ آپ سے مالِ غنیمت کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دیجیے! مالِ غنیمت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے، لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور آپس میں اصلاح کر لو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو۔ مومن تو صرف وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیتوں کی تلاوت کی جائے تو وہ ان کا ایمان بڑھا دیتی ہیں اور وہ اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں۔ وہ لوگ جو نماز قائم کرتے ہیں اور ہمارے دیے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں، وہی لوگ سچے مومن ہیں۔ ان کے لیے اپنے رب کے ہاں درجے اور بخشش ہے اور باعزت رزق ہے۔“[1]

سورت کے آغاز میں نتائج کا تذکرہ، مالِ غنیمت کی تقسیم میں باہمی اختلاف، پھر اس کے بارے میں صحابہ کے سوال کا ذکر ہے اور اسی سلسلے کی مسلسل چار آیات میں مومنوں کے دلوں کی خبر گیری کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان آیاتِ کریمہ کی تعلیم نے انھیں اس اختلاف سے بھی پاک کر دیا ہے جو دولت کی محبت اور دیگر مادی اشیاء پر نظر رکھنے کی وجہ سے دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔[2]

سید قطب لکھتے ہیں: ”ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ﴾ ”اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔“ اس موقع پر پہلی اطاعت تو یہی تھی کہ غنیمتوں کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے سامنے سر جھکایا جائے۔ اس فیصلے کی رو سے غنائم مجاہدین کے قبضے سے باہر ہو گئے اور ان کی ملکیت ابتدائی طور پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے ثابت ہو گئی۔ اس میں تصرف کا حق اللہ اور اس کے رسول ہی کو حاصل ہو گا۔ مومنوں کے لیے اس کے سوا چارہ ہی نہیں کہ وہ اللہ کے حکم اور رسول اللہ ﷺ کی تقسیم کو خوش دلی سے تسلیم کریں، باہمی تعلقات کی اصلاح کریں اور ایک دوسرے کے جذبات کا خیال رکھیں۔ اپنے دلوں میں ایک دوسرے کا مقام و مرتبہ جاگزیں رکھیں اور باہمی احترام کے تقاضے پوری طرح نبھائیں۔“[3] صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس ربانی نصیحت پر لبیک کہا۔

[1] السيرة النبوية للصلابي : 7/2. [2] من هدي سورة الأنفال لمحمد أمين المصري، ص : 67. [3] في ظلال القرآن، الأنفال 8:1.

غنائم کا خُمس

جب یہ طے پا گیا کہ غنائم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی ملکیت ہیں تو ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ان کی تقسیم کا طریقہ بھی بتا دیا۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾

''اور جان لو کہ تم جو کچھ بھی مالِ غنیمت حاصل کرو، اس میں سے پانچواں حصہ یقیناً اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے اور (اس کے) رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے، اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو اور اس پر جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلے کے دن اتارا جس دن دو فوجوں میں ٹکراؤ ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر خوب قدرت رکھتا ہے۔''[1]

علمائے سیرت میں اختلاف ہے کہ بدر کے مالِ غنیمت سے خُمس (پانچواں حصہ) نکالا گیا یا نہیں۔ بعض اہلِ علم کی رائے یہ ہے کہ اس وقت آیتِ خُمس نازل نہیں ہوئی تھی، اس لیے خمس نکالے بغیر یہ مالِ غنیمت تمام مجاہدین میں برابر برابر تقسیم کر دیا گیا۔ یہ ابوعبید قاسم بن سلّام کا قول ہے۔ لیکن حافظ ابن کثیر نے ابوزید کے قول کو ترجیح دی ہے کہ پہلے خُمس نکالا گیا، بعدازاں مالِ غنیمت تقسیم کیا گیا۔[2]

ابوالیسر رضی اللہ عنہ کا معاملہ اور نزولِ وحی

ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: بدر کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا فَلَهُ كَذَا وَكَذَا وَمَنْ أَسَرَ أَسِيرًا فَلَهُ كَذَا وَكَذَا»

''جس نے کسی کو قتل کیا تو اس کا حاصل شدہ مال اسی (قاتل) کے لیے ہے اور جس نے کسی کو قید کیا تو اس کا سلب شدہ مال حراست میں لینے والے کے لیے ہے۔''

چنانچہ جو بوڑھے حضرات تھے، وہ تو جھنڈوں کے نیچے جمے رہے اور جو نوجوان تھے، وہ آگے بڑھ چڑھ کر قتل کرنے اور مالِ غنیمت حاصل کرنے لگے۔ بوڑھے حضرات نے نوجوانوں سے کہا: تم ہمیں بھی مالِ غنیمت میں شریک کرو۔ ہم تمھارے پشت پناہ اور مددگار تھے۔ جب یہ جھگڑا شدت اختیار کر گیا تو اس کا فیصلہ اللہ کے

[1] الأنفال 41:8۔ [2] البداية والنهاية: 303/3۔

رسول ﷺ نے کیا۔ ہوا یوں کہ ابوالیسر رضی اللہ عنہ دو قیدی لے کر آئے اور رسول اللہ ﷺ کو قیدیوں کے مال کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد یاد دلایا۔ اس موقع پر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ (یا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ) کھڑے ہوئے اور عرض پرداز ہوئے: اللہ کے رسول! اگر آپ اس طرح ان لوگوں کو مرحمت فرماتے رہیں گے تو آپ کے بقیہ اصحاب کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔ ہمیں مالِ غنیمت اکٹھا کرنے سے اس امر نے نہیں روکا کہ ہم صرف آخرت میں رغبت رکھتے ہیں اور دشمن سے ڈرتے ہیں بلکہ ہم نے دیکھا کہ آپ اکیلے ہیں۔ باقی تمام اصحاب دشمن کا مقابلہ کرنے، تعاقب کرنے اور مالِ غنیمت اکٹھا کرنے میں مصروف ہیں تو ہم آپ کی خدمت میں چلے آئے اور پہرہ دینے لگے مبادا دشمن آپ کو نقصان پہنچائے۔ اس وقت یہ سورت نازل ہوئی: ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے اموالِ غنیمت ان کے ہاتھوں سے لے کر اللہ کے رسول ﷺ کی ملکیت میں دے دیے اور آپ ﷺ نے وہ مال مجاہدینِ اسلام میں برابر برابر تقسیم کر دیا۔



مسجد سعد بن عبادہ (دمام)

مسجد سعد بن معاذ (دمشق)

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی خواہش

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: بدر کے دن میرا بھائی عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ شہید ہو گیا، پھر میرا ٹکراؤ سعید بن عاص سے ہوا۔ میں نے اسے قتل کر دیا اور اس کی تلوار اپنے قبضے میں لے لی، پھر میں نے وہ تلوار رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دی اور عرض کی: اللہ کے رسول! اللہ نے مجھے مشرکین سے چھٹکارا دیا ہے، یہ تلوار آپ مجھے عنایت کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، یہ تلوار تمھاری ہے نہ میری، اسے مالِ غنیمت کے ڈھیر میں رکھ دو۔'' میں نے وہ تلوار مالِ غنیمت میں رکھ دی۔ پھر میرے دل میں خیال گزرا، ممکن ہے آج یہ تلوار اس شخص کو سونپ

دی جائے جو مجھ جیسی آزمائش سے نہ گزرا ہو۔ میں اسے واپس اُٹھا لایا۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: ''جاؤ اسے وہیں رکھ آؤ۔'' میں آپ کے حکم کے مطابق لوٹ آیا لیکن اس وقت میرے دل میں اپنے بھائی کے قتل اور مالِ غنیمت واپس لے لیے جانے کے سبب غم کی جو شدت تھی، اسے اللہ ہی جانتا ہے۔ جب میں تلوار مالِ غنیمت میں ڈالنے لگا تو میرے نفس نے مجھے بڑی ملامت کی۔ میں پھر آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ وہ تلوار مجھے عنایت کر دیں۔ آپ ﷺ کو یہ بات بڑی ناگوار گزری اور آپ نے مجھے ڈانٹا۔ عین اسی وقت سورۂ انفال نازل ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جاؤ اور اپنی تلوار لے لو۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کی دعا اور غنائم کی تقسیم

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ 315 رفقاء کے ساتھ نکلے۔ میدانِ بدر پہنچے، پھر آپ ﷺ نے یہ دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! إِنَّهُمْ حُفَاةٌ فَاحْمِلْهُمْ، اَللّٰهُمَّ! إِنَّهُمْ عُرَاةٌ فَاكْسُهُمْ، اَللّٰهُمَّ! إِنَّهُمْ جِيَاعٌ فَأَشْبِعْهُمْ»

''اے اللہ! یہ ننگے پاؤں (پیدل) ہیں، انھیں سواری عطا فرما، اے اللہ! یہ ننگے جسم ہیں، انھیں لباس مہیا فرما، اے اللہ! یہ بھوکے ہیں، انھیں سیر کر دے۔''[2]

ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ تمام تر مالِ غنیمت صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے تھا۔ اس میں کسی دوسرے کا حق نہ تھا۔ جس نے ایک سوئی یا دھاگہ بھی مالِ غنیمت میں جمع نہیں کرایا، اُس نے گویا خیانت کا ارتکاب کیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ اس میں سے کچھ ہمیں عنایت کیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ﴾ نازل کر دی اور ارشاد فرمایا: کہہ دو: غنیمت میرے لیے ہے اور میں نے اپنے رسول کو اس کا حقدار بنایا ہے۔ اس میں تمھارا کوئی حصہ نہیں۔ تم اللہ سے ڈرو اور باہمی معاملات کی اصلاح کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا: ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ ''اور جان لو کہ تم جو کچھ بھی مالِ غنیمت حاصل کرو۔'' پھر آپ نے اس کا خُمس (پانچواں حصہ) اپنے لیے، رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور مہاجروں کے لیے اور اللہ کی راہ میں خرچ کیا۔ باقی چار حصے اصحاب بدر میں برابر تقسیم کیے: گھوڑے کے لیے دو حصے اور اس کے مالک کا ایک حصہ اور پیادہ مجاہد کو ایک حصہ عطا فرمایا۔ آپ ﷺ نے مالِ غنیمت کی نگرانی و ذمہ داری عبداللہ بن کعب رضی اللہ عنہ

[1] سنن أبي داود: 2740، تفسير ابن أبي حاتم: 1650,1649/5، الدر المنثور، الأنفال 1:8. [2] سنن أبي داود: 2747.

کے سپرد کی۔[1]

ایک قول کے مطابق سیدنا خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کو غنائم پر نگران مقرر کیا تھا۔[2]

معرکہ میں شریک نہ ہونے والے بدری صحابہ

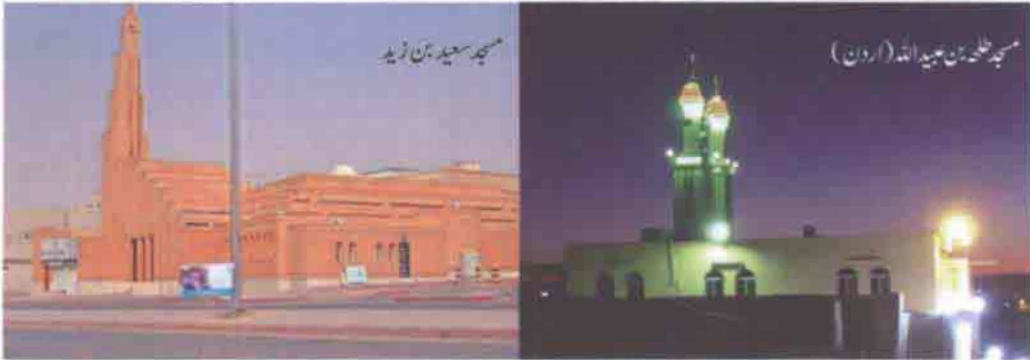
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عدل کی ایک زندہ مثال یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اموالِ غنیمت میں ان حضرات کو بھی شریک رکھا جنھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے علاوہ کوئی اور اہم ذمہ داری سونپ رکھی تھی، لہٰذا انھیں غنیمت و اجر میں اسی طرح برابر کا شریک رکھا گویا وہ خود جنگ میں شامل تھے۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مجاہدین کی مجبوریوں کا بھرپور خیال رکھا جو جنگ میں شرکت سے معذور تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان کی استعداد سے زیادہ مکلف ہی نہیں ٹھہرایا۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾

''اللہ کسی کو اس کی طاقت سے بڑھ کر مکلف نہیں ٹھہراتا۔''[4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ سے روانہ ہونے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے حضرت طلحہ بن عبیداللہ اور سعید بن زید رضی اللہ عنہما کو ابوسفیان کے قافلے کی نقل وحرکت کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے روانہ فرمایا



تھا۔ وہ تعمیلِ حکم کے بعد واپس مدینہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم معرکہ بدر سے فارغ ہو چکے تھے۔ ان دونوں صحابہ نے اگرچہ عملی طور پر قتال میں حصہ نہیں لیا لیکن انھیں بھی مالِ غنیمت سے برابر کا حصہ دیا گیا۔

اسی طرح بسبس بن عمرو اور عدی بن عباد رضی اللہ عنہما کو بھی دشمن کی جاسوسی کے لیے روانہ فرمایا تھا۔ انھیں بھی مال غنیمت

1 تفسیر ابن أبي حاتم: 1653/5، الدر المنثور، الأنفال 1:8، سبل الهدٰی والرشاد: 59/4. 2 المغازي للواقدي: 102/1، سبل الهدٰی والرشاد: 62/4. 3 من معین السیرة لصالح الشامي، ص: 234. 4 البقرة 286:2.

میں شریک کیا گیا۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں قائم مقام والی مقرر کیا تھا۔ قباء اور عوالی کے علاقے کی نگرانی اور انتظام کی ذمہ داری عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کو سونپی تھی۔ الروحاء کے مقام پر خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی اور انھیں واپس بھیج دیا گیا تھا۔ اسی طرح حضرت حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ بھی راستے میں زخمی ہو گئے تھے، انھیں علاج کے لیے واپس بھیج دیا گیا تھا لیکن مالِ غنیمت میں انھیں بھی برابر کا حقدار ٹھہرایا گیا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں۔ ان کی تیمار داری کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو انھی کے پاس رہنے کا حکم دیا۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے جس میں انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی غزوۂ بدر میں عدم شمولیت کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر تھیں۔ وہ اس موقع پر بیمار تھیں، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«إِنَّ لَكَ أَجْرَ رَجُلٍ مِّمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا وَّ سَهْمَهُ»

''تمھارے لیے بدر میں شریک ہونے والے کے برابر اجر وحصہ ہوگا۔''[2]

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی والدہ بیمار تھیں۔ انھیں اپنے بیٹے کے حاضر رہنے کی سخت ضرورت تھی۔ ابوامامہ اور ان کے ماموں کے درمیان تکرار ہوگئی کہ جنگ کے لیے کون جائے اور بیمار کی خدمت کون کرے؟ اس سلسلے میں ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو بدر کی طرف نکلنے کی اطلاع دی تو میں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلنے کا تہیہ کیا۔ میرے ماموں ابوبردہ بن نیار رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے بھانجے! تم یہیں رہو اور اپنی والدہ کی خبر گیری کرو۔ میں نے کہا: آپ اپنی بہن کا خیال رکھیں اور مجھے جانے دیں۔ جب یہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی والدہ کے پاس رہنے کا حکم دیا۔ جب آپ واپس تشریف لائے تو وہ فوت ہو چکی تھیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ ادا کی۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے موقع پر حارث بن حاطب رضی اللہ عنہ کو کسی ضروری کام کے لیے بنو عمرو بن عوف کی طرف بھیجا تھا۔[4]

اخلاق عالیہ کا یہ مظاہرہ اور مجاہدین کے احساسات اور خاندانی معاملات و مسائل کا خیال رکھنا لشکر اور سپہ سالار کے مابین الفت و محبت کے تعلق کو مضبوط کر دیتا ہے اور ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔

[1] السيرة لابن هشام: 612/2 و 614 و 642 و 689 و 703، الاكتفاء: 50/2. [2] صحيح البخاري: 3699. [3] المعجم الكبير للطبراني: 273,272/1، حديث: 792، مجمع الزوائد: 32,31/3. [4] من معين السيرة لصالح الشامي، ص: 234.

معرکۂ بدر کے سرفروش صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

عظمت کی اصل تعریف یہ ہے کہ ہمارا رب کریم کسی کے حسن عمل کو پسند فرمالے۔ قرآن اور حدیث کے اوراق گواہی دیتے ہیں کہ اصحاب بدر وہ خوش قسمت حضرات تھے کہ ان سے بڑھ کر نیک نہاد اور خوش خصال افراد آج تک کتمِ عدم سے ظہور میں نہیں آئے۔ یہ وہ سرفروش تھے جو اللہ کے برگزیدہ نام کا پرچم بلند رکھنے کے لیے دشمنوں کی چمکتی ہوئی تلواروں سے بے دریغ ٹکرا گئے۔ کچھ اللہ کو پیارے ہوگئے اور کچھ زخمی ہو کر بقید حیات رہے۔ اللہ اللہ! ان کی بڑائی اور دلربائی کا کیا کہنا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی عظیم قربانیوں کو قبول فرما کر انھیں دنیا ہی میں جنت اور اپنی رضا کا سرٹیفکیٹ عطا فرما دیا...... اللہ اللہ! اصحاب بدر کی بڑائی میں کیا شک؟

غزوۂ بدر میں شریک ہونے والے خوش نصیب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

بدری مہاجرین رضی اللہ عنہم

بنو ہاشم اور بنو مطلب بن عبد مناف اور ان کے موالی و حلفاء

- محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
- حمزہ بن عبدالمطلب
- علی بن ابی طالب
- زید بن حارثہ کلبی مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
- مرثد بن ابو مرثد غنوی، ابو مرثد غنوی۔ یہ دونوں باپ بیٹا حمزہ رضی اللہ عنہ کے حلیف تھے۔
- اُنَسَہ حبشی مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
- ابو کبشہ مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یہ فارسی تھے۔)
- عبیدہ بن حارث بن مطلب
- حُصین بن حارث بن مطلب
- مِسطح بن اُثاثہ بن عَبّاد بن مطلب

بنو عبد شمس بن عبد مناف

- عثمان بن عفان
- ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ

- سالم مولیٰ ابی حذیفہ
- صُبَیح مولیٰ ابی العاص بن امیہ

بنو عبد شمس کے حلیف بنو کبیر بن غنم

- عبداللہ بن جحش
- عکاشہ بن محصن
- ابو سنان بن محصن
- سنان بن ابی سنان
- شجاع بن وہب
- عقبہ بن وہب
- یزید بن رُقیش
- مُحْرِز بن نضلہ
- ربیعہ بن اکثم

بنو کبیر کے حلیف

- ثقف بن عمرو
- مالک بن عمرو
- مدلج بن عمرو (یہ تینوں بنو سلیم میں سے تھے۔)
- ابو مخشی سوید بن مخشی الطائی (حلیف)

بنو نوفل بن عبد مناف بن قُصی

- عتبہ بن غَزْوان
- خَبّاب مولیٰ عتبہ بن غَزْوان

بنو اسد بن عبد العزیٰ بن قصی

- زبیر بن عوام
- حاطب بن ابی بلتعہ عمرو لخمی (حلیف)
- سعد کلبی مولیٰ حاطب

بنو عبد الدار بن قصی بن کلاب

- مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار
- سویبط بن سعد بن حرملہ (حُریملہ)

بنو زہرہ بن کلاب بن مُرہ

- عبدالرحمٰن بن عوف
- سعد بن ابی وقاص
- عمیر بن ابی وقاص
- مقداد بن عمرو بن ثعلبہ (حلیف)
- عبداللہ بن مسعود (حلیف)
- مسعود بن ربیعہ بن عمرو بن سعد (حلیف)

- ذوالشمالین عمیر بن عبد عمرو بن نضلہ خزاعی (حلیف)
- خباب بن ارت تمیمی (حلیف)

بنو تیم بن مُرّہ

- ابوبکر صدیق
- طلحہ بن عبیداللہ
- بلال بن رباح (مولیٰ ابی بکر)
- عامر بن فہیرہ (مولیٰ ابی بکر)
- صہیب بن سنان جونمر بن قاسط سے ہیں (یہ بنوجُدعان کے حلیف تھے۔)

بنومخزوم

- ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد
- شماس، ان کا نام عثمان بن عثمان الشرید تھا
- ارقم بن ابی ارقم
- عمار بن یاسر عنسی (حلیف)
- مُعَتِّب بن عوف خزاعی (حلیف)

بنوعدی بن کعب

- عمر بن خطاب
- زید بن خطاب
- عمرو بن سراقہ
- عبداللہ بن سراقہ
- سعید بن زید بن عمرو
- مَہْجَعْ مولیٰ عمر بن خطاب
- واقد بن عبداللہ تمیمی (حلیف)
- خَولِی بن ابی خَولِی عجلی (حلیف)
- مالک بن ابی خولی (حلیف)
- عامر بن ربیعہ عنزی (حلیف)
- عامر بن بکیر (حلیف)
- عاقل بن بکیر (حلیف)
- خالد بن بکیر (حلیف)
- ایاس بن بکیر (حلیف)

بنوجمح

- عثمان بن مظعون
- قدامہ بن مظعون
- عبداللہ بن مظعون
- سائب بن عثمان بن مظعون
- معمر بن حارث

بنو سہم

- خنیس بن حذافہ

بنو عامر بن لؤی بن غالب بن فہر

- ابو سبرہ بن ابی رُہم
- عبداللہ بن مخرمہ
- عبداللہ بن سہیل بن عمرو
- وہب بن سعد بن ابی سرح
- حاطب بن عمرو
- عمیر بن عوف (مولیٰ سہیل بن عمرو)
- سعد بن خولہ یمنی (حلیف)

بنو حارث بن فہر

- ابو عبیدہ عامر بن جراح
- عمرو بن حارث
- سہیل بن وہب بن ربیعہ (ابن بیضاء)
- صفوان بن وہب (ابن بیضاء)
- عمرو بن ابی سرح بن ربیعہ
- عیاض بن زہیر

بدری اوسی انصار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

بنو عبدالاشہل

- سعد بن معاذ
- عمرو بن معاذ
- حارث بن اوس
- حارث بن انس

بنو عبید بن کعب اور ان کے حلیف

- سعد بن زید بن مالک
- سلمہ بن سلامہ بن وقش
- سلمہ بن ثابت بن وقش
- عباد بن بشر بن وقش
- محمد بن مسلمہ خزرجی (حلیف)
- حارث بن خزمہ بن عدی (حلیف)
- ابو الہیثم بن التیہان (حلیف)
- سلمہ بن اسلم بن حریش (حلیف)

- عبداللہ بن سہل
- عبید بن التَّیِّہان (حلیف)

بنوظفر

- قتادہ بن نعمان بن زید
- عبید بن اوس

بنوعبد بن رزاح اور ان کے حلیف

- نصر بن حارث بن عبد
- مُعَتِّب بن عبد
- عبداللہ بن طارق بَلَوی (حلیف)

بنوحارثہ بن حارث

- مسعود بن سعد بن عامر بن عدی
- ابوعبس بن جبر بن عمرو بن زید بن جُشَم
- ابوبُردہ ہانی بن نیار بن عمرو بلوی (حلیف)

بنوعمرو بن عوف بن مالک بن اوس

- عاصم بن ثابت بن قیس ابواقلح
- مُعَتِّب بن قُشَیر بن مُلَیل
- ابومُلَیل بن ازعر بن زید
- عمرو (عمیر) بن معبد بن ازعر
- سہل بن حُنَیف بن وہب

بنوامیہ بن زید بن مالک

- ابولبابہ بشیر بن عبدالمنذر
- مبشر بن عبدالمنذر
- رفاعہ بن عبدالمنذر
- سعد بن عبید بن نعمان
- عویم بن سعدہ بن عائش
- رافع ابن عُنْجُدہ (عُنْجُدہ ان کی والدہ تھیں۔)
- حاطب بن عمرو بن عبید
- عبید بن ابی عبید
- ثعلبہ بن حاطب
- حارث بن حاطب

بنوعبید بن زید اور ان کے حلیف

- اُنَیس بن قتادہ بن ربیعہ
- معن بن عدی بلوی (حلیف)

- ثابت بن اقرم بلوی (حلیف)
- زید بن اسلم بن ثعلبہ بلوی (حلیف)
- رِبعی بن رافع بلوی (حلیف)
- عاصم بن عدی بلوی (حلیف)
- عبداللہ بن سلمہ بلوی (حلیف)

بنومعاویہ بن مالک بن عوف اور ان کے حلیف

- جبر بن عتیک
- مالک بن نمیلہ مزنی (حلیف)
- نعمان بن عَصَر بلوی (حلیف)

بنوثعلبہ بن عمرو

- عبداللہ بن جبیر
- عاصم بن قیس بن ثابت بن نعمان
- ابوضیاح بن ثابت بن نعمان
- ابوحبہ بن ثابت بن نعمان
- سالم بن عمیر بن ثابت
- حارث بن نعمان بن امیہ
- خوات بن جبیر بن نعمان

بنو جحجبی بن کلفہ بن عوف

- منذر بن محمد بن عقبہ
- ابوعقیل بن عبداللہ بن ثعلبہ بلوی (حلیف)

بنوغَنْم بن سَلْم بن امرؤ القیس

- سعد بن خَیْثمہ
- منذر بن قُدامہ بن عَرْفَجہ
- حارث بن عرفجہ
- تمیم مولیٰ سعد بن خیثمہ
- مالک بن قدامہ بن عرفجہ

بدری خزرجی انصار رضی اللہ عنہم

بنوامرؤ القیس بن مالک بن ثعلبہ

- خارجہ بن زید بن ابی زہیر
- سعد بن ربیع بن عمرو

- عبداللہ بن رواحہ
- خلاد بن سوید بن ثعلبہ

بنو زید بن مالک

- بشیر بن سعد بن ثعلبہ
- سماک بن سعد بن ثعلبہ

بنو عدی بن کعب بن خزرج

- سُبَیع بن قیس بن عَیشہ
- عبّاد بن قیس بن عَیشہ
- عبداللہ بن عبس

بنو احمر بن حارثہ

یزید بن حارث بن قیس (انھیں ان کی والدہ فُسْحُمْ کی طرف منسوب کر کے ابن فُسحم بھی کہا جاتا ہے۔)

بنو جُشَم اور بنو زید بن حارث

- خبیب بن اِساف (یساف) بن عِتَبَہ
- عبداللہ بن زید بن ثعلبہ
- حُریث بن زید بن ثعلبہ
- سفیان بن بُشر بن عمرو

بنو جدارہ بن عوف بن حارث

- تمیم بن یعار بن قیس
- عبداللہ بن عمیر
- زید بن مُزَین (مُریّ) بن قیس
- عبداللہ بن عُرفُطہ

بنو ابجر

- عبداللہ بن ربیع بن قیس

بنو عوف بن خزرج

- عبداللہ بن عبداللہ بن ابی ابن سلول
- اوس بن خولی بن عبداللہ

بنو جَزء بن عدی بن مالک بن سالم اور بنو ثعلبہ بن مالک اور ان کے حلیف

- زید بن ودیعہ بن عمرو
- عقبہ بن وہب بن کَلَدَہ (حلیف)

- رفاعہ بن عمرو بن زید بن عمرو
- عامر بن سلمہ (حلیف، یمن سے)
- ابوخُمیصہ (حُمیضہ) معبد بن عبّاد بن قُشَیر
- عامر بن بکیر (حلیف)

بنوسالم بن عوف

- نوفل بن عبداللہ بن نضلہ بن مالک بن عجلان
- عتبان بن مالک بن عمرو بن عجلان

بنواصرم بن فہر بن ثعلبہ

- عبادہ بن صامت بن قیس
- اوس بن صامت

بنودَعْد بن فہر بن ثعلبہ بن غنم

- نعمان بن مالک بن ثعلبہ بن دَعْد

بنوقُرَیُوش (قربوس) بن غنم بن امیہ

- ثابت بن ہزّال بن عمرو بن قریوش

بنومرضَخہ بن غَنْم بن سالم

- مالک بن دُخشم بن مرضَخہ

بنولوذان بن سالم

- ربیع بن ایاس بن عمرو بن غنم
- ورقہ بن ایاس بن غنم
- عمرو بن ایاس (حلیف یمن سے)
- مجذّر بن ذیاد بن عمرو بلَوی (حلیف)
- عُبادہ بن خَشخاش (خَشاش) (حلیف)
- بحاث (نحاب) بن ثعلبہ بن خزمہ بن اصرم (حلیف)
- عبداللہ بن ثعلبہ بن خزمہ بن اصرم (حلیف)
- عتبہ بن ربیعہ بن خالد بن معاویہ بہرانی (حلیف)

بنوساعدہ بن کعب بن خزرج

- ابودُجانہ سماک بن خرشہ
- منذر بن عمرو بن خُنَیس

بنو البَدِیّ بن عامر بن عوف

- ابو اُسَید مالک بن ربیعہ بن البَدِیّ
- مالک بن مسعود بن البَدِیّ

بنو طریف بن خزرج اور ان کے حلیف

- عبد ربہٗ بن حق بن اوس
- کعب بن حمار جُہنی (حلیف)
- ضمرہ بن عمرو (حلیف)
- زیاد بن عمرو (حلیف)
- بَسبَس بن عمرو (حلیف)
- عبداللہ بن عامر بلوی (حلیف)

بنو جشم بن خزرج

- خراش بن صِمّہ بن عمرو بن جموح
- حُباب بن منذر بن جموح
- عمیر بن حُمام بن جموح
- تمیم مولیٰ خِراش بن صِمّہ
- عبداللہ بن عمرو بن حرام
- معاذ بن عمرو بن جموح
- معوذ بن عمرو بن جموح
- خَلّاد بن عمرو بن جموح
- عقبہ بن عامر بن نابی بن زید بن حرام
- حبیب بن اسود (یہ ان کا غلام تھا)
- ثابت بن ثعلبہ بن زید بن حارث بن حرام
- عمیر بن حارث بن ثعلبہ بن حارث بن حرام

بنو عبید بن عدی بن غنم اور ان کے حلیف

- بشر بن براء بن معرور
- طفیل بن مالک بن خنساء
- طفیل بن نعمان بن خنساء
- سنان بن صیفی بن صخر بن خنساء
- عبداللہ بن جد بن قیس
- عتبہ بن عبداللہ بن صخر بن خنساء
- جبار بن امیہ بن صخر بن خنساء
- خارجہ بن حُمَیّر اشجعی (حلیف)
- عبداللہ بن حُمَیّر اشجعی (حلیف)

بنو خُناس بن سنان بن عبید

- یزید بن منذر بن سرح بن خُناس
- مَعقِل بن منذر بن سرح

- عبداللہ بن نعمان بن بلدمہ
- ضحاک بن حارثہ بن زید
- سواد بن زُریق بن ثعلبہ بن عبید
- معبد بن قیس بن صخر بن حرام
- عبداللہ بن قیس بن صخر بن حرام

بنو نعمان بن سِنان بن عبید

- عبداللہ بن عبد مناف بن نعمان بن سنان
- جابر بن عبداللہ بن رئاب بن نعمان
- خلیدہ بن قیس بن نعمان
- نعمان بن یسار (سِنان، یہ ان کا غلام تھا)

بنو سواد بن غنم بن کعب بن سَلِمہ

- ابوالمنذر یزید بن عامر بن حدیدہ
- قطبہ بن عامر بن حدیدہ
- سُلیم بن عمرو بن حدیدہ
- عنترہ (سُلیم بن عمرو کا غلام)

بنو عدی بن نابی

- عبس بن عامر بن عدی
- ابوالیَسَر کعب بن عمرو بن عبّاد
- سہل بن قیس بن ابی کعب بن قین
- ثعلبہ بن غنمہ بن عدی
- عمرو بن طلق بن زید بن امیہ بن سِنان
- معاذ بن جبل بن عمرو بن اوس بن عائذ بن عدی بن کعب بن عدی بن اُدَیّ

بنو زُریق بن عامر بن زریق بن عبد حارثہ

- قیس بن مُحصِن بن خالد بن مخلّد
- ابوخالد حارث بن قیس بن خالد بن مخلّد
- جبیر بن ایاس بن خالد
- ابوعُبَادہ سعد بن عثمان بن خَلَدَہ
- ذکوان بن عبد قیس بن خَلَدَہ

بنو خالد بن عامر بن زُرَیق

- عقبہ بن عثمان بن خلدہ
- عَبّاد بن قیس بن عامر بن خالد

بنوخلدہ بن عامر بن زُرَیق

- اسعد بن یزید بن الفاکہ بن زید بن خلدہ
- فاکہ بن بشر بن الفاکہ بن زید بن خلدہ
- معاذ بن ماعِص بن قیس بن خَلَدَہ
- عائذ بن ماعِص بن قیس بن خَلَدَہ
- مسعود بن سعد بن قیس بن خَلَدَہ

بنوعجلان بن عمرو بن عامر

- رِفاعہ بن رافع بن مالک بن عجلان
- خَلّاد بن رافع بن مالک بن عجلان
- عبید بن زید بن عامر بن عجلان

بنوبیاضہ بن عامر بن زریق

- زیاد بن لبید بن ثعلبہ بن سنان بن عامر
- فروہ بن عمرو بن وَذْفہ (وَدْفہ)
- خالد بن قیس بن مالک بن عجلان
- رُجیلہ (رُخیلہ) بن ثعلبہ بن خالد
- عطیہ بن نُوَیرہ بن عامر بن عطیہ
- خُلَیفہ (عُلَیفہ) بن عدی بن عمرو

بنوحبیب بن عبدحارثہ بن مالک

- رافع بن معلّٰی بن لوذان بن حارثہ

بنوعمرو بن خزرج بن نجار

- ابوایوب خالد بن زید انصاری

بنوعُسَیرہ (عُسَیر / عُشَیرہ) بن عبدعوف

- ثابت بن خالد بن نعمان

بنوعمرو بن عبدعوف بن غَنْم

- عُمارہ بن حَزْم بن زید بن لوذان
- سراقہ بن کعب بن عبدالعُزّٰی بن غزیہ

بنوعبید بن ثعلبہ بن غَنْم

- حارثہ بن نعمان بن زید
- سُلَیم بن قیس بن قہد

بنوعائذ بن ثعلبہ بن غَنْم

- سہیل بن رافع بن ابی عمرو بن عائذ
- عدی بن ابی الزغباء جہنی (حلیف)

بنوزید بن ثعلبہ بن غَنْم

- مسعود بن اوس بن زید بن اصرم بن زید
- ابوخزیمہ بن اوس بن زید بن اصرم بن زید
- رافع بن حارث بن سَواد بن زید

بنوسواد بن مالک بن غنم (بنوعفراء)

- عوف بن حارث بن رِفاعہ
- معوذ بن حارث بن رفاعہ
- معاذ بن حارث بن رِفاعہ
- نعمان بن عمرو بن رِفاعہ
- عامر بن مُخلَّد بن حارث
- عبداللہ بن قیس بن خالد بن خَلدَہ
- عُصَیمہ (عِصمہ) اشجعی (حلیف)
- ودیعہ بن عمرو جہنی (حلیف)
- ثابت بن عمرو بن زید بن عدی
- ابوحمراء (مولیٰ حارث بن عفراء)

بنوعامر بن مالک بن نجار

- ثعلبہ بن عمرو بن محصَن
- سہل بن عتیک بن عمرو بن نعمان
- حارث بن صِمّہ بن عمرو بن عتیک

بنومعاویہ بن عمرو بن مالک

- اُبَی بن کعب بن قیس
- انس بن معاذ بن انس بن قیس

بنوعدی بن عمرو بن مالک بن نجار

- اوس بن ثابت بن منذر بن حرام
- ابو شیخ اُبَی بن ثابت بن منذر بن حرام (ابوشیخ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔)

■ ابوطلحہ زید بن سہل بن اسود بن حرام

بنوعدی بن نجار

■ حارثہ بن سراقہ بن حارث بن عدی
■ عمرو بن ثعلبہ بن وہب بن عدی
■ سلیط بن قیس بن عمرو بن عتیک
■ ابوسلیط اُسَیْرہ بن عمرو (ابوخارجہ) بن قیس
■ ثابت بن خنساء بن عمرو بن مالک
■ عامر بن امیہ بن زید بن خُسْحاس
■ مُحرِز بن عامر بن مالک بن عدی
■ سواد بن غزیہ بن اہیب بلوی (حلیف)

بنوحرام بن جندب بن عامر

■ ابوزید قیس بن سَکَن بن قیس
■ ابوالاعور بن حارث بن ظالم
■ سُلَیم بن مِلحان (مالک) بن خالد
■ حرام بن مِلحان (مالک) بن خالد

بنو مازن بن نجار

■ قیس بن ابی صعصعہ عمرو بن زید بن عوف
■ عبداللہ بن کعب بن عمرو بن عوف
■ عُصَیمہ (عِصمہ) اسدی (حلیف)

بنوخنساء بن مبذول بن عمرو

■ ابوداود عمیر بن عامر بن مالک بن خنساء
■ سراقہ بن عمرو بن عطیہ بن خنساء

بنوثعلبہ بن مازن بن نجار

■ قیس بن مُخَلَّد بن ثعلبہ بن صخر

بنو دینار بن نجار

■ نعمان بن عبدعمرو بن مسعود
■ ضحاک بن عبدعمرو بن مسعود
■ سُلَیم بن حارث بن ثعلبہ
■ جابر بن خالد بن عبدالاشہل بن حارثہ
■ سعد بن سہیل بن عبدالاشہل بن حارثہ بن دینار

بنو قیس بن مالک بن کعب

- کعب بن زید بن قیس
- بجیر بن ابی بجیر عبسی (حلیف) [1]

اسیرانِ بدر جو مسلمان ہوئے

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اسیرانِ بدر سے بہت حسن سلوک سے پیش آتے تھے۔ ان قیدیوں میں کچھ خوش نصیب ایسے تھے جو اسلام کی تعلیمات اور صحابہ کرام کے اخلاقِ عالیہ سے متاثر ہو کر مسلمان ہوگئے۔ ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

عباس بن عبدالمطلب، عقیل بن ابی طالب، نوفل بن حارث، ابوالعاص بن ربیع، ابوعزیز زرارہ بن عمیر عبدری، سائب بن ابوحبیش، خالد بن ہشام مخزومی، عبداللہ بن ابوسائب، مطلب بن حنطب، ابووداعہ سہمی، عبداللہ بن اُبَیّ بن خلف جمحی، وہب بن عمیر جُمَحِی، سہیل بن عمرو عامری، عبداللہ بن زمعہ، قیس بن سائب، امیہ بن خلف کا غلام نسطاس رضی اللہ عنہم۔ سائب بن عبید رضی اللہ عنہ بدر کے دن فدیہ ادا کرنے کے بعد ہی مسلمان ہوگئے تھے۔ عدی بن خیار فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے۔ ولید بن ولید بن مغیرہ رضی اللہ عنہ کو ان کے بھائی ہشام اور خالد نے آزاد کرایا۔ جب ان کا فدیہ ادا کر دیا گیا تو انھوں نے اسلام قبول کرلیا۔ ان کے بھائیوں اور خاندان والوں نے انھیں اس کی پاداش میں سرزنش کی تو انھوں نے کہا: مجھے یہ گوارا نہ تھا کہ لوگ یہ سوچیں کہ میں قید سے عاجز آکر مسلمان ہوگیا ہوں۔ جب یہ مسلمان ہوئے تو ان کے ماموؤں نے انھیں قید کرلیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی رہائی کے لیے قنوت میں دعا کیا کرتے تھے، چنانچہ یہ آزاد ہو کر عمرۃ القضاء کے سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔ [2]

---

[1] السیرة لابن هشام: 2/678-707، غزوة بدر الکبرٰی لأبي فارس، ص: 66-89، أسدالغابة. [2] سبل الهدٰی والرشاد: 4/79,78، أسد الغابة: 2/270 و 4/318,317.

اصحاب بدر کی فضیلت

رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا:

«مَا تَعُدُّونَ أَهْلَ بَدْرٍ فِيكُمْ؟ قَالَ: مِنْ أَفْضَلِ الْمُسْلِمِينَ أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا، قَالَ: وَكَذٰلِكَ مَنْ شَهِدَ بَدْرًا مِّنَ الْمَلَائِكَةِ»

''آپ اہل بدر کو اپنے مابین کیسے سمجھتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمام مسلمانوں سے افضل۔ یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کی کوئی اور بات کہی۔ اس پر جبریل علیہ السلام نے کہا: فرشتوں میں سے بھی جو فرشتے بدر میں شریک ہوئے تھے، ان کا درجہ بھی اسی طرح ہے۔'' [1]

عبداللہ بن حارث کے آزاد کردہ غلام مِقْسَم سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سن کر بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (النسآء 95:4) ''ایمان والوں میں سے بیٹھے رہنے والے (جو کسی لحاظ سے معذور بھی نہیں اور ان کے مقابلے میں اللہ کے راستے میں اپنی جان اور مال کے ساتھ جہاد کرنے والے) برابر نہیں۔''

اس سے مراد وہ حضرات ہیں جو معرکۂ بدر میں شامل ہوئے اور وہ حضرات بھی جو معرکۂ بدر میں شامل نہیں ہوئے۔ [2]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے، ابومرثد اور زبیر رضی اللہ عنہما کو ایک مہم پر بھیجا۔ ہم سب شہسوار تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم لوگ سیدھے چلے جاؤ۔ جب تم روضۂ خاخ پر پہنچو تو وہاں تمھیں مشرکین کی ایک عورت ملے گی، اس کے پاس ایک خط ہے۔ یہ خط حاطب بن ابی بلتعہ نے مشرکین کی طرف بھیجا ہے۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس جگہ کا پتہ دیا تھا، ہم نے ٹھیک اسی جگہ ایک عورت کو اونٹ پر جاتے ہوئے پالیا۔ ہم نے اس سے کہا: تمھارے پاس ایک خط ہے، وہ ہمیں دے دو۔ وہ عورت کہنے لگی: میرے پاس تو کوئی خط نہیں۔

[1] صحيح البخاري: 3992. [2] صحيح البخاري: 3954.

ہم نے اونٹ کو بٹھا دیا۔ اس کی تلاشی لی، ہمیں کوئی خط نہیں ملا۔ ہم نے اُس عورت سے کہا: رسول اللہ ﷺ کی بات ہرگز غلط نہیں ہوسکتی۔ سیدھے سبھاؤ جلدی سے خط نکال دو ورنہ ہم تمھاری جامہ تلاشی لیں گے۔ جب اس نے ہمارا سخت رویہ دیکھا تو اپنا ہاتھ ازار بند کی طرف بڑھایا اور خط نکال کر ہمیں دے دیا۔ ہم وہ خط لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس (حاطب بن ابی بلتعہ) نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مسلمانوں سے خیانت کی ہے۔ اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس کی گردن ماردوں۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا؟ حاطب رضی اللہ عنہ بولے: اللہ کی قسم! اس کی یہ وجہ ہرگز نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول پر میرا ایمان باقی نہیں رہا بلکہ میرا مقصد صرف یہ تھا کہ قریش کے سر پر میرا احسان ہو جائے تاکہ وہ میرے (مکہ میں رہ جانے والے) اہل و عیال کی حفاظت کریں۔ آپ کے اصحاب میں جتنے بھی حضرات (مہاجرین) ہیں، ان سب کے قبیلے وہاں موجود ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے ان کے اہل وعیال کی حفاظت فرماتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''انھوں نے سچی بات کہہ دی ہے، تمھیں چاہیے کہ تم بھی ان کے متعلق بھلی بات ہی کہو۔'' عمر رضی اللہ عنہ نے پھر کہا: اس نے اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت کی ہے۔ آپ مجھے اجازت دیں، میں اس کی گردن ماردوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَيْسَ مِنْ أَهْلِ بَدْرٍ؟» فَقَالَ: «لَعَلَّ اللّٰهَ اطَّلَعَ عَلٰى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ: اِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ وَجَبَتْ لَكُمُ الْجَنَّةُ، أَوْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ»

''کیا یہ اہلِ بدر میں سے نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اہل بدر کے حالات پہلے ہی سے جانتا تھا اور وہ خود فرما چکا ہے: تم جو چاہو، کرو، تمھارے لیے جنت واجب ہوگئی۔ (یا فرمایا:) میں نے تمھیں معاف کر دیا ہے۔''

یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ گئیں۔ انھوں نے عرض کی: اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو زیادہ علم ہے۔[1]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا غلام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ان کی شکایت لے کر آیا اور کہنے لگا: اللہ کے رسول! حاطب یقیناً جہنم میں جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[1] صحيح البخاري: 3983، صحيح مسلم: 2494.

«كَذَبْتَ، لَا يَدْخُلُهَا، فَإِنَّهُ شَهِدَ بَدْرًا وَ الْحُدَيْبِيَةَ»

''تو نے غلط کہا ہے، وہ جہنم میں نہیں جائے گا کیونکہ وہ معرکۂ بدر اور حدیبیہ میں حاضر تھا۔'' [1]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری روایت میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَنْ يَدْخُلَ النَّارَ رَجُلٌ شَهِدَ بَدْرًا وَالْحُدَيْبِيَةَ»

''جو شخص بدر اور حدیبیہ میں حاضر ہوا وہ کبھی جہنم میں نہیں جائے گا۔'' [2]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ لَا يَدْخُلَ النَّارَ مَنْ شَهِدَ بَدْرًا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ»

''بلاشبہ مجھے امید ہے کہ جو شخص بدر میں حاضر ہوا، ان شاء اللہ وہ آگ میں نہیں جائے گا۔'' [3]

[1] صحيح مسلم: 2495. [2] مسند أحمد: 396/3، صحيح ابن حبان: 125/11. [3] مسند البزار: 211/15، حديث: 8619، البداية والنهاية: 330/3.

فتح بدر کے ظاہری اسباب

اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ معرکۂ بدر میں ٹکرانے والی دونوں جماعتوں میں آلاتِ حرب اور تعدادِ لشکر کے اعتبار سے کوئی برابری نہیں تھی۔ یہ غیر مساوی قوتوں کا مقابلہ تھا۔ مکی فوج کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی جو آلاتِ حرب سے لیس اور مادی وسائل سے مالا مال تھی جبکہ مدنی لشکر تین سو دس سے کچھ زیادہ جانبازوں پر مشتمل تھا۔ ان مفلوک الحال مسلمانوں کے لشکر کی حالت یہ تھی کہ اگر کسی کے پاس تیر تھا تو چلانے کو کمان نہیں تھی۔ تلوار تھی تو ڈھال نہیں تھی۔ یہ بے سروسامان مٹھی بھر جماعت جب مدینہ سے نکلی تو اس وقت اس کا مطلوب قریش مکہ کا شام سے آنے والا مال سے لدا پھندا قافلہ تھا۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ حضرات اس قدر خوفناک معرکے سے دوچار ہوں گے۔ اسلام کے ان شیروں کو اللہ تعالیٰ نے بے سروسامانی کے باوجود اپنی غیبی مدد سے نوازا اور انھیں فتح یاب فرمایا۔ یوں پورے عرب میں اسلام کی دھاک بیٹھ گئی۔

اگرچہ بدر کی عظیم الشان فتح میں اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال تھی، تاہم اس معرکے میں مسلمانوں کی فتحِ عظیم کے ظاہری اسباب درج ذیل ہیں:

مکی لشکر میں پھوٹ

بظاہر رؤسائے مکہ کی فوج اپنے تجارتی قافلے کو بچانے نکلی تھی مگر سردارانِ قریش دراصل اپنی چودھراہٹ اور برتری برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر محمد ﷺ نے ان کے تجارتی قافلے پر قبضہ کرلیا تو سارے عرب میں ان کا مذاق اُڑے گا اور وہ بہت عاجز و درماندہ شمار کیے جائیں گے۔ جب یہ لشکر میدان بدر سے 200 کلومیٹر پیچھے رابغ کے مقام پر پہنچا تو اطلاع ملی کہ قافلہ صحیح سلامت بچ نکلا ہے۔ یہ خبر پاتے ہی ان کے اندر پائے جانے والے غم و غصہ کے جذبات ماند پڑ گئے اور ان کا سارا جوش و خروش ٹھنڈا ہوگیا۔

مکی فوج کے سرداروں میں اس امر پر اختلاف رائے پیدا ہوگیا کہ مدنی لشکر سے ٹکر لیے بغیر ہمیں واپس چلے جانا چاہیے یا آگے بڑھ کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ اخنس بن شریق نے یہ رائے پیش کی کہ ہمارا قافلہ بچ نکلا

ہے، اس لیے اب مدنی لشکر سے لڑنے کا کوئی جواز نہیں لیکن ابوجہل اور اس کے حلیفوں نے اس کی بات پر کان نہ دھرے۔ اس پر اخنس اپنے ساتھیوں کو لے کر رابغ سے مکہ واپس چلا گیا۔

میدان بدر میں عتبہ نے یہ رائے پیش کی کہ ایک ہی خاندان کے لوگوں کا آپس میں بلا جواز ٹکراؤ صحیح بات نہیں لیکن دیگر سرداروں کی رعونت سنجیدگی اور عقل مندی پر غالب آگئی اور ان کی اکثریت نے اپنی خواہشات کے خلاف اس جنگ میں حصہ لیا یا کم از کم وہ اس جنگ میں شرکت کے لیے پر جوش نہیں تھے۔ یہ امر جنگ میں کفار کی فوری شکست کا ایک سبب بن گیا۔

لشکرِ قریش کی کم ہمتی اور فاسد ارادے

جنگ خوشگوار چیز نہیں۔ ہر زمانے اور ہر مقام پر جنگیں نفوس انسانی کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ امور میں سے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ کا ایک نام ''کریہہ'' (ناپسندیدہ بات) بھی ہے۔ رؤسائے قریش کی سرکشی، تکبر اور فخر و مباہات انھیں میدانِ جنگ میں لے آئے جبکہ عام لشکری لڑنے کے جذبے سے عاری تھے۔ مشرکین کے ارادوں کا نقطۂ عروج بس یہ تھا کہ وہ گوشت کھائیں گے، شرابیں پئیں گے اور طوائفیں رقص کریں گی۔ اہل عرب ہمارے اس کارنامے کو سنیں گے تو سارے عرب میں ہماری دھاک بیٹھ جائے گی۔

مسلمانوں کا جذبۂ ایمانی

رسول اللہ ﷺ نے جب انصار و مہاجرین سے مشورہ لیا تو سب نے کمال ایمانی پختگی کا مظاہرہ کیا۔ انھیں علم تھا کہ قریش تیاری اور تعداد دونوں لحاظ سے ان سے برتر ہیں لیکن ان جانبازوں نے آخر دم تک ثابت قدم رہنے کا عزم و اعلان کیا۔ انھوں نے اس معرکے میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے طلبگار بن کر حصہ لیا۔ وہ اس یقین کے ساتھ

وادی رابغ

معرکہ آرا ہوئے کہ انھیں فتح حاصل ہوگی یا شہادت سے سرفراز ہوں گے اور شہادت وہ اعزازِ عظیم ہے جسے پانے والا جنت میں ایسی اعلیٰ زندگی بسر کرے گا جو دنیوی زندگی سے بہر حال افضل ہے۔

اہلِ اسلام کا بلند مورال

بلاشبہ ہر دور میں فوجیوں کا مورال بلند کرنے کا ایک اہم ذریعہ یہ ہے کہ ان میں یقینی فتح اور کامیابی کے حصول کے جذبات بیدار کیے جائیں۔ حصولِ فتح کے یقین کے بغیر جنگ میں کامیابی کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔ مورال کی بلندی کے لیے پختہ عقیدہ ضروری ہے۔ ہر چند مسلمان دشمن کے مقابلے میں تھوڑے تھے مگر وہ مضبوط اسلامی عقیدے کے حامل تھے، لہٰذا کامیابی نے ان کے قدم چومے۔

اسلامی لشکر کی واحد کمان

نبیِ کریم ﷺ مدنی لشکر کے سالارِ اعلیٰ تھے اور مسلمان جنگ میں ایک کمان کے تحت پوری حربی اسکیم کے ساتھ حصہ لے رہے تھے۔ آپ ﷺ نے جنگ کے فیصلہ کن مراحل میں فیصلہ کن ہدایات صادر فرمائیں جو اہلِ اسلام کی کامیابی کی ضمانت بن گئیں۔

عسکرِ اسلام کا مثالی نظم و ضبط

مسلمانوں کا نظم و ضبط مثالی تھا۔ فاتح لشکر کی اصل بنیاد نظم و ضبط ہے جو اسلامی لشکر میں بدرجہ اتم موجود تھا۔ مجاہدینِ اسلام اپنے سالارِ اعظم کے احکام کو بڑے شوق، کامل رازداری اور نہایت خوشدلی سے بروئے کار لاتے تھے۔

نبی ﷺ کی بے مثال شجاعت

رسول اللہ ﷺ نے مصائب میں اعصاب پر قابو رکھا اور جنگ میں نادر شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ آپ بہ نفسِ نفیس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے شانہ بشانہ رہے اور ان سے ہر کام میں مشورہ لیا۔ یہ مثالی سالار کی اعلیٰ صفات کا بڑا درخشاں مظاہرہ ہے۔ نبیِ کریم ﷺ کے لیے اونچی جگہ پر چھپر کی شکل میں کنٹرول روم بنایا گیا جہاں سے آپ پورے میدان کا منظر دیکھ رہے تھے اور اپنی قیادت کی اعلیٰ خوبیوں کے ساتھ لشکر کی کمان کر رہے تھے۔

قریش کی کمزور فوجی کمان

مشرکین کی عام کمان ہی نہیں تھی۔ مکہ کے اکثر سردار فوج کے ساتھ تھے۔ ابوجہل اور عتبہ بن ربیعہ سالاروں میں سب سے نمایاں تھے۔ ان میں گروہی عداوت موجود تھی اور ان کے نقطۂ نظر میں بھی اختلاف تھا، چنانچہ عتبہ تو پہلے

ہی ہلے میں مارا گیا۔ ابوجہل طاقت کے نشے میں چور تھا، اس لیے مکی فوج نے غیر منظم صورت میں کسی باصلاحیت کمان اور تنظیم کے بغیر جنگ لڑی۔

جنگ کا جدید اسلوب

رسول اللہ ﷺ نے بدر کے نزدیک پہنچ کر لشکر کی نئے انداز میں تنظیم کی جو صحرائی جنگ کی جدید ترین تکنیک سے مختلف نہ تھی۔ اس کا ہراول، قلب اور عقب بھی تھا۔ آپ نے جاسوسوں کے ذریعے سے بھی اطلاعات حاصل کیں۔ مسلمان صفوں کی صورت میں لڑے جبکہ مشرکین کروفر کے طریقے (حملہ کرو اور بھاگ جاؤ) سے برسر پیکار رہے۔ یہاں ان دونوں طریقوں کا فرق بیان کرنا ضروری ہے۔ کروفر کا طریقہ یہ ہے کہ جانباز پوری قوت سے مدمقابل پر حملہ آور ہوتے ہیں جن میں تیرانداز، شمشیرزن، نیزہ باز، پیادہ اور سوار بھی شامل ہوتے ہیں۔ اگر دشمن ان پر چڑھ آئے اور وہ کمزوری محسوس کریں تو یہ لوگ پیچھے ہٹ جاتے ہیں، پھر دوبارہ منظم ہوکر دھاوا بولتے ہیں۔ وہ اسی طرح حملہ کرتے اور پیچھے ہٹتے رہتے ہیں یہاں تک کہ انھیں فتح یا شکست ہو جائے۔

صف بندی کا طریقہ یہ ہے کہ جانبازوں کو تعداد کے مطابق دو یا تین یا اس سے زیادہ صفوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ سواروں کا حملہ روکنے کے لیے پہلی صفوں میں نیزوں سے مسلح فوجی ہوتے ہیں اور بعد کی صفوں میں تیروں سے مسلح سپاہی ہوتے ہیں تاکہ دشمن کے حملہ آوروں کی مزاحمت کرسکیں۔ تمام صفیں اپنی اپنی جگہوں پر اپنے سالار کے ماتحت ہوتی ہیں یہاں تک کہ کروفر کے طریقے سے حملہ کرنے والوں کا زور ٹوٹ جائے، اس وقت صفیں باری باری حملہ کرتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صفوں کا اسلوب کروفر کے اسلوب پر فوقیت رکھتا ہے کیونکہ وہ اپنی قوت کا دفاع کرتا ہے اور مناسب وقت پر پوری قوت سے دشمن پر دھاوا بولتا ہے اور وہ ہمیشہ سالار کے کنٹرول میں رہتا ہے۔ وہ دشمن کے غیر متوقع حملوں کو روکتا ہے۔ اپنے دائیں بائیں کے ان فوجیوں کو بچاتا ہے جنھیں دشمن اپنے سواروں یا پیادوں کے ذریعے سے خوفزدہ کرتا ہے، پھر ضرورت کے وقت پچھلی صفوں سے کامیابی حاصل کرتا ہے۔

معرکۂ بدر میں رسول اللہ ﷺ کا اندازِ صف بندی اختیار کرنا فتح کے اہم اسباب میں سے تھا۔ عسکری تاریخ بتاتی ہے کہ قدیم زمانے کے عظیم سالاروں سکندر، ہنی بال اور جدید زمانے کے سالاروں نپولین، مولٹکے، رومیل اور رچرڈ وغیرہ کو اسی لیے فتوحات نصیب ہوئیں کہ انھوں نے جنگ میں غیر معروف جدید اسالیبِ حرب پر عمل کیا یا غیر معروف جدید ہتھیاروں سے جنگ کی۔[1]

[1] دیکھیے: موسوعة الغزوات الكبرى: 1/159-164، غزوة بدر الكبرى لأبي فارس، ص: 35-46.

فتحِ بدر کے اثرات و نتائج

عرب میں مسلمانوں کا رعب و دبدبہ

غزوۂ بدر کا یہ نتیجہ نکلا کہ کفارِ عرب پر مسلمانوں کا رعب و دبدبہ بیٹھ گیا۔ مدینہ منورہ اور اس کے گرد و نواح کے لوگ سہم گئے۔ مدینہ منورہ یا مسلمانوں پر حملے کا پروگرام بنانے والے کفار رُک گئے۔ مدینے میں رسول اللہ ﷺ کی عظمت کا پھریرا لہرانے لگا اور ہر سو اسلام کا بول بالا ہوا۔

منافقین کا ظہور

اسلامی تحریک کے متعلق شک و شبہ میں مبتلا رہنے والے کفار و مشرکین اسلام کے خلاف اپنی دشمنی اور اظہارِ کفر کی جرأت سے باز آ گئے، تاہم مدینہ میں ایک گروہ نے نفاق، دھوکے اور مکاری کا سہارا لیا۔ ان میں عبداللہ بن ابی خزرج قبیلے کا سردار بھی تھا۔ نبی ﷺ کی آمدِ مدینہ سے قبل اس کے سر پر تاجِ سرداری رکھا ہی جانے والا تھا کہ آپ ﷺ تشریف لے آئے اور اس کی سرداری جاتی رہی۔ اس وجہ سے اس کے دل میں بڑا کینہ تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ اب میری دال نہیں گلے گی تو اس نے بظاہر کلمہ پڑھ لیا اور مسلمانوں میں شمار ہونے لگا۔ منافق لوگ جب مسلمانوں کی جماعت میں بیٹھتے تھے تو اسلام کی حمایت کا کھوکھلا دعویٰ کرتے تھے اور جب کفار کے ساتھ ہوتے تو ان پر دل و جان نچھاور کرتے تھے۔ یہ نہ تو مسلمان تھے کہ اسلام میں مخلص ہوں، نہ کافر تھے کہ ان کا کفر و عداوت صاف نظر آئے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝﴾

”وہ کفر و ایمان کے درمیان ڈانواں ڈول ہیں، نہ (پورے) اس طرف اور نہ اُس طرف اور (اے نبی!) جس کو اللہ گمراہ کر دے، آپ اس کے لیے ہرگز کوئی راہ نہیں پائیں گے۔“[1]

[1] النسآء 143:4.


بنو قینقاع کا علاقہ


مسجد بنو قریظہ

یہود کی نئی سازشیں

مخالفینِ اسلام کے گروہ میں کچھ یہودی بھی شامل ہوگئے۔ وہ ہر وقت اسلام اور نبیِ اسلام کو نقصان پہنچانے کی مذموم تدابیر سوچنے لگے اور مسلمانوں کو زِک دینے کے لیے نت نئی سازشیں کرنے لگے۔ اس کے برعکس یہودی قبائل بنو قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو مصطلق کے کچھ ایسے خوش بخت افراد بھی تھے جو قوم کی عصبیت کا آہنی خول توڑنے میں کامیاب ہوگئے اور انھوں نے صدقِ دل سے اسلام قبول کرلیا۔

مسلمانوں کی قوت میں اضافہ

جنگ بدر کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ مسلمانوں کے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان میں مزید پختگی پیدا ہوگئی۔ انھیں ہر لحاظ سے استحکام ملا اور ان کی قوت میں اضافہ ہوا۔ قریش کے کئی سرداروں نے اسلام قبول کیا جس سے مکہ میں موجود کمزور مسلمانوں کو حوصلہ اور ولولہ نصیب ہوا۔ مزید یہ کہ مسلمانوں کو جنگی مہارت حاصل ہوئی۔ پورے عرب میں مسلمانوں کا چرچا ہونے لگا۔ وہ بلادِ عرب میں ایک نمایاں اور نامور قوت بن کر ابھرے تھے جو قریش ہی نہیں بلکہ تمام غیر مسلم قبائل کی چودھراہٹ کو چیلنج کرسکتے تھے۔

قریش کا اقتصادی نقصان

قریش کو اس جنگ سے اتنا نقصان ہوا کہ ان کی کمر ٹوٹ گئی۔ ابوجہل، عتبہ بن ربیعہ، امیہ بن خلف وغیرہ جو کفر کے سرغنے اور بہادری میں اپنی مثال آپ تھے، ان کا قتل ہوجانا صرف جنگی خسارہ نہ تھا بلکہ معنوی لحاظ سے بھی بہت بڑا گھاٹا تھا۔ وہ اس طرح کہ مدینہ منورہ کی نئی صورتِ حال سے نہ صرف قریش کی تجارت کو خطرہ لاحق تھا بلکہ انھیں پورے حجاز میں اپنا اثر و رسوخ بچانے کی فکر لاحق ہوگئی۔[1]

[1] دیکھیے: السيرة النبوية للصلابي: 25,24/2.

غزوۂ بدر سے حاصل ہونے والے اسباق پر قرآن کا تبصرہ

مدد درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے

بدر میں مسلمانوں کی شاندار کامیابی کا سب سے اہم سبب اللہ تعالیٰ کی نصرت غیبی تھی۔ اس نے اپنے بندوں کے دلوں پر طمانیت طاری کر کے انھیں ثابت قدم رکھا اور فرشتوں کے ذریعے سے ان کی مدد کی۔ ارشادِ باری ہے:

﴿وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَىِٕنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝﴾

''اور اللہ نے اسے (تمھارے لیے) خوشخبری بنا دیا تاکہ اس سے تمھارے دلوں کو تسلی ہو اور مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ بے شک اللہ بہت زبردست (اور) نہایت حکمت والا ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں واضح فرما دیا کہ مدد صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور سے مدد حاصل کرنا ناممکن ہے۔

اس آیت میں مسلمانوں کو یہ عقیدہ بھی سمجھایا گیا ہے کہ انھیں صرف اللہ تعالیٰ ہی پر اعتماد کرنا چاہیے۔ اپنے تمام تر معاملات اسی کے سپرد کرنے چاہئیں۔ مسلمانوں کے لیے اسباب اختیار کرنا ضروری ہے لیکن اس سے بھی زیادہ ضروری یہ ہے کہ وہ ان اسباب سے دھوکا نہ کھائیں بلکہ صرف مسبب الاسباب پر بھروسا رکھیں کیونکہ صرف وہی ہے جو اپنی توفیق سے مدد فرماتا ہے۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر فضل و کرم کی بارش کا تذکرہ فرمایا اور یہ بات واضح کی کہ بدر کے دن ان کی مدد، مشرکین کا قتل اور آپ ﷺ کا مشرکین پر مٹی پھینکنا، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی توفیق، فضل اور اُسی کی نصرت سے تھا۔

مسلمانوں پر اونگھ کا غلبہ

اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن مسلمانوں پر اونگھ طاری کر دی تاکہ ان کا خوف دور ہو جائے اور وہ دشمن کی کثرت اور

[1] الأنفال 8:10.

اپنی قلت سے ہراساں نہ ہوں۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ﴾

”(یاد کرو) جب اس نے تمھیں اپنی طرف سے امن وسکون دینے کے لیے تم پر اونگھ طاری کر رکھی تھی۔“ [1]

اللہ تعالیٰ کا کافروں کو قتل کرنا اور ان پر مٹی پھینکنا

اللہ تعالیٰ نے صراحت سے بیان فرما دیا ہے کہ وہ اپنے بندوں کے افعال کا خالق ہے، اس لیے بندوں سے صادر ہونے والے تمام اچھے کاموں کی ستائش کا اصل حقدار بھی وہی ہے کیونکہ اسی نے اپنے بندوں کو ان کاموں کی توفیق دی اور ان کی اعانت فرمائی، اس لیے اس نے ارشاد فرمایا:

﴿فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ ۚ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ○﴾

”چنانچہ تم نے انھیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ ہی نے انھیں قتل کیا اور (اے نبی!) جب آپ نے (مٹھی بھر خاک ان کی طرف) پھینکی تو وہ آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ ہی نے پھینکی تاکہ وہ مومنوں کو اپنی طرف سے اچھے انعام سے نوازے، بے شک اللہ خوب سننے والا (اور) خوب جاننے والا ہے۔“ [2]

اللہ تعالیٰ نے جب یہ واضح فرما دیا کہ نصرت و مدد اسی کی طرف سے تھی تو پھر اس مدد کی حکمتیں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنقَلِبُوا خَائِبِينَ ○ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ○﴾

”تاکہ وہ (اللہ) کافروں کے ایک گروہ کو ہلاک کر دے یا انھیں ذلیل کر دے، پھر وہ نامراد ہو کر لوٹ جائیں، (اے نبی!) آپ کا اس معاملے میں کچھ اختیار نہیں، اللہ چاہے تو ان کی توبہ قبول کرے، چاہے تو انھیں عذاب دے کیوں کہ وہ ظالم ہیں۔“ [3]

مسلمانوں کی کمزوری و ناتوانی کو قوت و نصرت سے بدل دیا گیا

اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو اپنا یہ احسان یاد دلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قلتِ تعداد کو کثرت سے بدل

---

[1] الأنفال 11:8. [2] الأنفال 17:8. [3] آل عمرٰن 3:127،128.

دیا۔ کمزوری اور خوف کو قوت و نصرت سے بدل دیا۔ ان کے فقر اور تنگ دستی کو ختم کر کے انھیں پاکیزہ چیزوں کا رزق عطا فرمایا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا کہ وہ اس کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کریں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝﴾

''اور یاد کرو جب تم بہت تھوڑے تھے، زمین میں کمزور سمجھے جاتے تھے، تم اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ تمھیں اچک (نہ) لے جائیں تو اللہ نے تمھیں ٹھکانہ دیا اور اپنی نصرت کے ساتھ تمھاری تائید کی اور تمھیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا تاکہ تم (اس کا) شکر کرو۔''[1]

یہ مومنوں کے مکہ میں قیام کی طرف اشارہ ہے کہ وہ مکی دور میں بہت قلیل تعداد میں تھے۔ چھپ چھپ کر احکامِ دین کے مطابق عمل کرتے تھے اور مغلوب و مقہور ہونے کی وجہ سے ڈرتے تھے مبادا مشرکین انھیں اڑا لے جائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ہجرت مدینہ کی اجازت دی اور انھیں وہاں ٹھکانہ دیا اور وہاں کے باشندوں کو ان کی مدد کرنے کی توفیق عطا فرما دی۔ انھوں نے مسلمانوں کو جگہ بھی دی، بدر کے دن ان کی مدد بھی کی اور دوسرے مواقع پر بھی ان کے شانہ بہ شانہ رہے۔ ان کے لیے مالی ایثار بھی کیا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں اپنی جان تک کھپا دی۔

یوم الفرقان

بدر کے دن کا نام یوم الفرقان (فیصلہ کن دن) رکھا گیا۔ مسلمانوں کی زندگی میں اس دن کو اس نام سے موسوم کرنے کی ایک خاص اہمیت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۝﴾

''اور (اے مسلمانو!) تم جان لو کہ تم جو کچھ بھی مال غنیمت حاصل کرو، اس میں سے پانچواں حصہ یقیناً اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے اور (اس کے) رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔ اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو اور اس پر جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلے کے دن نازل فرمایا جس دن دو فوجوں

[1] الأنفال 26:8.

میں ٹکراؤ ہوا تھا اور اللہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھتا ہے۔''[1]

اس آیت میں مالِ غنیمت کی تقسیم کا طریقہ کار بیان کرتے ہوئے اس دن کو یوم الفرقان قرار دیا گیا ہے۔ اس کے متعلق سید قطب لکھتے ہیں: ''غزوۂ بدر کی ابتدا اور انتہا اللہ تعالیٰ کی تدبیر، رہنمائی، نگرانی اور مدد سے ہوئی۔ یہ معرکہ حق و باطل میں فرق کر دینے والا تھا جیسا کہ بالعموم مفسرین نے اجمالی طور پر بیان کیا ہے، نیز یہاں فرقان اس عمومی معنی سے زیادہ وسیع، جامع مفہوم، زیادہ لطیف اور زیادہ گہرائی کا حامل ہے۔

یہ معرکہ عملاً حق و باطل میں فرق کر دینے والا تھا مگر اس معرکے نے اس حق کو باطل سے ممتاز کیا جو حقیقی اور بنیادی طور پر حق ہے جس پر آسمان و زمین قائم ہیں اور جو ہر ذی روح اور دیگر اشیاء کی بنیاد ہے۔

غزوۂ بدر اپنی تمام تر گہرائیوں اور درازیوں کے ساتھ حق و باطل کے درمیان ''فرقان'' ہے۔ یہ معرکہ ضمیر و شعور کی اتھاہ گہرائیوں، توحید کی تمام حقیقی صورتوں، شعور کی بالیدگی، خالق و مخلوق اور خالق کی بندگی کے ساتھ ساتھ شرک کی تمام غیر حقیقی علامتوں اور صورتوں، خواہشات پرستی، بندوں اور ضمیر کی غلامی، معمولات، علامات اور شعائر کے مقابلے میں رسوم و رواج کے درمیان حق و باطل کی واضح تمیز کرنے والا تھا۔

یہ فرقان تھا شخصی غلامی، خواہش پرستی، رسوم پرستی، خودساختہ قوانین و عادات میں اور ان تمام امور میں جو اس اللہ کے لیے خالص ہیں جس کے علاوہ کوئی معبود اور حاکم و شارع نہیں ہے۔ اس دن وہ سربلند و بالا ہوگئے جو کبھی غیر اللہ کے لیے نہیں جھکتے تھے۔ اس دن وہ سرِ قدر و قیمت والے ہوگئے جو اللہ تعالیٰ کی حاکمیت و قانون کے علاوہ کسی کے لیے کبھی پست نہیں ہوئے۔ انسانوں کے وہ گروہ جو شیاطین نے غلام بنا رکھے تھے، اس دن آزاد ہوگئے۔ اسی لیے یہ فیصلہ کن دن تھا۔''[2]

سید صاحب مزید لکھتے ہیں: ''بلاشبہ غزوۂ بدر ایک اور انداز سے بھی فرقان تھا جس کا اشارہ اس آیت سے ملتا ہے:

﴿وَ اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآىِٕفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبٰطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝﴾

''اور جب اللہ تم سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کر رہا تھا کہ یقیناً وہ تمھارے لیے ہے۔ اور تم چاہتے تھے کہ جو غیر مسلح (تجارتی قافلہ) ہے، وہی تمھارے ہاتھ لگے اور اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ وہ اپنے فرامین کے

[1] الأنفال 41:8. [2] في ظلال القرآن، الأنفال 41:8.

ساتھ حق کو ثابت کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ وہ حق کو حق کر دکھائے اور باطل کو باطل کر دکھائے اگر چہ مجرم لوگ ناپسند ہی کریں۔''[1]

جو مسلمان معرکہ آرائی کے لیے گئے، وہ درحقیقت ابوسفیان کے تجارتی قافلے ہی کے لیے گئے تھے مگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ تھا کہ ابوسفیان کا غیر مسلح تجارتی قافلہ صاف نکل جائے اور ابوجہل کی قیادت والے مسلح لشکر سے مڈبھیڑ ہو تاکہ جنگ، قتل اور قیدی بنانے کا عمل ظہور میں آئے، نہ کہ قافلے کو قبضے میں لے کر مالِ غنیمت کے ساتھ پُر امن سفر پر اکتفا کیا جائے، چنانچہ بمصداق ارشادِ باری تعالیٰ یہی صورت ظہور پذیر ہوئی: ﴿لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ﴾ ''تاکہ اللہ سچ کو سچ اور باطل کو جھوٹا کر دے۔''

بلاشبہ میدانِ بدر میں حق اجاگر ہوا اور باطل غلط قرار پایا۔ اس اعتبار سے یہ عملی و فعلی مدد واقعی حق و باطل میں فرقان و فیصل تھی جس کی طرف فرمانِ الٰہی نے اس واقعے کا مقصد بیان کرتے ہوئے اشارہ کیا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کو گھر سے حق کے ساتھ نکالنے، قافلہ بچائے جانے اور لشکر سے ٹکراؤ کرانے میں یہی حکمت بیان کی گئی ہے۔

یہی فرقان ہے جس کی ضرورت ہم آج محسوس کر رہے ہیں۔ مسلمان کہلوانے والوں کے دلوں میں آج اس کے اصل مفہوم کو پارہ پارہ کر دیا گیا ہے۔ اس سے بھی بڑی آفت یہ ہے کہ دین کی طرف بلانے والوں کے ذہن بھی معاشرتی بہاؤ کی نذر ہو گئے ہیں۔ بدر کا دن انھی گونا گوں، متنوع، عمیق اور پھیلے ہوئے مفاہیم کے اعتبار سے یوم الفرقان تھا۔ ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ''اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' اس دن اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی ایک جھلک نمودار ہوئی تھی جس میں اس کے ساتھ نہ کوئی جھگڑا کھڑا کرنے والا تھا، نہ شک و شبہ میں پڑنے والا تھا۔ ایسی جھلک جس کا سب نے کھلی آنکھوں مشاہدہ کیا اور اس کی ''قدرتِ الٰہی'' کی اس تعبیر و تفسیر کے علاوہ اور کوئی تعبیر و تفسیر نہیں تھی۔''[2]

[1] الأنفال 8،7:8. [2] في ظلال القرآن، الأنفال 41:8.

تفصیل حواشی سیرت انسائیکلوپیڈیا

(جلد5)

اعلام

ابورہم کلثوم بن حصین رضی اللہ عنہ: سیدنا ابورہم کلثوم بن حصین بن عبید بن خلف بن بدر غفاری رضی اللہ عنہ اپنی کنیت کے حوالے سے زیادہ مشہور تھے۔ نبی ﷺ کی ہجرت مدینہ کے بعد اسلام قبول کیا۔ غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہوئے۔ غزوۂ احد میں شرکت کی۔ حدیبیہ کے مقام پر درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں میں یہ بھی شامل تھے۔ نبی ﷺ نے انھیں دو مرتبہ مدینہ میں نائب مقرر کیا۔ ایک مرتبہ عمرۃ القضاء کے موقع پر اور دوسری دفعہ فتح مکہ والے سال، جب آپ ﷺ نے مکہ، طائف اور حنین پر چڑھائی کی، اس وقت یہ مدینہ میں تھے۔ (أسد الغابة: 541/3)

امام ابوعبداللہ الحلیمی (338-403ھ/0000-0000ء): ابوعبداللہ حسین بن حسن بن محمد بن حلیم، حلیمی اپنے دادا کی طرف نسبت ہے، بخاری میں پیدا ہوئے، اپنے زمانے کے بڑے امام تھے۔ امام حاکم نیشاپوری ان کے بارے میں کہتے ہیں: ابوعبداللہ فقہ اور قضا کے ماہر تھے۔ ماوراء النہر کے شافعیوں کے بڑے علماء میں سے تھے۔ 377ھ میں حج کے سفر کے دوران نیشاپور بھی ٹھہرے، وہاں حدیث روایت کی، خراسان میں جج کے منصب پر فائز رہے۔ (طبقات الشافعية الكبرىٰ: 333/4)

امام سرخسی رحمہ اللہ (م: 483ھ/1090ء): ابوبکر محمد بن احمد بن ابوسہل سرخسی رحمہ اللہ کبار فقہائے احناف میں سے ہیں۔ یہ بہت بڑے عالم، اصولی اور مناظر تھے۔ عبدالعزیز حلوانی سے علم حاصل کیا۔ تبلیغ دین کی خاطر قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ انھوں نے اپنا عظیم علمی شاہکار چودہ جلدوں پر مشتمل کتاب المبسوط حالتِ قید ہی میں لکھی۔ آخر عمر میں جیل سے رہائی ملی۔ رہا ہونے کے بعد وہ اوزجند سے فرغانہ چلے گئے۔ وہاں امیر حسن نے انھیں اپنی رہائش گاہ میں جگہ دی۔ تشنگانِ علم کو خبر ہوئی تو طالبانِ علم کا تانتا بندھ گیا۔ المبسوط اور شرح السير الكبير ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ (تاج التراجم لابن قطلوبغا: 234/1)

سباع بن عرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ: سیدنا سباع بن عرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ مشہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔ جب نبی کریم ﷺ غزوۂ خیبر اور غزوۂ دومۃ الجندل کے لیے نکلے تو انھیں مدینہ میں نائب مقرر فرمایا۔ (أسد الغابة: 275,274/2)

عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ: سیدنا عمرو بن حزم بن زید بن لوذان بن عمرو نجاری رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں۔ قبول اسلام کے بعد سب سے پہلے یہ غزوۂ خندق میں شریک ہوئے۔ جب نبی کریم ﷺ نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو نجران بھیجا اور اہل نجران نے اسلام قبول کرلیا تو آپ ﷺ نے سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو اہل نجران کی طرف گورنر بنا کر بھیجا اور انھیں ایک صحیفے میں فرائض (وراثت)،

سنن، صدقات اور دیت کے مسائل بھی لکھ کر دیے۔ اس وقت ان کی عمر سترہ (17) برس تھی۔ (أسد الغابة: 365/3)

اماکن

ذی المروہ: جہاں وادی الجزل وادی إضم (وادی الحمض) سے ملتی ہے، اس کے پاس ذی المروہ واقع ہے۔ آج بھی یہ اسی نام سے معروف ہے۔ مدینہ سے اس کا فاصلہ تقریباً 200 کلومیٹر ہے۔ (أطلس المملكة العربية السعودية، ص: 190، معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 290) یہیں ذی المروہ کے مال پر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور والیٔ مدینہ ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کے مابین جھگڑا ہوا۔ (السيرة لابن هشام: 135/1)

بلکثہ: یہ وادی إضم میں ذی المروہ کے بالائی جانب واقع ہے۔ (معجم البلدان: 478/1 و 489)

الظبیہ: یہ مقام وادی قُدیر (ستارہ) پر جدید مکہ مدینہ شاہراہ کے جنوب میں واقع ہے۔ یہ البریکہ کے شمال مشرق میں تقریباً 10 کلومیٹر دور ہے۔ (أطلس المملكة العربية السعودية، ص: 192)

صُفَینہ: یہ قصبہ دیار بنی سُلیم میں طریق الزبیدیہ (درب زبیدہ) پر واقع ہے۔ یہ معدن بنی سُلیم (مہد الذہب) کے جنوب مشرق میں تقریباً 50 کلومیٹر دور ہے۔ (معجم البلدان، مادة: صفينة، أطلس المملكة العربية السعوديه، ص: 193)

عیص: یہ قصبہ ینبع سے تقریباً 110 کلومیٹر شمال میں وادی العیص کے کنارے واقع ہے جو شمال مشرق میں وادی الحمض (وادی إضم) سے جا ملتی ہے۔ مدینہ سے عیص کا سیدھا فاصلہ تقریباً 165 کلومیٹر ہے۔ عیص سے مغرب میں تقریباً 85 کلومیٹر دور ساحل بحر پر املج واقع ہے۔ (أطلس المملكة العربية السعودية، ص: 190)

سَفْوان: ان دنوں سفوان کے نام سے کوئی آگاہ نہیں، البتہ یہاں سَفَا نامی وادی مدینہ اور بدر کے وسط میں واقع ہے۔ یہ روحاء کے قریب ہے۔ (معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 159,158)

ذوالعُشیرہ: ینبع اور مصری حجاج کے راستے میں واقع ذی المروہ کے مابین ایک چھوٹا سا قلعہ ذوالعشیرہ کہلاتا ہے جو عمدہ کھجوروں کے لیے مشہور ہے۔ (معجم البلدان، مادة: ذوالعشيرة) ذوالعشیرہ بستی اب موجود نہیں، البتہ اس مقام کے قریب عین البرکہ (غالباً موجودہ العیین) واقع ہے۔ (أطلس الحديث النبوي، ص: 270)

بطن نخلہ: نخلہ نامی دو وادیاں ہیں: نخلہ شامیہ اور نخلہ یمانیہ۔ زیر نظر روایت میں نخلہ یمانیہ مراد ہے۔ مکہ سے طائف کا قدیم راستہ یہیں سے گزرتا ہے۔ یہ وادیاں طائف کے مغرب میں جبل السراۃ سے نکلتی ہیں۔ پھر شمال اور مغرب کو بہتی ہوئی بستان ابن معمر کے پاس باہم مل جاتی ہیں جسے وادی مرالظہران کہا جاتا ہے۔ (معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 318,317)

متفرقات

الشجرۃ: ذوالحلیفہ میں ایک درخت تھا۔ یہاں سے رسول اللہ ﷺ احرام باندھتے تھے۔ اسی مقام پر اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے محمد بن ابوبکر کو جنم دیا تھا۔ یہ مدینہ منورہ سے چھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ (معجم البلدان، مادة: الشجرة، كتاب المناسك و أماكن طرق الحج و معالم الجزيرة لمحمد الجاسر، ص: 688)

یزن: یمن کی ایک وادی سے منسوب نیزے یزنی کہلاتے تھے۔



سیرت انسائیکلوپیڈیا

رہبر انسانیت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے ''اسوۂ حسنہ'' ہیں۔ آپ ﷺ کی اتباع کیے بغیر دنیا و آخرت میں کوئی کامیابی نصیب نہیں ہو سکتی، اسی لیے آپ ﷺ کی ذات بابرکات اور عظیم کارناموں پر سب سے زیادہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ کتب سیرت کے اس ہجومِ نجوم میں دارالسلام کا زیرِ نظر سیرت انسائیکلوپیڈیا ''اللؤلؤ المکنون'' اپنی نوعیت کا نہایت منور، منفرد اور ممتاز علمی و تحقیقی ارمغانِ عقیدت ہے۔ ان شاء اللہ آپ کو اس کے مطالعے سے رسالت مآب ﷺ کی مقدس زندگی کے ہر گوشے کے بارے میں علم و بصیرت کی بھرپور روشنی ملے گی۔

یہ سیرت انسائیکلوپیڈیا کے حسین و جمیل سلسلے کی پانچویں جلد ہے۔ اس میں آپ یہ خرد افروز منظر دیکھیں گے کہ کس طرح رسول اللہ ﷺ نے عدیم النظیر حکمت و سیاست سے کام لیتے ہوئے مہاجرین و انصار کے ساتھ یہود کو میثاقِ مدینہ میں شامل کر کے اولین اسلامی ریاست کی داغ بیل ڈالی۔ اس جلد میں یہود مدینہ کا وہ سفاکانہ کردار بھی نظر آئے گا جو انھوں نے محسن انسانیت ﷺ کو دعوتِ حق سے روکنے کے لیے قدم قدم پر روا رکھا، پھر سید البشر ﷺ کی سب سے زیادہ چہیتی بیوی سیدہ عائشہ ؓ کی سادہ اور پروقار رخصتی کے عکس دکھائی دیں گے۔ اس کے بعد آپ رمضان المبارک کے فرض روزوں کے آغاز اور اس کی برکات و حسنات کا مطالعہ کریں گے، تحویل قبلہ کا پس منظر اور اس انقلابی واقعے کے اصل محرکات نمایاں ہوں گے، پھر آپ جہاد فی سبیل اللہ کی دائمی اہمیت و عظمت سے روشناس ہوں گے اور آخر میں غزوۂ بدر میں مجاہدین اسلام کے دشمنانِ اسلام پر دھاوا کرنے اور جھپٹنے کے وہ نظارے دیکھیں گے جنھوں نے لشکر باطل پر ہمیشہ کے لیے ہزیمت اور ذلت طاری کر دی۔

دارالسلام
DARUSSALAM
دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
9786035001755